حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
ملفوظات
حکیم الامت
ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

جلد 19

حسن العزیز جلد سوم

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مجالس اور اسفار، نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام، اولیاء عظام کے تذکروں، عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات، دینِ برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شرابِ عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی و نقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے اور جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

جمع فرمودہ حکیم مولوی محمد یوسف بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
اشرفیہ منزل۔ نزد لکی آرٹس، چوک فوارہ ملتان۔

نام کتاب............ملفوظات حکیم الامت جلد-19
تاریخ اشاعت.................... صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
ناشر.... اِدارہ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ ملتان
طباعت.................سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
ادارہ اسلامیات انار کلی، لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بک لینڈ اردو بازار لاہور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

بتوفیقہ تعالیٰ کچھ عرصہ سے ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کو اپنے اکابرین کی خصوصی دعاؤں اور توجہ سے حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابرین کی تالیفات وتصنیفات کی طباعت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

قارئین کرام سے دعاؤں کی التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت نصیب فرما کر ہماری اس حقیر سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین!

مزید گذارش ہے کہ آج کل کمپیوٹر کتابت کا دور ہے اور اس میں بار بار تصحیح کے باوجود اغلاط پھر بھی رہ جاتی ہیں اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ دوران مطالعہ جہاں اغلاط سامنے آئیں زحمت فرما کر نوٹ فرما لیں اور بوقت فرصت اغلاط نامہ بھجوادیں۔ یہ آپ کا ادارہ کے ساتھ خصوصی تعاون ہوگا۔ فجزاک اللہ خیرا

طالب دعا احقر محمد اسحاق ملتانی

اظہارِ مسرّت وتحسین

از حضرت اقدس مرشدی ومربی مولانا الحاج محمد شریف صاحب دامت برکاتہم
خلیفۂ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رح سے صرف نسبت ہی نہیں محبت کاملہ ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالے ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور اُن کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔

دعا گو

احقر محمد شریف عفی عنہ

گرامی نامہ

حضرت اقدس الحاج مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب عارفی دامت برکاتہم
خلیفہ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

۱۷ / رمضان المبارک

مستفتی و مکرمی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ
آپ کی گرانقدر ہدیہ تالیف
برائے ملفوظات شریف موصول ہوا۔ آپ
کے دل سے دعا نکلی ہے ماشاء اللہ
بڑی نیک توفیق حاصل ہے [illegible] دین کی
اچھی خدمت کر رہے ہو جس کی دور حاضر
میں سخت ضرورت ہے۔ حضرت کی تالیفات
کی اشاعت خصوصاً مواعظ و ملفوظات
کی جس قدر بھی اشاعت کی جائے قدر [illegible]
میں دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو
بہت ہی مشکور فرماویں اور ذریعۂ نجات
[illegible] نیاز مند [illegible] محمد عبد الحئی

فہرست مضامین ﴿حسن العزیز﴾ جلد نمبر ۳

اس جلد میں ملفوظات وواقعات کافی ہیں لیکن ان پر عنوان نہیں، اسلئے جو عنوانات بنے ہوئے ہیں یہ انہی کی فہرست ہے۔

جلوۂ یوسف

جس کو

حکیم مولوی محمد یوسف صاحب بجنوری نے جمع کیا ہے اور جو کہ حسن العزیز کا ایک جزو ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ قبل مقصود تنبیہ مناسب عرض کرتا ہوں۔

(۱) جس جگہ ملفوظات میں لفظ واقعہ لکھ کر لفظ ارشاد لکھا ہے وہاں یہ صورت ہوئی کہ کوئی بات پیش آئی اور اس پر حضرت نے کچھ فرمایا۔ اس پیش آنے والی بات کو لفظ واقعہ سے تعبیر کیا ہے اور حضرت کے ارشاد فرمانے کو لفظ ارشاد سے۔ اور جس جگہ صرف لفظ ارشاد لکھا اور اس سے پہلے لفظ واقعہ نہیں لکھا۔

اس کی صورت یہ ہوئی ہے کہ کوئی بات پیش نہیں آئی۔ بلکہ حضرت نے خود کسی بات کی اپنی طرف سے ابتدا فرمائی ہے وہاں صرف لفظ ارشاد لکھا ہے۔

(۲) ماہ ذی قعدہ کے اکثر ملفوظات مختصر نویسی کے طریقے سے لکھے ہیں۔ اور اکثر ملفوظات کے ختم پر لفظ مختصر نویسی اسی لئے لکھا دیا گیا ہے۔

ملفوظات ۱۲ جمادی الثانی ۳۶ھ

واقعہ: ایک شخص نے پوچھا کہ ایک صاحب امام مسجد ہیں اور مولوی بھی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ جیسے لوگوں میں جاتے ہیں ویسے ہی بن جاتے ہیں۔ جہاں فاتحہ کا موقعہ ہوتا ہے وہاں فاتحہ میں شریک ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا جیسی لوگوں کی حالت دیکھتے ہیں ویسے ہی خود بھی ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جیسا دیس ویسا بھیس ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

ارشاد: حضرت نے فرمایا کہ کافر تو ہیں نہیں جیسا سائل کے تشدد سے اس کی درخواست معلوم ہوتی ہے۔ ہاں دنیا دار ہیں۔ ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اور آج کل تو اکثر کا یہی حال ہے اور امام کون سے محتاط ہیں۔

واقعہ: ایک صاحب حضرت کی خدمت میں آئے حضرت نے ان کا پتہ نشان اور آنے کی غرض دریافت کی۔ انہوں نے کچھ ایسا مبہم کلام بولا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

ارشاد: فرمایا کہ جب آدمی کہیں جائے اور اس سے کسی کو واقفیت نہ ہو تو اس کو اپنا پورا پتہ نشان خود بتا دینا چاہئے تا کہ دوسرے کو خلجان نہ رہے اور فرمایا کہ انگریزوں میں اچھا دستور ہے کہ ان کے یہاں مختصر پتہ نشان کے کارڈ چھپے ہوتے ہیں جس کو دیکھ کر اجمالی حالت جانے والے کو معلوم ہو جاتی ہے اس کے بعد جانے والے کے حسب حال جیسا کہ معاملہ مناسب ہو کیا جاتا ہے۔

گم ہوئی چیز کا مسئلہ

واقعہ: ایک صاحب ایک ٹکٹ لائے اور عرض کیا کہ جو ردی خطوط مجھ کو تلف کرنے کے لئے دیئے ہیں ایک لفافہ میں سے یہ ٹکٹ نکلا ہے کمترین نے عرض کیا کہ ایسے ٹکٹوں کا کیا حکم ہے۔

ارشاد: فرمایا کہ یہ لقطہ ہے اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جب مالک کا پتہ چلنا متعذر ہو تو کسی کار خیر میں دے دیا جائے چنانچہ میں مدرسہ میں دے دیتا ہوں۔

واقعہ: ایک خط میں یہ لکھا تھا کہ ایک ڈپٹی کلکٹر یہاں ہیں انہوں نے خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر آپ سے چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ نواب...... کی مجلس میں ایک بالا خانہ پر موجود ہیں وہاں ایک بزرگ ہیں۔ انہوں نے ڈپٹی صاحب سے کہا کہ میں تم سے اپنی لڑکی کا عقد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ نکاح خواں بلائے گئے۔ لڑکی کا نام مثنوی مولانا روم فرمایا۔ اور وہ بزرگ خود مولانا رومؒ تھے۔

ارشاد: خواب نہایت مبارک ہے۔ مضمون کو وہ محاورہ میں بنت فکر کہتے ہیں۔ پس لڑکی سے مراد یہی مضمون ہے اس معنٰی کو مثنوی شریف کو مولانا کی لڑکی کہا گیا۔ تعبیر اس کی یہ ہے کہ صاحب خواب کو مثنوی مولانا رومی سے مناسبت اور اس سے فیض ہوگا۔ کیا ڈپٹی صاحب کو کچھ ذوق تصوف کا ہے۔ اگر مفصل جواب دیں تو میں مفصل مشورہ دوں (پھر خط آیا تھا کہ واقعہ ڈپٹی صاحب کو تصوف سے ذوق ہے)۔

واقعہ: ایک صاحب مخصوصین میں سے بیمار تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ علاج نہیں کیا کرتے۔ خیر اب تو کہنے سننے سے کچھ کرنے بھی لگے ہیں۔ مگر ہمارا مسلک یہ ہے۔

ارشاد: ع ''کسب کن پس تکیہ بر جبار کن''۔ تدبیر کرو مگر اس کو موثر نہ سمجھو، خدا پر بھروسہ رکھو۔ دواؤں میں خواص ضرور ہیں اور وہ خواص خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ دیکھو جب کھانا کھاتے ہیں۔ یہی سمجھتے ہیں کہ کھانے سے پیٹ بھرا۔ پانی پیتے وقت کیا خیال نہیں ہوتا کہ پانی

سے سیرابی ہوئی ایسے ہی اور اسباب کو سمجھئے۔ صرف یہ عقیدہ رکھنا کہ اسباب موثر بالذات نہیں بلکہ خدا کے پیدا کر دینے سے اس میں اثر ہوا ہے۔ اس کا کوئی حرج نہیں۔ اور مسلمانوں میں سے ہر ادنیٰ اعلیٰ کا یہی عقیدہ ہے بخلاف حکمائے یونان اور اہلِ سائنس کے کہ ان کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور شرک تک پہنچتا ہے۔ وہ اس کے قائل ہیں کہ خدا نے جو قانون بنادیا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتے جیسے گھڑی کو کوک دیا کہ وہ کوک کنے پر ایک ہی طرز سے چلی جاتی ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

مثلاً سردی کے دفع کا سبب لحاف وغیرہ ہے۔ اہل سائنس کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ بس سردی اسی سے جائے گی۔ اہلِ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ذریعہ سردی دور ہونے کا ضرور ہے۔ مگر خدا تعالیٰ دوسرے طریقہ سے بھی دفع کر سکتے ہیں۔ اور لحاف وغیرہ موثر بالذات نہیں کہ بلا اس کے سردی دفع ہی نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ یوں اعتقاد رکھنا کہ چیزوں میں آثار خدائے تعالیٰ کے رکھے ہوئے ہیں اور کوئی چیز موثر بالذات نہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور مسببات کو اسباب پر مرتبہ ماننے کی عمدہ دلیل یہ آیت ہے۔ **وهو الذی انزل من السماء ماءً فاخرجنا به نبات كل شیٔ۔** دیکھئے اس آیت میں نسبت تسبب کی بارش کی طرف فرمائی ہے کہ بسبب اس کے ہم نے ہر چیز کو نکالا۔

سونے چاندی کا بٹن لگانے کا مسئلہ

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سونے اور چاندی کے بٹن لگانا کیسا ہے اور ان میں زنجیریں ڈالنا کیسا؟

ارشاد: ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس میں حرج نہیں ہے فقہاء کی یہ عبارت ہے۔ **لا باس بازرار والذهب لانه تابع** ۔ تو زر میں بٹن کو داخل کرتے ہیں مگر قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ نے ناجائز بیان کیا ہے ان کا بیان یہ ہے کہ زر کے معنی گھنڈی کے ہیں جس سے مراد وہ گھنڈی ہے جس پر کلابتون لپٹا ہوتا ہے بٹن مراد نہیں اسی واسطے میں دونوں قول نقل کر دیتا ہوں۔ اور قاری صاحب کی بات ہے دل کو لگتی ہوئی۔ کیونکہ تبعیت کی شان گھنڈی میں زیادہ ہے بٹن میں نہیں۔ اس لئے احتیاط قاری صاحب کے مسلک میں ہے۔ زنجیروں میں تو تبعیت کی شان ہی نہیں وہ کیسے جائز ہوں گی۔ ہاں ان کو تابع کا تابع کہہ سکتے ہیں جس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

واقعہ: ایک صاحب حضرت کی خدمت میں ایک کاغذ لے کر آئے جس میں لکھا تھا کہ میں فلاں گاؤں میں عیدگاہ تعمیر کرا رہا ہوں۔ اس کے متعلق چندہ لوگوں سے چاہتا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تصدیق فرمادیں گے تو آپ کے تصدیق فرمانے پر لوگ چندہ دیں گے۔

چنانچہ وہ شخص اور چند علماء سے اس کاغذ پر دستخط بھی کرا کر لائے تھے۔ حضرت نے دستخط کرنے سے انکار فرمایا۔ اور ان سے اس کے متعلق مسئلہ بھی بیان فرما دیا۔ اور چند حکایات بزرگانِ وفقہاء پیشین کی اس کے متعلق بیان فرمائی۔ مگر یہ بات ان کے خیال میں نہ آئی دوسرے روز پھر وہ کاغذ لے کر آئے اور ایک ایسے شخص کو ہمراہ لائے جو حضرت والا سے خاص تعلق رکھتے تھے مقصود یہ ہوگا۔ کہ ان کے دباؤ سے دستخط فرمادیں گے۔ اور وہ کاغذ پیش کیا۔

ارشاد: فرمایا کہ کل میں نے اس قدر سمجھایا تھا کچھ خیال میں نہ آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سمجھنے کا قصد ہی نہیں مکرر کہتا ہوں کہ جب تک میں اس موقعہ کو آنکھ سے نہ دیکھ لوں دستخط کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تو شہادت ہے اور شہادت بدون خود دیکھے جائز نہیں۔ مسئلہ کے خلاف دستخط کیسے کروں۔ یہ مسئلہ نہیں ہے کہ دوسرے کے دستخطوں پر دستخط کر دیئے جائیں۔

باقی بعض حضرات کا دستخط کر دینا تو انہوں نے واقعہ کو دیکھ لیا ہوگا۔ اور اگر بلا دیکھے دستخط کر دیئے تو وہ جانیں مجھ کو اس سے کیا۔ دستخطوں پر اصرار کیوں ہے۔ خدا کے لئے کام کرو۔ دوسرے پر جبر کس لے کرتے ہو۔ پھر ان کے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اس پر لوگ مجھ کو بداخلاق کہتے ہیں۔ خلیق کے معنی آج کل یہ ہیں کہ سب کی ہاں میں ہاں ملائے بس وہ خوش اخلاق ہے۔ اب حافظ جی کو یہ شخص اپنے ساتھ لائے ہیں کہ دباؤ پڑے گا۔ جب مرضی معلوم ہوگئی تو دباؤ ڈالنے کے کیا معنی۔ پھر فرمایا کہ خدا جانے جس گاؤں میں عیدگاہ کی بابتہ اس شخص کا ارادہ ہے اس میں عید اور جمعہ بھی جائز ہے یا نہیں۔ اکثر دیہات کی ایسی ہی حالت ہے۔

فائدہ: جو حافظ صاحب ساتھ تھے انہوں نے اپنی براءت ظاہر کر دی کہنے لگے کہ میں نے تو ان کو خوب اچھی طرح کل سمجھا دیا تھا مگر ان کا نہ معلوم کیا خیال ہے۔

سونے کے قلم سے لکھائی

واقعہ: ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت جس قلم میں روشنائی بھر کر لکھا جاتا ہے اس میں جو نب ہوتا ہے اس میں مختلف دھاتیں ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے سونے کا جزو بھی ہے۔ مگر معلوم ہوا

ہے کہ صرف اٹھارہواں حصہ سونے کا ہوتا ہے اس قلم سے لکھنا جائز نہیں ، ہے یا ہے۔

ارشاد: مغلوب ہونے کا اعتبار ہے چونکہ آپ کے بیان پر سونا مغلوب ہے جائز ہے۔

واقعہ: جنگ اور غدر پڑنے کا ذکر ہور ہا تھا حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: امن کی دعا مانگنی چاہئے فتنہ سے دل پریشان ہوتا ہے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ دنیا کا نقصان تو ظاہر ہے۔ دین کا نقصان دیکھئے کہ بعض مقامات پر جب بدامنی ہوگئی تو ہزاروں مسلمان عیسائی ہو گئے۔ حدیث میں ہے۔ سلوا اللہ العافیہ لڑائی کی تمنا مت کرو۔ عافیت مانگو لڑائی ہو جائے تو دوسری بات ہے اس کی آرزو نہ کرنی چاہئے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا کرے غدر پڑے کتنی بڑی حماقت ہے۔ ایسی صورت میں مستورات کی آبرو خراب ہوتی ہے بعض اپنی عصمت بچانے کے لئے کوئے میں گر پڑتی ہیں فتنہ ایسی چیز ہے اس سے عافیت ہی مانگنی چاہئے۔

واقعہ: مولوی حبیب احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض مضامین بعض وقت ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔

ارشاد: فرمایا یہ تو ہوتا ہی ہے مجھ کو بھی اتفاق ہوتا ہے کہ رات کو مضامین آتے ہیں جب صبح کو لکھنے بیٹھتا ہوں تو سہو ہو جاتا ہے۔

اس لئے مناسب ہے کہ پنسل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اس کا اشارہ لکھ لیا جائے پھر دوسرے وقت میں انہیں ترتیب دے لی جائے۔ چنانچہ میری جیب میں پنسل اور کاغذ پڑا ہے اگر چہ اس کی پابندی پوری اب نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ پہلی سی امنگ نہیں رہی۔

واقعہ: دو صاحب بغرض اصلاح حضرت کی خدمت میں مقیم تھے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ قصد السبیل میں جو یہ لکھا ہے کہ جو صاحب ذاکرین میں سے ہوں وہ شیخ کی خدمت میں رہیں۔ اور اگر تفریح کے لئے جائیں جیسا کہ بعد عصر انسان چلا جاتا ہے تو شیخ سے اجازت لے کر جائیں۔ ان دونوں صاحبوں نے اس کی بابت دریافت کیا کہ ہم جائیں یا نہیں، قصد السبیل تو ایسا نہیں لکھا ہے۔

ارشاد: قواعد میں بعض مستثنیات بھی ہوتے ہیں اور حالات کے اعتبار سے استثناء کیا جاتا ہے۔ جیسے طبیب کے نسخہ میں اختلاف حالات سے تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ ہر کام کا اعتدال سے کرنا

مناسب ہے۔ یہ قاعدہ ان کے لئے ہے جو سیر سپاٹے کے شائق ہیں اور آزاد طبیعت ہیں باقی جن پر اعتماد ہے ان کے لئے حرج نہیں۔ آپ شوق سے تفریح کے لئے جایا کیجئے۔

واقعہ: ایک صاحب حضرت کے معتقدین میں سے غالباً اسی روز خدمت میں آئے تھے حضرت کے قریب بیٹھے ہوئے تھے حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ کچھ کہتے ہیں انہوں نے کہا ہاں پھر اجازت ملنے پر کہا کہ میری حالت ایک ماہ سے یہ ہے کہ مجھے کو کھڑے کھڑے نماز ہو یا غیر نماز ضعف ہو جاتا ہے چکر آجاتا ہے اور اس حالت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت میرے پاس کھڑے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔

ارشاد: میرے نزدیک آپ کے دماغ میں خشکی اور ضعف معلوم ہوتا ہے اور اس حقیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان کو دکھایئے۔ چنانچہ اس ناچیز نے اگلے روز صبح کو ان کی نبض دیکھی تو یہ سمجھ میں آیا کہ ان کو معدہ سے تبخیر ہوتی ہے اور پیٹ میں سختی بھی تھی کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا ایک وقت کھاتے تھے اور انہوں نے جلاب لیا تھا۔ اس میں دست نہ ہوئے تھے۔ اس ناچیز نے حضرت سے عرض کیا کہ ان کے معدہ کی حالت ٹھیک نہیں اسی وجہ سے دماغ تک اثر ہے اور جب معدہ میں خرابی ہوتی ہے تو اور اعضا کے افعال بھی درست نہیں ہوتے۔

حضرت نے فرمایا حدیث میں بھی تو ہے کہ معدہ حوضِ بدن ہے اور عروق مثل نہروں کے ہیں جیسا حوض میں پانی ہوتا ہے ویسا ہی نہروں میں پہنچتا ہے اسی طرح جیسی حالت معدہ کی ہوتی ہے اور اعضاء کی بھی ہوتی ہے پھر فرمایا کہ دیکھئے حدیث میں تشریح کی کیسی تعلیم ہے۔ اور ہے مختصر الفاظ میں اس کے بعد اس ناچیز نے ان صاحب کو علاج بتلایا۔

واقعہ: ایک صاحب کا خط آیا جو لفافہ جواب کے لئے بھیجا تھا اس پر ان صاحب کا پتہ ٹائپ سے چھپا ہوا تھا اس پر فرمایا:

ارشاد: خواہ مخواہ لوگ ٹائپ سے چھاپ کر بھیجتے ہیں صرف شان دکھانے کو یہ مدنظر ہے کہ بڑے آدمی سمجھے جائیں۔

واقعہ: ایک صاحب تشریف لائے حضرت نے ''نیاز'' اپنے ملازم سے فرمایا کہ گھر کھانے کیلئے اطلاع کر آؤ۔ وہ صاحب بولے کہ میں شب کو کھانا نہیں کھاتا ہوں صرف ایک وقت دن کو کھاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ضعف نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت نہیں اور مجھے کو تو اس حالت میں گیارہ سال ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بھی تو صورت تھی۔ کہ دن کو ناغہ کیا

جائے اور رات کو کھایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت صورت یہ بھی تھی مگر میں نے بعض مصالح سے اسی کو اختیار کر رکھا ہے اور شیخ بوعلی سینا نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔

ارشاد: شیخ کا قول بلا تحقیق نہیں ہوگا مگر حدیث کی ایک روایت ہے غالباً ابن ماجہ میں ہے۔ اگر چہ بعض روایات اس کی ایسی ہی ہیں **لا تترک العشاء فان ترک العشا مھرمۃ** مگر یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ حدیث کو مقید کریں بعض امزجہ کے ساتھ یعنی اہل عرب کے ساتھ مخصوص کہا جائے اور یہ امر بطور مشورہ کے ہے بطور حکم نہیں۔ پھر فرمایا کہ بعض حضرات ایسے قوی یقین والے ہوتے ہیں کہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ خواہ دوسرے اہل فن اس میں تاویل کرتے ہوں۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب الہ آباد میں تھے ان کو بخار آیا علاج کیا مگر اس سے نفع نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اطباء یونانی کا ظاہری علاج تو کیا اب طبیب روحانی کا بتلایا ہوا علاج کروں گا۔ وہ یہ کہ حدیث میں بخار کا علاج نہر میں خاص طریقہ سے غسل کرنا آیا ہے۔ اگر چہ اطباء نے اس کو مقید کیا ہے غیر مادی کے ساتھ مگر انہوں نے بہ ترکیب مذکورہ حدیث، غسل کیا وہ کہتے تھے کہ اس کے بعد مجھ کو اتنے برس بخار ہی نہیں آیا۔ لوگوں نے کہا بھی کہ آپ طب کے خلاف کرتے ہیں مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور غسل ہی کیا حالانکہ خود بھی طبیب تھے۔ باقی رہا اطباء کا تاویل کرنا سو یہ کوئی ملامت کی بات نہیں۔ تطبیق کی بہت سی صورتیں ہیں اجتہاد میں گنجائش ہے انہوں نے حدیث کی تاویل اسی طرح سے کی ہے دوسروں اور طریقہ سے کی ہے۔ کسی پر ملامت نہیں اور نفع بھی کامل الیقین ہی کو ہوتا ہے اور جو ایسا نہ ہو اس کے حق میں تاویل ہی مناسب ہے، اسی طرح حدیث میں جو آیا ہے کہ **لا عدویٰ** کہ مرض متعدی نہیں اس میں بھی اسلم طریقہ یہی ہے کہ اس کو مأول کہا جائے ضعفاء کے حق میں یہی مناسب ہے، ورنہ اگر ایسی صورت ہو کہ گھر میں یا محلہ میں کسی کو کوئی مرض وبائی لاحق ہو۔ جیسے طاعون اور پھر دوسروں کو بھی ہو جائے جیسا کہ ہوا بھی ہے تو اس وقت ظاہر حدیث پر اعتقاد رکھنا بڑا ہی مشکل ہے اور سوائے قوی القلب کے دوسرے کا کام نہیں۔

عوام تو حدیث میں شبہ کرنے لگتے ہیں اور اہل ادب اپنے اندر نقص سمجھتے ہیں چنانچہ بزرگانِ پیشین نے حدیث کے ادب کو ایسا ملحوظ رکھا ہے کہ خواجہ حضرت بہاؤ الدین نقشبندیؒ کا قصہ ہے کہ آپ نے ایک روز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز جو کی روٹی تناول فرماتے تھے اور وہ بھی اسی طرح کہ غلہ کو پیس لیا اور پھونک سے بھوسی اڑا دی کوئی باقاعدہ آٹا چھاننے کا التزام نہ

تھا۔اور ہم لوگ تنعم میں ہیں اب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا کرو۔

چنانچہ جو کے آٹے کی روٹی بغیر چھانے پکائی گئی۔اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا۔اور سب نے شکایت کی۔مگر دیکھئے کیا ادب تھا سنت کا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کیا۔بلکہ یوں فرمایا کہ ہم نے بے ادبی کی کہ مساوات چاہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عزیمت پر عمل کرنا ہمارا منصب نہیں ہم رخصت ہی کے لائق ہیں۔ادب بھی عجیب چیز ہے۔اسی ادب پر ایک قصہ حاجی صاحب کا یاد آیا۔ایک شخص آپ کے حضور میں آئے اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر بتلایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضۂ مبارک کی دیواروں کی بھی زیارت ہم کو نصیب ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں۔

واقعہ: حضرت کے پاس بذریعہ خط اطلاع آئی کہ مولوی عبدالجبار صاحب کا انتقال ہو گیا۔حاضرین کو بھی حضرت نے اس واقعہ کی اطلاع دی اس کے بعد فرمایا:

ارشاد: مولوی عبدالجبار صاحب دیندار عاقل تھے اور جو آدمی دیندار بھی اور عاقل بھی ہو اس سے بڑا جی خوش ہوتا ہے۔

واقعہ: ایک صاحب تشریف لائے حضرت نے ہم نشین میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ آپ ذرا اس طرف سرک جایئے ان کو بیٹھ جانے دیجئے وہ صاحب تو ہٹے مگر ایک صاحب اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر بیٹھ گئے۔

ارشاد: میں نے آپ سے تو نہیں کہا تھا کہ آپ بھی ہٹ جایئے میں نے ان سے کہا تھا آپ کیوں ہٹے آخر کوئی مصلحت تو تھی جو آپ سے نہیں کہا تھا اس کا خیال رکھا کیجئے آپ اپنی ہی جگہ بیٹھئے۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کھیتی میں سے جو عشر نکالنا چاہئے وہ نائی بڈھی وغیرہ کو دینے کے بعد نکالیں یا پہلے نکال کر پھر ان کو دیں۔

ارشاد: پہلے عشر نکال کر پھر ان کو دیں۔البتہ جو زراعت میں شریک ہیں ان کو ان کا حصہ دے کر پھر عشر نکالئے اور وہ لوگ اپنے حصہ میں سے نکالیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے ایک قصائی سے بیل خریدا۔اور وہ کہیں سے چرا کر لایا تھا۔اور ان صاحب کو خبر نہ تھی۔وہ بیل ان کے یہاں سے پکڑا گیا اور مقدمہ اس کا مجسٹریٹ کے یہاں گیا

یہ صاحب بہت گھبرا رہے تھے اس کے متعلق حضرت سے دعا چاہی اور یہ کہ کوئی تعویذ مرحمت فرمایئے۔ چنانچہ تعویذ مرحمت فرمایا۔

ارشاد: یا حفیظ کی کثرت رکھیں۔ میں تعویذ لکھے دیتا ہوں۔ جب حاکم کے سامنے جائیں تو اپنے پاس رکھیں۔

زمین میں بٹائی کا مسئلہ

واقعہ: ایک صاحب نے پوچھا کہ ایک زمین تھی۔ میں نے اور ایک دوسرے شخص نے شرکت میں کھیتی کی اس طرح کہ نصف زمین میں تو میں نے بیج ڈالا۔ اور نصف میں اس نے۔ میرا بیج تو جما اس کا نہیں جما۔ پھر اس نے دوبارہ بیج ڈالا۔ وہ جما اور غلہ پیدا ہوا۔ اب مجھ کو اس دوسرے بیج کی نصف قیمت دینی ہوگی یا نہیں۔

ارشاد: اگر آپ نے شرکت کی ہے اس میں تو بیج کی نصف قیمت آپ کو دینی ہوگی اور اگر آپ یوں کہہ دیں کہ تو اپنا کاٹ لے اور میں اپنا کاٹ لوں تو نہ دینی ہوگی۔

واقعہ: ایک صاحب تھانہ بھون کی ایک مسجد میں امام تھے وہ حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے یہاں مہمان اس قدر آئے تھے کہ ان کی حد وسعت سے ان کی مہمانداری باہر تھی غالباً اس میں وہ امام صاحب کچھ مقروض بھی ہو گئے تھے۔ اور حضرت کو مہمانوں کا آنا معلوم تھا۔ اس پر فرمایا:

ارشاد: اول تو تمہارے مہمانوں کو چاہئے کہ بازار سے کھائیں تم کو ان کے جمع کرنے کا اہتمام نہ چاہئے۔ اور اگر کوئی اتفاقی ہو بھی تو جو چیز موجود ہو وہ کھلا دینا چاہئے، کچھ نہ ہو تو اپنے ہی کھانے میں شریک کرلو یہ بکھیڑا ہے کہ قرض لیتے پھرو۔ اہتمام کرتے پھرو۔ اگر آمدنی میں سے تمہارے پاس کچھ بچ جائے تو اس کا اپنے پاس رکھنا مناسب ہے، تاکہ ضرورت کے وقت تمہارے کام آئے جب یہ صورت اختیار کرو گے تو مہمان بھی آنے موقوف ہو جائیں گے۔ آزاد درویشوں کی وضع تو یہی ہے کہ اگر کوئی مہمان آجائے تو بس اپنے ہی کھانے میں شریک کر لیتے ہیں کہ آؤ ایک ایک لقمہ کھالو۔ لوگوں کے مال پر حرص بڑھتی ہے۔ جس اہتمام سے دین پر اثر ہو ایسا اہتمام نہ کرے مولانا کا شعر ہے۔

نان دادن خود سخائے صادق ست ☆ جان دادن خود سخائے عاشق ست

ہاں اگر وقت پر دس کا کھانا آگیا تو کھلا دو ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے۔ کہ ان کے

یہاں ایک بزرگ بڑے کامل آ گئے۔ اس روز حکیم صاحب کے یہاں فاقہ تھا اور ان بزرگ کی کسی نے بھی دعوت نہیں کی اور وجہ اس کی یہ تھی کہ حکیم صاحب اکثر دعوت سے انکار کر دیتے تھے اس لئے لوگ کم دعوت کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے ان بزرگ سے صاف کہدیا کہ میرے ہاں تو آج فاقہ ہے اگر آپ کہیں تو میں کسی کے یہاں دعوت کرادوں۔ مگر مہمان بھی ایسے ہی تھے۔ بولے کہ جب آپ کو فاقہ ہے تو ہم بھی فاقہ سے رہیں گے۔ اسی روز مغرب کے وقت ایک شخص نے گیارہ روپیہ حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ بس فاقہ ٹوٹ گیا پھر مہمان کے بھی مناسب حال بندوبست فرمایا بزرگوں کا تو یہ طریقہ ہے۔

واقعہ: حضرت جب ڈاک کے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔

ارشاد: وقت پر کام کرنے سے ذرا اہتمام تو کرنا پڑتا ہے مگر کام کر کے بے فکری ہو جاتی ہے۔ اگر تساہل سے کام لیا جائے تو بعد میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ میں نے یہ اس لئے کہا کہ اور لوگ بھی پابندی کریں۔

واقعہ: ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا تھا کہ جو شغل مجھ کو تعلیم فرما رکھا ہے وہ پچھلے پہر نہیں ہوتا۔ اور یہ شخص بیمار بھی تھے حضرت نے لکھا تھا کہ بعد عشا کر لیا کریں۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ آپ نے بعد عشاء کرنے کو لکھا تو ہے مگر اس کو جی نہیں قبول کرتا حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا۔

ارشاد: یہ اطاعت تو ارادی ہے قہری تو نہیں جی چاہے کرو۔ جی چاہے نہ کرو کوئی جبر تو نہیں ہے جب خود جانتے ہو تو کسی کو متبوع کیوں بناتے ہو۔

یکم شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ ہجری

ارشاد: ہندوستان میں نسب ناموں کا بھی عجیب قصہ ہے نہیں معلوم لوگوں نے کہاں سے اخذ کر لئے ہیں کوئی اپنے کو عباسی کوئی فاروقی کوئی صدیقی بتاتا ہے اور نسب ناموں کی جس قدر تحقیق کیجئے اسی قدر اختلاف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اصل بات معلوم ہی نہیں ہوتی۔ میں نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ کیا ہندوستان میں بھی لوگ (صدیقی وغیرہ) چھانٹ چھانٹ کر بھیجے گئے تھے۔ اوروں کی نسلیں کہاں گئیں شبہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے گڑ بڑ کر کے اپنے کو بڑوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ اگر یہ نسبت نہ کی جائے تو کفو کا لحاظ کیسے ہوگا) فرمایا کہ عرفی

وجاہت وموجودہ حالت پرنظر کر کے لحاظ ہوگا۔ گذشتہ انساب کی تحقیق پر مدار نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ ہم کو قرآن شریف نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونا بتلایا ہے۔ اس لئے یہ جزو یقینی ہے ورنہ نسب ناموں کے اختلاف پرنظر کر کے اس میں بھی شبہ ہی رہتا ہے۔

چنانچہ غریب ڈارون نے تو انسانوں کا پہلے بندر ہونا ہی بتلا دیا ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ وہ خود ایسا ہی ہوگا ہر شخص کو اپنے گھر کی زیادہ خبر تھی۔ چنانچہ مولوی لطف اللہ صاحب لکھنوی اور ایک اہل باطل سے میت کی نجاست وعدم نجاست میں بحث ہوئی۔ اس مذہب میں مردہ خنزیر کے درجہ میں ناپاک ہے بحث تو بہت رہی۔ مگر آخر میں مولوی لطف اللہ صاحب نے بطور لطیفہ یہ کہا کہ ہماری سمجھ میں آگیا وہ یہ کہ تمہارے مردے ایسے ہی ہیں اور ہمارے مردے ایسے ہیں یعنی ہمارے مردے پاک اور تمہارے ناپاک۔ ہمیں اپنے گھر کا حال معلوم ہے تمہیں اپنے گھر کا۔

ارشاد: حضرت نے فرمایا کہ بعض اوقات سائل کے سوال کرنے پر جو اس سے بجائے جواب دینے کے سوال کیا جاتا ہے اسی سے اس کے شبہات کا جواب ہو جاتا ہے اور یہ بات بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ سائل کے سوال کا تو جواب دینا چاہئے نہ کہ اس کے سوال پر الٹا اس سے ہی سوال کر لیا جائے چنانچہ ایک صاحب نے حدیث نفس کی شکایت لکھی تھی۔ میں نے اس پر یہ سوال کیا تھا کہ وہ حدیث نفس اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اور ہیں وہ شخص صاحب علم آج ان کا جواب آیا ہے کہ آپ کے اس سوال ہی سے سب شبہات رفع ہو گئے اگر ان کا جواب آتا کہ اختیاری ہے تو میں لکھتا کہ مت لاؤ اور اگر لکھتے کہ غیر اختیاری میں تو لکھ دیتا کہ اس پر کچھ گرفت نہیں پھر کیوں خیال کیا جائے۔ مگر انہوں نے تو لکھا کہ سوال سے شبہات رفع ہو گئے اور ایسے موقعہ پر میری غرض سوال کرنے سے جرح قدح نہیں ہوتی بلکہ جواب ہی دینا منظور ہوتا ہے۔

ارشاد: آج کل تو تعلیم یافتوں کا مذاق یہ ہے کہ احکام شرعی کی علت اور حکمت سے سوال بہت کرتے ہیں۔ چنانچہ مجھ سے بذریعہ خط ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے کہا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے۔ ایک صاحب کو میں نے جواب دیا تھا کہ خدا کے احکام میں تو کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ آپ یہ بتلایئے کہ آپ کے سوال عن الحکمت کرنے میں کیا حکمت ہے ان سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ لوگ ایسے جواب پر اعتراض کرتے ہیں کہ ڈھیلا سا مارتے ہیں۔ چنانچہ وہ پہلے شخص مجھ سے ملے تو شکایت کرنے لگے یہ لوگ اپنے کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عقل کل نہیں بلکہ عقل گل ہیں یعنی ان کی عقل

بالکل گل ہوگئی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ ان سے گفتگو میں مزہ آتا ہے کیونکہ یہ سمجھ میں آنے سے مان لیتے ہیں۔ معقولیوں کی طرح نہیں کہ اپنی بات پر اڑے رہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ایک مولوی صاحب کا لقب اڑیل ٹٹو رکھا تھا جمود و اصرار بھی بری چیز ہے آج کل اس کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں عزت نہیں بلکہ سب ذلیل ہوتے ہیں کیونکہ غلطی تو سب کو معلوم ہو ہی جاتی ہے بلکہ غلطی کا اقرار کرنے میں عزت ہے ایسے شخص کی نسبت لوگ بطور مدح کہا کرتے ہیں کہ یہ غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں بخلاف اڑ کرنے والوں کے کہ لوگوں کی نظر میں ذلت ہوتی ہے اور وہ اس غرض سے اڑ کرتے ہیں کہ غلطی کا اقرار کر لینے پر لوگ ان کو حقیر سمجھیں گے۔

واقعہ: نیاز ملازم حضرت والا کی خدمت میں آیا حضرت نے اس کو پانی پڑھ کر اور تعویذ کسی کے واسطے دیا۔ نیاز کو ایک اور شخص کے واسطے بھی تعویذ کی ضرورت تھی اس نے کہا کہ تعویذ دیدو مگر کھول کر نہ کہا کہ مجھ کو اور تعویذ اس کے علاوہ درکار ہے۔ حضرت سمجھے کہ جس کے واسطے میں تعویذ دے چکا ہوں پھر طلب کرتا ہے اور اس نے کہا بھی تھا اسی طرح کہ جس سے یہی سمجھ میں آسکتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ تعویذ تو تم کو ابھی دیا ہے پھر کیسا تعویذ مانگتے ہو اس نے کہا میں اور تعویذ مانگتا ہوں اس پر فرمایا:

ارشاد: تم نے کھول کر کیوں نہیں کہا کہ مجھے تعویذ اپنے لئے اور چاہئے کیا مجھ کو علم غیب ہے کہ تم اور تعویذ مانگتے ہو۔ خواہ مخواہ بلا ضرورت دوسرے کو تکلیف دینا یہ کون سا طریقہ ہے تمہیں میرے پاس رہتے ہوئے اتنا زمانہ ہوگیا یہ بھی نہیں معلوم کہ کس بات سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور میں خاص اپنے بارہ میں نہیں کہتا بلکہ ناتمام بات سے ہر ایک کو تکلیف ہوتی ہے۔ بات کھول کر کہنا چاہئے اور پوری بات کہے تاکہ دوسرا سمجھ لے۔ مجھ کو ان خرافات سے تکلیف ہوتی ہے انسان کو چاہئے کہ اگر کسی سے کام لینا ہے تو اس حالت میں لے کہ اس کے قلب پر تکدر نہ ہو۔ تکدر پہلے پیدا کر دیا۔ اور پھر تعویذ چاہتے ہو اس صورت میں تعویذ کا اثر خاک بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ تعویذ کے اثر کا زیادہ مدار تعویذ دینے والے کی توجہ پر ہے اگر اس کا قلب پریشان ہو تو اثر نہیں ہوتا (پھر نیاز سے فرمایا کہ جاؤ ایک گھنٹہ میں تعویذ کے لئے آنا)۔

پھر حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ مجھ کو غصہ میں بھی دوسرے کی مصلحت مدنظر ہوتی ہے اس لئے میں نے اس سے ایک گھنٹہ بعد تعویذ دینے کو کہدیا صرف اسی کی مصلحت کی وجہ سے میں نے پرچوں کا قصہ جو کیا ہے کہ لوگ اپنے حالات ایک پرچہ پر لکھ کر مجھ کو دیدیا کریں اور میں اسی

پرچہ میں جواب دے دیتا ہوں صرف انہیں کی مصلحت کے لحاظ سے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ زبانی بات کھل کر کہتے نہیں مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور ان کو ضرر ہوتا ہے ایسے قواعد پر صرف ضرورت مجبور کرتی ہے۔

جب کوئی شخص کسی سے کام لے تو بقدر امکان اس کی اعانت کرے نہ یہ کہ سارا بوجھ اس پر ڈال دے۔ اتنی ہی مدد سہی کہ منہ سے صاف الفاظ تو کہے اور موقعہ کو سمجھے نیاز نے اس وقت ایک فرمائش میں دوسری فرمائش کو ادغام اور منضم کر دیا۔ اپنی حاجت کو دوسرے کی حاجت میں ملا دیا (حاضرین سے فرمایا اصل میں تعویذ اس نے مجھ سے کل مانگا تھا مگر مجھ کو یاد کہاں تک رہے یہ اسی کے بھروسہ رہے کہ میں تو کل کہہ ہی چکا ہوں اس لئے صرف اتنا ہی کہا کہ تعویذ دیدو اور پھر وہ بھی ایسے موقعہ پر کہ ایک تعویذ اس کو ابھی دے چکا ہوں۔

ارشاد: کانپور میں ایک شادی تھی اس میں ناچ کی بھی تجویز ہوئی مگر بعض ثقات نے شرکت سے عذر کر دیا۔ صاحب خانہ نے محض ان کو شریک کرنے کے لئے یہ کیا کہ ایک روز تو مولود شریف کرایا۔ جس میں ثقات آسکیں اور دوسرے روز اسی جگہ بازاری عورت کو نچوایا یہ مولود کی قدر رہ گئی ہے۔ لوگ مانعین کو بے ادب کہتے ہیں اور اس طرح کرنا بڑا ادب ہے۔

ارشاد: لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ چار زانو بیٹھ کر سونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ میں قواعد سے جواب دیا کرتا ہوں کہ نہیں ٹوٹتا مگر کوئی جزئی نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت عالمگیری کو دیکھا تو جزئیہ موجود ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔

واقعہ: ایک صاحب مراد آباد سے تشریف لائے اور عرض کیا کہ جناب کو جلسہ سالانہ شاہی مسجد میں تکلیف دینے کے لئے مجھ کو بھیجا ہے۔ جس موقعہ پر تشریف لے جانا مناسب ہو۔ اس سے مطلع فرما دیجئے تاکہ تاریخ جلسہ اس کی مطابق معین کر دیجائے (حضرت کبھی کبھی اکثر اس جلسہ میں تشریف لے جا کر وعظ فرمایا کرتے تھے) حضرت نے عذر فرمایا جس کے متعلق ملفوظ ذیل ہے۔

ارشاد: میری طبیعت تو بندھ گئی بیان ونا دشوار ہے۔ معترضین نے وہ وہ اعتراض کئے جن سے دل بجھ گیا اور شبہ ہو گیا کہ مجھ میں اہلیت نہیں ہے (یہ وہی اعتراضات تھے قصہ خواب کے متعلق) لوگ ادہر کی کمی سمجھتے ہیں اور میں ادہر کی کمی خیال کرتا ہوں۔ سہارنپور میں بھی شگفتگی سے بیان نہ ہو سکا جب طبیعت میں رکاوٹ ہوتی ہے تو مضمون کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے بیان میں بے لطفی

ہو جاتی ہے۔ سامعین کو تو بے لطفی محسوس ہوتی ہی ہوگی مجھ کو خود محسوس ہوئی۔ اس کی نسبت کیا کیا جائے اور اس کا علاج کیا ہو۔ لوگوں کی کج فہمی کی وجہ سے اب تو یہ قصد کرلیا ہے کہ کچھ لکھوں گا بھی نہیں۔ جب نفع کی جگہ ضرر ہو تو بتلایئے کہ کیا حوصلہ بیان کا باقی رہے مجھ کو یہ شک ہو گیا کہ کہیں بیان پر مواخذہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ میں نے پرانی تالیفات پر نظر ثانی کرنے کا کام بعض احباب کو سپرد کیا ہے کہ وہ میری تالیفات کی غلطیاں اور مسامحات تلاش کریں اس کے بعد میں مشتہر کردوں گا کہ فلاں فلاں موقعہ پر مجھ سے غلطی اور تسامح ہوا ہے مجھ کو معاندین اور اجانب کی بالکل شکایت نہیں موافقین کی طرف سے صدمہ ہے کہ انہوں نے عنوان ایسا اختیاط کیا کہ جس سے سخت صدمہ ہوا۔ میرے مذاق میں وسعت زیادہ احتیاط کی نہ تھی۔ جیسی اب ہوگئی مجھ کو تو اس کا صدمہ ہے کہ میرے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جیسے شرعی جرم میں کیا جاتا ہے۔ میں خواب کے قصہ کو اب تک صواب سمجھتا ہوں۔ اور میں معترضین پر اعتراض نہیں کرتا۔ میں ان سے مزاحمت نہیں کرتا۔ یہ ان کی رائے ہے مگر عنوان اس کا بہت ہی برا ہے مجھ کو تو نہایت رنج ہے کہ معمولی باتوں میں لوگ ایہامات تراشتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اے اللہ جب یہ حالت ہے تو ہم میں اور متشددین فی التکفیر میں کیا فرق باقی رہا۔ وہ وہ ایہامات تراشتے ہیں کہ متکلم کو اس کا خیال تک بھی نہیں ہوا اس لئے آنا جانا بھی بیکار ہے (جو صاحب مراد آباد سے آئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ پھر ان سے بچاؤ کیسے ہو) فرمایا کہ بچاؤ تو ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ میں اپنے زبان و قلم کو روک لوں اور واقعی یہ ہے کہ جب لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں مواخذہ نہ ہو جائے اس حالت میں کیا زبان کھل سکتی ہے اور کیا قلم اٹھ سکتا ہے۔ آخر ایک دن دنیا سے اٹھنا ہوگا تو ان مضامین کا خاتمہ ہو ہی گا۔ ابدالآباد کے لئے تو نہیں ہیں۔ جب ضرر ہوتا ہے تو ابھی سے موقوف کردیا جائے اگر عوام الناس اور اجانب اس معاملہ میں ہوتے تو حرج نہ تھا۔ عوام اور اجانب کا اثر تو قلب پر رائی برابر بھی نہیں۔ نہ ان کی وجہ سے بیانات رو کے جا سکتے ہیں افنضرب عنکم الذکر صفحاً الخ۔ مگر موافقین سے یہ امر پیش آیا رنج تو اس کا ہے۔ جب ضرر ہونے لگے تو کیا کیا جائے آپ ہی بتلایئے البتہ جو حضرات مجبور کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ کرنا پڑتا ہے جیسے سہارنپور میں مولانا نے نہیں مانا۔ حالانکہ میں برابر عذر کرتا رہا۔ اس لئے بادل ناخواستہ بیان کرنا پڑا۔ میرا دل تو نہیں چاہتا اگر کوئی مجبور کرے گا تو بادل ناخواستہ مجبور کرنے سے انکار نہیں۔ مگر بشاشت وانشراح کے ساتھ نہ ہوگا میری تو یہ حالت ہوگئی۔

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی ☆ وزپشیمانی تو جانم سوختی

مقید ہو کر بیان کرنا مشکل ہے۔ عین بیان کے وقت مضامین کی آمد ہو رہی ہے اب اس میں یہ لحاظ رکھنا کہ یہ ابہام نہ ہو جائے نہایت دشوار ہے عوام اور اجانب کی تو کچھ شکایت نہیں شکایت تو موافقین کی ہے اور اسی کا صدمہ ہے مجھے شرم آتی ہے کہ کوئی اعتراض کرے اور میں جواب دوں۔ اس میں خرابی یہ ہے کہ کسی نے اعتراض کیا اور میں نے اس کا جواب دیا پھر وہ اعتراض کرے گا پھر میں جواب دوں گا۔ ایسے ہی سلسلہ چلتا رہے گا اور خرافات میں وقت ضائع ہوگا میری تو یہ عادت کبھی نہیں ہوئی اور پھر یہ کہ لوگ حواشی چڑھاتے ہیں۔ عداوت کا باب کھلتا ہے خانگی معاملات میں اور ذاتیات تک نوبت آتی ہے۔ پہلے لوگوں میں ایسا نہ تھا۔ اب لوگ تفتیش کے در پے ہوتے ہیں جلسے ہو کر تذکرے ہوتے ہیں۔ جو خیر مفضی ایسے امور کی طرف ہو اور وہ خیر واجب ہو نہیں۔ تو اس کو چھوڑنا ہی چاہئے (جو صاحب مراد آباد سے آئے تھے انہوں نے کہا کہ نفع زیادہ تھا۔ ضرر سے اس لئے پہلا ہی طرز اختیار کرنا چاہئے)۔ فرمایا کہ یہ واجب نہیں واجب میں گردن بھی کٹنے کی پرواہ نہیں تھی یہ تو درجہ مستحب میں ہے اور مجھ سے اتنا بوجھ اٹھ نہیں سکتا۔ بیان کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے اس کا علاج کیا ہے اسی واسطے یہ نیت کر لی ہے کہ جو صاحب مجھ کو باہر بلائیں گے تو ان سے یہ شرط کر لوں گا کہ وعظ نہیں کہوں گا۔ البتہ وطن میں وعظ کہوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ باہر کا انسداد نہیں ہو سکتا ہے۔ مختلف لوگوں کے مجامع ہوتے ہیں اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ فہم لوگوں سے جاتا رہا نہیں معلوم کیا سمجھ جائیں بخلاف یہاں کے جو بیان ہوتا ہے وہ ضبط کیا جاتا ہے اس پر اچھی طرح نظر کر لوں گا اور پھر شائع ہوگا اور باہر بھی لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ ہی جائے گا۔ اصل مقصود بند نہ ہوگا۔ وہ برابر جاری رہے گا۔ جب موافق بھی مخالف ہونے لگیں تو کیوں صدمہ نہ ہو۔ میں دوسروں کی زبان نہیں روک سکتا مگر اپنے اوپر تو قدرت ہے۔ البتہ مجبور کرنے پر حاضر ہوں اور وہ بھی اس صورت میں کہ ان کی زبان سے کہلوالوں کہ ہے تو یہی جیسے آپ کہتے ہیں مگر ہم مجبور کرتے ہیں اس حالت میں انکار نہیں مگر لطف کا وعدہ نہیں۔ بلکہ یہ صورت اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی نصائح کی کتاب ہو تو اس کو پڑھ کر سنا دیا جائے کہ کسی کو اعتراض کا موقعہ ہی نہ ملے۔ مولانا قطب الدین صاحبؒ کا بھی یہی طرز تھا کہ کتاب ہاتھ میں لی اور اس کو سناتے چلے گئے۔ یہ بڑا اسلم طریقہ ہے کہ اب یہی کروں گا مگر اس میں لطف نہیں آئے گا۔ عوام کو تو رنگین مضامین اور شور انگیز بیانات میں لطف آتا ہے اس کا تجربہ یہ ہے کہ دو چار ہزار آدمیوں کا مجمع کیجئے اور کتاب

پڑھئے تو لوگ بیٹھ نہیں سکتے اٹھ اٹھ کر چلے جائیں گے۔ جب چاہے تجربہ کر لیجئے اور راز اس بیہودہ شوروغل میں اور ہے کہنے کے قابل تو ہے نہیں مگر کہے دیتا ہوں وہ یہ کہ آج کل اصاغر سے اکابر بھی متاثر ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ اصاغر کی بات کی ایک صورت بنا کر اور اس کو لباس پہنا کر اکابر کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے اور اصاغر کی اس صورت بنانے کی زیادہ وجہ کوئی رنج ہے جو ان کو مجھ سے پہنچا ہے۔ چنانچہ بعض کے رنج کی وجہ یہ ہے کہ میرے اندر ایک قسم کی صفائی ہے اور بعض سے میں خصوصیت کا تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ بوجہ اس کے کہ میری طبیعت ان سے نہیں ملتی اس لئے میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ میری تمہاری طبیعت نہیں ملتی قصداً مجھ سے ملنے بھی مت آؤ۔ اگر ایسے لوگ کہیں راستہ مل جاتے ہیں تو بس السلام علیکم وعلیکم السلام وہ یوں سمجھتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد ممکن نہیں کہ اس کے دل میں ہماری طرف سے رنج نہ ہو۔ اور اس قیاس فاسدہ سے وہ مجھ سے رنج رکھتے ہیں۔ بس اب وہ عیوب چھانٹتے ہیں اور ان کو رنگین کر کے اکابر کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ آپ کو وہ یوں کہتا ہے۔ اب خوشامد کرتے پھرو کہ میری بات کا یہ مطلب نہیں تھا بلکہ یہ مطلب تھا پھر اس کی کوئی حد نہیں غرض سبب اس کا رنجش ذاتی ہے۔ میں نے تو پہلے حضرات کو دیکھا ہے۔ اب میں اپنے اخلاق کو بدل نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے بعض جگہ میرا نفع دنیوی منقطع ہو گیا بعض امراء سے مجھے بہت روپیوں کا نفع ہوتا تھا مگر میری طبیعت ان سے میل نہیں کھاتی تھی میں نے یہ تجویز کیا کہ ان سے یہ علاقہ قطع کیا جائے میں نے لطیف حیلوں سے ہدایا کا سلسلہ قطع کر دیا۔ اب میں کیا اپنی عادت بدلوں۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن ☆ آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

اور ان بیانات کا بند کرنا صورۃً ہے حقیقۃً نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ یہاں وعظ ہوا۔ اور ضبط ہو گیا اس میں نظر کر کے صحیح کر دیا گیا اور طبع ہو کر سب جگہ پہنچ گیا۔ دھلا دھلایا کٹا کٹایا یہاں سے جائے گا لوگوں کے ایہامات نکالنے سے اب جو میں اپنی کتابیں دیکھتا ہوں تو خود مجھے ایہام ہونے لگا جیسے کسی میاں جی کی نقل ہے کہ بچوں نے اس کو بیمار بیمار کہہ کہہ کر بیمار ڈال دیا تھا وہ حالت ہو گئی۔ اب تو یوں جی چاہتا ہے کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھا جائے۔

آنا نکہ بکنج عافیت نبشستند ☆ دندان سگ و دہاں مردم بستند

کام ایک شخص پر موقوف نہیں۔ مجھ نالائق سے بھی کام ہو گیا ہے اور بہت ہو گیا شکر ہے اور کرنے والے بہت ہیں۔ اب تو یہی نیت ہے کہ اسی کو چھانٹ دوں۔ میں نے یہ سلسلہ بھی جاری

کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے۔ ''تصحیح الاغلاط'' و''تنقیح الاخلاط''۔ مجھ میں قافیہ کا بھی مرض ہے اور مخالفین سے بھی درخواست ہے کہ غلطیاں چھانٹ مجھ کو مطلع کریں میں جو سمجھ لوں گا میں ان سے رجوع کروں گا میں تو یہ کام اپنے مواخذہ سے بچنے کے لئے کرتا ہوں ان کے ساکت کرنے کو نہیں بعض موافقین نے یہاں تک لکھا کہ بیٹھے بیٹھے جو جی چاہے لکھ دیتے ہیں ہو اور ہم مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ لوگ طعن کرتے ہیں۔ ہمیں پیچھا چھڑانا دشوار ہو جاتا ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ آپ لکھ دیا کیجئے کہ وہ ذمہ دار ہے۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ لوگ اس صورت میں یہ کہیں گے کہ ان کے تو آپس میں ہی تفریق ہے۔ زیادہ سبب اس کا تہذیب عرفی اور مصلحتِ زمانہ ہے۔ مگر میری حالت تو یہ ہے ؎

رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار ☆ کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

جن حضرات کو میں نے دیکھا ہے ان میں تو اس کا پتہ بھی نہ تھا۔ آج کل لوگوں میں پالیسی بہت ہو گئی ہے۔ مجھے دباتے ہیں کہ تم ایسی بات مت کہو ہم پریشان ہوتے ہیں۔ اجانب کو توڑ توڑ کر جواب دیا جاتا ہے مگر اپنوں سے نرمی کرنی پڑتی ہے اور اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر مثل سابق کے کام جاری رکھا جائے اور پھر ایسی واہیات پیش آئیں تو غیبت کی نوبت آجاتی ہے اچھا میں کہتا ہوں علماء سے استفتاء کیا جائے کہ جس مستحب سے اتنا مفاسد پیش آئیں اس کو کیا جائے یا نہیں۔ جواب یہی ہے کہ نہ کیا جائے ان قصوں سے مجھ کو تمام تمام رات نیند نہیں آئی۔ ان قصوں میں بیمار ہو گیا رنج ایسی چیز ہے کہ آدمی کو بیمار بنا دیتا ہے۔ میں تو کیا ہوں حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھئے جن کے بارہ میں ہے: تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضاً او تکون من الھالکین. اس لئے عافیۃ اختیار کرنی چاہئے۔ غیبتیں شکایتیں پیدا ہوتی ہیں امراض کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان قصوں سے دو تین روز اتنی تکلیف ہوئی کہ حد نہیں نہ اَوْرَاد رہے نہ اشغال۔ میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ ہم سوالوں کو رخصت پر عمل کرنا مناسب ہے۔ میں اختلاف سے بہت پریشان ہوتا ہوں۔ چاند میں کیسا اختلاف ہوتا ہے اسی لئے میں چاند کی منادی کبھی نہیں کراتا۔ اگر کوئی تحقیق کرنے آتا ہے تو کہہ دیتا ہوں کہ میری تحقیق یہ ہے جس کو میں نے ظاہر کر دیا۔ میں تو لوگوں سے یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ مقتدی بن کر عیدگاہ چلا جاؤں گا امام بن کر نہیں۔

جب سب لوگ جائیں گے میں بھی ساتھ ہو لوں گا۔ جنہیں اس کی عادت ہے ان کو مزہ آتا ہے جب میں کہہ چکا کہ میری بات مت مانو پھر کیوں سر ہوتے ہیں۔ یہ تو سودا ہے کھرا معلوم ہو لو

ورنہ دوسری دکان سے خریدو۔ جو متبوع بنا چاہتے ہیں۔ان کو اس کا شوق ہوگا مجھ کو متبوع بننے کا شوق نہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو لوگوں نے کافر تک کہا۔اگر مولانا کو ایسی روایت سننے کا اتفاق ہوتا تو آپ فوراً فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور فرماتے کہ میں اب تو مسلمان ہو گیا۔مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک سائل کے مکرر سوال پر فرمایا تھا کہ ہم مرغان جنگی نہیں ہیں۔اگر ہمارا جواب پسند نہیں تو اور کسی سے پوچھو۔بچپن سے تو ایسے حضرات کو دیکھا ہے اس کے خلاف دیکھنے سے تو وحشت ہوتی ہے اب لوگوں کو شوق ہے مناظرہ کا۔مجھ سے تو عادت بدلی نہیں جاتی۔ایک شخص نے سہرام سے کچھ اعتراض بھیجے تھے۔اور مناظرہ کی بابت لکھا تھا میں نے جواب لکھا **وانا او ایاکم لعلٰی ھدی او فی ضلال مبین قل لا تسالون عما اجرمنا ولا نسل عما تعملون قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم.** اور میں نے کہا کہ اس آیت کا ردلکھو۔

سہارنپور میں مولانا نے فرمایا کہ جلسہ میں براءت کے متعلق بیان ہو جائے تو اچھا ہو۔میں نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ بری فرمائیں گے بس یہی کافی ہے۔انشاء اللہ ایسے لوگ تھوڑے دنوں میں خود ہاتھ جوڑیں گے۔کیا میں براءت ظاہر کر کے عوام کی خوشامد کروں۔ہاتھ جوڑوں اور جتلاؤں کہ میں اچھا ہوں۔مولانا نے فرمایا کہ عوام کو اس بدگمانی سے گناہ ہوگا اس لئے براءت کر دینی چاہئے۔میں نے عرض کیا کہ وہ تو اپنے ہاتھوں گناہ سمیٹتے ہیں ان کو اس کا انتظام چاہئے کہ تحقیق کریں۔

مولانا گنگوہیؒ کی حضور میں بعض مبتدعین کے بہت خط آئے کہ مناظرہ کر لیجئے مگر کبھی التفات بھی نہیں کیا۔اس میں جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بڑے سخت ہیں۔بعض لوگوں نے خواب کے قصہ میں لکھا کہ طبع کرادو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے ورنہ ہم کو لوگ پریشان کرتے ہیں۔میں نے ان کو لکھا کہ تم کو اس کا یقین ہے تم شائع کر دو اپنی مصلحت کے لئے مجھ کو کیوں مجبور کرتے ہو۔بعض نے لکھا کہ خواب دیکھنے والے کو لکھ دو کہ تم کو تجدید نکاح کرنی چاہئے۔میں نے لکھا کہ ایسا میں تو نہیں کر سکتا ہاں اور جگہ سے فتوے طلب کر کے وہ فتوے شائع کر دوں گا۔چنانچہ فتوے حاصل کئے تو متعدد فتوے میری رائے کے موافق نکلے۔میری رائے یہی ہے کہ خواب دیکھنے والا معذور تھا نہ اسے اس میں گناہ ہوا میں نے یہ بھی لکھ دیا کہ میری رائے وخیال ہے اگر غلطی ہوئی ہوتو اللہ میاں معاف فرمائیں۔اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت الخ. میری سمجھ اور رائے میں یہی آیا

ہے۔ باقی عند اللہ کیا ہے یہ مجھے خبر نہیں۔

ایک مرض اپنی جماعت میں اور پیدا ہو گیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلانے بڑے ہوئے ہیں اور فلانے کم ہیں۔ ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں جو شخص کسی سے وابستہ ہوتا ہے اس کو برائیاں جتلا کر توڑتے ہیں اور اس سے ہٹاتے ہیں اپنی عادت تو پرانی ہی پڑی ہوئی ہے اس قسم کی عادت بھدی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے کہ لوگ مجھ کو دوسروں پر بڑھائیں گے میں مخدوم بننا نہیں چاہتا خادم بننا چاہتا ہوں۔

اپنے حضرات کو دیکھا ہے مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے تھے مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے کل میں خط حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا پڑھ رہا تھا اس میں لکھا تھا کہ میں کوئی عالموں میں نہیں ہوں الخ۔ اس زمانہ کی باتوں کو دیکھ کر وحشت ہوتی ہے اور یہ جی چاہتا ہے کہ کونے میں سر دیدے۔ میں نے پہلے لوگوں کو اپنے کو رشیدی وغیرہ لکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اب لوگ یہ بھی کرتے ہیں مثلاً اپنے کو لکھتے ہیں فلاں اشرفی۔ اپنے کو میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں تو ڈانٹ دیتا ہوں۔ اس سے فرقہ بندی ہوتی ہے۔ لوگ تعظیم میں ایسے بڑھ گئے ہیں کہ حد سے گزر گئے ہیں۔ چنانچہ اب ہاتھ چومنے کا طرز نکلا ہے لوگوں نے مجھ کو حضرت! کہنا شروع کیا۔ اس سے مجھ پر بڑا بوجھ ہوا۔ حتیٰ کہ میرے بھائی مظہر نے بھی یہی طرز اختیار کیا میں نے ان کو بڑا ڈانٹا اور کہا کہ اگر زیادہ عظمت دل میں ہے تو بڑے بھائی کہہ دیا کرو۔ میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ پرانا رنگ ہو دل اسی سے خوش ہوتا ہے۔ بھوپال میں جا کر اپنی نسبت اسی پرانے طریقہ کی شہادت سن کر جی خوش ہوا۔

قصہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے ایک صاحب وہاں تھے سن رسیدہ اور اپنے مجمع میں ممتاز تھے پرانی وضع کے یہاںتک کہ بولی بھی نہیں بدلی تھی وہی پرانی بول چال تھی۔ نہایت سادہ لفظوں سے انہوں نے فرمایا کہ میرا جی تم سے مل کر بھی خوش ہوا۔ اور زیادہ جی اس سے خوش ہوا کہ میں نے تم کو اپنے بزرگوں کے طریقہ پر دیکھا۔ ان کی صحبت سے وہ نفع ہوا جیسا کہ مشائخ کے پاس معلوم ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ بزرگوں کے نمونہ ہیں۔ ان سے مجھ کو مل کر بڑا ہی جی خوش ہوا۔ مجھ کو بعض مسائل فرعیہ مثلاً بعض صور بوا میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے اختلاف تھا مگر ان پر اس کا ذرا بھی بار نہیں ہوا حضرت حاجی صاحبؒ ایک دفعہ مجلس میلاد میں مدعو ہوئے آپ نے ایک خلیفہ سے

دریافت فرمایا کہ تم بھی چلو گے۔ آپ نے صاف کہدیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔

کیونکہ ہندوستان میں منع کرتا ہوں تو جانے سے کیا اثر ہوگا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا میں جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا نہ جانے سے خوش ہوا۔ سید صاحب کی ایک دفعہ ایک رکعت فوت ہوگئی تھی۔ اس پر مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم نے لتاڑا کہ آج کل کے مقتدا ایسے ہیں کہ بیویوں کی بغل میں لیٹ کر رکعت فوت کرتے ہیں۔ مگر اس پر بالکل برا نہیں مانا۔ سید صاحب نے مولانا عبدالحئی صاحبؒ سے کہدیا تھا کہ جو بات مجھ سے خلاف دیکھو فوراً کہدینا۔ اس پر یہ جواب دیا کہ جس روز آپ حق پر نہ ہوں گے میں آپ کے ساتھ نظر ہی نہ آؤں گا۔ اور جب تک میں ساتھ ہوں آپ سمجھئے کہ حق پر ہوں جن حضرت کو ہم نے دیکھا ہے اور اب نہیں ہیں۔ ان پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ☆ تہی خمخانہا کردند و رفتند

مجھے یہ کہتے ہوئے غیرت آتی ہے کہ مجھ میں عیب نہیں بلکہ اگر کوئی میری طرف داری کرتا ہے تو میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بعض اشخاص گالیاں دیتے ہیں جس کی برداشت ہم سے نہیں ہوتی میں نے کہا کہ اس کا علاج یہ ہے: **اذا سمعتم بآیات اللہ یکفر بہا ویستھزأ بہا فلا تقعدوا معھم** اور آج کل یہ طرفداری روافض کی سی ہے۔ طرفداری کی آج کل یہ حالت ہوگئی ہے کہ اس سے فرقہ بندیاں ہوجاتی ہیں جو نہایت مضر ہے اس کے بعد ان صاحب سے جو مرادآباد سے تشریف لائے تھے معلق وعدہ فرمالیا وہ یہ کہ اگر کوئی مانع نہ ہوا تو حاضر ہو جاؤں گا۔ اور یہ فرمایا کہ واعظ تجویز فرمالیجئے گا تاکہ اگر میں نہ آسکوں تو کام نہ رکے اور یہ فرمایا کہ آزادی سے تو بیان نہ ہوگا۔ اس صورت میں میں عوام کو لطف آنے کا ذمہ دار نہیں ہوں پھر جب وہ صاحب ریل پر روانہ ہوگئے تو حضرت نے حاضرین کے روبرو فرمایا کہ جب لوگ اس طرز سے وعظ سنیں گے خود ہی کہدیں گے کہ ہم نے بلا کر پیسہ ہی برباد کئے۔ البتہ تھانہ بھون میں وعظ کا پہلا ہی طریقہ رہے گا۔

واقعہ: ایک صاحب نے ہدیۃً ایک جوڑہ جوتہ کا بھیجا تھا جو پاؤں میں تنگ آیا۔ ان کو لکھ دیا گیا۔ انہوں نے لکھ دیا کہ وہ کسی کو دے دیجئے حضرت نے اس پر لکھا کہ میں کسی کو دیکر آپ کا احسان لوں کیا ضرورت ہے پھر انہوں نے دوسرا جوڑا بھیجا کہ وہ بھی تنگ تھا اگرچہ پہلے سے کم۔ اس پر جواب تحریر فرمایا۔

ارشاد: پارسل محولہ جفت پاپوش و مہندی پہنچ کر باعث مسرت ہوا آپ کی جتنی محبت ہے کاش اگر اتنی بے تکلفی بھی ہوتی تو بڑی راحت ہوتی ۔ یہ جوتہ گو تنگ نہیں مگر جیسا میں پہنتا ہوں اتنا کشادہ بھی نہیں ہے۔ بے تکلفی ہوتی تو اول پیمانہ منگا لیتے ۔

واقعہ: ایک صاحب کا ایک لمبا چوڑا خط آیا۔ جس میں دین و دنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں اور یہ بھی لکھا کہ میں حاضری کا قصد بہت دنوں سے کرتا ہوں مگر ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ حاضر ہو ہی نہیں سکتا۔ اب حاضری کا مصمم ارادہ تھا مگر ایک مقدمہ ایک میرے عزیز نے دائر کرادیا۔ مجبوراً آ نہیں سکتا۔

حضرت نے لکھا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ پریشانیاں رفع ہوں اور یہاں آنا بہتر تھا۔ اگر صورت آنے کی نہ بھی ہو تو اس کے لئے تدبیر لکھتا ہوں اپنے معاملات کو خدا کے سپرد کر دینا چاہئے وہ جو کریں اس میں راضی رہے۔ یہ بہترین تدبیر ہے۔ کوئی کر کے تو دیکھے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ ایسے جوابات کو خشک مضامین سے تعبیر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہمیں ان مضامین (خشک) میں مزہ نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ گوہ کے کیڑے کے نزدیک حلوائی کی ساری دکان بے فائدہ ہے۔ کیڑہ کہنے لگے کہ یہ جولڈو اور پیڑے ہیں جو دکان میں رکھے ہیں بے فائدہ ہیں کیونکہ میرے کام تو آتے ہی نہیں اور یوں کہے کہ گوبر وغیرہ اچھی چیز ہیں۔ تو اُس کا یہ کہنا کیسا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض فضول ہے۔ آج کل لوگ تر مضامین کو پسند کرتے ہیں۔ جیسے تاریخ وغیرہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس قسم کے مضامین سے کان خوش ہو جاتے ہیں اور کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ لوگ ان مضامین کو تر سمجھتے ہیں۔ اور یہاں لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔

ارشاد: بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو ذکر و شغل تعلیم کیا جاتا ہے جہاں ان کو تھوڑی سی مدت گذری تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ اتنے دن ہو گئے کچھ نہیں ہوا۔ کیا خدا تعالیٰ کے ذمہ قرض ہے اور کیا تمہارا استحقاق ہے کہ ان کے ذمہ پورا کرنا واجب ہے۔ ایک اشکال اس صورت میں یہ وارد ہوتا ہے کہ ہم سے خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہے اس لئے ہم کو ملنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کونسا وعدہ پورا کر رہے ہیں کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کریں۔ جب آپ اپنا وعدہ پورا نہیں کرتے تو وہ اپنا وہ وعدہ کیسے پورا فرمائیں جو تمہارے ایفا پر معلق تھا گویا تمہارے ایفاء نہ کرنے کی حالت میں خدا تعالیٰ کا وعدہ ہی نہیں ہوا۔ **اوفوا بعھدی اوف بعھدکم** کہ تم میرے عہد کو پورا کرو میں اپنا عہد پورا کروں گا۔

ہم تو خدا تعالیٰ کے ساتھ وہ معاملہ کر رہے ہیں کہ اگر کسی دنیاوی آقا کے ساتھ کریں تو سزا کے مستحق ہوں۔ اور اگر ہم کریں بھی اور ثمرات مرتب بھی نہ ہوں تو بھی کیا دعویٰ ہے اور ایسا خیال کرنا حقیقت میں کُبر ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہمیں اپنی حقیقت کی خبر نہیں اگر خبر ہو تو پانچ وقت کی نماز کی توفیق ہونے پر بھی ہمیں تعجب ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ ہم تو اس قابل بھی نہ تھے یہ محض ان کا فضل ہے کہ ہمیں اس کی بھی توفیق ہوئی۔ نہ کہ جنید بغدادی ہونے کے مدعی ہوں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک عورت ہے نہایت بدشکل ہے۔ میل کچیل اس کی آنکھوں میں بھرا ہے ناک تھوک اس کے چہرہ پر لگا ہوا ہے اور دوسری عورت ہے نہایت حسین وجمیل اور نہایت پاک وصاف خوشبو میں معطر وہ پہلی عورت کہنے لگے کہ میں اس حور کے بچہ کی موافق محبوب کیوں نہیں ہوں تو اس سے یوں کہا جائے گا کہ تم ہو کیسی۔ جیسے تم ہو ویسی ہی محبوب بھی ہو۔ یہ بھی تو دیکھنا کہ جنید وغیرہ تھے کیسے۔ اگر اپنے اسلام کی پرتال کرنی ہو تو احیاء العلوم کو دیکھو جس سے ہمارے اسلام کی پوری حقیقت کھل جائے گی۔ جیسے ہم ہیں ویسا ہی ہمارا استحقاق ہے۔ اگر کوئی شخص کسی امیر کے یہاں سڑا ہوا خربوزہ لے جائے اور انعام کے استحقاق کا دعویٰ کرنے لگے تو اس کی کیا گت بنے گی۔ ظاہر ہے کہ دربار سے ذلت کے ساتھ نکالا جائے گا۔ حق تعالیٰ کا وہ فضل ہے کہ ہم کو سڑے ہوئے پر بھی انعام دیتے ہیں۔ اور اپنے دربار سے نہیں نکالتے اس کو ہم غنیمت نہیں سمجھتے۔ دوسرے جن ثمرات کا ہم کو انتظار ہے اس کا وعدہ ہی کہاں ہے۔ کسی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس مضمون کے اشعار ہیں کہ اے اللہ تو نے موسیٰؑ کو یہ دیا یوسفؑ کو یہ دیا فلاں کو یہ دیا اور فلاں کو یہ دیا اور بار بار یہ مصرعہ لایا ہے۔

ع "میری بار کیوں دیر اتنی کری"

گویا حق سبحانہٗ تعالیٰ پر اپنا استحقاق جتایا ہے اور یہ زبانِ حال سے شکایت ہے۔ اس قسم کی مناجاۃ واہیات ہے۔ ہمارا تو یہ قول ہے کہ کیسے درجات اس کا خطرہ بھی نہیں آتا۔ یہی مدنظر ہے کہ جوتیاں نہ لگیں۔ جس کے ہم مستحق ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص فوجداری کا مجرم ہو۔ اور مستحق جیل خانہ کا ہو اور حاکم اس پر رحم کھا کر بری کردے اور وہ یوں کہنے لگے کہ مجھے گاؤں تو ملے بھی تو نہیں تو کہا جائے گا کہ تیرا گاؤں ملنا تو یہی ہے کہ تو جیل خانہ سے بچ گیا۔

لوگوں کا دماغ سڑ گیا جو ایسا کہتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا مذاق تو یہ تھا اور یہ فنا سے حاصل ہوتا ہے ایک شخص نے آکر حضرتؒ سے کہا کہ حضرت زیارت حضور ﷺ ہو جائے۔ فرمانے

لگے کہ آپ کا یہ حوصلہ ہے ہم میں تو اتنی بھی لیاقت نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد کی بھی زیارت نصیب ہو جائے حضور ﷺ کی زیارت تو در کنار۔

اس کی حقیقت تو وہ جان سکتا ہے جس کو فنا کا درجہ حاصل ہو ویسے کچھ بھی نہیں۔ جو بات ذوق پر موقوف ہے وہ بتلانے سے حاصل نہیں ہوسکتی وہ تو کھا کر ہی حاصل ہوگی جیسے کسی نے گنا نہ کھایا ہو کیسا ہی اس کے روبرو اس کا ذائقہ بیان کیا جائے کبھی سمجھ نہیں سکتا۔ تاوقتیکہ کھائے نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں ایک شخص نے دوسرے شخص کی شکایت کی کہ وہ تو شرک کرتا ہے۔ فرمایا میاں بیٹھو بھی۔ یہ جب ہی تک کہتے ہو جبتک اپنی حقیقت پر نظر نہیں پڑی۔ جس روز اپنی حقیقت کھل گئی سارے مشرکین سے اپنے کو بدتر سمجھو گے۔ چند اندھوں نے ہاتھی کو ٹٹول کر دیکھا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں اس کا کان آیا اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہے جیسے پنکھا۔ کسی کے ہاتھ میں پاؤں آیا اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے ستون۔ کسی کے ہاتھ میں اس کی سونڈ آئی تھی اس نے کہا تھا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے موسل۔ کسی بینا شخص نے سن کر کہاں کہ صدقتم و کذبتم کہ تم نے سچ بھی بولا اور تم جھوٹے بھی ہو۔

سچے تو اسلئے کہ جتنا تم نے اس کے متعلق بیان کیا اس میں تم سچے ہو کہ ہاتھی ایسا بھی ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر پوری ہیئت اس کی یہ نہیں۔ پوری حقیقت اس کی جب ہی معلوم ہوسکتی ہے کہ تمہارے آنکھیں ہوں اور ویسے اس کا پورا انکشاف نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح محض زبان سے ان باتوں کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ ذوق کے درجہ میں نہ آئے۔ اور یہ ذوق پیدا ہوتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے سے جو کہ اعتقاد و انقیاد کے ساتھ ہو کیونکہ یہاں محض تقلید سے کام چلتا ہے چون و چرا کرنے سے کام نہیں چلتا۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ☆ جز شکستہ مے نہ گیرد فضل شاہ

جیسے کوئی بچہ استاذ کے سامنے الف بے لے کر بیٹھے اور استاذ پڑھائے کہہ الف اور کہہ بے اور بچہ یوں کہنے لگے کہ الف کی صورت یوں کیوں ہوئی اور بے کی ایسی صورت کس واسطے ہوئی تو استاد اس سے کہے گا کہ تو اپنے گھر کا راستہ لے۔ بات یہ ہے کہ ابتداء ہر امر کی تقلید محض ہے۔ طالب کی نیت تو رہبر بننے کی بھی نہ ہونی چاہئے بلکہ یہ نیت ہو کہ ہمیں راستہ نظر آجائے۔ اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقہ ہے بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے خود کچھ تجویز نہ کرے اور یہ تجویز کرنے والا ہے کون!

کام کرنے کا تو طریقہ یہ ہے جو بیان کیا گیا۔ میرے پاس لفظ نہیں ہیں کہ یہ باتیں دل میں اتار دوں۔ اس طریقہ پر عمل کر کے تو دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ایک حکایت بیان کرنے کے تو قابل نہیں۔ مگر چونکہ یہاں مخلصین ہی ہیں اس لئے بیان کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ ابراہیم ابن ادہمؒ کی ایک بار تہجد قضا ہو گیا اگلے دن بڑی کوششیں اور بندوبست کئے کہ قضا نہ ہو اس دن صبح کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ حق سبحانہٗ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اور بندوبست کرو۔ وہ کہتے ہیں ''فوضت فاسترحت '' کہ میں نے اپنے کاموں کو اللہ میاں کے سپرد کر دیا بس مجھ کو راحت ہو گئی۔ اور یہ بات طالبین کے لئے ہے کاملین کے نہیں کبھی کاملین سمجھ جائیں کہ یہ نسخہ تو اچھا ہاتھ آیا کہ کچھ مت کیا کرو اور خدائے تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ یہی دقائق ہیں اس فن کے۔ اور ہر نکتہ کے لئے ایک خاص مقام ہوتا ہے جیسے طبیب کا نسخہ کہ ہر موقعہ کے لئے جدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس فن کی تعلیم مخفی طور سے کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیہ مخفی تعلیم کرتے ہیں۔ کسی ناحقیقت شناس نے اپنے مضمون میں لکھ دیا ہے کہ سرکار انگریزی کو صوفیہ کی بڑی دیکھ بھال اور خبر گیری رکھنی چاہئے کہ جانے کیا لوگوں کو چپکے سے کہہ دیتے ہیں اور کیا سازش کرتے ہوں۔ حالانکہ یہ بیچارے کیا جانے سازش کو۔ یہ تو سوزش کو جانتے ہیں بعض باتیں ان کی بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ وہ خلاف نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ سلیمان صاحب کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ نماز کی تکبیر ہوئی اور اسی وقت ایک شخص نے مرید ہونے کو عرض کیا آپ نے صف میں پیچھے ہٹ کر پہلے اس کو بیعت کیا اور پھر رکوع میں شامل ہو گئے۔ بعد نماز آپ پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے واقعی خطا ہوئی مگر میں نے اس لئے ایسا کیا کہ مجھ کو معلوم ہو گیا ہے کہ جو شخص میرے سلسلہ میں داخل ہو جائے گا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس شخص نے بیعت کی درخواست کی میں نے خیال کیا کہ نماز ختم ہونے تک یہ شخص زندہ رہے نہ رہے اس لئے میں نے داخل سلسلہ کر لیا اور جو خطا مجھ سے ہو گئی ہے اس سے میں توبہ کر لوں گا۔

حاجی صاحب کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق وسوزش ہو اور ظاہر میں اتباع ہو بزرگی وہ ہے جس میں بزرگی بھی مٹ جائے مگر بدون پہلے بزرگی حاصل ہوئے فنا حاصل نہیں ہوتی پہلے بزرگی ہوتی ہے پھر فنا ہوتی ہے جیسے آبنہ میں شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے۔ شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے۔ جس آبنہ میں پہلے ترشی نہ آئے وہ شیریں نہیں ہوتا۔ بلکہ

اس کا مزہ خراب رہتا ہے۔ اس کا مزہ اچھا نہیں ہوتا۔ بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر فنا حاصل ہوتی ہے۔ خودداری اہل اللہ میں کہاں۔ گالیاں بھی پڑنے لگیں تو پرواہ نہیں ہوتی۔ گو طبعاً حزن ہو۔ یہ حالت نہیں ہوتی کہ کسی کے برا بھلا کہنے پر اس کے درپے ہو گئے۔ مشورہ کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک طالب علم نے مولوی صاحب کا مقابلہ کیا مگر پھر بھی اس کے درپے نہ ہوئے حالانکہ ان کو اس پر پورا قابو تھا کیونکہ جن کے یہاں وہ ہیں۔ وہ مجسٹریٹ ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا کہ میں اس کو چھ ماہ سے کم نہ بھیجوں گا۔

مگر مولوی صاحب نے کہا میں اپنے نفس کے لئے ایسا نہ کروں گا۔ میں نے ایک نمونہ اس وقت میں دکھایا۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ جس کو فنا کا درجہ حاصل نہیں ہوا تو وہ بزرگ نہیں بلکہ فنا یہ ہے کہ بزرگی ہو کر وہ بھی مٹ جائے۔ وہ بزرگ تو ہوا۔ لیکن اگر صاحب فنا ہوتا تو خود کو بزرگ نہ سمجھتا۔ اور صاحب فنا کے لئے یہ ضرور نہیں کہ کسی کی گستاخی کرنے پر دل میں خیال بھی نہ آئے۔ ہاں مقتضا پر عمل نہ ہوگا۔ ویسے تو امور طبعیہ ستاتے ہی ہیں۔ اور یہ سب چیزیں خدائے تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ استحقاق کسی کو بھی نہیں۔ مگر ہاں دھن میں لگا رہے یہ سمجھ لیجئے کہ ذکر پر کیفیت کا طالب ہونا کبر ہے۔ خدائے تعالیٰ سے لڑنا جھگڑنا کیسا۔ کیا ان پر کسی کا قرض ہے حالت یہ ہونی چاہئے کہ جزا کی طرف التفات بھی نہ ہونا چاہئے۔ یہاں تو کام نیازمندی سے چلتا ہے چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ☆ جز شکستہ مے نگیرد فضل شاہ
ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ☆ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

البتہ دعا کرتا رہے شاید عنایت ہو جائے۔ میں ایسی باتیں دل میں اتارنا چاہتا ہوں مگر الفاظ نہیں کہ ادا کر سکوں۔ یہ امور وجدانیات ہیں الفاظ ان کے لئے کافی نہیں وجدان ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ گو دل میں اتار نہیں سکتا مگر بیان سے اتنا اثر تو ہوگا کہ رغبت تو پیدا ہوگی اگرچہ پوری طرح سمجھ نہ آئے فقط۔

ارشاد: حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک بار فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو چنانچہ مجھ سے بھی مت رکھو۔ یہ بات دین و دنیا دونوں کا گر ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار وہموم سے بھی نجات پا جائے گا۔

واقعہ: یہ خبر سنی گئی تھی کہ ایک عامل خورجہ ضلع بلند شہر میں آئے ہوئے ہیں اور وہ آگ میں

چلے جاتے ہیں اور جلتے نہیں بلکہ جو لوگ ان کے ہمراہ جاتے ہیں ان پر بھی آگ کا اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ واقعہ درجہ ثبوت کو پہنچ گیا۔ بلکہ منشی یوسف صاحب ساکن خورجہ خود حضرت والا سے بیان کرتے تھے کہ میں اس جلسہ میں شریک تھا۔ حضرت نے ایک اور صاحب سے دریافت فرمایا کہ اس واقعہ کو دیکھ کر کوئی اسلام بھی لایا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا تو نہیں ہوا اس پر حضرت نے فرمایا:۔

ارشاد: کہ عملیات سے جو ہوتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی قلوب پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اثر صاحب حق کا ہوتا ہے اس کی صورت دیکھ کر کوشش ہوتی ہے جو بلا کرامت ہو تو زیادہ اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ کرامت میں تو سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کچھ اور بات نہ ہو یہ عجیب اثر حق میں ہے۔ اور ایسے امور میں حیرت سی تو ہو جاتی ہے مگر کشش نہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور چہرۂ مبارک پر نظر پڑتے ہی سمجھ لیا انہ لیس بوجہ کذاب اور کوئی معجزہ طلب نہیں کیا۔ کسی کا شعر ہے:

نور حق ظاہر بود اندر ولی ☆ نیک بیں باشی اگر اہل ولی

مولوی ابوالحسن صاحب کاندھلوی نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے ؂

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور ☆ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

طالبین کی نظر اخلاق کی طرف ہوتی ہے۔ طالبین نے کبھی معجزہ طلب نہیں کیا۔ خود صحبت سے معلوم ہو جاتا ہے اب زمانہ نبوت کا تو رہا نہیں اب کشش اتباعِ سنت میں ہے اور اتباع سنت میں دھوکہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ آدمی اپنے کو کہاں تک بنادے گا راز ایک نہ ایک روز کھل ہی جاتا ہے۔

جنیدؒ کی حکایت ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں دس برس رہے۔ کہنے لگے کہ میں نے آپ میں کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ جنیدؒ بولے کہ تم نے جنیدؒ کو اس عرصہ میں کبھی حق تعالیٰ کی نافرمانی کرتے بھی دیکھا اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ کیا یہ تھوڑی کرامت ہے کہ دس برس تک اپنے مالک کو ناراض نہ کرے حق میں ایک اور اثر ہے کہ اول وہلہ میں اگر کچھ بھی نہ ہو پھر آدمی سمجھ کر آتا ہے نقشہ تو ذہن میں ہوتا ہی ہے کسی عارض کی وجہ سے اثر نہ ہوا جب عارض ڈھل گیا تو قلب میں تقاضا پیدا ہوا۔ اور سمجھا کہ یہ میری غلطی تھی۔

واقعہ: ایک صاحب کو حضرت نے تعویذ کر کے دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کو موم جامہ میں کرلیں۔

ارشاد: تعویذ کے لئے موم جامہ شرائط سے نہیں صرف پانی سے بچاؤ کے لئے ہے۔

واقعہ: ایک بوڑھے شخص آئے اور حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو خرچ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ میں فلانے کا مرید ہوں۔ اور حضرت کی زیارت کو آیا ہوں۔

ارشاد: کسی بزرگ کی طرف نسبت کر کے ان کو کیوں بدنام کرتے ہو خواہ مخواہ ان کی ذلت کرنی کہ فلانے کے مرید مانگتے پھرتے ہیں۔ اگر حاجت تھی تو ویسے ہی سوال کرتے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر ایسی باتوں پر سکوت کرو تو خوش اخلاق اگر غلطی پر مطلع کرو تو بداخلاق۔ میں تو کہتا ہوں کہ جب ہم لوگوں سے دین میں استفادہ کرتے ہو تو اگر دنیا میں کر لو تو کچھ حرج نہیں مگر تلبیس سے کیا فائدہ کہ آئے بھیک مانگنے اور کہتے ہیں کہ زیارت کرنے آیا ہوں پھر کہتے ہو کہ خرچ نہیں تو اس حالت میں کہ استطاعت نہیں زیارت کے لئے آنا کہاں جائز ہے۔

دیکھو کہ حج جو رکن اسلام ہے وہ بلا استطاعت جائز نہیں زیارت تو کیا جائز ہوتی ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے حج کے متعلق مضمون بیان کیا کہ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور بے فکر پھرتے رہتے ہیں۔ لوگ تو مصیبت سے کھانا پکائیں اور وہ جا کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک دو ہو تو کوئی دے بھی دے اور تعریف یہ کہ عربی بولنے لگتے ہیں یا شیخ لقمہ جب تک دیں گے نہیں ٹلیں گے نہیں یہ کہاں جائز ہے کہ دوسروں کو تکلیف دیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اچھا طرز اختیار کر رکھا تھا۔ حکمت کا طرز تھا۔ جو لوگ بچھونا وغیرہ ساتھ نہیں لاتے تھے اس کا بند و بست نہیں فرماتے تھے۔ باقی خصوصیت کی اور بات تھی۔ مولانا نے ایک دفعہ ایک خادم سے فرمایا کہ ایک شخص گاؤں کا ہے دیکھو تو اس کو مناسب جگہ مل گئی یا نہیں خادم نے واپس آ کر عرض کیا کہ جگہ مل گئی اور میں نے کپڑے کو بھی پوچھ لیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں پوچھا کیا کپڑا میرے ذمہ ہے۔ اور فرمایا کہ بات کو بڑھایا مت کرو۔ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے یہاں مہمان زیادہ آ گئے آپ نے عشاء کے وقت مہمانوں کے لئے نمازیوں سے رضائیاں عاریت لے لیں۔ اس واسطے کہ لوگوں کے پاس عادتاً زائد کپڑا گھر میں ہوتا ہے ہی۔ اور اپنی رضائی بھی کسی مہمان کو دیدی۔ جب رات کو سردی ہو گئی تو مولانا گنگوہیؒ سے رضائی اپنے لئے طلب فرمانے لگے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ میں تو نہیں دیتا تم نے اپنی رضائی کیوں دیدی۔

اور فرمایا کہ جن کو کپڑا نہیں ملا وہ وضو کر کے بیٹھ جائیں۔ اور ذکر کریں اس لئے کہ بیداری میں جاڑہ کم لگتا ہے۔ اور فرمایا کہ کیا آنے والوں کو نظر نہیں آتا تھا کہ کپڑے کی ضرورت ہو گی۔ اسی

واسطے کم فہم لوگ مولاناؒ کی شکایت کیا کرتے تھے۔ جو لوگ اپنی راحت کا سامان کر لیں۔ اور دوسروں کو بھی طریقہ بتادیں تو لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بڑے خشک ہیں۔

ایک کم فہم شخص کہتے تھے کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ تو درویش تھے اور مولانا گنگوہیؒ درویش نہ تھے البتہ عالم متقی تھے حالانکہ موٹی بات ہے جب کوئی ڈپٹی کے یہاں جاتا ہے معاملہ لے کر تو کوئی نہیں کہتا کہ ہمیں بستر دے دو، وجہ یہ ہے کہ وہاں سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے کام کو آئے ہیں اور یہاں دوسرے کے کام کو آنا خیال کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا احسان کیا کہ ہم نے جا کر ان کی پیری چلائی اور رونق بڑھائی۔ پیر کو دو روپیہ دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بھٹیارے بھی ہو گئے۔

مولانا گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں ایک شخص نے ہدیہ چلتے وقت دیا آپ نے واپس کر دیا اور فرمایا کہ تم نے شروع میں کیوں نہیں دیا تھا۔ لوگ یوں کرتے ہیں کہ جا کر قیام کرتے ہیں کھانا ان کے ذمہ کھاتے ہیں جب چلتے ہیں تو حساب لگاتے ہیں کہ کھانے میں اتنا خرچ ہوا ہوگا۔ اس سے ذرا زیادہ دے دیا کام کا کام بن گیا اور احسان کا احسان ہو گیا۔ دیکھو نماز کیسی اچھی چیز ہے مگر طریقہ سے نہ ہو تو مقبول نہیں۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ نہ ہو۔ ہر شے کے قواعد ہوتے ہیں جب ہی فوائد بھی ہوتے ہیں۔

واقعہ: ایک خط میں یہ سوال آیا تھا کہ امتِ مرحومہ میں سوائے خلیفہ اولؓ کے اور بھی کوئی ولی درجۂ صدیقیت کو پہنچا ہے یا نہیں۔ یا آئندہ کسی کو اس مرتبہ پر پہنچنے کی امید ہے یا نہیں مثل حضرت مہدی علیہ السلام کے۔

فائدہ: پہلے جو جواب حضرت نے خط کا دیا ہے اس کو لکھا جاتا ہے اس کے بعد ایک ملفوظ اس کے متعلق ہوا۔ اس کو لکھا جائے گا۔

خط کا جواب!

قال اللہ تعالیٰ فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین والشھداء و الصالحین. یہ آیت نص ہے ان سب طبقات کے تعدد و تکثر میں۔ مگر دوسری نص قطعی سے نبوت کا ختم ثابت ہے اور دوسرے طبقات کا ختم ثابت نہیں پس وہ عام ہوگا اس امت کو اور امم سابقہ کو۔ پس اس امت میں بھی صدیقین متعدد ہیں جیسے شہداء متعدد ہیں صالحین متعدد ہیں اس سے زیادہ سورہ حدید کی آیت اس میں نص ہے **والذین اٰمنوا باللّٰہ ورسلہٖ اولٰئک ھم الصدیقون والشھداء الخ.**

اس سے واضح ہے کہ جب تک سلسلہ ایمان کا جاری ہے صدیقیت کا بھی جاری ہے۔ پس صدیقین کا اس امت میں بھی کثیر ہونا ثابت ہوا۔ البتہ درجات میں تفاوت ہونا اور بات ہے۔ حضرت خلیفہ اول اعظم الصدیقین ہیں۔ حضرت امام مہدیؒ کی نسبت تصریح تو نہیں دیکھی باقی ظاہراً وہ ضرور اس رتبہ سے مشرف ہیں اور حضرت عائشہؓ کا صدیقہ ہونا اسی اعتبار سے ہے جس اعتبار سے اور صدیقین کا صدیق ہونا۔

ملفوظ: شہادت کا ملنا تو ہے آسان۔ بس ایک تلوار لگی سر الگ ہو گیا شہید ہو گئے اس لئے کثیر التعداد ہیں۔ اور صدیقیت ہی مشکل صدیقیت میں لاکھوں تلواریں ہر وقت چلتی ہیں ہر وقت آرہ چلتا رہتا ہے یہاں تو یہ کیفیت ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ☆ ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

شہادت صدیقیت کی فرع اور تابع ہے لوگ شہداء کے بدن کا نہ گلنا خیال کرتے ہیں۔ تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ صدیقین کا بدن نہیں گلتا ہے۔

واقعہ: ایک روایت کی تحقیق پر ذکر چلا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ امام غزالیؒ جس فن کے امام ہیں اس میں ان کو ترجیح ہوگی اور محدثین کو فنِ حدیث میں ترجیح دی جائے گی۔ پھر

ارشاد: ہوا کہ یہ کوئی بعید بات نہیں بعض کو بعض پر بات میں ترجیح ہوتی ہے اگر مجموعہ اوصاف کے لحاظ سے اس کو ترجیح ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھ لیجئے کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو لوگ وہاں تابیر نخل کیا کرتے تھے (میں تو سمجھتا تھا کہ اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہوگا مگر کچھ بھی نہیں۔

رامپور میں ایک عرب تابیر کر گئے تھے جس سے کھجور میں خوب پھل آیا صورت اس کی صرف یہ ہے کہ کھجور میں ایک نر ہوتا ہے اور ایک مادہ۔ نر میں پھول آتا ہے پھل نہیں۔ مادہ میں پھل آتا ہے اور پھول بھی۔ بس یوں کرتے ہیں کہ نر کا پھول لے کر مادہ کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر کو اچھالتے ہیں وہ پتوں سے مس کرتا ہوا پھر نیچے گر جاتا ہے۔ اس طریقہ سے گویا حمل رہ جاتا ہے اور وہ درخت بارآور ہوتا ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید شگون کی قسم سے ہو صحابہؓ سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو صحابہ تو اشارہ کے منتظر رہتے تھے آج کل کی سی حالت نہ تھی کہ اگر کسی امر کا گناہ ہونا بتلایا جائے تو پوچھتے ہیں کہ کیا بہت بڑا گناہ ہے گویا اگر چھوٹا ہو تو کر لیں۔ شاید تھوڑے دنوں میں یوں

پوچھیں کہ کفر تو نہیں اگر نہ ہو تو کر لیں۔غرض صحابہؓ نے نہ کیا۔اس پر اس سال پھل کم آیا۔صحابہؓ نے شکایت کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انتم اعلم بامور دنیا کم**۔اس سے بدرجہ اولیٰ اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی فن میں امتیوں میں سے کوئی کیوں نہ ہو ایک دوسرے پر بڑھا ہوا ہو سکتا ہے۔

واقعہ: ایک شخص جو حضرت سے اعتقاد رکھتا تھا وہ آیا۔اور دوسرے شخص اسی روز آئے اور انہوں نے کچھ کپڑا ہدیۃً پیش کیا۔حضرت نے قبول فرمالیا۔اور انہوں نے حضرت ہی کے یہاں کھانا بھی کھایا۔پہلے شخص نے مکان پہنچ کر کچھ گستاخانہ کلمات حضرت کو لکھے جن میں سے دو باتیں یہ تھیں۔

ا۔جس شخص نے آپ کو کپڑا دیا اس کو تو روٹی کھلائی اور میں نے کچھ نہ دیا تھا مجھے روٹی کھلانے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔دوسری بات یہ کہ میں نے خط بھیجا تھا اس میں جواب کے لئے ٹکٹ نہ تھا تو آپ نے جواب بھی نہ دیا۔دو پیسہ بھی خرچ نہ کیے گئے۔غرض بڑی گستاخی کا برتاؤ حضرت سے کیا تھا پھر کچھ عرصہ بعد وہ شخص آیا اور معذرت کا رقعہ پیش کیا۔حضرت نے فرمایا کہ میرے یہاں تمہارا کچھ کام نہیں۔مجھ سے فیض تم کو نہیں ہو سکتا۔کیونکہ مجھ میں اور تم میں مناسبت نہیں۔بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور کی طرف رجوع کرو اور میں تمہارے ہی فائدے کے لئے کہتا ہوں میں کچھ تم سے ناراض نہیں۔

وہ شخص چلا گیا۔پھر ایک عرصہ کے بعد تقریباً دو ماہ کے بعد آیا۔کہ اس کی حالت جنون والوں کی سی تھی۔اور اس کے باپ کا خط حضرت کے پاس آیا کہ اس کو جنون ہو گیا ہے۔وہ شخص ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت نے اپنے ملازم نیاز سے فرمایا کہ اس سے پوچھو کیسے آئے ہو نیاز نے پوچھا تو وہ شخص اٹھ کر بھاگ گیا اور مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔حضرت نے فرمایا کہ دیوانہ ہے۔پھر نیاز سے فرمایا کہ اس کے پاس جا کر کہو کہاں رہتے ہو وہ گیا اور پوچھا تو کہنے لگا کہ خدا کو خبر ہے۔اس کے بعد حضرت نے اس کو نکلوا دیا۔وہ مدرسہ کے نیچے جو دکان ہے وہاں پہنچا اور بُورا یعنی شکر سفید پھانکنا شروع کر دیا۔ساری حرکتیں اس کی دیوانوں کی سی تھیں مجنون ہی ہو گیا تھا۔

ارشاد: جنون تو بیماری خیر اس کا تو مضائقہ نہیں مگر اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا دل دکھایا تھا۔اور میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ تم کو جس سے مناسبت ہو اسی کے پاس جاؤ اس کو دل دکھانے کا کیا استحقاق تھا اور وہ بھی دعوئے اعتقاد کے ساتھ۔اگر ادب کا لحاظ رکھے اور پھر کہے تو مضائقہ نہیں بشر

ہوں کیا مجھ سے غلطی نہیں ہوتی۔ اور اپنی غلطی کو تو میں قبول کرتا ہوں مگر جیسا تعلق ہو ویسا عنوان ہونا چاہئے۔

دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کافر تھے مگر ابراہیمؑ نے ان کو نصیحت کرنے میں کیسا ادب ملحوظ رکھا اذ قال لا بیه یا ابت الخ جہاد میں دیکھئے باپ کا کتنا ادب رکھا ہے وہ یہ کہ اگر کافر باپ مسلمان بیٹے کے مقابلہ میں آئے تو اس کو کسی طرح مقابلہ سے ٹل جانا چاہئے۔ اور بیٹے کو یہ حکم ہے کہ اگر نصیحت کرو تو نہایت نرمی سے سمجھاؤ اور زبان سے کہو تو حقوق اس کے ملحوظ رکھو۔ مولوی محمد رشید صاحب کانپوری ایک دفعہ یہاں قیام کئے ہوئے تھے۔ اور مجھے روپیہ کے پیسوں کی ضرورت تھی مجھ کو ایک شخص نے مسجد میں پیسے دیئے میں نے روپیہ کی عوض کے لئے۔ مولوی صاحب نے نہایت ادب اور نرمی اور اچھے عنوان سے کہا کہ یہ بیع صرف ہے اور مسجد میں بیع جائز نہیں۔ میں نے اس کو مان لیا اور ان کی بات کو قبول کرلیا اور میں نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ حق سے برا ماننا تکبر ہے میں تو غلطی کو قبول کرلیتا ہوں۔ اس شخص نے جو میری بابت یہ خیال کیا تھا کہ کپڑا دینے والے کو روٹی کھلائی اور مجھ کو نہ کھلائی۔ اس کو کیا معلوم تھا کہ روٹی کھلانے کا مبنی کپڑا دینا تھا۔ اس نے کیسی یقینی حکم لگا دیا۔ صرف احتمال پر حکم لگا دینا اس کو کہاں درست تھا۔ یہاں خود غلطی کا تحقق نہیں ہوا۔

ایسے موقعہ پر اس کی تاویل کرنی چاہئے تھی یوں سمجھتا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا صرف احتمال پر حکم کیسا۔ صرف محتمل امر پر اعتراض کہاں تک جائز ہے تاوقتیکہ درجہ یقین کو نہ پہنچ جائے اور یقین میں بھی ادب کا لحاظ چاہئے البتہ حدیث افک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مربی کو تربیت کے لئے احتمال پر بھی باز پرس جائز ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تربیت میں احتمال پر یوں کہہ دے کہ تم کو سوزاک معلوم ہوتا ہے مگر دوسرے شخص کو درست نہیں اور بے تمیزی ہے۔ چنانچہ ایک طبیب مظفر نگر میں آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ کے گھر میں تکلیف کس موقعہ پر ہے میں نے ان کو برا بھلا کہا کہ آپ کو یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ طبیب ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر ان سے رجوع کیا جاتا تو ان کو حق تھا پوچھنے کا اس وقت پوچھنے کی غایت کیا ہے۔ میں نے ان کو بڑا التاڑا۔

شیخ سعدیؒ کو تکلیف تھی ان کے استاد یہ تو پوچھتے کہ کیا حال ہے مگر یہ کبھی نہیں پوچھا کہ کہاں تکلیف ہے۔ اسی طرح معالج روحانی کو احتمال پر بھی تفتیش جائز ہے۔ چنانچہ ایک شخص میرے

پاس آئے ان کے طرز و انداز اور لب ولہجہ سے ترشح ہوتا تھا کہ ان میں کبر ہے میں نے احتمال پر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا۔ اب جو شے ان میں تھی۔ اور اصل تھی تمام برائیوں کو اسی کو منہدم کرنے سے فائدہ ہو سکتا تھا۔ وظیفہ وظائف سے ایسے شخص کو کیا فائدہ ہو سکتا۔ میں نے کہا کہ تمہارا علاج یہ ہے کہ اہلِ خانقاہ کی جوتیاں سیدھی کیا کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ کہتے تھے کہ مجھ کو اس سے بے حد نفع ہوا۔ چنانچہ میں ان سے صرف احتمال پر بھی پوچھ سکتا تھا اور وہ نہیں پوچھ سکتے تھے۔ کیونکہ تربیت میں احتمال پر تفتیش جائز ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔ اور غلطی کی بھی ایک حد ہے اگر غلطی پر اصرار ہو تو کہہ سکتا ہے۔ چنانچہ پہلے نماز کے اندر سمع اللہ لمن حمدہ۔ میں دال کو کھینچ کر کہا کرتا تھا۔ ایک شخص جو مرید تھے انہوں نے مجھ کو غلطی پر مطلع کیا کہ میں نے کہا کہ میں خیال رکھوں گا۔ پھر میں نے اصلاح کر لی۔ اگر اصرار ہو تو کہہ دے مگر کہے ادب سے ہر بات طریقہ سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

ایک شخص حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طبیعت کے خلاف کیا کرتے تھے ان کو یہی جنون ہو گیا تھا۔ ناحق ظلم کرنا بہت بُرا ہے۔ خاص کر جس کے ساتھ یہ اعتقاد ہو کہ یہ شخص نائب رسول ہے۔ یہ ہلکی بات نہیں۔ ایسے امور سے انقباض ہو جاتا ہے جو مانع نفع ہے اور اگر ایسی غلطی ہو جائے جس سے اس شخص کو جس سے اعتقاد ہے انقباض ہو جائے تو اس انقباض کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں۔ دوسری جگہ بیعت کرے تاکہ اس پر سے بار اتر جائے یا اسی سے مناسبت پیدا کرے مگر یہ دوسرا طریقہ دشوار ہے اور آسان پہلا طریقہ ہے۔ اگر کوئی شخص رجوع نہ کرے اور مناسبت پیدا کرنے کی تدبیر کرے تو پھر علاج کیسے ہو اگر کسی کو ایسے موقعہ پر کہتے ہیں کہ دوسری جگہ رجوع کر دو تو اپنے خیال میں وہ سمجھتا ہے کہ دوسری جگہ بیعت کر لینے سے اور ناراض ہو جائیں گے۔ کئی شخص اس وقت میں اسی قسم کے ہیں مجھ سے ان کو مناسبت نہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ دوسری جگہ بیعت ہو جاؤ تو وہ مانتے نہیں۔

اسی قصہ میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ میرے کہنے کی موافق کر لیں تو میرا انقباض رفع ہو جائے اور میرے اوپر سے ان کا بار اتر جائے۔ جس طبیب کو کسی مریض سے انقباض ہو تو اس کی یہی صورت ہے کہ یا تو مریض اس سے مناسبت پیدا کرے یا دوسری جگہ علاج کرے۔ اس طرح انقباض رفع ہو سکتا ہے ایک بات یہ سمجھ لینے کے قابل ہے کہ احکام شریعت کے خلاف کرنے سے تو آخرت میں عذاب ہوگا۔ اور آداب طریقت کے خلاف کرنے سے معصیت نہیں ہوتی۔ مگر دنیوی ضرر

ضرور لاحق ہو جاتا ہے۔

آخرت کا یہ ضرر نہ ہوگا۔ گو کبھی بواسطہ آخرت سے بھی محرومی ہو جائے کیونکہ اس مخالفت کا اول اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا نام لینے کی حلاوت جاتی رہتی ہے۔ پھر تعطل ہو جاتا ہے پھر ترک مستحب پھر ترک سنت پھر ترک واجبات یہاں تک کہ سلب ایمان کی نوبت آجاتی ہے۔ لیکن اگر اس حالت میں بھی ہمت سے شریعت کا کام کرتا رہے تو آخرت کا نقصان نہیں۔ مگر انشراح و راحت و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ پیر کے ناراض ہو جانے سے اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔ اور آداب طریقت سے کوئی ادب غامض نہیں۔ پیر کو مکر نہ کیا جائے طعن واعتراض اس پر نہ ہو۔ پیر کو غلطی ہو جانے سے پر نصیحت بھی کرے مگر ہو۔ ادب سے۔

دیکھئے صحابہؓ نے مشورہ دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو البتہ بعض کو ناز کی صورت ہوتی ہے اور کچھ کے کچھ کہہ جاتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں مگر ع ''ناز را روے بباید ہمچو ورد''۔

دیکھئے ناز کا ایک معاملہ حضرت عمرؓ کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور اس سے بڑھ کر ناز کا معاملہ حضرت عائشہؓ کا تھا۔ چنانچہ جب آیت برأت ان کے بارہ میں نازل ہوئی تو ان کی ماں نے ان سے کہا کہ اٹھ کر آپ کی مدح کرو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کی کیوں مدح کروں اپنے اللہ کی کروں گی یہ ناز کا مرتبہ تھا جو مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری ناراضگی اور عدم ناراضگی کو سمجھ لیتا ہوں جب تم ناراض ہوتی ہو تو لا ورب ابراہیم کہتی ہو اور جب خوش ہوتی ہو تو لا ورب محمد کہتی ہو۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ غصہ میں صرف نام کو چھوڑ دیتی ہوں مسمّٰی کو نہیں۔ یہ عوارض ہیں۔ باقی پیر کو مکدر نہ کرے اگر تکدر سے بچنے کا قصد کرے اور تکدر ہو جائے تو اس کا اثر نہیں ہوتا قلت سبالات کا حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اپنے غلام سے کتنی بار معاف کیا کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب مرحمت فرمایا کہ ستر بار تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص سے معاف کرو جو قصداً نہ کرتا ہو۔ اور یہ تین حالتیں ہیں۔ ایک تو دل دکھانے کا قصد ہو۔ دوسرے دل دکھانے کا قصد نہ ہو۔ تیسرے دل نہ دکھانے کا قصد ہو۔ پہلی حالت اشد ہے۔ دوسری اھون۔ تیسری پسندیدہ ہے۔ دوسری حالت کا باعث قلتِ مبالات ہے۔ اور بے پرواہی ہے تو یا تو محبت کم ہے۔ یا عظمت کم ہے۔ اگر محبت و عظمت دونوں نہ ہوں تو ایسے موقعہ پر عقل سے کام لے۔ سوچ کر کام کرے جس سے تکدر نہ ہو۔

واقعہ: ایک شخص پانی پڑھوانے لائے اور دور سے کہا کہ پانی پڑھ دو۔ اور صاف لفظوں میں کہا بھی نہیں اس طرح کہا کہ جس کا سمجھنا بھی دشوار تھا۔

ارشاد: تکلفات اور رسوم نے معاشرت کا ناس کر رکھا ہے۔ مجھ کو مبہم بات سے ایسی پریشانی ہوتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نہ بولنے کو ادب خیال کرتے ہیں یہ تکلفات ایرانیوں سے سیکھی ہیں۔ مبہم بات سنت کے بھی خلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کتنا واضح ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی تین تین بار فرماتے ہیں۔ صاف کلام کرنا سنت ہے۔

چنانچہ دیکھئے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا آپ نے فرمایا کون ہے۔ اس نے کہا انا کہ میں ہوں آپ نے فرمایا کہ انا انا معنی میں میں کیا ہوتا ہے۔ اپنا نام لو اس سے معلوم ہوا کہ مبہم بات خلافِ سنت ہے۔ بعض لوگ آتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اس لئے آئے ہیں کہ آپ اپنا خادم بنا لیجئے مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرید بنا لیجئے۔ مگر یہ کلام مجمل ہے کیونکہ خادم تو عام ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے دامن میں لے لیجئے اس کا مطلب تو یہ ہونا چاہئے کہ داماد بنا لیجئے۔

پھر تفتیش کر کے پوچھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مطلب یہ تھا کہ مرید کر لیجئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجمل بات کہنی ہی نہ چاہئے۔ بلکہ لفظ (کلام) بولے کہ مقصود پر دلالت مطابقی رکھتا ہو۔ مجمل کلام بولنا تہذیب نہیں تعذیب ہے۔ میں تو آداب المعاشرت میں سب لکھ چکا ہوں۔ اس کو ہر شخص کم از کم ایک بار تو دیکھ لے۔ اس سب کتاب کا حاصل یہ ہے کہ آپس میں ایسا عملدرآمد چاہئے کہ کسی کو اپنی حرکت سے تکلیف نہ ہو۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ☆ کسے را با کسے کارے نباشد

واقعہ: ایک خط آیا مرسل خط نے حضرت سے اپنے وعظ کہنے کے متعلق دریافت کیا تھا کہ میں وعظ کہوں۔ جواب اس کا تحریر فرمایا اور ملفوظ مذکورہ ذیل فرمایا۔

ارشاد: شیخ وہ ہے کہ مصلح ہو نرا صالح نہ ہو یہ کافی نہیں ہے ولی کے لئے صالح ہونے کی ضرورت ہے مصلح ہو یا نہ ہو۔ اور شیخ اور ولی ہونے کے لئے دونوں کی جمع ہونے کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو۔ بعض لوگوں کی غرض وعظ کہنے سے طلب عزت ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظر میں ہم بڑے شمار ہوں اور یہ رہزن طریق ہے طالب کی تو یہ حالت ہونی چاہئے کہ اگر اس کے جوتیاں بھی لگیں تو کچھ پرواہ نہ ہو اس کے لئے بھی تیار ہے البتہ خدا کی جانب سے عزت ملنا یہ

عطا ہے مگر اپنا قصد عزت کا نہ ہونا چاہئے بلکہ خود بے عزتی کے لئے آمادہ رہے۔ خواہ اس طرف سے کچھ بھی عطا ہو۔ اور صالح کے واسطے مصلح ہونا ضروری نہیں۔

جیسے ہندوستان میں غلام پہلوان تھا کہ خود ہٹا کٹا اور تندرست تھا مگر دوسرے کو تندرست نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے کوئی زکام کا نسخہ تو لکھوالیتا۔ کبھی نہ لکھ سکتا۔ اور نہ اپنا جیسا کر سکتا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خود تندرست ہو مگر دوسرے کو تندرست نہ کر سکے۔

بعض لوگ صالح عند اللہ ہوتے ہیں۔ اور صالح بھی ایسے کہ باعتبار قرب عند اللہ کے مصلح سے بھی بڑے ہوئے ہیں مگر مصلح نہیں ہوتے اصلاح تو ایک فن ہے جو اس سے واقف ہے وہ ہی اصلاح کر سکتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ مصلح تو ہیں۔ یعنی فن سے واقف ہیں اور فن کے سبب دوسرے کو مشورہ دے سکتے ہیں۔ خود متقی و صالح نہیں ایسے لوگوں کے رستہ بتلانے میں برکت نہیں ہوتی۔ عادۃ اللہ ہے کہ جو ایسوں سے رجوع کرتے ہیں ان کو طریقہ پر آمادگی نہیں ہوتی۔ شیخ کو چاہئے کہ اپنے لئے خلوت کا بھی کچھ نہ کچھ وقت تجویز کرے اس سے بھی برکت ہوتی ہے۔ میں مبتدیوں کو وعظ کی اجازت نہیں دیتا۔ اور منتہی میں سے بھی سب کو نہیں بلکہ ان کے اخلاق دیکھتا ہوں کہ ان پر وعظ کہنے کا کیا اثر پڑے گا۔ مناسب حال کام کرتا ہوں۔

ارشاد: مجھ کو جب تک مسئلہ میں شرح صدر (اطمینان قلب) نہ ہو جائے جواب نہیں دیتا۔ تردد کی صورت میں مسئلہ کا جواب دینا جائز نہیں اور اطمینان ہو جانے پر مواخذہ نہیں اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر مسئلہ کو جواب ہی دیا جائے خواہ اس میں تردد ہی ہو بلکہ اگر خود اطمینان نہ ہو تو اوروں پر حوالہ کر دیا جائے کہ سائل دوسری جگہ دریافت کر لے اور اس میں راحت کیسی ہے۔ اور خواہ مخواہ جواب دینے میں یہ ہے کہ روزانہ کتابیں دیکھو ٹکریں مارو۔ پھر اعتراض پڑے جواب دو۔ یہ ساری خرابیاں اپنے کو بڑا سمجھنے کی ہیں یوں خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ جواب بھی نہ دیا گیا۔ بعض علماء میں جو تاویل کا مرض ہے۔ یہی خرابی کا باعث ہے کہ جو بات ان کے منہ سے نکل گئی اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور خود بھی غلط سمجھتے ہوں۔ مگر اپنے قول کی پچ کئے جاتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اپنے قول کے خلاف کرنے پر لوگ ذلیل سمجھیں گے۔

واقعہ: حضرت کو ایک صاحب نے خط میں سیدی و مولائی، ملجائی لکھا تھا۔ چنانچہ اس کا جواب حضرت نے بھیج دیا (اس خط کا خلاصہ مع جواب مکتوبات حسن العزیز میں اس ناچیز نے نقل

بھی کر دیا ہے) چونکہ حضرت کو ایسے القابات سے جن میں مبالغہ ہو تعظیم میں نہایت نفرت ہے اسی لئے فرمایا ہے:

ارشاد: سید .... کہتے ہیں آقا کو۔ مجھ کو تو آقا بنایا اور اپنے کو غلام۔ اور غلام کے معنی ہیں کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو وہ تو مولا کی ملک ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ مرید کہیں غلام تھوڑا ہی ہے یہ مبالغہ ہے تعظیم میں اتنی تکلیف قبلہ وکعبہ سے نہیں ہوتی کیونکہ مجاز ہے۔ اور یہ متکلم کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے خواہ ادعاءً یہی ہو۔

عنوانات کے آثار قلب پر محسوس ہوتے ہیں۔ ان القاب سے مجھ کو بہت گرانی ہوتی ہے۔ میں تکلیف کو پسند نہیں کرتا۔ لوگ مجھ کو حضرت حضرت کہا کرتے تھے۔ مجھ کو ناگوار ہوتا تھا میں نے منع کر دیا۔ مولوی صاحب کہدیں مولانا صاحب کہدیں۔ سیدی الفاظ وغیرہ سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ باقی میں فتویٰ نہیں دیتا۔

احادیث میں مبالغہ کی ممانعت آئی ہے۔ جن الفاظ میں حقیقت کی شان ہوتی ہے ان سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اور مولانا اور مولائی میں فرق ہے۔۔ مولائی کا لفظ استعمال میں سخت ہے عرفاً بہت تعظیم کے وقت کہا جاتا ہے۔ حقیقت دیکھنا چاہئے اسی طرح مجھ کو ہاتھ چومنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ جھکنا وغیرہ سب تکلفات ہیں۔ بوجہ رواج کے لوگوں پر گراں نہیں ہوتے۔ ورنہ بہت ہی گراں ہیں۔ بزرگوں کے سامنے سے جو کھانا اٹھا کر ان ہی کے سامنے کھاتے ہیں میں تو اس طریقہ متعارف کے بھی خلاف ہوں کیونکہ جس کے سامنے سے تبرک سمجھ کر کھانا لیا ہے اگر وہ متکبر ہے تو اس کا تکبر بڑھتا ہے اور اگر متواضع ہو تو اس کو اذیت ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کیا جائے کہ جب کھانا اٹھ جائے تو مالک سے مانگ لے۔ سامنے سے لے کر کھانا چاٹنا ٹھیک نہیں یہ باتیں اول وہلہ میں ایسی ہی ہلکی سی معلوم ہوتی ہیں۔ غور کرنے سے ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہی قصہ پانی میں ہے کہ جہاں کسی بزرگ نے پانی پیا اور لوگوں میں اس کا دور چلا اس میں علاوہ محذور مذکور کے خاص میری طبیعت میں ایک اور بات ہے وہ یہ کہ میرا دل کسی کے سامنے کے کھائے پئے ہوئے سے منقبض ہوتا ہے۔

البتہ بچا کھچا کھانا صاف ستھرا ہو تو کھالیتا ہوں ورنہ نہیں کھا سکتا۔ یہ طبعی بات ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے اور لوگ بھی ایسے ہوں جیسی میری طبیعت ہے۔ مگر وہ شرما حضوری کھا لیتے ہوں گے تاکہ دوسرے لوگ یہ نہ کہیں کہ ان کو اعتقاد نہیں طبیعت نہ قبول کرتی ہوگی۔ یہ

واقعات اور مشاہدات ہیں ان کی رعایت کرنی چاہئے جب مقاصد دوسرے طریقے سے حاصل ہو سکتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے خاص طریق کے اختیار کرنے کی ایک تکلف اور ہے۔ وہ یہ کہ جب انسان کھانا کھا چکنے کے قریب ہوتا ہے تو آخر میں مختلف چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز قصداً کھاتا ہے کہ جس کا مزہ منہ میں دیر تک باقی رکھنا منظور ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب لوگوں کی دیکھا دیکھی بزرگ کے بچے ہوئے کھانے میں سے کھائے گا۔ تو وہ ذائقہ زائل ہو جائے گا۔ کیا اس حالت میں طبیعت پر ناگواری نہ ہوگی۔ بعض ایسی تکلیف دیتے ہیں کہ ایک رکابی سامنے لائے کہ اس میں سے کھا لیجئے۔ دوسرا لایا کہ اس میں سے بھی کھا لیجئے۔ اسی کا دور چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ دس دس رکابیاں ایسی ہو جاتی ہیں۔ اور کھانے پر اصرار کرتے ہیں ممکن ہے کہ اس قدر گنجائش نہ ہو۔ رسم کے غلبہ سے حقیقت مخفی ہو جاتی ہے۔ حقیقت شناسی کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز کی حقیقت سمجھے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں امرود آئے آپ نے ایک امرود میں سے کھایا باقی تقسیم کر دیئے۔ لوگ دوڑے کہ حضرت اس میں سے کھا لیجئے۔ دوسرا آیا کہ اس میں سے کھا لیجئے۔ حضرت نے بوجہ اخلاق کے سب کی تمنا پوری کی۔ مگر تکلیف تو ہوئی۔ لوگ ان باتوں کو سن کر کہیں گے کہ اپنی طرف سے یہ باتیں گھڑتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مواقع پر ان آثار کا مشاہدہ کر لو جن کو میں کہتا ہوں۔ باقی میں برکت کا منکر نہیں برکت تو ایسی ہوتی ہے کہ باید وشاید۔

چنانچہ کیرانہ میں ایک شخص تھے قوم کے گوجر۔ یہانتک احتیاط تھی کہ سودی روپیہ نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے مجھ کو ایک چوغہ بنا کر بھیجا تھا۔ اس کی برکت یہ دیکھی کہ جب تک میں اس کو پہنے رہتا ہوں تو صغائر کا وسوسہ بھی نہیں آتا۔ برکت میں شک نہیں بزرگوں کے تو کھانے میں۔ لباس میں جگھ میں۔ برکت ہے۔ گفتگو منتفع ہونے کے طریقہ میں ہے کہ سرکاری طریقہ کے موافق کیا جائے۔ یا دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے متعارف طریقہ میں ظاہر ہے کہ طرفین کو ضرر پہنچتا ہے۔ میں نے ایک بار احباب کو یہ بھی کہا کہ ہاتھ چومنا چھوڑ دو کیونکہ سب اشخاص ایک سے نہیں ہوتے کسی کی طبیعت نہیں چاہتی۔ اور وہ دوسروں کو دیکھا دیکھی ایسا کرتا ہے۔ اگر ہاتھ چومنا ہے برکت کے لئے تو کوٹھری میں بند کر کے سارا بدن اور تھوک وغیرہ بھی چاٹو تاکہ خوب برکت حاصل ہو سکے۔

مجھے ایک جگہ بہت شرم آئی ایک درویش ہیں ان پڑھ مگر سید ھے ہیں وہ مہمان آئے ہوئے

تھے۔ایک مرید ان کا آیا۔اس نے ان کے ہاتھ چومے پھر رخسارہ چوما مجھ کو بڑی حیا آئی۔یہ برتاؤ تو ایسا ہے جیسے کوئی بی بی کے ساتھ کرے۔خیر بیبیاں تو اس کی محل ہیں بھی اگر چہ سب کے سامنے پوری بے حیائی ہے مگر مرد تو محل ہی نہیں۔

بعض لوگ بوقت رخصت رویا کرتے ہیں اگر چہ رونا نہ آتا ہو۔مکر ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ بزرگ اس کو سمجھتے نہیں۔حالانکہ سمجھتے ہیں۔بات یہ ہے کہ نفس کی شرارتیں **لا تقف عند حد** ہیں بہت سنبھل کر رہنا چاہئے کم از کم قصداً تو مکر وفریب نہ کرے۔لوگ قصداً کرتے ہیں۔حالانکہ ان کو اتنا صدمہ بھی نہیں ہوتا جتنا روتے ہیں صرف اظہارِ محبت کے لئے اور اگر سچ مچ رنج ہے مگر قابلِ ضبط تب بھی ضبط کرے۔کیونکہ اس صورت میں چاہے نیت بناوٹ کی نہ ہو مگر صورت تو بناوٹ کی ہے۔ہاں بعض ایسے ہیں کہ جن پر ایسا ہی صدمہ غالب غیر قابل ضبط ہوتا ہے اور اسی سلسلے میں فرمایا کہ مخدوم العام کا لفظ بھی بہت سخت ہے۔

واقعہ: ایک خط چٹھی رساں مدرسہ امداد العلوم میں لایا جس پر صرف اتنا لکھا ہوا تھا تھانہ بھون ضلع مظفر نگر خانقاہ امدادیہ۔مکتوب الیہ کا نام ہی نہ تھا۔ایک صاحب نے مدرسین میں سے اس کو لے کر کھول لیا۔اس میں استفتاء تھا۔جس سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ یا تو حضرت والا کے نام ہو یا مولوی احمد حسن صاحب مفتی مدرسہ کے نام ہو۔پھر انہوں نے ایک دوسرے صاحب کو وہ خط دیا۔انہوں نے وہ خط حضرت والا کی خدمت میں پیش کر دیا۔حضرت نے ان مدرس صاحب سے فرمایا کہ آپ کو کیا حق حاصل تھا اس خط کے کھولنے کا انہوں نے کہا کہ میں نے اس لئے کھولا تھا کہ شاید مکتوب الیہ کا نام اس کے اندر ہو تو میں اس کو پہنچادوں گا۔حضرت نے پھر فرمایا کہ تم کو حق کیا تھا کھولنے کا تم نے اس کو واپس کیوں نہ کر دیا کہ لکھنؤ جا کر ہی کھولا جاتا۔

اور کاتب کو وہاں سے واپس ہوتا۔تاکہ اس کو آئندہ کے لئے تنبیہ ہو خواہ مخواہ اپنے ذمہ دِقت لی۔اور پھر یہ کہ جب آپ نے کھولا تھا۔سب کام اپنی رائے کے موافق کیا ہوتا۔دوسرے کے سپرد کیوں کیا۔جب مکتوب الیہ کا نام ہی نہیں تھا تو آپ غیر مکتوب الیہ کو کیوں دیتے ہیں۔

کیا دوسرا ذمہ دار ہے اب آپ ہی جواب لکھئے اور آپ ہی واپس کیجئے **ول حارها من تولیٰ قارها** (یہ فقرہ دراصل امام حسنؓ نے فرمایا تھا قصہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حسنؓ سے فرمایا کہ اس شخص پر تم حد جاری کردو۔انہوں نے فقرہ مذکور فرمایا۔مطلب یہ ہے کہ آپ نے جن لوگوں کو ایسے کاموں کا والی بنایا ہے کہ وہ چین اڑاتے ہیں اُن ہی کو حد کا بھی والی بنائے۔

ترجمہ اس فقرہ کا یہ ہے۔ والی بنائے آپ گرم امور کا اس شخص کو جس کو والی بنایا ہے سرد امور کا۔ اس واقعہ میں بوجہ مناسبت حضرت نے یہ فقرہ ارشاد فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اس خط کے تمام امور کو آپ ہی انجام دیجئے) میں نے جو یہاں معمولات معین کئے ہیں تو سختیوں سے بچانے کے لئے جن سے یہ غرض ہے کہ کسی پر ذرہ برابر پریشانی نہ آنے پائے لوگ اس کو سختی کہتے ہیں۔ واللہ اس میں بڑی راحت ہے اس کے بعد ملفوظ ذیل ارشاد فرمایا:

ارشاد: میرا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی خط کی عبارت ایسی ہوتی ہے کہ کئی معنی کی محتمل ہو تو میں لکھ دیتا ہوں کہ عبارت واضح لکھو۔ اور جو فضول بات ہوتی ہے میں اس کا جواب ہی نہیں دیتا۔ چنانچہ ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے مطبع میں چند خط لکھے مگر ان کا جواب مجھ کو اب تک نہیں ملا آپ ان کو مطلع کر دیجئے کہ جو امور دریافت کئے ہیں ان سے مطلع کریں۔

خیر یہاں تک تو مضائقہ نہ تھا کیونکہ ایک مسلمان سے دوسرے کی اعانت ہو جائے اچھا ہے۔ آگے ان صاحب نے یہ لکھا تھا کہ اہل مطبع کو چاہئے یوں رجسٹر بنائیں یوں فلاں کام کریں اور یہ اس طرح غرض بہت سی باتیں فضول لکھ ڈالی۔ میں نے ان کو لکھا کہ میں آپ کو آپ کے خط کا جواب دیتا مگر یہ عبارت جو فضول لکھی ہے یہ مانع جواب ہے۔

پھر ان کا خط آیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے ایسا ایسا لکھا۔ بعضی خیر خواہی بدخواہی کا سبب ہو جاتی ہے۔ اگر مولوی صاحب اس خط کو بند کا بند واپس کر دیتے اور لکھنؤ کے ڈاکخانہ میں کھل کر مرسل کے پاس پہنچتا تو اس کو تنبہ تو ہوتا۔ اور ایک اصل کلی اس کو معلوم ہو جاتی۔ وہ یہ کہ عبارت صاف اور واضح ہونی چاہئے اس کی اصلاح ہو جاتی۔ اور آئندہ اس کے سینکڑوں کام بن جاتے۔ افسوس ہے رسم پرستی لوگوں میں ایسی آ گئی ہے کہ جو رسم کے خلاف ہو تو وہ بداخلاقی کہلاتا ہے۔ میرے پاس صاحب کا خط آیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے۔ میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے۔ اس کے بعد انہیں کا خط آیا کہ علماء کو ایسا خشک جواب نہ چاہئے میں نے دل میں کہا کہ جہلا کو ایسا خشک سوال بھی نہ چاہئے پھر وہ صاحب ملے اور کہا کہ میں ہی ہوں وہ شخص جس نے اس قسم کا خط لکھا تھا۔ پھر یہ کہا کہ آپ نے ایسا جواب کیوں دیا تھا۔ میں نے کہا کہ دو قسم کے شخص ہیں۔ شناسا اور ناشناسا۔ اور آپ سب انسپکٹر ہیں۔ کیا آپ کا برتاؤ سب کے ساتھ خصوصیت کا ہوتا ہے۔ یا ناشناساؤں سے ضابطہ کا۔

اسی طرح ہمارے یہاں بھی شناساؤں سے خصوصیت ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کو تو

خصوصیت کا جواب دیا جاتا ہے۔ باقی سب کو ضابطہ کا۔ اب آپ سے شناسائی ہوگئی ہے آئندہ ایسا جواب بن جائے گا۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جیسے تعارف کا اثر مجھ پر ہوا ہے آپ پر بھی ہوگا۔ آپ بھی ایسا سوال نہ کریں گے۔ یہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ یہ لوگ معقول بات کی قدر کرتے ہیں۔ تعلق ہونے پر ان کی یہ حالت ہوئی کہ برابر موجود رہے اور اسٹیشن تک پہنچانے آئے۔

جو لوگ مولویوں کو حقیر سمجھتے ہیں جو مولوی ان کے ساتھ نرمی کرتے ہیں مجھ کو برا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہئے التکبر مع المتکبرین عبادۃ۔ جیسے یہ لوگ علماء کو احمق سمجھتے ہیں ان کو بھی دکھانا چاہئے کہ تم کو بھی کوئی احمق سمجھتا ہے۔ ان سے تو یوں کہنا چاہئے کہ ہم سے تم میں سوائے تکلف کے کپڑوں کے اور کیا زیادہ ہے سو جن پر کپڑوں کا اثر یا رعب ہوگا ان پر ہوگا مگر ہم کپڑوں سے کیوں معزز سمجھیں۔

یہ علماء سے تمسخر کرتے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے جب کہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ تمسخر کیا تو یہ فرمایا **ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم** ۔ سو ہم کو بھی یہی کہنا چاہئے غریب کی رعایت کرے ان کی نہ کرے متکبر کے ساتھ متکبر ہی بنے۔

ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا کہ فلاں امر شرعی میں کیا حکمت ہے میں نے لکھا کہ سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے۔ خدا کے فعل کی حکمت معلوم کرنا تو مشکل ہے تم اپنے ہی فعل کی حکمت بتلاؤ۔ ایک شخص نے اس پر کہا اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ دوسرے کو جواب دے سکیں۔ میں نے اس کا جواب دو کہ یہ کام ہمارا نہیں۔ ہم ناواقف ہیں ہمارے علماء سے پوچھو۔ اور میں نے کہا کہ جب آپ اس فن سے واقف ہی نہیں۔ علم تم کو نہیں پھر مخالفین کی باتوں کا کہاں تک جواب دو گے۔

اور ایک حکم کی حکمت پوچھ کر اس کو جواب دے بھی دیا تو دوسرے سوالوں پر کیا جواب دو گے آخر خاموش ہی ہور ہو گے اس لئے سیدھی بات کہہ دو کہ ہمیں خبر نہیں ہمارے علماء سے پوچھو۔ یہ محض لایعنی باتیں ہیں جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ **من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه** ۔ یعنی جس بات میں کوئی فائدہ نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہئے جس کا عمل اس پر ہوگا اس کی زندگی بڑی حلاوت کی ہوگی خیر دنیا اور خیر عقبیٰ دونوں اسی کو حاصل ہونگی۔ لایعنی باتوں میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے اس بارہ میں گاؤں والے بڑے اچھے ہوتے ہیں کہ ان میں

تصنع نہیں ہوتا۔ سیدھی سادھی بات کرتے ہیں۔ بھولے بھالے ہوتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں ہم مکہ معظمہ گئے تھے تو دیہات میں ہوتے ہوئے گئے تھے۔ گاؤں والے مسئلے پوچھا کرتے وہ عالم فاضل تو تھے نہیں نہایت سادگی سے مسائل دریافت کرتے جو لطف ان میں تھا وہ حقائق معارف کی تحقیقات میں نہیں۔ پھر فرمایا میرے پاس کل ایک گاؤں کا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ اشرف علی کہاں ہے میں نے کہا کہ میں ہی ہوں کہنے لگا تو اشرف علی نہیں وہ تو گورا ہے میرے پاس مولوی حبیب بیٹھے تھے میں نے کہا کہ سفید تو یہ ہیں۔ کہنے لگا سچ بتلادے میں نے کہا کہ میں ہی ہوں کہنے لگا کیوں جھوٹ بولے میں نے کہا دیکھ یہ معمار مزدور لگ رہے ہیں ان سے پوچھ لے۔ وہ گیا اور ان لوگوں سے پوچھا۔ پھر آیا کہ میری خطا معاف کر دے میں نے پہچانا نہ تھا میں نے ایک بر (ایکبار) دیکھا تھا اس لئے پہچانا نہیں۔ اس شخص کے حال سے اس قدر معلوم ہوا کہ تصنع نہ تھا۔ خلوص بھی عجیب چیز ہے۔ گو گفتگو ٹوٹی پھوٹی کیوں نہ ہو۔

ارشاد: بڑے بننے میں لوگوں کو حظ ہوتا ہے حالانکہ چھوٹے ہونے میں حظ ہے کیونکہ بڑے بننے میں سارے بار اس پر آجاتے ہیں ہاں اگر منجانب اللہ کوئی خدمت اس کے سپرد ہو جائے تو اس کی اعانت ہوتی ہے۔ اور خود بڑا بننے میں اعانت نہیں ہوتی۔ مولانا بڑا بننے کی مذمت فرماتے ہیں۔

خویش را رنجور ساز در زار دار ☆ تاترا بیروں کنند از اشتہار
اشتہار خلق بند محکم ست بند ایں از بند آہن کے کم ست

اور جبکہ وہ بڑائی بھی جو کہ بلا قصد خود ملے وہ بھی محل خطر ہے، تو خود بڑا بننے کا تو کچھ کہنا ہی نہیں اور ایسے لوگ کم ہیں کہ سامان بڑائی کا ہو اور گمان بڑائی کا نہ آئے یہ صدیقین کا کام ہے۔ اور یہ امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں حب جاہ ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ لوگ اس کو حضور کہتے ہوں تو وہ دیکھے کہ تم کہنے کا اثر اس پر کیا ہوتا ہے۔

امتحان کے وقت معلوم ہوگا کہ ہم میں حب جاہ کتنی ہے کہ ہم زوال جاہ کے اسباب سے متاثر ہوئے یا نہیں۔ اور کون ٹٹولتا ہے دلوں کو۔ پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ بری زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بعض کبر بشکل تواضع ہوتا ہے کہ صورت تو تواضع کی مگر ہے کبر۔ اس طرح سے کہ وہ یہ تواضع اس غرض سے کرتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک یہ

خصلت معظم ہے مجھ کو معظم سمجھیں گے۔

بعضے اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے لوگ زیادہ مدح کرتے ہیں چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کے منہ پر آ کر اس کی مدح کرتا ہے کہ آپ ایسے ہیں۔ اور ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ اور وہ اس کو رد کرتا ہے کہ میں اس قابل کہاں ہوں پھر وہ کہتا ہے کہ آپ تو ایسے ہی ہیں پھر وہ کہتا ہے کہ میں کس قابل ہوں۔ ظاہراً تو ممدوح صاحب مادح کے روبر لچے جاتے ہیں۔ مگر قلب کی حالت خود دیکھ لے۔ پس یہ صورت تو تواضع کی ہے مگر ہے کبر۔ ورنہ اس پر مدح کا اثر کیوں ہو رہا ہے۔ جس میں کبر نہیں ہوتا۔ اس کے نزمدح وذم دونوں مساوی ہیں۔ اس پر دونوں کا اثر نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی یہی حالت تھی آپ پر مدح و ذم کا بالکل اثر نہ ہوتا تھا۔ مولانا کی کوئی مدح کرتا آپ اپنے کام میں لگے رہتے وہ جھک مار کر چلا جاتا۔ ان کو تو اس سے بحث ہی نہیں تھی۔ ان کی نظر حقیقت پر تھی۔ واقع میں اہل اللہ بڑے عاقل ہوتے ہیں اور صرف علوم واخلاق ہی میں نہیں تمام امور میں۔ چنانچہ معاشرت کے بارہ میں ایک بات یاد آئی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کسی جگہ تشریف لئے جاتے تھے۔ گاڑی میں اسباب لادا جارہا تھا آپ لحاف لائے اور اس کو تہ کیا اس طرح کہ ابرہ اوپر اور استر نیچے۔ بقیہ اسباب گھر میں لینے گئے۔ ایک شخص وہاں کھڑے تھے انہوں نے کہا کہ بزرگ واقعی ہوتے ہیں۔ بڑے سیدھے کہ دنیا کی خبر ہی نہیں لحاف بھی تہ کرنا نہیں جاتے۔ اور اس لحاف کو بطریق متعارف تہ کر کے رکھ دیا۔ یعنی استر اوپر کر دیا اور ابرہ نیچے۔ مولانا گھر میں تشریف لائے اور یہ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس نے تصرف کیا ہے۔ وہ شخص بولے کہ حضرت یوں ہی تہ کیا کرتے ہیں۔ تا کہ ابرہ گرد سے محفوظ رہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کی عقل تو دیکھئے ابرد اچھا یا ہمارا دماغ اچھا۔

یعنی اگر استر کو اوپر کیا جائے گا۔ اور ابرہ نیچے تو راستہ میں استر پر گرد جمے گی اور رات کو اوڑھنے میں استر اندر ہوگا تو دماغ میں گرد جائے گی، دماغ خراب ہوگا۔ سو ابرا قیمتی ہے یا ہمارا دماغ۔ واقعی ان حضرات کی حقائق پر نظر ہوتی ہے۔ اہل اللہ رسم کی پرواہ نہیں کرتے ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اہل رسم کے خلاف سے متاثر نہیں ہوتے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے بیس روپیہ تولہ سونا خریدا اور صراف نے پرکھ بھی دیا کہ واقعی سونا ہے اور خود بھی اس کو معلوم ہو گیا کہ سونا ہے اور ہے بھی سونا ہی۔ ایک دوسرا شخص ملا اور

اس نے کہا کہ آپ نے بیس روپیہ تولہ یہ پیتل خریدا ہے۔ تو جب اس کو معلوم ہے کہ یہ سونا ہے تو لوگوں کے بکنے سے متاثر نہ ہوگا۔

محقق کسی کے اعتراض کے وقت حقیقت کا انکشاف ہو جانے کے سبب سب کو احمق سمجھتا ہے اور خوش ہے کہ میں حقیقت پر قائم ہوں۔ اگر کوئی رسم سے متاثر ہو تو یوں کہو یا تو اس کو حقیقت کی خبر نہیں یا خبر تو ہے مگر قدر نہیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ما بین الخطبتین جب امام جلسہ کرتا ہے۔ تو دعا مانگنا درست ہے یا نہیں۔

ارشاد: دل سے دعا بدون حرکت لسان ہو تو جائز ہے۔ سکوت واجب اور دعا اس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ اذان خطبہ کی اجابت چاہئے یا نہیں چاہئے۔

ارشاد: اختلاف ہے اور اختلاف کی حالت میں احتیاط کا فیصلہ یہ ہے کہ اجابت باللسان حنفیہ کے نزدیک واجب نہیں۔ اس لئے غیر واجب میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا امام صاحب کے اقوال اقرب الی الانتظام ہیں۔ شاہانہ احکام ہیں۔ پہلے ہی سے ایسا بندوبست کرتے ہیں کہ آئندہ خرابی نہ واقع ہو۔ مثلاً کوئی عمل منقول ہے اور لوگ اس کو اپنے درجہ سے بڑھا کر کرنے لگیں اور اعتقاد میں بھی خرابی پیدا ہو جائے تو امام صاحب اس عمل ہی کو متروک ہونے کے قابل کہتے ہیں یعنی اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ نہ یہ کہ صرف اس زیادتی ہی کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔

جیسے سجدۂ شکر کہ گو منقول تو ہے مگر لوگ اس کو اپنی حد سے آگے بڑھانے لگے تھے اس لئے بالکل ہی روک دیا اور یہ اس عمل میں ہے جو ضروری نہ ہو اور جو عمل ضروری ہے تو اس میں صرف زیادتی کو حذف کیا جائے گا اور اصل عمل کو باقی رکھا جائے گا۔ امام صاحب کا مسلک صوفیہ کے مسلک سے ملتا ہوا ہے صوفیہ اعمال باطنی میں ایسی ہی احتیاط کرتے ہیں جیسے علماء احکام ظاہرہ میں۔

واقعہ: ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو دل قبول نہ کرے تو کیا کرے۔

ارشاد: فتویٰ پر عمل کرے دل کو دخل نہ دے اور بہتر تو یہ ہے کہ اہل بدعت کی مسجد ہی میں نہ جائے۔ لیکن اگر اتفاقاً پہنچ جائے۔ تو پھر ان کے ساتھ ہی پڑھ لے کیونکہ جماعت کا ترک کرنا

نہ چاہئے۔

واقعہ: اہل بدعت اور غیر مقلدین کی امامت کا ذکر تھا۔

ارشاد: غیر مقلد اور بدعتی میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ بدعتی کا حال تو معلوم ہے کہ فلاں بات میں اختلاف یہ کرتے ہیں اور غیر مقلدین چونکہ خود مدعی اجتہاد ہیں اس لئے ان کا حال معلوم نہیں کہ کس بات میں اختلاف کریں گے۔

اس لئے غیر مقلدین پر اطمینان نہیں۔ میں ایک مرتبہ موضع بھینسانی گیا ایک شخص نے عصر کی نماز پڑھائی جو قرائن سے تارکِ تقلید معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ پہلے سے پڑھا رہا تھا۔ اس لئے میں نے اقتدا کرلیا اور میرے سبب سے میرے ساتھیوں نے بھی اس کے پاؤں پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ اس وقت تو معلوم نہیں ہوا مغرب میں پھر اجتماع ہوا۔ اور اس نے سارے پاؤں پر مسح کیا۔ حالانکہ سارا پاؤں مجروح نہ تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ سارے پاؤں پر مسح آپ نے کیوں کیا۔ کہنے لگا کہ مجروح ہے۔ میں نے کہا سارا تو مجروح نہیں۔ مگر اس نے کچھ التفات نہ کیا۔ اس وقت نماز میں نے پڑھائی تھی۔ نماز کے بعد میں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ عصر کی نماز بھی ایسے ہی وضو سے پڑھائی ہوگی۔ اس لئے نماز نہیں ہوئی لوٹاؤ۔ اور آئندہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز مت پڑھو۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب باطلہ محض روپیہ سے شائع ہوتے ہیں۔ چنانچہ قادیانی کے ترویج مذہب میں بیالیس ہزار روپیہ سال صرف ہوتا ہے۔ بڑی کوشش ہے۔ اور یہاں تو کچھ بھی نہیں پھر ایک قصہ بھی بیان کیا کہ ایک شخص کہتے تھے کہ ایک مقام پر غیر مقلدین نے آمین پر جھگڑا کیا حتیٰ کہ عدالت تک نوبت پہنچی۔ ایک انگریز نے جو فیصلہ کنندہ تھا اپنے فیصلہ میں یہ لکھا کہ مجھ کو تحقیق کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ آمین تین قسم کی ہے۔ ایک بالجہر۔ جس کو شافعی کہتے ہیں اور حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔ دوسرے آمین بالسر جس کے حنفی قائل ہیں۔ اور اس کا ثبوت بھی حدیث سے دیتے ہیں۔ تیسرے آمین بالشر جس کو یہ لوگ کرتے ہیں اور یہ کسی کا نہ مذہب اور نہ حدیث سے ثابت ہے۔

واقعہ: ایک مدرسہ میں ایک جگہ بچوں کو کلام اللہ وغیرہ پڑھانے کی خالی تھی۔ ایک میاں جی صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ سفارش لکھ دیجئے مجھ کو جگہ مل جائے گی۔ چنانچہ حضرت نے سفارش لکھ دی وہ ملازم ہو گئے۔ اس مدرسہ میں ایک عالم باعمل بھی ملازم تھے ان کی

ماتحتی میں ان کو رہنا ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مدرسہ کے ایک طالب علم نے اپنے استاذ (مولوی صاحب) کا مقابلہ کیا۔ لوگوں کو یہ یقین ہوا کہ ان میاں جی صاحب کی بھی اس میں سازش تھی مگر ان مولوی صاحب کی ہمت دیکھئے کہ اس طالب علم سے بدلہ نہ لیا۔ حالانکہ ذرائع سہولت سے بدلہ لینے کے سب موجود تھے۔ جن میں سے بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جن کے مکان میں مولوی صاحب رہتے تھے وہ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا بھی کہ آپ ذرا آمادہ ہو جائیں تو میں چھ ماہ سے کم اس کو جیل خانہ بھیجوں گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں اپنی ذات کے واسطے بدلہ نہیں لینا چاہتا۔ حضرت والا نے ان کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ فنا کا درجہ ہے۔ ایک صاحب نے حضرت سے ان میاں جی صاحب کے بارہ میں یہ بھی عرض کیا کہ ان کی طرف سازش کی بدگمانی کرنا اور اس بناء پر ان کو موقوف کر دینا کیسا ہے۔

ارشاد: احتیاط کی وجہ سے اگر ان کو نہ رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں بلا قصور ثابت ہوئے بھی تو موقوف کر سکتے ہیں کیونکہ عقد اجارہ ہے کسی پر جبر نہیں۔ البتہ بلا ثبوت کسی کو ضرر نہ پہنچانا چاہئے۔ اسی طرح بدگمانی درست نہیں۔ جب وہ میاں جی میرے پاس آئے تھے اور میں سفارش لکھنا چاہتا تھا تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ جلد لکھ دیجئے تاکہ چٹ روٹی اور پٹ دال مل جائے۔ اس سے میں سمجھتا تھا کہ یہ حریص ہیں۔ میں نے لکھ دیا ملازم ہو گئے۔

میانجیوں میں عادت ماتحت رہنے کی نہیں ہوتی کیونکہ ہمیشہ مخدوم ہو کر رہتے ہیں۔ وہ مخدوم اور لڑکے خادم۔ کچھ اخلاق میانجیوں کے اچھے نہیں ہوتے دو میانجی یہاں تھے ان کی آپس میں یہ کیفیت تھی کہ ایک تو لڑکوں سے کہتے کہ ان کے بوریئے توڑ آؤ۔ اور ایک لڑکوں سے کہتے کہ اس پر راستہ میں ڈھیلے پھینکو میں نے کہا کہ کیا اچھے اخلاق ہیں۔ لڑکوں پر ان اخلاق کا کیا اثر پڑے گا۔

واقعہ: ایک بنئے کا ذکر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے کاروبار میں اس قدر مشغول ہے کہ اس کو کہیں کی خبر نہیں ہے۔

ارشاد: یہ لوگ اس قدر دنیا میں منہمک ہیں کہ دوسری طرف توجہ ہی نہیں۔ اگر مسلمان اپنی ضروریات دین میں اس طرح مشغول ہوں تو کیا ہی اچھی بات ہو۔ پھر ایک قصہ بیان کیا۔ ایک بنیا تھا جو تجارت کرتا تھا اور ریل بھی اس کے مکان کے قریب تھی مگر کبھی اس نے ریل دیکھی ہی نہ تھی۔ اس کے دل میں دوسری طرف حرکت ہی نہیں ہوتی تھی۔

پھر ایک مشغول دین کی حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ مکہ شریف میں تھے وہ طلباء کو درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے یہ خبر پہنچی کہ یہاں ہاتھی آیا ہے چونکہ ہاتھی وہاں ہوتا نہیں تمام طلباء اس کو دیکھنے کی غرض سے سبق چھوڑ کر بھاگ گئے وہ قصہ ہو گیا **واذا راؤ تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا.** صرف ایک طالب علم استاذ کے پاس رہ گئے۔ استاذ نے کہا کہ تم بھی جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی یہاں ہاتھی کی زیارت کو نہیں آیا ہوں۔ آپ کی زیارت کو آیا ہوں۔ واقعی ایسے اعتقاد سے بہت نفع ہوتا ہے اور مقصود میں مشغول ہونے کے یہی معنی ہیں۔

واقعہ: حضرت چونکہ ہر وقت و ہر حالت پر پورے طریقہ سے نظر فرماتے تھے اور دوسرے کی آسائش کا خیال رکھتے ہیں۔ شعبان کے آخر دن میں طلباء کو وظیفہ حسب معمول ملا۔ اس کے علاوہ بوجہ رمضان شریف کے مبلغ ایک روپیہ فی کس سحر میں دودھ کے لئے بھی دیا گیا۔

ایک طالب علم نومسلم تھے ان کو مدرسہ سے تو وظیفہ ملتا ہی تھا۔ اس کے علاوہ حضرت خاص طور سے بھی ان کو مبلغ ایک روپیہ ماہوار مرحمت فرماتے تھے۔ انہوں نے حضرت کی خدمت میں پرچہ پیش کیا کہ رمضان شریف میں مجھ کو مبلغ دو روپیہ اور زیادہ مل جائیں جس کا حساب یہ تھا۔ تین روپیہ وظیفہ عامہ ایک روپیہ معمولہ خاص ایک روپیہ سحر کا اور دو روپیہ اور کل سات روپیہ (مع) حضرت نے ان کو بلا کر اس زائد دو روپیہ کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ پہلے تو میں خود کھانا پکاتا تھا اب رمضان شریف میں خود پکانے میں دشواری ہے کھانا دوسری جگہ پکواؤں گا جس کا خرچ زیادہ ہوگا۔

ارشاد: تم میں اور لوگوں سے کیا بات زیادہ ہے۔ تمہیں جہاں زیادہ ملے وہاں چلے جاؤ۔ یہ حال ہے حرص کا۔ کیا تم میں سرخاب کا پر ہے کہ اوروں سے زیادہ رمضان شریف میں پکانے سے آپ کو تکلیف ہوگی۔ کیا اور نہیں پکاتے۔ تمہیں میں تمام دنیا کا تنعم آ گیا۔ شرم نہیں آتی بے حیا جتنی رعایت کرواتے ہی آپ سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ مجھے تو نومسلموں کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک روپیہ میں زائد دیتا تھا مجھ سے کسی نے سحری کو نہیں کہا ان کو سحری کے لئے بھی دیا گیا۔ مجھ کو تو سب کا خیال خود رہتا ہے۔ معلوم ہوا دین مقصود نہیں کھانا پینا مزہ اڑانا مقصود ہے۔ بس ان کو تو نواب بنا کر رکھیں اور لوگ (دیگر طلباء) چمار بھنگی ہیں۔ یہ طالب ہیں۔ یہ نتیجہ حرص کا ہے۔ یہاں کسی کی ذمہ داری نہیں۔ یہاں کوئی چندہ نہیں۔ نہ کوئی نواب کفیل ہے۔ توکل کا مجمع ہے اگر گنجائش ہو سب کے لئے ہے نہ ہو تو کچھ نہیں۔ کپڑے آئے تھے بانٹ دیئے۔ ہم تو بطور خود خیال

کرتے ہیں۔ ایک تو اظہار حاجت ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر حرص اور بڑائی ناگوار ہوتی ہے۔ تم تو تنہا ہو شرفاء کی عورتیں سارے کنبہ کا کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں۔ اور روزہ بھی رکھتی ہیں تم ان سے بھی زیادہ ہو گئے۔ بعض طبائع نالائق ہی ہوتی ہیں۔ حریص ہوتی ہیں۔

کل ایک مہمان صاحب آئے میں نے ان سے کھانے کے لئے پوچھا انہوں نے کھانا بھیجنے کو کہہ دیا۔ جب ان کو کھانا بھیجا گیا تو ملازم سے کہنے لگے کہ مولانا کے یہاں کا یہ کھانا۔ کیا مولانا بکری کا گوشت نہیں کھاتے ہیں۔ میرے ملازم نے کہا کہ وہ تو بھینس تک کا گوشت کھا لیتے ہیں۔ اور لطیفہ سنئے کہ یا تو اس کھانے کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے یا کھانے پر آئے تو سارا سالن گھر کا ختم کر دیا اول تو عام طور سے مہمان کے لئے زیادہ سالن بھیجا جاتا ہے۔

چنانچہ ایک پیالہ میں اتنا سالن بھیجا کہ گھر والے اتنا خود بھی نہیں کھاتے وہ ختم کیا پھر اور منگایا وہ ختم کیا۔ غرض سب ختم کر دیا گھر والے ویسے ہی رہ گئے اس واقعہ سے صرف بدمعاملگی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ ان کا کھانا ناگوار تھا۔ روٹی بھی ڈھائی پاؤ آٹے سے کم نہ ہوگی۔ صبح کے وقت میں نے بے تکلفی سے دریافت کرایا کہ آپ کا قیام کتنا ہوگا۔ کہنے لگے کہ میں تو آپ سے ملنے کو آیا تھا آج جاؤں گا۔ میں نے پھر دریافت کرایا کہ آپ کا روزہ تو نہیں کہنے لگے کہ روزہ دوزہ تو نہیں روٹی دیجئو یا نہ دیجئو۔

ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس کھانے سے خوش نہیں ہوئے۔ مگر کھایا اتنا کہ سارا سالن ختم کر دیا۔ پھر کہنے لگے کہ اس وقت کچھ کھانے کی خواہش بھی نہیں۔ کیونکہ رات کا کھانا ہضم نہیں ہوا پیٹ میں درد ہے۔

یا تو ان حضرت کو کھانا اس قدر ناپسند تھا۔ اور کھایا تو حد سے زیادہ اس کے بعد کہا کہ مجھ کو پانچ سو روپیہ قرض دیدو میں نے دو روپیہ ان کو بھیجے کہ ان کو قبول کر لیجئے۔ اور یہ بطور قرض کے نہیں ہیں۔ کون قرض دیکر جھگڑے میں پڑے یہ تبرعاً ان کو دیئے گئے اور یہ کہا گیا کہ پانچ روپیہ کا انتظام نہیں ہو سکتا آپ نے لوٹا دیئے کہ میں خیرات لینے والا ہوں۔

اس کے بعد کہنے لگے کہ تین روپیہ کرایہ کیلئے دیدو۔ میں نے تین روپے دیدیئے اور کہہ دیا کہ یہ بھی ویسے ہی ہیں قرض نہیں ہے۔ بس چپکے سے لے لئے چلتے وقت کہلا کر بھیجا کہ میں مصافحہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اس وقت مجھ کو معافی دیجئے میں کام میں ہوں۔ کہنے لگے کہ پہلی مرتبہ جو میں آیا تو جانے کے وقت میں نہیں ملا تھا۔ اس دفعہ مولانا نہیں ملے۔ بدلہ ہو گیا۔ کہنے

لگے کہ میں کرنال جاتا ہوں ایک رئیس نے مجھ کو بلایا ہے مگر ایسے لوگوں کو امراء کب پوچھتے ہیں ایسوں کو تو بھیک منگا سمجھتے ہیں۔ نہایت ناقدری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حالت یہ ہے کہ بوڑھے ہو گئے مرنے کو تیار ہیں اور اخلاق اب تک درست نہیں حرص اور بڑائی بری معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے عبدالستار میرے ملازم سے کہا کہ میں بڑے بڑے بزرگوں کے یہاں گیا ہوں۔ جن کے یہاں پلاؤ اور قورمہ اور مرغن کھانے ملتے تھے۔ یہ ایک زمانہ میں مجھ سے جلالین پڑھتے تھے۔ یہ کیا پڑھتے تھے میں پڑھا کرتا تھا۔ سمجھتے سمجھاتے تھے نہیں۔ دو ایک طالب علم ان کے ساتھ اور بیٹھ جاتے تھے ایک طالب علم پر میں ایک روز خفا ہوا۔ آپ نے اس سے کہا کہ یہ نہایت سخت مزاج آدمی ہیں اسی رات کو بے ملے وہاں سے چل دیئے۔

واقعہ: ایک روز ایک عورت نے ایک رشتہ دار کے واسطہ سے یہ شکایت کی کہ دل میں وسواس بہت آتے ہیں۔ اس لئے کوئی وظیفہ بتلایئے۔

ارشاد: طبعی حالات نہیں بدلتے جب تک فنائے نفس نہ ہو۔ کمال یہ ہے کہ سب چیز رہے اور پھر کام کرے۔ اس لئے طالب کو یہ دھوکہ نہ دینا چاہیے کہ فلاں وظیفہ سے خیالات دور ہو جائیں گے مقتضیات طبعی کیسے دور ہو سکتے ہیں۔ اس کہنے سے کہ فلاں وظیفہ سے خیالات دور ہو جائیں گے۔ اگر دور نہ ہوئے تو وہ اللہ کا نام لینا بھی چھوڑ دیگا کہ کچھ ہوتا تو ہے ہی نہیں ان کو چاہیے کہ کلمہ پڑھیں استغفار پڑھیں۔ جتنی تسبیح آسان ہو اس قدر پڑھیں پھر مجھ کو اطلاع دیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ قطب الاقطاب ایک ہی ہوتا ہے یا کئی۔

ارشاد: قطب الاقطاب ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے ماتحت چھوٹے قطب ہوتے ہیں۔ جو صاحب قطب کہلاتے ہیں اور قطب دو قسم کے ہیں۔ ایک قطب التکوین۔ دوسرے قطب الارشاد قطب التکوین وہ ہے جس کی سپرد انتظام عالم ہوتا ہے۔ اور قطب الارشاد جس کے متعلق مخلوق کی ہدایت ہوتی ہے۔ قطب التکوین کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہوتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ یہ قطب التکوین ہیں۔ قطب الارشاد کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ ارشاد و ہدایت کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔

ان ہی میں سے یہ بھی ہے اس لئے خبر ہونا ضروری نہیں نہ ارشاد خبر ہونے پر موقوف ہے اور انتظام عالم کا حق ہر ایک مسلمان کو نہیں وہ صاحب منصب کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے اس کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری ہے۔ جیسے تھانیدار کو اپنے تھانیدار ہونے کی خبر

ہونا ضروری ہے۔ اور قطب الاقطاب تکوینی کی حالت ملائکہ کی سی ہے۔ ملائکہ کی شان یہ ہے کہ ان کو جیسے حکم ہوتا ہے ویسے ہی کرتے ہیں۔ کسی کا نفع ہو یا نقصان۔ جیسے کلام اللہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا قصہ مذکور ہے۔ کارخانہ عالم کو اس میں دخل ہوتا ہے۔ اور یہ وہ دخل نہیں جس کا اعتقاد شرک ہو۔ کیا ملائکہ کو دخل نہیں۔ اسی طرح ان کو بھی دخل ہوتا ہے۔ بعضے انکار کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے کہیں ثابت نہیں مگر جب اہل کشف کہتے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں پھر کیوں تکذیب کی جائے۔ اور اس کے خلاف پر کوئی دلیل بھی نہیں پھر تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔ اس میں قرآن شریف کے ٹٹولنے کی ضرورت نہیں قرآن میں یہ کہاں ہے کہ زید آیا جب اہل کشف کو اپنے کشف سے ایسے لوگ معلوم ہوئے ہیں اور خلاف پر کوئی دلیل نہیں۔ قطب التکوین کو یہاں تک دخل ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں ایک دفعہ دہلی میں سخت بے انتظامی ہوئی کسی نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ منتظمین کا وہی عملہ ہے جو پہلے تھا پھر یہ بدانتظامی کیسی۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس وقت میں یہاں کے صاحب خدمت منتظم نہیں ہیں۔ اس لئے یہ بدانتظامی ہے۔

اور فرمایا کہ اس وقت میں یہاں کا صاحب خدمت کنجڑہ ہے ایک شخص امتحان کرنے گئے وہ شخص خربوزہ بیچ رہے تھے انہوں نے خربوزہ لئے اور یہ کہا چکھ کر لوں گا۔ وہ چکھاتے گئے یہ پھیکے بتلاتے رہے یہاں تک کہ سب کاٹ کاٹ کر پھینک دیئے اور یہ بیچارہ کچھ نہیں بولا۔ پھر یکا یک دہلی میں بڑا عمدہ انتظام ہو گیا۔ کسی نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا فرمایا کہ صاحب خدمت بدل گئے اور وہ ایک سقہ تھے۔

شاہ صاحب نے ان ہی شخص کا ان کا پتہ بتایا کہ فلاں موقعہ پر فلاں وقت لوگوں کو پانی پلاتے ہیں اور فی کٹورہ ایک دمڑی لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص دمڑی لے کر گئے اور ان سے پانی طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ دمڑی لاؤ چنانچہ دمڑی انہوں نے دیدی۔ اور انہوں نے پانی دیا۔ انہوں نے پانی پھینک دیا کہ اس میں تنکا ہے اور دو۔ انہوں نے کہا کہ دمڑی لاؤ۔ یہ بولے کہ دمڑی تو نہیں ہے۔ انہوں نے ایک دھول ماری اور کہا کہ خربوزہ والا سمجھا ہے۔ خبردار جو بے دمڑی لئے میرے پاس آیا۔ قطب التکوین کا تصرف سب قلوب پر ہوتا ہے۔ کانپور میں ایک دفعہ نماز کا اس قدر چرچا ہوا کہ قریب قریب ہر شخص نمازی ہو گیا۔ ایک شخص کسی درویش سے نقل کرتے تھے کہ آج کل صاحب خدمت بڑے نمازی ہیں یہ ان کا اثر ہے۔

ایک حکایت شاہ عبدالعزیز صاحب کے وقت کی ہے آپ نے ایک شخص کو جو کہ صاحب خدمت کی شان دیکھنا چاہتے ہیں ٹھیکرا لے کہ اوس پر لکھ کر دیا کہ چھاونی میں ایک جوتیاں سینے والا بیٹھا ہے یہ اس کو دیدینا۔ چنانچہ وہ شخص گئے۔ دیکھا کہ ایک ذلیل سا آدمی راپی ستالی بیٹھا ہے۔ وہ ٹھیکرا۔ اس کو دیدیا اس نے ٹھیکرا دیکھ کر اپنا سامان تھیلے میں رکھ اور کندھے پر لادلیا۔ اس کے لادتے ہی فوج کے کرنیل کا بگل کوچ کا ہوگیا۔ فوج تیار ہوگئی۔ تیرے بگل کا انتظار تھا کہ اس نے اپنا سامان اتار کر رکھ دیا کرنل نے قیام کا بگل دیدیا۔

غرض کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جب یہ اپنے اسباب لادتا کرنل کوچ کا حکم دیتا اور جب یہ رکھ دیتا تو کرنل قیام کا بگل دیدیتا فوج والے کہتے تھے کہ آج کرنل کو خبط ہوگیا ہے اور یہ سارا تصرف اس صاحب خدمت کا تھا۔ رہے قطب الارشاد وہ نائب رسول ہوتے ہیں۔

لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں برکات سے متمتع ہونے کی شرط ان کے ساتھ اعتقاد ہے۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ ایک ہی شخص قطب التکوین اور قطب الارشاد ہوسکتا ہے۔ فرمایا ہاں! جیسے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ قطب الارشاد تھے ہی۔ شیخ بھی تھے قطب التکوین بھی تھے ایک بار فرمایا کہ فلانا کو افریاد کر رہا ہے اس (کنواں) پر ڈول رسی نہیں۔ چنانچہ لوگوں نے جا کر دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔ مولانا میں ایک شان مجذوبیت بھی تھی۔ مولانا کو ایک دفعہ اپنا نام لکھنا یاد نہ آیا۔

بعض دفعہ غصہ میں فرماتے جاؤ ہم نے فلانے کا رزق بند کردیا۔ ایک شخص کو ایسا ہی فرمایا تھا اس بیچارے کو تمام عمر پیٹ بھر روٹی نہ ملی بعض خشک مزاج یوں کہتے ہیں کہ صوفیہ نے جو مجذوب وغیرہ کی قسمیں نکالی ہیں۔ یہ لغو باتیں ہیں مگر صوفیہ کی باتیں بے ثبوت نہیں۔ دیکھئے آج پرچہ القاسم نمبر ''ا'' جلد ''۹'' ماہ شعبان ۱۳۳۶ھ کا آیا ہے اس میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے حالات لکھے ہیں اور مسند سے ان کے قصہ نقل کئے ہیں جن سے ان کے مجذوب ہونے کا پتہ چلتا ہے ان کو مجذوب کیوں نہ کہا جائے۔ ایک حال یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کھڑے ہوتے تھے اور سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ نہ رکوع نہ کچھ۔ بس سجدہ کیا اور پھر کھڑے ہوگئے۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں اور وہ شخص واقف نہ تھا کہ ابوذر غفاریؓ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کی فضیلت بتلائی اس لئے ہم کر رہے ہیں اور فرائض میں ایسا نہ تھا۔ نوافل میں ایسا کرتے تھے۔

اس پرچہ میں مسند احمد سے اور روایات بھی لکھی ہیں کہ جن کو دیکھ کر کہنا پڑیگا کہ بعض صحابہ بھی مجذوب تھے۔ پھر صوفیہ نے کیا غلط کہا ہے مجھ کو یہ روایتیں تکشف لکھنے کے وقت نہ ملی ورنہ ان روایات کو لکھتا۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب اور مجنون میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ مجذوب کی بات میں انجذاب الی اللہ کا اثر ہوتا ہے اور مجنون کی بات میں نہیں امت ایک باغ ہے اس میں سب طرح کے درخت ہیں نارنگی بھی ہیں اور آنبہ کے بھی اور سب طرح کی نیرنگیاں ہیں۔

واقعہ: حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سلمہٗ نے ایک شخص کو تھانہ بھون میں مبلغ پچیس روپیہ بذریعہ حضرت بھیجے حضرت نے وہ روپیہ اس کے پاس بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ ایک کارڈ سے مولانا کو روپیہ پہنچنے کی اطلاع دیدو مگر اس شخص نے پرواہ بھی نہ کی۔ حالانکہ کئی دفعہ حضرت نے آدمی بھیجا کہ تم نے رسید بھیجدی یا نہیں۔ مگر وہاں اس کی کچھ پرواہ بھی نہ ہوئی۔

ارشاد: ہر کام کا ایک حق ہے کام کو مکمل کر کے چھوڑنا چاہیے۔ مگر لوگوں کو اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اس سے پہلے اگر کوئی شخص میری معرفت کسی کو کوئی چیز بھیجتا تھا تو میں وصول ہی نہ کرتا تھا کہ کون جھگڑے میں پڑے مگر اب ایسا نہیں اس خیال سے کہ اگر کسی کا کام مجھ سے ہو جائے اچھا ہے مگر لوگ یوں ستاتے ہیں۔ حالانکہ پچیس روپیہ والے کو ایک پیسہ خرچ کرنا کوئی بات نہیں یا دو کلمہ لکھ کر میرے پاس بھیج دیتے تو میں اپنے خط کے ساتھ بھیجدیتا۔

اگرچہ مولانا کو رسید کا انتظار نہ ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ انتظار بھی ہو کیونکہ ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے پاس روپیہ پہنچے یا نہیں۔ مجھے اس شخص نے الجھن میں ڈالا۔ ایک یہ کیا ہماری طرز معاشرت سرتاپا نہایت خراب ہے۔ عموماً گھروں کی یہ حالت ہے کہ کسی کے یہاں سے برتنوں میں چیز آتی ہے برتن واپس نہیں دیتے اور کئی کئی روز بھی خبر نہیں لیتے اور پھر یہ کہ وہ برتن دوسرے گھر بھیج دیتے ہیں۔ یہ معاشرت ہے ہماری۔ فقہاء نے یہاں تک انتظام کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اگر کسی کے برتن میں چیز آئے تو اس میں کھانا جائز نہیں۔ تاوقتیکہ وہ چیز اپنے برتن میں نہ کرلے اور اگرچہ یہ بات ہے کہ اگر قرائن ایسے موجود ہوں کہ کھانا درست ہو۔ مثلاً چیز بھیجنے والے سے غایت درجہ کی بے تکلفی ہو اور قرینہ ہو اس پر کہ اگر اس کے برتن میں کھالیں گے تو کچھ بھی ناگوار نہ ہوگی بلکہ باعتبار عرف اجازت لینے کی بھی ضرورت نہ ہو اور نہ کھالینے سے کچھ خیال کسی قسم کا اس کو ہو تو ایسی حالت میں فقہاء منع نہیں کرتے مگر جہلا کے واسطے تو علی الاطلاق ہی انتظام کی ضرورت ہے۔ افطاری میں لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص مسجد میں میرے پاس

افطاری لایا اور برتن چھوڑ کر چلا گیا۔ اب گویا میں ان کے برتن کی نگہبانی میں رہوں۔ اب میں ان کو تلاش کرتا ہوں مگر کہیں پتہ نہیں ہے۔ اب میں نے یہ کیا کہ جو شخص افطاری لاتا تو میں کہہ دیتا کہ اگر آپ یہ وعدہ کریں کہ برتن خود ابھی واپس لیکر جائیں تو میں افطاری لیتا ہوں ورنہ معاف کیجئے۔ مہمانوں کا یہ حال ہے کہ بعض مہمان ایسے آتے ہیں کہ ان کے تعلقات قصبہ میں اور بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں قیام کریں۔

اب ان کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ آیا کھانا کہاں کھائیں گے اگر ان سے کھانے کو دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کھانا کہاں کھائیں گے تو نہایت ناگوار ہوتا ہے کہ مولوی صاحب آتے ہی یہ کیسا لٹھ سا مار دیتے ہیں۔ ایک مہمان کا عجیب قصہ ہوا کہ ایک صاحب میرے یہاں آئے جن کا تعلق قصبہ میں بھی تھا ایک وقت تو کھانا کھایا اور اس کے بعد ایک صاحب نے قصبہ میں سے کہ جن کا تعلق ان مہمانوں سے تھا میرے پاس کہلا بھیجا کہ کھانا ہمارے یہاں کھائیں گے اور ان کو خبر نہ کی کہ کھانا ہمارے یہاں ہے میں نے سامان نہ کیا۔ جب میرے یہاں سے کھانا نہ گیا اور وقت گذرتا ہوا دیکھا انہوں نے اس خیال سے کہ کھانا اسی وقت شاید تھا بازار سے کھانا منگا کر کھالیا۔ کھا کر بیٹھے ہی تھے کہ ان کے یہاں سے کھانا آ گیا جس کی ان کو خبر بھی نہ تھی۔ بوجہ کھالینے کے کھانے سے معذور ہے یہ مصلحتیں ہیں جن کی وجہ سے میں بات صاف کر لیتا ہوں۔ حالات کو دیکھ کر میں نے ایسا کیا ہے۔ جہاں ذرا بھی شبہ ہوتا ہے کہ میرے یہاں کھانا ہوگا یا اور کہیں تو میں بات صاف کر لیتا ہوں مگر لوگوں کو کھانے کا پوچھنا بھی نہایت ناگوار ہوتا ہے۔

حاجی عبدالرحیم صاحب نے ایک صاحب سے اتنا دریافت کیا کہ ٹھہرو گے تو بڑے خفا ہوئے حتیٰ کہ ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ ایک عادت عامہ یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں۔ اگر کوئی عین کھانے کے وقت آ گیا تو بلا تحقیق کھانا تیار کرا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے نہیں کہ کھائیگا یا نہیں۔ کھانا تیار ہونے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھا چکا ہوتا ہے۔ اگر پہلے دریافت کر لیتے تو کیا اچھا تھا۔ عرف یہ ہے کہ بات گول رکھو۔ یہ انتظامات جو میں نے تجویز کئے ہیں۔ بیس برس تک مستقل ان پر عمل ہونے سے شاید کچھ مذاق میں تغیر ہو جائے۔ ورنہ امید نہیں۔ رسوم بہت غالب ہو گئے ہیں۔

میں قرآن پڑھ رہا تھا دو شخص نووارد آ کر جن سے دل کھلا ہوا نہ تھا بالکل میری بغل میں بیٹھ گئے میں تنگ ہو کر اٹھ کر اندر مسجد کے چلا گیا۔ یہ بھی رسم ہے کہ ہر وقت جلسہ رکھو۔ ہر وقت ان کا کام کرو اپنا کام سب چھوڑ دو۔ اصل میں یہ پیرزادوں کی عادت ہے کہ ہر وقت جلسہ رکھتے ہیں

تا کہ بڑے معلوم ہوں انہیں کی یہ عادت بگاڑی ہوئی ہے۔ایک رسم اور ہے کہ جس کو اپنا بزرگ سمجھتے ہیں اس کے بالکل پیچھے جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔میں ایسی حالت میں یہ رائے دیتا ہوں چپکے سے اٹھ کر ان کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ جانا چاہیے تا کہ اس شخص کو معلوم ہو کہ جیسے اس کو اس کا بیٹھنا ناگوار ہوگا اسی طرح اس کو بھی ناگوار ہوگا۔اور پھر اس میں بھی حد سے بڑھ گئے بعض یہ کرتے ہیں کہ پشت کے پیچھے نماز شروع کر دیتے ہیں گویا نماز اس کے اندر کو نکل جائے گی تو قبول ہوگی۔

تمیز ہی نہیں کہ جب پیچھے نماز کی نیت باندھی تو گویا آگے والے کو اپنا پابند کر لیا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ ہی نہیں سکتا۔ایک اور عام رسم ہے جس سے اعتقاد ہے اگر وہ اپنے گھر جائے تو اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔وہ ایسے موقعہ پر اپنے دماغ کو سکون دینا چاہتا ہے۔پھر بھی راستہ میں پیچھا نہیں چھوڑتے۔راستہ میں کسی سے بات نہ کرنا چاہیے۔کیونکہ اس کا خیال اس طرف ہوگا۔کہیں پاؤں ہی پھسل جائے۔کوئی بیل وغیرہ مار دے اور بھی قباحتیں ہیں۔

چنانچہ دہلی میں ایسا ہوا کہ میں راستہ میں جا رہا تھا۔اور چند اشخاص نے باتوں میں لگا لیا پیچھے سے ٹرینوے آ رہی تھی اس کی ٹکر لگنے سے بچ گئی۔بتلایئے تو اگر اس کی ٹکر لگتی تو کیا انجام ہوتا۔ایک بات یہ کہ جس شخص کے ساتھ ہر وقت پیچھے پیچھے لوگ رہیں وہ تو تھوڑے دنوں میں فرعون بن جائے گا۔اپنے کو کچھ سمجھنے لگے گا۔پورب میں لوگ میرے سامنے سے لوگوں کو ہٹا رہے تھے کہ ہٹو بچو۔

میں نے کہا کہ راستہ میں ہمارا کیا حق ہے راستہ تو سب کا ہے اور میں نے کہا کہ چند روز تم میں کوئی رہے تو فرعون بن جائے۔رسول اللہ ﷺ نے تو سب کام خود کر کے دکھا دیئے۔حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرما دیا تھا کہ جب ہم آیا کریں اٹھا مت کرو۔ایک شخص میرے پاس پچھلے پیروں اٹھ کر چلے (یعنی پیٹھ میری طرف نہیں کی) میں نے کہا کہ میں کعبہ نہیں ہوں کہ پشت کرنا خلاف ادب ہے۔بعض لوگ آتے ہیں اور کھڑے رہتے ہیں بیٹھتے نہیں۔ایک صاحب آئے اور کھڑے ہو گئے۔میں نے کہا کہ آپ بیٹھتے کیوں نہیں کہنے لگے کہ بلا اجازت کیسے بیٹھوں۔میں نے کہا کہ دس برس تک اجازت نہیں بس فوراً بیٹھ گئے۔یہ بھی رسم ہے کہ بعض لوگ حاجت لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیارت کو آئے ہیں۔جب اٹھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ ایک بات عرض کرنی ہے میں کہہ دیتا ہوں کہ جایئے پھر کہنا۔آپ نے آتے ہی کیوں نہ کہا تھا۔میں نے بعضوں سے پوچھا بھی کہ آخر کیا بات ہے جو آتے ہی نہیں کہا۔بولے کہ تہذیب کے خلاف ہے کہ آتے ہی لٹھ سا مار دے

میں نے کہا کہ تہذیب کے خلاف تو جب ہو کہ میں دریافت نہ کروں۔

کل ایک شخص آئے میں نے ہر چند پوچھا کہ کیسے آئے ہو مگر بولے ہی نہیں جو جاتے ہی پوچھنے لگے تو وہ خشک مشہور ہوتا ہے۔ اگر یوں کرے کہ خوب اپنے پیچھے پیچھے پھرنے دے اور پھر بات کرے تو جب کہیں کہ بڑے خلیق ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ لوگ ہیں فارغ ان کو کچھ کام تو ہے نہیں ہر کام میں اطمینان ہی سوجھتا ہے۔ کام والا آدمی ایسی بے ہودگی نہیں کرتا۔ مثلاً ابھی ایک مطبع کے آدمی آئے تھے اور کام میں مشغول تھے ان کو اس کام کے متعلق ایک بات دریافت کرنی تھی بس دریافت کر کے فوراً چلے گئے اور فارغ آدمی کو اصول صحیحہ کی قدر بھی نہیں ہوئی۔

فائدہ: تھوڑی دیر کے بعد خبر آئی کہ جس کے پاس روپیہ آئے تھے اس نے مولانا عبدالرحیم صاحب سلمہٗ کی خدمت میں روپیہ پہنچنے کا خط بھیج دیا ہے۔

اس پر حضرت نے فرمایا کہ اطلاع کیوں نہیں دی کیا مجھ کو علم غیب تھا۔ ہمارے آدمی کو بار باردق کیا میری حکومت ہو جائے اور ہونے کیوں لگی۔ خدا گنجے کو ناخن نہ دے تو ایسی باتوں پر کچھ سزا تجویز کروں۔ اور سزا میں دو چپت کافی ہیں۔ چپت پر ایک اور بات یاد آ گئی وہ یہ کہ میانجی صاحبان کا دستور ہے کہ لڑکوں سے دوسرے لڑکوں کے چپت لگواتے ہیں مگر میں اس سے منع کرتا ہوں اس سے آپس میں عداوت ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کو خود حس نہیں رہی۔

اور تعلیم ہی نہیں صحبت سے نفع حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے۔ چنانچہ عموماً میں نے دیکھا ہے کہ اکثر بزرگوں کی بیبیوں کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے نہایت خراب ہوتے ہیں۔

لکھنو میں ایک بزرگ تھے ان کی بی بی بدصورت بھی تھی اور بد اخلاق بھی اور وہ بزرگ نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق۔ ایک روز وہ بزرگ اپنی بی بی سے کہنے لگے کہ تو بڑی بدقسمت ہے اس لئے کہ مجھ جیسے کا اثر تجھ پر نہیں ہوا وہ کہنے لگی کہ بدقسمت میں کیوں ہوتی تم بدقسمت ہو۔ میں تو خوش قسمت ہوں کہ مجھ کو تم جیسے ملے۔ اور تم کو مجھ جیسی ملی۔

ایک ظریف کی بی بی کالی تھی اس نے کہا کہ ہم دونوں جنتی ہیں کیونکہ تم مجھ کو دیکھ کر شکر کرتی ہو اور میں تم کو دیکھ کر صبر کرتا ہوں۔ اور صبر و شکر دونوں کی جزا جنت ہے۔ اگر خاوند بدشکل ہو تو ایسی خرابی نہیں اور جو بی بی بدشکل ہو تو زیادہ خرابی ہے کیونکہ مردوں کو حسن و جمال کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے عورتوں کو نہیں ہوتی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب امامت کے متعلق سب صفات میں سب مساوی ہوں تو جس کی بی بی زیادہ حسین ہو اس کا امام بنائیں کیونکہ ایسا شخص عفیف زیادہ ہوتا ہے

مگر یہ نہیں کہ اس وقت آپس میں تحقیق کرتے پھریں کہ کس کی بی بی حسین ہے بلکہ آپس میں عموماً اس کا علم ہوتا ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا ستائیسویں شب کو کلام اللہ کے ختم کی عادت بدعت ہے۔

ارشاد: التزام نہ کرے ہاں متبرک رات ہے اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع کے حساب سے ستائیسویں شب کو ختم ہوتا ہے۔

سوال: اس صورت میں ایک رکعت میں چھوٹا رکوع اور ایک میں بڑا ہونا لازم آتا ہے۔

جواب: نوافل میں یہ جائز ہے۔ اور یہ نہیں معلوم کہ رکوع کس نے مقرر کئے ہیں۔ عرب میں پتہ بھی نہیں۔ (چنانچہ مصری کلام مجید میں رکوع کا نشان نہیں ہوتا۔ ۱۲ خط)

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا لیلۃ القدر کے آثار محسوس ہوتے ہیں۔

ارشاد: کبھی محسوس بھی ہوتے ہیں۔ باقی ایک اثر ضروری یہ ہے کہ اس شب میں جی زیادہ لگتا ہے اور لیلۃ القدر میں پوری شب کی بھی فضیلت ہے یہ نہیں کہ کسی خاص ساعت کی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ساعت کے عنوان سے خبر دیجاتی جیسے جمعہ میں ایک ساعت کی خبر دی گئی ہے اور لیلۃ القدر کی جہاں بھی فضیلت بیان ہوئی ہے عنوان لیلہ ہے۔ اور اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رمضان کے عشرۂ آخر میں ہوتی ہے اور بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تمام سال میں دائر سائر ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے پوچھا کہ قرآن کس درجہ کے بھولنے پر وعید ہے۔

ارشاد: جس درجہ کا یاد تھا جب اس درجہ میں یاد نہ رہے تو داخل وعید ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے پوچھا کہ ایک جلسہ میں کئی قرآن شریف جہر سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔

ارشاد: اکثر فقہاء کے کلام سے منع معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں نے اپنی تفسیر میں ایسے بعض اقوال نقل کئے ہیں جس سے جواز معلوم ہوتا ہے اور اسی میں وسعت ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک شخص قازان کے رہنے والے (قازان روس میں ہے) تسبیح میرے یہاں بھول گئے تھے چنانچہ وہ میرے پاس موجود ہے اب میں کیا کروں۔

ارشاد: آپ کے تعلقات ان سے اس امر کو مقتضی ہیں کہ وہ آپ کے لینے پر ناخوش نہ ہوں گے بلکہ آپ کے استعمال کو باعث برکت سمجھیں گے اور ان کے پاس بوجہ مسافت بعیدہ کے

پہنچنا مشکل ہے اس لئے آپ استعمال کر سکتے ہیں۔

واقعہ: میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ مواعظ وغیرہ کے ایسے نام رکھتے ہیں کہ دل قبول کر لیتا ہے کہ یہی نام ہونا چاہیے تھا۔

ارشاد: آپ یہ کہتے ہیں اور ایک صاحب نے یہ لکھا تھا کہ تم نام دھوکہ کے رکھتے ہو چنانچہ اصلاح الرسوم کا نام دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ اس میں رسموں کی اصلاح ہوگی۔ مگر جب کتاب کو دیکھا تو اس میں اصلاح کہاں اس میں تو رسوم کی تردید کی ہے۔ ایک صوفی رسمی نے رسالہ حق السماع کا نام لوح پر دیکھ کر تاجر سے پوچھا کہ یہ کس کی تصنیف ہے۔ اس نے میرا نام لیا بڑے خوش ہوئے کہ سماع پر بڑی سند ہوگی۔ تین آنہ کو بخوشی رسالہ خرید لیا۔ خوش خوش کھولا۔ دیکھ کر کہا لاحول ولا قوۃ بڑا دھوکہ ہوا۔ پھر فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ جس کتاب کا نام اچھا نہ ہو اس کے دیکھنے کا قصد نہ کرے کیونکہ جس کا نام رکھنا نہ آیا وہ کتاب کیا لکھے گا۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کی ڈاک میں خط بھیجنے کا جو نلکا ہے اس میں اور لوگ بھی خط ڈال سکتے ہیں۔

ارشاد: میں عموماً اس لئے اجازت نہیں دیتا کہ جب کبھی اجازت دی ہے تو مفاسد پیش آئے کیونکہ اس میں بعض اوقات غیر بند کئے ہوئے خطوط بھی ہوتے ہیں۔ جن میں ٹکٹ بھی ہوتے ہیں وہ الٹ پلٹ ہوجاتے ہیں۔ گم بھی ہوجاتے ہیں۔ اور پھر جس حد تک اجازت دیجاتی ہے اس حد تک لوگ رہتے نہیں اس سے بڑھ جاتے ہیں۔ ہاں مجھ کو خط دیدیں میں اپنے ہاتھ سے ڈال دوں۔ جب مقصود دوسرے طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے تو دقتیں کیوں اٹھائی جائیں اور جو دقتیں پیش آئیں وہ مجھ کو اس وقت یاد بھی نہیں اس لئے عام اجازت نہیں دیجاتی۔

واقعہ: حضرت منہاروں کے رامپور میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک بڑے میاں نے عرض کیا کہ میرا لڑکا گیارہویں کیا کرتا ہے۔ اور میں بھی اس کو اس کی تاکید کرتا رہتا ہوں کہ ضرور کیا کرو۔ اور نیت اس سے یہ بھی ہوتی ہے کہ کچھ دنیا کے مقاصد میں بزرگوں کو ثواب پہنچانے سے کامیابی ہو۔

ارشاد: بعض لوگ تو وہ ہیں جن کے عقیدہ میں فساد نہیں۔ ان امور سے محض ثواب پہنچانے کی نیت ہوتی ہے اور اگر کوئی ترک کرے تو اس کو ملامت بھی نہیں کرتے۔ غرض ان کے عقیدہ میں کوئی خرابی نہیں۔

گو ایسے لوگ شاذ و نادر ہیں۔ اب عالم دو قسم کے ہیں۔ ایک محقق دوسرے غیر محقق۔ سو غیر محققین تو ایسے لوگوں کو منع نہیں کرتے۔ مگر محقق عوام کو آئندہ کے محتمل مفاسد سے بچانے کے لئے اس سے بھی روکتے ہیں۔ محقق کی نظر سب پہلوؤں پر ہوتی ہے۔ فقہ میں ایسے امور کا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ اگر کبھی کبھی ایسا ہوتا اور فساد عقیدہ بھی نہ ہوتا تو محققین منع نہ کرتے۔

اور بعض وہ عوام ہیں جن کے عقیدہ میں یہ ہے کہ حضرت کچھ مدد کرتے ہیں تو اس کا عدم جواز ظاہری ہے۔ یہ تو گفتگو تھی عقیدہ میں باقی نیت سو اہل اللہ کو ثواب پہنچانے میں احسان یہ مقصد رکھنا کہ ان سے ہم کو دنیا کا نفع پہنچے یہ تو خلاف عقل بھی ہے کیونکہ ان کے پاس تو دین ہی ہے دنیا ہے کہاں۔ اور اگر کسی کا عقیدہ اور نیت سب سالم ہو مگر **من تشبہ بقوم فھو منھم** کی بنا پر اہل بدعت کے مشابہت ہونے کی وجہ سے منع ہوگا۔ دوسری وجہ منع کی وہی کہ آئندہ کوئی مفسدہ ہو جائے گو دوسرے ہی کو ہو اس کی ایسی مثال ہے کہ جب ہیضہ پھیلتا ہے تو ''امرود'' کی ممانعت عام طور سے کی جاتی ہے۔ جب فساد غالب ہو تو سب کو منع کیا جائے گا۔ گو خاص کسی شخص کو ضرر نہ ہو انتظام سب کے ہی منع کرنے سے ہوتا ہے اور بعض رسوم میں جو بعض بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے کہ وہ اس کے عامل تھے سو بعض باتیں بعض بزرگوں کی طرف غلط منسوب کر دی ہیں حالانکہ ان کی طرز کے بالکل خلاف ہیں جیسے حدیث کے موضوع ہونے کے بارہ میں وحی تو نازل نہیں ہوئی کہ فلاں حدیث موضوع ہے بلکہ جب طرز حدیث کی موافق کسی حدیث کو نہیں دیکھتے تو کہہ دیتے ہیں کہ موضوع ہے اسی طرح اگر کوئی روایت کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو مگر اس کے طرز کے خلاف ہو تو اس کو بھی موضوع کہیں گے۔ نیز ایک بات قابل لحاظ یہ ہے کہ قابل اعتماد اس شخص کا قول و فعل ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا جس کی یہ شان ہو۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ☆ ہر ہوس ناکے ندا ند جام وسنداں باختن

اور جس کی ایسی نظر نہ ہوگی وہ کیا کریگا تو اگر جامع نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین صفات ہوں۔ محدث ہو۔ فقیہہ ہو۔ صوفی ہو۔ تینوں کا جامع ہو۔ بتلایئے کہ کے آدمی ایسے ہیں۔ یوں صلحاء سب ہیں۔ اپنے سے سب کو اچھا سمجھے۔ ریل میں بیٹھنا آسان ہے گارڈ ہونا مشکل ہے یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کام گارڈ نے عارضی طور سے کسی مسافر کے سپرد کر دیا ہو۔ لین کلیئر اس کو نہ ملے گا۔ اگر چہ وہ کہے کہ گارڈ نے میری سپرد فلاں کام کر دیا ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے منہاروں کے رام پور میں دریافت کیا کہ یہ جو ختم کے روز قل ہواللہ پر بسم اللہ بالجہر پڑھتے ہیں اور بعد ختم مفلحون تک الم کی آیات پڑھتے ہیں اور قل ہواللہ کو تین بار پڑھتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے۔

ارشاد: قل ہواللہ پر بسم اللہ کی ایسی پابندی کرنا کہ کبھی قضا نہ ہو محل کلام ہے۔ البتہ تمام کلام اللہ میں ایک دفعہ بسم اللہ بالجہر پڑھنی چاہیے۔ قل ہواللہ کی تعیین نہیں۔ کیونکہ حنیفہ کے نزدیک بسم اللہ بھی مطلق قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ اور وہ جا بجا مکرر ہے اور میرا۔ اور میرے استاد کا معمول ہے کہ اقراء پر پڑھتے ہیں وجہ یہ کہ سب سے پہلے یہ نازل ہوئی اور دوسرے اس کا شروع مضمون بھی بسم اللہ پڑھنے کے مناسب ہے۔ کیونکہ فرماتے ہیں اقرء باسم ربک جس میں بسم اللہ کے پڑھنے کا اشارہ نکلتا ہے۔

اور بعض علماء نے رعایت خلافیات کے سبب کہا ہے کہ اول تراویح میں الحمد پر پہلے پڑھ لے۔ اور مناسب یہ ہے کہ مختلف طور سے پڑھ دیا کرے۔ کبھی کسی سورت کے اول میں کبھی کسی۔ بعض مقامات میں ہر سورت کے اول میں بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں اور اس میں رسالے لکھے ہیں۔

حاصل ان کے مضمون کا یہ ہے کہ قراء سبعہ میں دو جماعت ہیں۔ ایک وہ ہیں جو دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سے فصل کرتے ہیں یعنی ایک سورت کے ختم ہونے اور دوسری سورت کے شروع ہونے کے درمیان میں بسم اللہ پڑھتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں کہ فصل نہیں کرتے۔ یعنی بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں بلکہ سورتوں کو ملاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اور عاصم جس کی قرأت ہندوستان میں ہے۔ بسم اللہ پڑھنے والوں میں سے ہیں اسی لئے اگر کسی نے بسم اللہ نہ پڑھی تو اس نے عاصم کی روایت پر قرآن نہیں پڑھا۔ پس جس طرح تمام قرآن جہر سے پڑھا جاتا ہے اسی طرح بسم اللہ بھی جہر سے پڑھنا چاہیے۔ مگر اس استدلال میں کلام ہے وہ یہ کہ اس سے اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ موافق رعایت عاصم کے بسم اللہ پڑھنی چاہیے اب رہی یہ بات کہ جہر کے ساتھ چاہیے یا نہیں تو یہ مسئلہ قرأت کا نہیں فقہ کا ہے۔ سو فقہ میں ہے کہ آہستہ چاہیے۔ پس اس مسئلہ کا تعلق دو فن سے ہے ایک قرأۃ اور دوسرے فقہ۔

آہستہ پڑھنے والوں میں دونوں پر عمل ہو جاتا ہے اور جہر سے پڑھنے میں حنفیت چھوٹتی ہے عاصم قرأت میں امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں۔ اور فقہ میں امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ امام

عاصمؒ نے یہ فرمایا تھا یااباحنیفه قد جئتنا صغیرا وقد جئتنا ک کبیرا۔ یعنی تم ہمارے پاس بچپن میں آئے تھے اور ہم تمہارے پاس بڑے ہو کر آئے اور مفلحون تک پڑھنے میں سب کا اتفاق ہے۔ رہا قل ہو اللہ کا تین مرتبہ پڑھنا تو یہ محض معمول ہے کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

واقعہ: ایک استفتاء آیا کہ صرف عورتیں جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں پڑھ سکتیں۔

ارشاد: کتب فقہ اقلھا ثلث رجال۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر رجال سے جمعہ منعقد نہیں ہوتا۔ مجھ کو یقین نہ تھا کہ یہ جزئیہ نکلے گا مگر کتاب میں موجود ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے فقہاء کی نظر کا خدا کی تائید کا کام ہے نظر کہاں تک چل سکتی ہے۔

واقعہ: حضرت کی بھتیجی کے شوہر منہاروں کے رامپور میں بیمار تھے اور ان کی بیماری کی خبر معلوم ہوئی عیادت کے لئے جا کر واپس تشریف لائے پھر تھوڑا عرصہ ہوا کہ وہ بیوہ ہوگئیں۔

ارشاد: اور ملکوں میں شوہر کے مرنے کا اتنا ہی رنج ہوتا ہے جتنا شوہر کو بی بی کے مرنے کا۔ مگر ہندوستان میں زیادہ رنج ہونے کا سبب نکاح ثانی نہ ہونا ہے ایسے واقعہ میں یہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ گویا ساری عمر کو برباد ہوگئی۔

واقعہ: ایک شخص حضرت کے لئے آم اور گھی ہدیہ میں لائے۔ چونکہ حضرت معاملہ میں زوجین کے درمیان پورا عدل فرماتے ہیں جس کو شک ہو وہ مشاہدہ کر لے۔ حضرت نے اپنے ملازم سے ترازو منگائی اور یہ فرمایا کہ جو صاحب لائے ہیں وہی نصفا نصف کر دیں تو مناسب ہو۔

ارشاد: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی ایک چیز میرے مکان پر جائے اور وہاں سے تقسیم ہو کیونکہ میں ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بنانا نہیں چاہتا۔ اور اگر یہ صورت کروں کہ دونوں میں سے کبھی کوئی اور کبھی کوئی نمبر دار تقسیم کیا کریں تو اس کا یاد رکھنا مشکل ہے اس لئے تقسیم لانے والے کے ذمہ۔ اور یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بناؤں لوگوں نے نکاح ثانی آسان سمجھ لیا ہے۔ مناسب ایک ہی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں ذالک ادنیٰ الا تعولوا میں زیادہ پسندیدہ کو مروج کرنا چاہتا ہوں میں کہتا ہوں کہ نکاح ثانی نہ کریں۔

واقعہ: کچھ گاؤں کے لوگ آئے اور کچھ روپے ہدیہ پیش کئے۔

ارشاد: گاؤں کے لوگ نہایت مخلص ہوتے ہیں نانوتہ کے پاس آبہہ ایک گاؤں ہے حضرت حاجی صاحبؒ وہاں عرصہ تک قیام فرمارہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی اسی موضع میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ہمراہ وہاں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اس گاؤں سے لوگ آتے ہیں

اور ان کو یہاں قیام کرنا ہوتا ہے۔تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اتنے آدمی ہیں اور رات کو قیام کریں گے۔ میں اس بات کو بڑی قدر کرتا ہوں میں ان کی کوئی چیز واپس نہیں کرتا۔ ان میں کوئی بناوٹ نہیں ہوتی۔ پہلے آبہہ کے لوگ جمعہ پڑھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے یہ فرمایا کہ آبہہ ہمارا ہی ہے اور پھر ہمارے مسلک کے خلاف جمعہ پڑھتے ہیں یہ خبر گاؤں میں پہنچی تو سب نے جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا۔تہذیب اس کا نام ہے کہ بناوٹ نہ ہو صاف بات ہو۔

واقعہ: ایک خط میں چند باتیں کاتب نے اپنے متعلق لکھی تھیں۔ اور پھر بعض لوگوں کی نسبت تعریضاً یہ لکھا تھا کہ جو لوگ حرام مال کھاتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا۔

ارشاد: مجھ کو فضول سوال سے گرانی ہے انسان پہلے اپنی فکر کرے جو باتیں اپنے متعلق لکھی تھیں ان کے جوابات میں نے بلا کلفت لکھ دیئے اور جو بات دوسروں کے متعلق دریافت کی ہے اس کا جواب یہ ہے ؂

تجھ کو کسی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

بعض لوگوں کی عادت ہے کہ ایسے مضمون سے نصیحت کرنا منظور نہیں ہوتا۔۔ بلکہ محض دوسرے کو چڑانا تو کہیں قیامت میں ان کا معاملہ یہ نہ ہو۔ ؂

گنہ آمرز رندان قدح خوار ☆ بطاعت گیر پیران ریا کار

آوارہ لوگوں میں ہزاروں عیب ہیں مگر اس کے ساتھ اعتراف بھی ہے اور آج کل کے عابدوں میں عجب و پندار بہت کچھ ہیں۔

واقعہ: ایک مرید کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ مجھ کو بخار آیا جس میں لذت و تکلیف ملی ہوئی تھی۔

ارشاد: لذت و تکلیف ملی ہوئی تھی یعنی طبعی تکلیف تھی اور روحانی لذت۔ جب یہ حالات پیدا ہونے لگیں تو معلوم ہوگا کہ اب دروازہ میں داخل ہوئے۔لوگ کشف و کرامات کو دیکھتے ہیں مگر یہ موقعہ ہیں امتحان کے کہ موقع پر کیا باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

واقعہ: ایک صاحب کا خط آیا کہ میں نے ایک درزی کا علاج کر رکھا تھا۔اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا تھا۔وہ ایک عرصہ تک چھتری نہیں لائے۔ میں نے پرانی چھتری پر غلاف نیا چڑھا لیا۔ کیونکہ ضرورت زیادہ تھی۔اس کے بعد وہ ایک خوبصورت چھتری لایا۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تو یہ اشراف نفس ہے یا نہیں۔

ارشاد: اشراف وہ ہے جس پر یہ آثار مرتب ہوں کہ نہ آنے پر غصہ آئے اور اگر نہ دیگا تو پھر اس کا علاج نہ کریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس اور محض اس احتمال کو نہیں کہتے کہ شاید لے آئے اور یہ بھی اہل توکل کے لئے ہے اور اہل تاکل کیلئے نہیں۔ یعنی جو لوگ پیشہ کرتے ہیں مثلاً طبابت ان کے لئے اشراف بھی کوئی حرج نہیں اگر چہ وعدہ پورا نہ کرنے پر غصہ آئے مجھ کو بھی اشراف کی حقیقت معلوم نہ تھی مگر ایک بزرگ کے سوال سے معلوم ہوگئی قصہ یہ ہوا کہ میں ایک جگہ گیا ہوا تھا وہاں مجھ سے ایک درویش عالم نے دریافت کیا کہ ہم لوگوں کو کبھی بلانے پر رئیسوں کے یہاں جانے کا اتفاق ہوتا ہے اور وہاں سے کچھ ملنے کی بھی امید ہوتی ہے تو یہ اشراف نفس ہے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ اشراف نہیں۔ کیونکہ محض احتمال کو اشراف نہیں کہتے تاوقتیکہ اس پر آثار مذکورہ بالا مرتب نہ ہوں یعنی اگر وہ نہ دیں تو ناگواری و شکایت پیدا ہو انہوں نے اس جواب کو بہت پسند کیا اور اس کے قبل مجھ کو بھی حقیقت اس کی معلوم نہ تھی مگر ان بزرگ کے دریافت کرنے سے معلوم ہوگئی تو یہ کمال ان بزرگ کا ہے جنہوں نے پوچھا تھا کہ ان کے سوال کی برکت سے یہ میرے ذہن میں آگیا میرا کوئی کمال نہیں ہے۔

واقعہ: ایک صاحب حضرت کا سقفی پنکھا کھینچ رہے تھے اتنے میں ایک اور شخص آکر اس غرض سے ان کے پاس بیٹھے کہ ان سے پنکھا لیکر خود کھینچیں اسی حیص بیص میں ان کا ہاتھ ان کی آنکھ میں لگ گیا۔

ارشاد: لوگ خدمت کرنا چاہتے ہیں مگر سلیقہ نہیں۔ میرا جی پریشان ہوتا ہے اور مجھ کو تو خدمت نہ کرنے کی شکایت بھی نہیں ہے مگر رواج ایسا پڑ گیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پنکھا وغیرہ خدمت سے مقبول ہو جائیں گے مگر یاد رکھیں کہ بے قاعدہ خدمت مقبول نہیں ہوسکتی۔ جیسے دوپہر کے وقت نماز کہ چونکہ بے قاعدہ ہے۔ مقبول نہیں خدمت سے پہلے اس کا قانون دریافت کریں۔ صرف یہ طریقہ نہیں کہ بس مجھ سے پوچھ لیا۔ بلکہ یہاں رہیں اور سب باتوں کو نگاہ میں نکالتے رہیں پھر متبوع سے اجازت لینی چاہیے لوگ اندھے حافظ جی کی طرح خدمت کرنے لگتے ہیں جو شخص خدمت چاہتا ہے اس کی کرے۔ میں تو نہیں چاہتا میرے نزدیک تو دونوں یکساں ہیں یعنی برسوں خدمت کرنے والا بھی اور نہ کرنے والا بھی میں تو جس کو کام میں مشغول دیکھوں گا وہ میرے نزدیک مقبول ہے۔ واقعی مجھ کو اس میں راحت ہے کہ اپنے کام میں لگو۔ میں نے دو چار آدمیوں کو طریقہ خدمت بتلا رکھا ہے اور ان سے دل بھی کھلا ہوا ہے میں ان سے خود بھی کہہ دیتا ہوں اور

جب تک مزاج سے واقف نہ ہو اور دل کھلا ہوا نہ ہو خدمت سے کلفت ہوتی ہے۔

ایک بار ایک مولوی صاحب میرے پاؤں دبانے لگے۔ میں نے کہا مولانا کیا غضب ہے وہ کہنے لگے کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا جواب تو میں پھر دوں گا مگر اس وقت تشریف لے جائیے۔ وہ جواب یہ تھا کہ اگر اس وقت میں آپ کی خدمت کرنے لگوں تو آپ کیا کہیں گے اور آپ کی کیا حالت ہوگی ایسے ہی مجھ کو سمجھئے۔

کانپور میں لوگ میری پشت کے پیچھے ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے میرے جی میں آیا کہ وہاں سے اٹھ کر ان کی پشت کے پیچھے ہاتھ باندھ کر جا بیٹھوں آدمی یہ تو سمجھے کہ جو معاملہ میں اس کے ساتھ کرتا ہوں اگر یہ میرے ساتھ کرے تو مجھ پر کیا گزرے۔ بعض لوگ میری پشت کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ نماز اس کے درمیان میں کو نکل کر مقبول ہو جائے گی۔ اگر یہ عقیدہ ہے تو ایک طرح کا یہ تو شرک ہے کہ مخلوق کی طرف توجہ کو شرط قبول سمجھتا ہے دوسرے مجھ کو اپنا پابند بنالیا کہ جب تک وہ حضرت نماز سے فارغ نہ ہوں میں کہیں جا ہی نہیں سکتا۔ آج کل ہر چیز میں رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ اہل رسم کے نزدیک پیر وہ کامل ہے جو روٹی کھلاوے اور مرید وہ مقبول ہے جو خدمت کرے۔

ایک شخص درویش یہاں آئے تھے مریدوں کو خوب روٹیاں کھلائیں حتیٰ کہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو یہ امید تھی کہ مریدوں سے وصول ہو جائیگا۔ مگر وصول کچھ بھی نہیں ہوا آپ فلاں ریاست کے پریذیڈنٹ کو سفارش لکھ دیں کہ وہ اتنی رقم قرض دیدیں۔ میں نے لحاظ میں دیکر لکھ دیا۔ لیکن اس خیال سے کہ ان پر بار نہ پڑے اس لئے بمصلحت ایک خط ڈاک میں لکھ کر روانہ کر دیا کہ اس قسم کا خط اگر کوئی شخص لائے تو میری طرف سے اس کو مہتم بالشان نہ سمجھا جائے جو مناسب ہو عمل کیا جائیگا اب اس صورت میں میری طرف سے ان پر کوئی بار نہ رہا۔ جو ان کو مناسب معلوم ہوا ہو گا وہ کیا ہو گا تو آج کل پیری کا قصہ یوں ہو رہا ہے۔

ایک مرید نے اپنے پیر سے خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں شہد میں سنی ہوئی ہیں اور میری ''گو'' میں۔ مرید اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ پیر نے کہا کہ کیوں نہ ہو آخر ہم اللہ والے ہیں اور تو دنیا دار آخر وہ ہی مرید بولا کہ آگے بھی تو سنیئے میں نے یہ بھی تو دیکھا کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی انگلیاں چاٹ رہا ہوں۔

تعبیر اس خواب کی یہ ہے کہ مرید تو اپنے اعتقاد میں پیر سے دین حاصل کر رہا ہے

اور پیر مرید سے دنیا کا طالب ہے جو بمنزلہ گو کے ہے بعض جگہ یہ کیفیت ہے کہ پیر مریدوں کے روبروان کی بیبیوں کو گود میں لے کر پیار کرتے ہیں اور وہ بھی ایسے معتقد ہیں کہ کچھ پراوہ نہیں مانتے۔ جب سے نئی روشنی والوں کا وہاں غلبہ ہوا ہے اس وقت سے اس قسم کی بدعات تو مٹ گئیں اگر چہ الحاد میں ترقی ہوگئی ہیں وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو تو اللہ و رسول کے فرمانے میں شبہ ہوتا ہے۔ پیروں کی تو کیا مانتے اس جگہ پہلی سی تو حالت اب نہیں رہی پہلے تو یہ کیفیت تھی کہ کوئی اہل حق میں سے وعظ نہیں کہہ سکتا تھا خلاصہ پہلے مضمون کا یہ ہے کہ اپنے قلب کی طرف توجہ کر کے اللہ اللہ کیا کیجئے بس یہی خدمت ہے اور ایسے شخص کی خدمت ہی کون کرے جس کی یہ حالت کہ

وقتے بسلامی برنجند و وقتے بدشنامی خلعت دہند

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک صاحب پاؤں دبانے لگے مولانا نے فرمایا کہ کون صاحب پیر دباتے ہیں وہ بولے میں ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب ہیں اور یہ فرمایا کہ مولوی ہونا اور بات ہے خادم ہونا اور بات ہے۔ بعض بے طرح پاؤں دباتے ہیں بعض تو بہت آہستہ اور بعض بہت زور سے۔ اگر آہستہ دبائیں تو اس قدر کہ مس سے نہ بڑھے اور اگر زور سے دبائیں تو ایسا کہ تحمل نہ ہو۔ بعض کو منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ آپ طریقہ بتلا دیجئے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ اس کی صورت تو یہ ہے کہ میں آپ کے پاؤں دبا کر بتلاؤں نادانی کی محبت بھی کچھ نہیں۔ نادانی کی محبت ماں کی سی محبت ہے کہ بچہ کو جاہل رکھتی ہے۔

ارشاد: حضرت نے خود ہی فرمایا کہ اہل باطل کے مذہب کو جو کچھ ترقی ہوتی ہے وہ سعی اور روپیہ کے زور سے ہوتی ہے اور حق کو خود بخود ترقی ہوتی ہے چنانچہ مرزا قادیانی وغیرہ کے مذہب کو جو کچھ ترقی ہوئی اس کا باعث یہی تھا مرزا نے کتنے دنوں سے دعویٰ کیا مگر قابل غور یہ بات ہے کہ مرزا نے کتنے مسائل دینیہ کی تحقیق کی بس یہی رہا کہ میں مسیح موعود ہوں میں کرشن ہوں میں فلاں ہوں مسیح بننے کو دعویٰ رسالت سے نفرت ہوئی۔ کسی کو بھی ہدایت نہیں ہوئی۔ رہا کمال الدین کا لندن پہنچنا اور وہاں کسی انگریز کا مسلمان ہو جانا سو اس میں کمال الدین کا کوئی کمال نہ تھا وہ انگریز خود پہلے سے مسلمان تھے اس سے زیادہ تو حبیب احمد تھانوی نے کام کیا جو لندن میں تھے ان کے اثر سے کئی انگریز مسلمان ہوئے ان کے خطوط یہاں آئے تھے ایک خط میرے بلانے کے لئے بھی آیا تھا۔ میں اس شرط پر لندن جانے کو تیار تھا کہ سفر کا کوئی نفع مظنون ہو اور اس کا امتحان میں نے یہ تجویز کیا تھا کہ وہ چند شبہات دہریوں کے اردو میں ترجمہ کر کے یہاں بھیجیں اور میں ان

کے جواب لکھوں پھر وہ ان جوابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اہل شبہات کے سامنے پیش کریں اگر اس سے نفع کی امید ہو تو سفر کیا جائے ورنہ کیا فائدہ۔ مگر وہاں سے اس خط کا جواب ہی نہیں آیا۔ غرض کام کرنے والے کام کرتے ہیں اور نام نہیں چاہتے۔ اور نام والے غل بہت مچاتے ہیں مگر کام کے نام صفر بس آج کل ادعاء اور اظہار بہت ہے۔ حالانکہ جو کام کرتے ہیں وہ حال سے خالی نہیں یا تو اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے۔ اگر اللہ کیلئے ہے تو اللہ میاں کا علم کافی ہے اظہار کی کیا حاجت اور اگر نفس کے لئے ہے تو کوئی نتیجہ نہیں پھر اظہار کس کا۔ حضرت کام کا اصل دوسرا مقصود ہونا چاہیے نہ کہ نام جس کی علامت یہ ہے۔ مثلاً ایک شخص کچھ کام کر رہا ہو اور دوسرا شخص اسی کام کا کرنیوالا آ جائے تو یہ خود چھوڑ کر بیٹھ جائے اور غنیمت جانے کہ اس نے میرا کام ہلکا کر دیا آج کل تو یہ حالت ہے کہ اگر ایسا ہو تو ذبح ہو جائیں۔ نہ مولویوں میں اخلاص ہے نہ مشائخ میں الا ماشاء اللہ اب تو عجیب حال ہے کہ پیر الگ اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ان کے مرید الگ اپنے پیر کی طرف کھینچتے ہیں اس کا یہ نتیجہ ہے کہ لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ پیر صاحب نے اپنے گر گے چھوڑ رکھے ہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ جتنے مقتدی زیادہ ہوں اتنا ہی بکھیڑا ہے اور یہ بھی ٹھیک نہیں کہ جو آیا اسی کو بیعت کر لیا۔ اگر پیر جلدی مرید کرنا چھوڑ دیں تو سارا ہندوستان ٹھیک ہو جائے مصیبت تو یہ ہے کہ گیا اور مرید بعض لوگ تو عیوب ہی تلاش کرنے کو آتے ہیں اور بیعت کی بھی درخواست کرتے ہیں بھلا ان کو بیعت کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ ایک شخص میرے پاس آئے اور بیعت ہونا چاہا مگر اخیر میں انہوں نے دو عیب نکالے ایک یہ کہ اچھا کپڑا پہنتے ہیں دوسرے یہ کہ لطائف کی تعلیم نہیں کرتے۔ جو کپڑے میں اس وقت پہن رہا ہوں ان کو بڑھیا کپڑوں میں شمار کیا تھا۔ حالانکہ میرے پاس جو مکلّف کپڑے آ جاتے ہیں میں ان کو پہنتا تک نہیں۔ بس میں نے ان سے کہا کہ آپ تشریف لیجائیے جہاں لنگوٹے بند ہوں وہاں جائیے اور ایسے شخص کے پاس جائیے جہاں آپ سے پوچھ کر تعلیم کی جائے اگر میں لیپ پوت کرتا اور مختلف تدابیر سے ان کو اپنی طرف متوجہ کر کے مرید کرتا جیسا آج کل شائع ہے تو کیا نتیجہ ہوتا۔ کچھ بھی نہیں۔ حضرت اکثر پیری مریدی آج کل دوکانداری ہو رہی ہے اسی لئے مصلحت یہ ہے کہ پیری مریدی چھوڑ دے ہاں تعلیم کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ پیری مریدی کا سلسلہ مدت سے جاری ہے۔ مگر خیالات نہیں بدلے۔ وجہ کیا ہے رسم پرستی ہے اور کچھ بھی نہیں ہیں میں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے دو چار جملے سنے

تھے اب اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ایک جملہ فرماتے تھے کہ میرے پاس جتنا تھا میں نے اس سے دریغ نہیں کیا اگر کسی کو اس سے زیادہ کا شوق ہو تو دوسری جگہ سے لے لے میں اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا دوسری جگہ بیعت کرلو اجازت ہے۔

یہ جملہ اصل ہے آگے اسی کی تصریحات ہیں۔ ہم خدمت کرنے کو تیار ہیں مگر کسی کو لپٹتے نہیں اپنے مریدین کو یہ اجازت تھی اور اگر دوسرے کا مرید ہوتا تو حضرت حاجی صاحبؒ اس کو مرید نہ کرتے۔ یہ ہے علامت سچے ہونے کی۔ یہی وجہ ہے کہ شیوخ تک مرید ہوتے تھے اور ایک بچہ تک وہاں سے دوسری جگہ نہیں جاتا تھا۔ یہ آزادی اپنے مریدوں کو دے رکھی تھی خریدار کو تو وہ پھنسائیگا جس کا سودا اچھا نہ ہو اور جس کا سودا بے نظیر ہے تو گاہک خود ہی پھر کر نہیں جاتا۔

چونکہ حضرت کے یہاں سودا کھرا تھا اس لئے کوئی پھر کر نہیں جاتا تھا۔ اگر باوجود اس کے کہ سودا کھرا ہو پھر کر جائے تو اس خریدار کو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں ایسے کا نکل جانا ہی بہتر ہے۔ فہیم کا رہنا اچھا اور بدفہم کا نکل جانا اچھا۔ سمجھدار کہیں جا ہی نہیں سکتا۔ باوجودیکہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمادیا کرتے تھے کہ یہاں کیا رکھا ہے نہ کشف ہے نہ کرامت ہے صادق کو تو کوڑ مغز کو داخل کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جو فہم وبصیرت سے آئیگا۔ اگر اس کو دوسری جگہ کے لئے ترغیب بھی دیدی تو گو بعض دفعہ اور جگہ چلا تو جائے گا۔ مگر چونکہ فہیم ہے اس لئے پھر صادق ہی کے یہاں آئے گا۔ ہمارے حضرت کے ایک خلیفہ کی یہ رائے تھی کہ وہ دوسری جگہ لوگوں کو بھیجتے تھے اور کہتے تھے کہ جب دوسری جگہ ترغیب ہم نے دی تھی اور وہ چلا گیا مگر ویسا سودا نہ دیکھا۔ اور پھر پھرا کر آیا تو وہ تو کبھی ٹلے گا بھی نہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ دیکھے گا کہ روغن قاز مل کر کہیں طلب مال ہے اور کہیں طلب جاہ ہے اور کہیں صدق ہے مگر تحقیق نہیں۔ بعض جگہ اس کی کوشش ہے کہ امراء کھنچا جائے۔ حالانکہ خاک نشینوں کا مرید ہونا یہ علامت ہے شیخ کے کامل ہونے کی۔ اور دنیادار امراء کا متوجہ ہونا علامت ہے خود شیخ کے دنیادار ہونے کی کیونکہ ''**الجنس یمیل الی الجنس**''۔

جھکتا وہی ہے جس میں مناسبت ہے۔ کہیں قاز اور مور جارہے تھے لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہوا کہ دونوں غیر جنس پھر ساتھ کیسے۔ کسی فہیم نے کہا کہ بدون اس کے ساتھ ہو نہیں سکتا کہ دونوں میں کوئی امر مشترک ضرور ہے۔ غور کر کے دیکھا تو لنگڑے تھے۔ اور اگر اہل حق کے یہاں امراء بھی آتے ہیں تو مٹ کر آتے ہیں لہٰذا وہ بھی غرباء ہی رہے بڑا ہو کر چھوٹا ہو جائے یہ ہے کمال۔ یہ باتیں ہیں سمجھنے کی۔

واقعہ: ایک شخص نے دریافت کیا کہ یہاں مدرسے میں روپیہ وغیرہ دینے سے رسید دیجاتی ہے۔

ارشاد: یہاں کوئی رسید نہیں دیجاتی۔ یہاں تو یہ ہے کہ جس کا جی چاہے دو اور جس کا جی کا چاہے مت دو۔ رسید کا اہتمام تو ہم جب کریں جب ہم خود مانگتے ہوں۔ ہم جب مانگتے نہیں تو کیوں جھگڑا کریں۔ ہمیں تو برأت عنداللہ چاہیے تقلیل تعلقات میں بڑی راحت ہے ورنہ ایک تعلق سے دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے سے تیسرا پھر سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا۔ دو بھائی تھے ایک بادشاہ دوسرا فقیر۔ فقیر لنگی باندھے پھرا کرتے۔

ایک روز بادشاہ نے بلا کر کہا کہ بھائی مجھ کو تمہارے اس حال سے لوگوں کے روبرو بڑی غیرت آتی ہے تم پاجامہ تو پہنو اچھی طرح رہو وہ بولے کہ مجھ کو انکار نہیں مگر پاجامے کے ساتھ کرتہ بھی ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ ٹوپی بھی بہت۔ وہ کہنے لگے کہ پھر گھوڑا بھی سواری کو ہونا چاہیے اس نے کہا کہ گھوڑے بھی بہت۔ فقیر نے اسی طرح سلسلہ وار بہت سی حوائج کی ضرورت بیان کی۔ بادشاہ نے کہا کہ سب چیزیں موجود ہیں آپ چلیے۔ حتیٰ کہ تخت سلطنت بھی حاضر ہے۔

شاہ صاحب کہنے لگے کہ میں پاجامہ ہی کیوں پہنوں جس کے لئے اتنے جھگڑے کرنا پڑیں۔ اسی طرح یہاں کا قصہ ہے کہ ہم مانگیں کیوں جس کے لئے رسید وغیرہ کے قصے کرنے پڑیں۔ ایک نواب صاحب حج کو گئے تھے ارادہ تھا کہ حج کے بعد ہندوستان واپس ہو کر اور ریاست کا انتظام کر کے پھر مکے آجاؤں گا اور ہجرت کر کے رہونگا۔ جب ہندوستان آئے ہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کو خط لکھا تھا جس میں یہ بھی مضمون تھا کہ آپ آئیں تو اپنے ہی خرچ کا انتظام کر کے آئیں تقسیم اور داد و دہش کا کوئی انتظام اپنے متعلق نہ رکھیں ہر چند کہ سخاوت بڑی چیز ہے۔ مگر ہر ایک کی سخاوت جدا ہے۔ کریم کی سخاوت کا نان دینا ہے اور عاشق کی جان دینا اور داد و دہش کے قصے سے خالص تعلق مع اللہ کا جو نور ہے جو اس عبادت سے زیادہ ہے جس عبارت کا تعلق خلق سے ہو وہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور پھر بھی لکھا تھا کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے لئے بھی انتظام کر کے نہ لاتے کیونکہ کریم کے دروازہ پر زاد و راہ لانا بھی خوب نہیں۔ مگر چونکہ آپ ابتداء سے اسباب کے خوگر ہیں خیر اس کی۔ اس کام میں مصلحت ہے اور نور تعلق کے متعلق یہ بیان کیا کہ ان حضرات کا مذاق بھی جدا ہوتا ہے۔

مدرسہ میں جو طلباء وغیرہ کو روپیہ پیسہ کی تقسیم کی جاتی ہے یا بعض اہل حاجت اہل قصبہ کی

بھی خدمت کی جاتی ہے گوکام نیک ہے مگر پھر بھی سوچنا پڑتا ہے اس لئے مخلوق کی طرف توجہ کرنا ہوتی ہے ہی۔ یہ مانا کہ مقدمات عبادت عبادت ہی ہیں لیکن اس میں مجرد تعلق سے امید کا سانور نہیں گوان امور کا ثواب زیادہ ہے۔

مگر جس عبادت کا تعلق خاص مع اللہ ہو ان کا ثواب گوکم ہی ہو مگر نورانی ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے دریا کا پانی جس میں ریگ کے ذرے بھی ہیں اور ایک گھڑا پانی صاف کیا ہو تو مقدار میں تو دریا کا پانی بڑھا ہوا ہے مگر صفائی میں گھڑے کا پانی بڑھا ہوا ہے پھر بات حال کے متعلق ہے میں حال کو قال میں کیسے لاؤں۔ میں نے مثال میں جتنا کہا ہے اور جگہ پھر بھی نہ معلوم ہوگا۔ ایک صاحب نے درمیان میں اعتراض کیا تھا کہ ثواب تو سخاوت کا زیادہ ہوگا۔ حضرت نے اپنی تقریر کے خلاصہ میں فرمایا کہ نور ہر چیز کا جدا ہے ایک نور مع اللہ کا ہے جو ان عبادات سے حاصل ہوتا ہے جن کا تعلق خلق سے نہیں۔ اور ایک نورانی عبادات کا ہے جن کا تعلق خلق سے ہے دوسری عبادات کا نور اپنے نزدیک اس کے مقابلہ میں ضعیف ہوگا گوکثیر وہ پہلا ہی ہو۔

واقعہ: یہ ذکر تھا کہ تعلیم جدید والے احکام شرع کی حکمتیں اور ان کے علل دریافت کرنے کے پیچھے بہت پڑتے ہیں اور ان کو بہت بڑے درجہ کی باتیں سمجھتے ہیں۔

ارشاد: میں تو کہہ دیا کرتا ہوں کہ جن کو تم علوم سمجھتے ہو وہ ہمارے پاس بھی ہیں مگر ان کا بتلانا ہمارے ذمہ نہیں اور یہ شعر پڑھا کرتا ہوں

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ☆ ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ایک سب انسپکٹر صاحب کا خط آیا تھا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے۔ ایک شخص ملے جو ایل، ایل بی ہو گئے تھے مگر رہے بی (پھر لطیفے کے طور پر فرمایا۔ پوچھنے لگے کہ نماز پانچ ہی وقت کی کیوں فرض ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ کی ناک سامنے ہی کیوں لگی خدا کے دو کارخانے ہیں ایک تکوینی دوسرا تشریعی۔ تکوینی کی حکمتیں تم بتلا دو، اور تشریعی کی ہم بتلا دیں گے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اسرار الٰہی پر مطلع ہونے کا یہ طریق نہیں کہ مولویوں سے پوچھا کریں کہ یہ حکم اس طرح کیوں ہے ان کے ذمہ صرف احکام کا بتلانا ہے دلائل کا بیان کرنا نہیں۔

دوسرے بہت سی باتیں خود ان کو بھی معلوم نہیں اگر کوئی طریقہ اسرار پر مطلع ہونے کا ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ احکام پر بلا چون و چرا عمل شروع کر دیں اس سے قرب باری تعالیٰ ہوگا

اور نورانیت ہوگی اور قرب نور ہی سے انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر یہ تم چاہو کہ ہم بادشاہ کے مخفی خزانوں پر مطلع ہوں تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ سے جا کر کہو کہ ہمیں اپنے خزانوں کی اطلاع دیدو۔ اطاعت کرنے سے قرب میں ترقی ہوگی۔ حتیٰ کہ اس کی بھی نوبت آجائے گی کہ ایک روز بادشاہ خوش ہو کر خود ان پر مطلع کر دیگا۔

خودی کو چھوڑ و فنا ہو جاؤ۔ جس کو بھی اطلاع ہوئی ہے اسی صورت سے ہوئی ہے مگر اطاعت سے بھی اسرار پر مطلع ہونا مقصود نہ ہونا چاہیے ورنہ اسی روز نکال دیئے جاؤ گے۔ بلکہ مقصود اطاعت سے صرف قرب ورضا باری تعالیٰ ہو۔ کبھی راضی ہوں گے تو مطلع فرمادیں گے۔ مگر ان کے ذمہ نہیں ہے کہ مطلع فرما ہی دیں۔ خزائن پر جیسے اگر بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ خوشامد اسی لئے کرتا ہے کہ خزائن پر مطلع ہو جائے تو فوراً نکلوا دیا جائے۔

اسی طرح حق تعالیٰ چونکہ دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں اگر اس شخص کی نیت محض اسرار پر اطلاع کی ہوگی تو اسی روز یہ شخص نکال دیا جائیگا۔ اب اس میں یہ لوگ غلو یہاں تک کرتے ہیں کہ ان مصالح اور حکم کو مدار احکام خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر وہ اسرار و حکم نہ ہوتے تو یہ حکم بھی نہ ہوتا اور عمل یہ رکھتے ہیں کہ ان کی تحصیل اگر دوسرے طریق سے ہو جائے تو اس کو بجائے احکام قرار دیتے ہیں۔ مثلاً نماز جماعت کہ ان کے نزدیک اس سے مقصود اتفاق ہے اگر اتفاق دوسرے طریقے سے حاصل ہو جائے تو وہ نماز جماعت کو ترک کر دیں گے۔

تنبیہ: اس بارہ میں ایک عجیب وغریب تصنیف حضرت والا کی موجود ہے جس میں تبرعاً کچھ احکام شرع کے اسرار و مصالح بیان کئے ہیں اس کا دیکھ لینا کافی ہے عجیب کتاب ہے اس کا نام ''المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ'' ہے اس کا ایک حصہ چھپ بھی گیا ہے۔ (اب مکمل چھپ چکی ہے ۱۲۔ ظہور)

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ کسی کو عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا اچھا ہے یا عبادت مالی کا۔

ارشاد: عبادت مالی کا ثواب پہنچنا اہل حق کے نزدیک متفق علیہ ہے اس لئے افضل ہے۔ دوسرے اس میں نفع متعدی ہے۔ تیسرے عبادت مالی میں نفس پر گرانی زیادہ ہوتی ہے اور عبادت بدنی کا ثواب دوسرے کو پہنچنے کے بارہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو سائل جوان تندرست یا بچہ تندرست ہو اس

کو بھیک دینا کیسا ہے۔

ارشاد: بھیک مانگنے والے جو قادر ہوں کسب پر فقہا نے ان کو دینا حرام لکھا ہے کیونکہ سوال کرنا ایسے شخص کو حرام ہے اور بھیک دینا یہ اعانت ہے معصیت پر اس لئے وہ بھی حرام ہے اور ان کے پاس دلیل قرآن شریف کی آیت ہے۔ **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان.**

مولانا گنگوہیؒ نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ لوگ غل تو مچائیں گے مگر میں پہنچائے دیتا ہوں۔ چنانچہ بڑا غل مچا۔ بات یہ ہے کہ مانگنا رسم ہو گیا ہے اور رسم کے خلاف لوگ نہیں مانتے اسی مانگنے پر ایک قصہ بیان کیا کہ جس زمانہ میں میں تفسیر لکھتا تھا تو اس کے لئے ایک علیحدہ موقع تجویز کر رکھا تھا۔ ایک شخص دروازہ پر آیا اور اس نے زور، زور سے مانگنا شروع کیا گھر میں سے اس کو کچھ آٹا وغیرہ لا دیا۔ اس پر اس نے زور سے کہا کہ ہم یہ لیں گے، وہ لیں گے۔ اس کے غل مچانے سے مضامین کی آمد مختل ہو گئی۔ میں اس نیت سے نیچے اترا کہ اس کو سمجھا دوں گا۔ میں نے خیال کیا کہ کوئی ٹوٹے حال والا ہوگا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شاہ صاحب ہیں بڑے تنومند ہیں لانبا کرتہ اور چوغہ پہنے ہوئے گیروا رنگ عمامہ باندھے ہوئے وجیہہ شخص تسبیح ہاتھ میں کئی تسبیحیں گلے میں عصا لئے ہوئے۔ مقطع صورت میں نے دل میں کہا کہ یہ تو شیخ ہیں میں نے تہذیب سے کہا کہ شاہ صاحب کیا تکرار ہے جو توفیق تھی دیدیا لے لیا ہوتا۔

تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو کپڑا لیں گے۔ پیسہ لیں گے میں نے کہا کہ جو ملا ہے وہ لیجاؤ تو کہتے ہیں شعر

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است ☆ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

میں نے کہا کہ آپ کو بھی اسی پر عمل کرنا چاہیے کہ ہر بیشہ گماں الخ۔ اس پر ایک بک بک شروع کی۔ میں نے کہا کہ فضول مت بکو۔ زیادہ بک بک لگاؤ گے تو گردن پکڑوا کر نکلوا دوں گا۔ چلے گئے ایسے ایسے سائل آتے ہیں۔

فائدہ: میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ جو لوگ تندرست دروازہ پر آجاتے ہیں ان کو کیا کریں۔ فرمایا کہ یوں کہہ دو کہ آگے جاؤ یا خاموش ہو رہو خود چلا جائے گا پھر فرمایا کہ اگر لوگ نہ دینے پر پورا عمل کر لیں تو ایسے لوگ مانگنا ہی چھوڑ دیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ غیر مسلم محتاج کو دینا جائز ہے۔

ارشاد: جائز ہے مگر صدقات واجبہ جائز نہیں جیسے زکوۃ وعشر ونذر۔

واقعہ: ایک مرید کا خط آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ میرے سامنے ایک شخص نے حضرت کو برا کہا تو میں اس سے لڑا جھگڑا۔ اور اس کو خوب برا بھلا کہا اور یہ بھی لکھا تھا کہ اس شخص کی اصلاح کے واسطے دعا فرما دیجئے اس پر حضرت نے جواب لکھا تھا کہ تمہیں اس کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص مرشد کو برا کہے تو اس وقت کیا کرنا چاہیے۔

ارشاد: اس کو روک دے کہ میرے سامنے ایسا تذکرہ مت کرو۔ مجھ کو صدمہ ہوتا ہے۔ پھر اس کی ہمت ان شاء اللہ نہ ہوگی۔ اور اگر صبر نہ ہو سکے اور پوری قدرت ہو اور کسی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسی وقت بحفظ حد شرعی جوتے سے ٹھیک کر دے اگر قدرت نہ ہو اور وہ روکنے سے نہ رکے تو وہاں سے چلا جائے اور یہ آیت سے ثابت ہے ارشاد ہے

وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم ایات اللہ یکفر بھا ویستھزاء بھا فلا تقعد وا معھم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ ۔ اور اس آیت کا حکم عدم قدرت کے زمانہ میں تھا پھر زمانہ قدرت میں دوسرا قانون ہو گیا۔ یعنی ضرب یضرب مگر اس وقت کی حالت کے زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس کو یہ اطلاع کر کے چلا جائے کہ میں اس وجہ سے تمہارے پاس نہیں بیٹھتا کہ تم میرے پیر کو برا کہتے ہو۔ لڑے بھڑے نہیں۔ اس برتاؤ سے پیر کی بھی قدر ہو گی کہ پیر کی بھی کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔ بس وہاں ہی چلو جہاں انہوں نے تعلیم پائی ہے کہ کیسا صبر و تحمل ان میں آ گیا ہے۔ اس کو کر کے دیکھئے کہ کیا اثر ہوتا ہے۔ مجھے اپنی اس رائے کی تائید ایک قصہ سے ہوتی ہے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک یہودی کے پاس حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی زرہ دیکھی آپ نے فرمایا کہ یہ تو میری زرہ ہے۔ اس نے کہا کہ میری ہے۔

چنانچہ قاضی شریح کے یہاں مقدمہ گیا۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے گواہ مانگے آپ نے ایک تو امام حسنؓ اور دوسرے اپنا غلام آزاد کردہ پیش کیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ حسن کی گواہی تو اس لئے مقبول نہیں کہ وہ آپ کے لڑکے ہیں۔ رہ گئی ایک شہادت تو وہ نصاب شہادت نہیں اور قاضی صاحب نے فیصلہ یہودی کے موافق کر دیا۔ باوجود اس کے حضرت علیؓ جب وہاں سے نکلے تو ہنسی خوشی نکلے ان کے فیصلے پر ذرا بھی ناگواری کے آثار چہرہ وغیرہ پر نہ تھے۔ چیں بہ جبیں تک نہ ہوئے۔ اس پر یہودی نے کہا کہ بیشک جس شخص کی ان کو یہ تعلیم ہے وہ بیشک نبی ہیں اور فوراً ایمان لے آیا۔

فائدہ: قاضی شریح یہ حضرت عمرؓ کے انتخاب سے قاضی ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ میں مردم شناسی کا مادہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ قاضی شریح کی ذکاوت دیکھئے۔ ایک دفعہ کا قصہ ہے ایک شخص نے دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس شخص کو مبلغ ایک ہزار روپیہ فلاں جگہ امانتاً سپرد کئے تھے اب یہ مکرتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ قاضی صاحب نے اس سے پوچھا اس نے کہا کہ جھوٹ ہے مدعی سے کہا کہ اس جگہ کو ہاتھ تو لگا آؤ۔ وہ چلا گیا اور مدعا علیہ کو وہیں بٹھالیا۔ تھوڑی دیر میں اچانک اس سے پوچھا کہ ابھی تو وہ اس جگہ نہ پہنچا ہوگا تو وہ کہتا ہے کہ جی ابھی نہیں یہ سن کر قاضی شریح نے مدعا علیہ سے کہا کہ تم کیا جانو اس جگہ کو جب تم معاملہ سے منکر ہو اور جب تم کو وہ جگہ معلوم ہے تو ضرور تمہارے ساتھ روپیہ کا معاملہ ہوا ہے جس کا تم انکار کرتے ہو۔ سچ بتاؤ کیا بات ہے آخر مدعا علیہ نے اقرار کرلیا اور آپ نے اس پر ڈگری کردی۔

ارشاد: مولوی غلام محمد صاحب راندیری مرحوم کہتے ہیں کہ دیور کا لفظ ہمارے یہاں مستعمل ہے بہت برا ہے ور ہندی میں کہتے ہیں شوہر کو اور دے کے معنی ثانی پس دیور کے معنی ہوئے شوہر ثانی۔ بعض جہلاء کے یہاں دیور کو بجائے شوہر کے سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ لفظ قابل تبدیل ہے۔ اسی طرح مجھے سالہ کا لفظ بھی برا معلوم ہوتا ہے پورب میں نسبتی بھائی کہتے ہیں یہ اچھا لفظ ہے۔ جوائیں میں مکروہ لفظ ہے خویش اچھا لفظ ہے۔

داماد بھی ثقیل ہے بعض الفاظ میں کہ لغوی معنیٰ ان کے بہت اچھے اور ہمارے یہاں ان کا استعمال بھی قبیح نہیں مگر بعض جگہ وہ محاورہ میں برے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے مخدومہ کا لفظ کہ اس میں کوئی برائی نہیں پورب میں اس کو نہایت برا سمجھتے ہیں یعنی بمعنے ''مفعولہ''۔ بعض لفظ غیر فعل میں بولا جانے سے بہت برا ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہوگیا تھا کسی نے کہا کہ خدا اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ایک صاحب سن رہے تھے انہوں نے دل میں کہا کہ مرنے کے موقعہ پر یہ لفظ کہا کرتے ہیں۔ اتفاق سے ایک شخص کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اور وہ تعزیت کو آئے تو کہتے ہیں کہ خدا نعم البدل عطا فرمائے۔ اس نے بڑا برا مانا کہ میری ماں کو خصم کراتا ہے۔ داماد پر ایک قصہ بانی کے ذی حوصلہ ہونے کا یاد آیا یہ شخص تھا تو ذی حوصلہ اور کام کا آدمی اگر دین میں دخل نہ دیتا اور دین کو نہ بگاڑتا)۔ ایک شخص کسی حاکم کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں فلاں شخص کا داماد ہوں نوکری کیلئے آیا ہوں۔

صاحب نے بڑی وقعت کی مگر خفیہ اس شخص کو تار دیا کہ فلاں شخص میرے پاس نوکری کے

لئے آیا ہے کیا وہ آپ کا واقعی داماد ہے۔اس شخص نے جواب دیا کہ واقعی میرا داماد ہے اس کی رعایت کیجئے چنانچہ وہ نوکر ہو گئے۔مگر یہ خبر نہ ہوئی کہ تار رد یا ہے اور اس کا جواب آیا ہے بعد میں ان کو یہ خبر ہوئی تو وہ اس شخص کے پاس آئے اور کہا مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی معاف کر دیجئے اس شخص نے بہت دلجوئی کی اور کہا کہ داماد کے یہی معنی نہیں کہ میری پہلے سے کوئی بیٹی ہو اور میں تم کو دیدوں۔ بلکہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو تمہارے گھر میں سے ہے اس کو اپنی بیٹی سمجھ لوں اگر یہ شخص دینیات میں دخل نہ دیتا تو کام کا شخص تھا۔مگر برا کیا کہ دینیات میں دخیل ہوا یہ کیا جانے تفسیر کو۔

''حافظ محمد امیر صاحب تھانوی سے میں نے سنا ہے کہ اس کی تحصیل مقامات حریری'' اور مختصر المعانی تک ہے ایسا شخص تفسیر لکھنے لگے تو حماقت نہیں اور کیا ہے۔ذہین ضرور تھا مگر طبیعت میں کجی تھی۔آیت میں ہے ''ان تتبعون الا رجلا مسحوراً۔''یعنی کافر حضورؐ کو کبھی ساحر اور کبھی مسحور کہتے تھے۔اس شخص کی کجی دیکھئے۔چونکہ اس کا مذہب اہل یورپ کی سائنس تھی اور اہل یورپ سحر کے قائل نہیں ہیں اور اسی بنا پر اس شخص کا عقیدہ ہے کہ جس حدیث سے رسول اللہ ﷺ پر سحر ہونا ثابت ہے وہ غلط ہے تو اس کا غلط ہونا اس شخص نے اس آیت سے ثابت کیا ہے۔کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اس شخص پر کفر کا فتویٰ دیتا ہے جو حضور کو مسحور کہے اور بخاری شریف وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ آپ پر سحر کیا گیا تھا اور اس کا اثر آپ پر ہو اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ جو روایت درایت کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں دیکھئے آیت کو کتنا الٹا سمجھا ہے جس کا جواب بالکل سیدھا ہے۔

''ان تتبعون الا رجلا مسحوراً سے اثبات مسحوریت کا موجب کفر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا مقصود کرنا مسحوریت میں اس طرح سے کہ نبوت منفی ہو۔پس یہ انکار نبوت موجب کفر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ جو تعلیم بطریق نبوت فرماتے تھے وہ لوگ اس کے منکر تھے اور آپ کو ان دعوؤں میں مسحور کہتے ہیں جو کوئی نبوت کا منکر ہو واقعی کافر ہے۔مگر جہلا ایسے لغو استدلال کو سن کر کہتے ہیں کہ کیا اچھی بات کہی ہے مگر اہل باطل ایسی ہی گھڑا کرتے ہیں۔

ارشاد: اکثر لوگوں کے عقائد بدعات میں بہت خراب ہو گئے ہیں یہاں تک کہ ان کے عقیدہ میں یہ جما ہوا ہے۔کہ بزرگ لوگ اللہ میاں کے کام میں سہارا لگاتے ہیں۔ایک تعزیہ میں عرضی اولاد کے بارہ میں لٹکی ہوئی تھی کہ اے امام حسینؓ مجھ کو لڑکا دیدیجئے اور اس کے ساتھ ایک پتلا

بھی بنا کر اس میں رکھا تھا گویا نمونہ بتلایا تھا کہ لڑکا ایسا ہو یہ تو ایک جاہل عورت کا فعل تھا مگر تعجب ہے کہ ایک مقام پر ایک تحصیلدار صاحب نے عرضی لٹکائی تھی کہ اے امام حسینؓ لڑکا دیجئے۔ ایک ظریف اس کے نیچے لکھ آئے کہ تمہارے یہ بی بی بانجھ ہے اس سے ہرگز اولاد نہ ہوگی۔ جب تک دوسرا نکاح نہ کرو گے۔ اور شیخ سعدیؒ کا یہ شعر لکھ دیا۔

زمین شور سنبل برنیارد ☆ دروتخم عمل ضائع مگرداں

اور نیچے لکھ دیا۔ ''راقم امام حسین۔'' اسی طرح گیارہویں شریف میں عقیدہ ہے واقعات بتلاتے ہیں کہ نہایت فاسد ہیں۔ ایک جگہ دو طالب علموں میں بحث ہو رہی تھی ایک تو یہ کہتے تھے کہ بڑے پیر کی نیاز دلاتے ہیں یہ اضافہ محض لفظوں میں ہے باقی نیت ان کی اس میں یہ ہوتی ہے کہ نیاز تو اللہ کی ہے اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچ جائے۔

دوسرے کہتے تھے کہ نہیں عقیدہ میں بھی بزرگوں ہی کے نام کی نیاز ہوتی ہے یہی قصہ ہو رہا تھا۔ اتفاق سے ایک بڑھیا آ گئی اور کہا بڑے پیر کی نیاز دیدو۔ جو شخص کہہ رہے تھے کہ عقیدہ میں بھی بزرگوں کی نیاز دیجاتی ہے۔ انہوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ یوں کروں کہ نیاز تو دوں اللہ کی اور ثواب پہنچاؤں بڑے پیر صاحب کو تو وہ بڑھیا کہتی ہے نہیں۔ اللہ میاں کی نیاز تو میں الگ دلواؤں گی۔ یہ تو بڑے پیر کی نیاز ہے جب انہوں نے اپنے مقابل سے کہا کہ دیکھئے آپ کی بڑھیا آپ کی تاویل کا کس تصریح سے ابطال کر رہی ہے جس میں خلاف کی گنجائش ہی نہیں عوام کے عقیدہ کی کچھ مت پوچھو اور زیادہ عوام الناس ہی ہیں۔ اب ذرا جو کلام کرے وہ وہابی۔ مولوی غوث علی شاہ صاحب کی حکایت سنی ہے کہ کسی نے گیارہویں میں ان کی دعوت کی اور فاتحہ میں بزرگوں کی لمبی فہرست پڑھنی شروع کر دی مولوی صاحب تھے ظریف کہتے ہیں کہ میاں ہمارے نام تو لو کہ بغیر ہمارے ان کو کچھ بھی نہ پہنچے گا (یعنی جب تک ہم نہ کھالیں تب تک ان کو ثواب کہاں سے پہنچے) وہ تو ہمارے محتاج ہیں۔ ایک طالب علم دوسرے طالب علم سے نقل کرتے تھے کہ ایک عورت ان کو فاتحہ کے لئے بلا کر لے گئی۔ کھانا تو تھا ہی اس کے ساتھ افیون۔ چانڈ۔ حقہ وغیرہ بھی تھا۔ جب فاتحہ پڑھنی شروع کی تو اس عورت نے کہا کہ میاں نیچے کو مت دیکھنا مگر طالب علم تھا شوخ نیچے جو دیکھا تو وہ عورت ننگی۔ وہ خفا ہوئی کہ ہم نے تو منع کر دیا تھا۔ آخر وجہ پوچھی تو کہا کہ جیسے مردہ کو اور چیزوں سے رغبت تھی اس سے بھی رغبت تھی کیا حد ہے اس زیادتی کی۔ ایک سب انسپکٹر بیان کرتے تھے کہ میرے یہاں تھانہ میں رپٹ ہوئی کہ میری فاتحہ کوئی شخص چرا لے گیا۔ چنانچہ میں

تحقیقات کو گیا۔ معلوم ہوا کہ ایک نلکی میں پیر جی نے فاتحہ بند کر کے دیدی تھی ۔ اور روئی کی ڈاٹ لگادی تھی کہ جب فاتحہ دینا ہو تو اس نلکی کو کھول کر کھانے پر جھاڑ دیا کرو۔ سال بھر کے بعد وہ بدل جاتی تھی۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص فاتحہ وغیرہ کو احتیاط سے کرے۔ جواب میں فرمایا کہ بدون قیود کے کریں۔ اور ایک بات اور قابل غور ہے کہ کھانا سامنے لاکر جو فاتحہ دیتے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی چیز کا ثواب ملنے کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے عمل کریں کہ اس کا ثواب اپنے کو ملے اس کے بعد دعا کریں کہ یا اللہ جو ثواب مجھ کو ملا ہے وہ فلاں کو پہنچا دیجئے۔ اس بناء پر صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے کھانا مستحقین کو دیدیں کہ ثواب اس کا اپنے کو ہو جائے پھر دعا کریں کہ اللہ میاں دوسرے کی طرف اس کو منتقل فرمادیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ کھانے پر فاتحہ دینے کے کچھ معنیٰ ہی نہیں بالکل لغو حرکت ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے اسی فاتحہ کو پوچھا تھا۔ میں نے اس کی یہی حقیقت بیان کی اور کہا کہ جب تک آپ نے مساکین کو دیا نہیں تو آپ ثواب کیسے پہنچا سکتے ہیں۔ جب تک آپ نے عمل ہی نہیں کیا۔ اور آپ کو اس کا ثواب حاصل نہیں ہوا تو دوسرے کو کیا پہنچے گا۔ خریدنا پکانا وغیرہ تو عمل نہیں۔ البتہ مساکین کو دینا عمل ہے اور وہ پایا نہیں گیا اسی لئے آپ کو خود ثواب نہیں ملا تو دوسرے کو کیا پہنچے گا۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ واقعی بڑی مہمل بات ہے اور میں نے کہا کہ ایک بات اور بھی سمجھے کہ فاتحہ میں کل کھانا سامنے نہیں رکھتے تھوڑا سا رکھتے ہیں اور اس پر فاتحہ دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنے ہی کھانے کا ثواب مقصود ہے یا کل کا صرف اسی مقدار کا مقصود ہونا تو ان کے نزدیک بھی نہیں اور جب سارے کا ثواب مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ جب وہ سامنے نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ سامنے رکھنا شرط نہیں پھر یہ تھوڑا کیوں سامنے رکھا گیا کہ اللہ میاں کو نمونہ دکھاتے ہیں ۔ یہ تو اور بھی لغو حرکت ہے وہ شخص بولے کہ ہم تو آج سے یہ کام نہ کریں گے یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے۔ میں نے کہا اس میں شک ہی کیا ہے۔

واقعہ: علی گڑھ کالج کا ذکر آ گیا اس کے متعلق فرمایا۔

ارشاد: ایک شخص حامی کہنے لگا کہ جتنی شکایتیں علی گڑھ کے متعلق سنی تھیں ان میں سے زیادہ حصہ غلط نکلا وہ لوگ ایسے نہیں جیسی شکایتیں سنی جاتی ہیں۔ میں نے کہا کہ ہماری تمہاری ایک مثال ہے وہ یہ کہ کسی شخص کو خبر پہنچی کہ تمہارا بیٹا سخت بیمار ہے۔ اس کے پاؤں میں تو کانٹا لگا ہوا ہے کمر میں سوئی چبھی ہوئی ہے۔ مکھی نے کاٹ رکھا ہے تمام سر سے پاؤں تک بیمار ہے غرض باپ یہ خبر پاکر پہنچا دیکھا کہ جن امراض کی خبر ملی تھی ان میں سے ایک بھی نہیں مگر سرسام ہے اب وہ باپ

مطمئن ہو کر بیٹھ گیا کہ ذرا سرسام ہی تو ہے اور سنے ہوئے امراض میں سے ایک بھی نہیں۔

یہ خبر نہیں کہ اگر وہ امراض ہوتے تو غنیمت تھا۔ کیونکہ سرسام کہنے کو تو ایک مرض ہے مگر اس کو ہلاک کر کے چھوڑ یگا۔ آپ کی مثالی اس باپ کی سی ہے جو اس حالت میں مطمئن ہو کر بیٹھ جائے اور تدبیر نہ کرے کیا ایسے باپ کو شفیق کہیں گے اور ہماری مثال شفیق باپ کی سی ہے کہ سرسام کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

اسی طرح ہمیں قلق ہوتا ہے۔ اور آپ بے رحم باپ کے مشابہ ہیں کہ مطمئن ہو گئے یہ مانا کہ کالج میں سب کچھ ہے مگر ایک فساد عقیدہ کا مرض ایسا مہلک ہے کہ دیگر امراض کا نہ ہونا کوئی تسلی کی بات نہیں وہاں وعظ بھی ہوا تھا۔ طلباء وعظ سن کر بہت خوش ہوئے بات یہ ہے کہ اگر خیر خواہی مدنظر ہو اور تعصب نہ ہو تو اس کا اثر بھی ہوتا ہے۔ بعض طلباء کہتے تھے کہ ایسے واعظ نہیں ملے۔ یا تو کافر بنانے والے یا ان کی ہاں ملانے والے ملے۔ دونوں سے نفع نہیں ہوتا۔

جب میرٹھ میں موتمر الانصار کا جلسہ تھا تو ایک مولوی صاحب نے وعظ میں یہ کہا کہ کالج علی گڑھ ملعونین کو پیدا کرتا ہے۔ اور مدرسہ دیوبند مرحومین کو یہ الفاظ سن کر لوگ بہت بھڑکے اگلے روز جلسہ میں ہی میرے پاس ناظم صاحب بھاگے ہوئے آئے تھے اور قصہ کہا اور درخواست تدارک کی، کی۔ میں نے کہا کہ گولی تو ماریں فلاں مولوی صاحب اور ان کو سنبھالوں میں مگر پھر میں کھڑا ہوا اور اس کے متعلق تقریر بیان کی۔ میں نے کہا تعجب ہے کہ فلسفی ہو کر آپ حضرات برا مانتے ہیں۔ ان مولوی صاحب نے گو لفظ سخت استعمال کیا مگر دیکھنا یہ ہے کہ نیت ان کی کیا تھی۔

ان شکایت کرنے والوں میں حکام بھی ہیں اور حکام بھی خوب سمجھتے ہیں کہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم ہو یہ دیکھتے ہیں اس کی نیت کیا تھی۔ اگر نیت اچھی تھی تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہ قانون بیان کیا گیا۔ دوسرے بات یہ ہے کہ آپ صاحبوں کا مذہب فطرت پرستی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا نے فطرۃً مختلف طبائع بنائے ہیں کوئی سخت ہے کوئی نرم ہے۔

دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کا مزاج کیسا تیز تھا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کیسے نرم مزاج تھے۔ سو اگر ان مولوی صاحب کا مزاج موسیٰ کا سا ہو تو کیا قباحت ہے باقی ہمارا اصلی مذاق تو یہ ہے کہ ہم آپ کی دل شکنی نہ کریں کیونکہ ہم کو آپ سے کام لینا ہے آپ کام کی جماعت ہیں اسی لئے ہم آپ کے قلب کو شکستہ کرنا نہیں چاہتے۔ سب شگفتہ ہو گئے۔ اور میں نے کہا کہ ان مولوی صاحب کی طرح تو ہم اپنی زبان سے نہ کہیں گے مگر آپ کے انصاف پر چھوڑتے ہیں ذرا دیکھئے کہ آپ کے یہ اعمال

ہیں۔ یہ عقائد ہیں۔ آپ سوچئے کہ وہ شخص جس کو حقیقت اسلام سے اتنا بعد ہو آپ اس کو کیا کہیں گے۔ ہم تو اقراری مجرم بنانا چاہتے ہیں بتلایئے ایسے شخص کو کیا کہیں گے ہم فتویٰ نہیں دیتے آپ سے پوچھتے ہیں سب سرنگوں تھے۔ حالانکہ اس سے زیادہ سخت کہہ دیا میں نے یہ بھی کہا کہ آپ دین میں شبہات نکالتے ہیں۔

اور علماء سے پیش کرتے ہیں اور بزعم خود اس طریق سے چاہتے ہیں کہ اصلاح ہو مگر اصلاح ودفع شبہات کا یہ طریق نہیں ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ کم از کم ۴۰ دن فراغت کے تجویز کر لیجئے اور جس بزرگ محقق سے آپ کو مناسبت ہو اس مدت میں اس کے پاس رہئے اور جاتے ہی اپنے شبہات کی ایک فہرست اس کو دیدیجئے اور بولئے نہیں۔ جو کہئے زبان سے نہ کہئے چاہے اس فہرست میں روزمرہ بڑھاتے رہئے اور جو وہ کہے اسے بغور سنا کیجئے۔ اور رات کو غور کیا کیجئے۔ اسی طرح ۴۰ روز تک بعد اگر کوئی شبہ رہے گا تو کہنا۔ میں زبانی نہیں کہتا بلکہ مشاہدہ کراتا ہوں۔

''البشیر'' کے ایڈیٹر صاحب وہاں بیٹھے تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے تعلیم جدید والوں سے جو وہاں بیٹھے تھے کہا کہ یہ جو کچھ مولانا نے فرمایا اس میں آپ لوگوں کو کیا شبہ ہے تو وہ بولے کہ اس میں کیا شبہ کریں اس میں تو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اس معیاد میں جنید بغدادیؒ تو نہ بناؤں گا مگر ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمان بنادوں گا۔

غرض متفرق طور پر روز روز قیل وقال ٹھیک نہیں۔ ایک دفعہ تو مصلح کو اپنے امراض کی اطلاع کردو۔ پھر وہ موقعہ پر خود حل کردیگا۔ طبیب کو امراض بتلادو پھر وہ ان امراض میں خود ترتیب کردے گا۔ کہ سبب کیا ہے اصل کیا ہے فرع کیا ہے۔ کیونکہ شبہات دو قسم کے ہیں۔ مگر ایک قسم اصل اور منشاء ہے۔ دوسری قسم کے لئے یہ طبیب کا کام ہے کہ اصل کا علاج کرے فرع کا علاج خود ہو جائے گا۔ اور جیسے امراض ظاہری میں ترتیب ہوتی ہے اسی طرح امراض باطنی میں ترتیب ہے اصل کا علاج کرنا چاہیے یہ لوگ باتون ہوتے ہیں۔ آتا کون تھا۔ البتہ بعض ان میں سے خط وکتابت رکھتے ہیں۔ اصلی مذاق میرا یہ ہے کہ مجھ کو ان لوگوں سے محبت ہے یہ لوگ برے نہیں کوئی کام لینے والا ہو۔ البتہ پنجاب کے بعضے انگریزی خوانوں کی طرف سے دل دکھانے والے خط آتے ہیں اور کالج علی گڑھ سے ہمیشہ مہذب خطوط آئے مؤدب لوگ ہیں اور نواب وقار الملک صاحب کے زمانہ میں تو کالج میں دینیات کا بھی اچھا انتظام تھا ان کو دین کی طرف توجہ تھی فقط۔

ملفوظات ۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کسی نے چاندی خریدی اور بائع کو نوٹ دیا۔
ارشاد: یہ جائز نہیں اس لئے کہ ثمن مبیع کا دست بدست ہونا شرط ہے اور نوٹ روپیہ نہیں ہے بلکہ یوں کرنا چاہیے کہ پہلے کہیں سے یا خود بائع سے نوٹ کا روپیہ لے لے اور وہ روپیہ قیمت میں دیدے۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خراب دونی وغیرہ آ گئی ان کا چلا دینا جائز ہے یا نہیں۔
ارشاد: جو خرابی سکہ ہی کی ہو وہ سرکاری کارخانوں میں دیدیجئے۔ اور اگر اور کسی کو دیجئے تو ظاہر کر دیجئے کہ ایسی ہے خواہ وہ کم میں لے یا برابر جائز ہے جب آپ نے اس کو دیدی اب وہ چاہے کسی دوسرے کو دھوکہ سے دے یا ظاہر کر کے آپ کے ذمہ کچھ نہیں۔ اور جو خرابی بعد کی ہو وہ کسی کو بلا اطلاع دینا درست نہیں نہ سرکار کو نہ دوسرے کو۔

واقعہ: بنک میں روپیہ جمع کرانا کیسا ہے اگر سود نہ لے۔
ارشاد: یہ قرض ہے اور بنک اس کو حرام کے کام میں لائے گا اور اس نے اعانت کی ہے اور اعانت علی الحرام۔ حرام ہے مگر اس میں بعض اقوال پر گنجائش ہے کیونکہ ہمارا قصد اعانت کا نہیں
سوال: بنک میں جمع کرنے سے نیت امانت کی ہے پھر قرض کہاں ہے۔
جواب: عقود میں نیت معتبر نہیں حقیقت معتبر ہے اور یہاں حقیقت قرض کی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ اور یہاں ضمان ہے اس لئے قرض ہی ہوگا۔

واقعہ: ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں۔
ارشاد: عموماً دار الحرب کے معنیٰ غلطی سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں حرب واجب ہو سو اس معنی کر تو ہندوستان دار الحرب نہیں کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں مگر شرعی اصطلاح میں تعریف دار الحرب کی یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے مگر چونکہ دار الحرب کے نام سے پہلے غلط معنی کا شبہ ہوتا ہے اس لئے غیر دار الاسلام کہنا اچھا ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دار الامن دوسرے دار الخوف۔ دار الخوف وہ جہان مسلمان خوفناک ہوں۔ اور دار الامن وہ ہے جہاں مسلمان خوفناک نہ ہوں۔ سو ہندوستان دار الامن ہے کیونکہ باوجود

غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفناک نہیں۔ اور حرب بھی درست نہیں۔ کیونکہ باہم معاہد ہے۔

اعتراض: شاہ عبدالعزیز صاحبؒ غیر دارالاسلام میں عقد ربوا کو جائز لکھتے ہیں دلیل یہ ہے کہ "**لاربوا بین المسلم والحربی الخ**"۔

جواب: میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں۔ ہمارے بعض اکابر جائز فرماتے تھے اس پر مجھ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے اپنے بڑوں کی مخالفت کی۔ میں نے جواب دیا کہ یہ مخالفت نہیں خلاف تو جب ہوتا کہ وہ ناجائز کہتے اور میں جائز کہتا۔ میں نے تو احتیاط کو لیا۔ اگر کوئی احتیاط کرے تو ان کا کیا حرج۔ احتیاط تو اور اچھی ہے۔ وہ بھی یہی فرماتے کہ احتیاط پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور وہ حضرات واجب تو نہیں کہتے کہ لینا ربوا کا ضروری ہے۔ جائز کہتے ہیں میں نے جو رسالہ اس میں لکھا ہے وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دکھایا تھا اس کی تعریف کی۔ مگر خلاف مشہور ہونے کے سبب دستخط نہیں فرمائے۔ اس کا نام تحذیر الاخوان فی تحقیق الربوا فی الہندوستان ہے۔

ارشاد: مدارس کے لئے چندہ کرنا جس میں طیب ہو جائز ورنہ ناجائز۔ اب یہ حالت ہے کہ دباؤ ڈال، ڈال کر مختلف طریق سے وصول کرتے ہیں بڑے لوگوں کے درمیان میں ڈال کر دباؤ ڈالتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے۔ **الالایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه** ۔

ارشاد: عربی ہو یا عجمی خاندانی شخص کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں۔ شرافت خاندانی بھی ایک نعمت ہے خدائی۔

ارشاد: بدعات کی طرف میلان کی وجہ یہ بھی ہے کہ بدعات میں رونق خوب ہے مال خوب کھانے کو ملتے ہیں اور سنت پر عمل کرنے میں سوکھے بیٹھے رہو۔ نفسانی کیفیت بدعات میں ہے اور سنت میں روحانی کیفیت ہے۔ مگر بدعات کی کیفیت تو سب کو محسوس ہے اور سنت کی کیفیت کی عام کو اطلاع نہیں۔ بلکہ بعض اوقات خود اس کو بھی اس کا ادراک نہیں ہوتا۔ جب تک ادراک لطیف نہ ہو جائے۔ روحانی کیفیت جیسے حضور مع اللہ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شیرہ چاٹنے والے کو قند دے تو اس کو اس کے مزہ کا ادراک نہ ہوگا ہاں اس کو اتنی مدت تک پلائے کہ شیرہ کا اثر رفع ہو جائے تو ادراک ہوگا۔

دیوبند کا قصہ ہے کہ ایک صاحب کے یہاں شادی تھی اس میں چمار بھی بیگار میں آئے

تھے۔صاحب خانہ نے حکم دیا کہ کھانا ان کو بھی دیا جائے۔

چنانچہ پلاؤ وغیرہ سب دیا گیا۔ خیر تاک مار کر کھالیا کچھ بولے نہیں مگر جب فیرنی کی نوبت آئی تو چمار کیا کہتے ہیں یہ کیا ہے تھوک سا۔ ان کو شیرینی مدرک ہی نہیں ہوئی۔ پس یہی حالت ہے ان لوگوں کی جو کیفیات نفسانیہ کے خوگر ہیں ان کو کیفیات روحانیہ کا ادراک ہے نہیں۔ لوگ نفسانی کیفیتوں کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا خط آیا تھا کہ حج سے پیشتر رونا آتا تھا۔ حج کے بعد رونا نہیں آتا۔ میں نے جواب لکھا کہ آنکھ کا رونا مقصود نہیں دل کا رونا مقصود ہے اور یہ دل کے رونے کی علامت ہے کہ آپ کو افسوس ہو رہا ہے کہ رونا کیوں نہیں آتا۔ مریض کو بعض وقت اطلاع زوال مرض کی نہیں ہوتی اور طبیب جانتا ہے کہ اب مرض میں کمی ہے اور مریض ضعف ہو جانے سے سمجھتا ہے کہ مرض میں کمی نہیں۔ طبیب اپنی تسلی ڈھونڈتا ہے گو مریض کو تسلی نہ ہو۔ بس پھر امور ہیں کہ مبتدی کو ان کا ادراک نہیں ہوتا اور منتہی کو ادراک ہوتا ہے۔

مولانا گنگوہیؒ کے ایک مرید تھانہ بھون میں تھے وہ ہمیشہ شکایت کیا کرتے تھے کہ یہ نہیں ہوتا وہ نہیں ہوتا۔ مولانا تسلی فرمادیا کرتے وہ میرے پاس آئے میں نے بھی تسلی کر دی ایک روز کہنے لگے کہ مولانا بھی یوں ہی تسلی کر دیتے ہیں میرا گمان بھی ہے کہ جی برا ہونے کے خیال سے فرمادیتے ہیں۔ مگر واقع میں یہ حال اچھا نہیں۔ میں نے کہا توبہ کرو کیا مولانا نعوذ باللہ جھوٹے ہیں۔ کیا شیخ خائن ہوتا ہے کہ برے حال کو اچھا بتلادے مگر بات یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے تم سمجھتے نہیں۔ اور نہ ابتداء میں مرید سمجھ سکتا ہے۔ چند روز تک تو جس طرح شیخ کہے اس کو تقلیداً ماننا ہی چاہیے۔ پھر وہی تقلید مفضی الی التحقیق ہو جاتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے استاذ بچہ سے کہے کہ کہہ الف۔

تو اس صورت میں دلیل کا مطالبہ نہ کرے کہ کا ہے سے معلوم ہوا کہ یہ الف ہے اور یہ بے ہے۔ بلکہ محض تقلید کرے پھر بعد چندے اس کو ایسا یقین ہو جائیگا۔ الف کے الف ہونیکا کہ اگر سارا جہان بھی الف کو بے کہے تو وہ یقین نہ کرے گا۔ بلکہ اب عام طور سے لوگ اس میں مبتلا ہیں کہ شیخ اگر کچھ کہے تو اس میں قیل وقال نکالتے ہیں۔ حالانکہ یوں چاہیے کہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے مان لیں۔ ''قلندر انچہ گوید دیدہ گوید''۔ اور ماننے کا مطلب یہ ہے کہ رد نہ کرے اور راز اس میں یہ ہے کہ اس طریق (سلوک) میں بڑی شرط ہے مناسبت اور مناسبت دلائل سمجھنے سے نہیں ہوتی بلکہ عمل سے ہوتی ہے جب مناسبت ہوگئی تو فن کو سمجھنے لگے اور اگر حجتیں کرے گا تو حقیقت سے دور ہوتا جائیگا جیسے ایک حافظ جی کا قصہ ٹیڑھی کھیر کا ہے وہ یہ کہ ایک حافظ جی نابینا

تھے ان کی ایک شخص نے دعوت کی کہنے لگے کہ کیا کھلائیگا۔ اس نے کہا کہ کھیر حافظ جی نے پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ سفید۔ کہنے لگے سفید کسے کہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ جیسے بگلا۔ کہا بگلا کیسا ہوتا ہے اب وہ سمجھائے کیسے۔ اس نے سامنے بیٹھ کر اور ہاتھ موڑ کر سامنے کو کر دیا۔

حافظ جی نے ہاتھ سے ٹٹول کر کہا کہ بھائی یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے حلق سے کیسے اترے گی تو دیکھئے مناسبت نہ ہونے کی حالت میں جتنی قیل وقال کی حقیقت سے دور پڑتے گئے۔ حافظ جی کو چاہیے تھا کہ حجت نہ کرتے کھالیتے۔ مزہ آنے پر خود سمجھ میں آ جاتا۔ حضرت حاجی صاحبؒ بہت ناخوش ہوتے تھے جو جھک جھک کرتا تھا فرماتے تھے۔ یہ کام تو کرنے کا ہے پھر خود معلوم ہو جائیگا۔ اس وقت حضرت کا فرمانا یوں ہی معلوم ہوتا تھا مگر اب قدر معلوم ہوتی ہے۔

واقعہ: ایک شخص نے دریافت کیا کہ وقار و تکبر میں کیا فرق ہے۔

ارشاد: کہاں تکبر کہاں وقار۔ تکبر کہتے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا۔ وقار کے معنی ہیں کہ ایسی حرکتیں نہ کرنا جو واقع میں خفیف ہوں اور وقار میں یہ نہیں کہ اوروں کو کمتر سمجھئے۔ بلکہ وقار تواضع کا شعبہ ہے جس قدر انکسار بڑھتا جائے گا۔ سکون و سکوت کی شان بڑھتی جائے گی۔ تواضع کے لئے وقار لازم ہے اور تواضع تکبر کی ضد ہے۔

ارشاد: رجاء وہ معتبر ہے جس میں اسباب بھی جمع ہوں اور جس میں وہ اسباب جمع نہ ہوں وہ غرور ہے مثلاً جو شخص کھیتی کرنا چاہے اور اس کے تمام اسباب کو جمع کر کے پھر امیدوار ہو کہ حق تعالٰی مجھ کو دیں تو یہ رجاء معتبر ہے۔ اور ایک شخص وہ ہے جس نے اسباب جمع نہیں کئے اور امیدوار بنے کہ اللہ میاں مجھ کو غلہ دیں گے تو یہ غرور ہے۔ بعض اہل لطائف نے بیان کیا ہے کہ رجاء مستلزم ہے عمل کو اگر عمل نہ ہو تو رجاء کا تحقق ہی نہ ہوگا۔

ارشاد: جو شخص حق پر ہو تو اس میں بھی لوگوں کی دو حالتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرے یہ تو مطلوب ہے۔ اور ایک یہ کہ اس پر ناز ہو یہ جہل ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے مثلاً ایک شے ہے کہ دو شخص اس پر قابض ہیں۔ مگر ایک تو مالک ہے اور دوسرا محض تحویلدار سو مالک تو ناز کر سکتا ہے مگر تحویلدار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کو تو یہ اندیشہ لگا رہے گا کہ کہیں مجھ سے چھین نہ لے پس اسی طرح اگر کسی نعمت پر بندہ میں خوف کی کیفیت ہے کہ کہیں مالک اس نعمت کو سلب نہ کر لے تو یہ شکر ہے کہ یوں سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالٰی کا عطیہ ہے۔ ورنہ کبر ہے پھر امور سوچنے کے متعلق ہیں اول وہلہ میں سمجھ نہیں آتے۔ عارفین کی حالت ایسے مواقع میں دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

ایک شخص حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ فلاں شخص فلاں کام شرک کا کر رہا ہے۔ اور اس نے یہ بنظر تحقیر کہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میاں بیٹھ بھی جس وقت اپنی حقیقت کھلے گی تو سب بھول جاؤ گے اور اپنے کو کافر سے بھی بدتر سمجھو گے۔ دوسرے کے عیوب کی طرف نظر ہی نہ ہوگی۔

بات یہ ہے کہ حال کی چیز قال سے سمجھ میں نہیں آتی۔ جب حال کے درجہ میں آئے تو سمجھ میں آئے۔ اہل حق کو اہل باطل پر ترفع بیشک ہے۔ مگر ان کو ترساں ولرزاں رہنا چاہئے اور ان کو حقیر اور اپنے کو بڑا نہ سمجھنا چاہیے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شہزادہ نے جرم کیا اور وہ سزائے بید کا مستحق ہوا بادشاہ نے بھنگی کو حکم دیا کہ اس کے بید لگائے دیکھئے کہ وہ بھنگی باوجود بید لگانے کے اپنے کو حقیر اور شہزادہ کو بڑا سمجھتا ہے اور اس کی اہانت نہیں کرتا۔ بھنگی کو اپنی بڑائی کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور کیوں نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ میں بھنگی ہوں۔ اور ڈرتا ہے کہ اگر سیاست کے ساتھ شہزادہ کی اہانت کروں گا تو بادشاہ معلوم نہیں کیا کچھ کر ڈالے اسی طرح اہل حق کو چاہئے کہ ترساں اور لرزاں رہیں اہل باطل کو حقیر اور اپنے کو بڑا نہ سمجھیں۔

ارشاد: انبیاء کے علوم میں سے ایک علم امثلہ بھی ہے جو عارفین کو بھی مرحمت ہوتا ہے اس لئے احادیث میں امثلہ بہت ہیں حضرت علیؓ کا واقعہ یہاں بیان کرتا ہوں۔ ایک ملحد نے آپ سے سوال کیا کہ انسان میں اختیار و جبر کیسے جمع ہو سکتے ہیں آپ نے ڈیڑھ بات میں اس کو سمجھا دیا۔ وہ کھڑا تھا اس سے کہا کہ اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ اس نے اٹھا لیا آپ نے فرمایا کہ دوسرا بھی اٹھاؤ وہ نہیں اٹھا سکا۔ آپ نے فرمایا کہ بس اتنا مجبور ہے اور اتنا مختار۔ اختیار بھی ہے اور جبر بھی ہے آپ نے کیسا مثال سے سہل کر دیا۔ ایک اور ملحد نے آپ سے سوال کیا تھا معاد کے بارے میں جس کا وہ منکر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کم از کم حشر اجساد محتمل تو ہے تو احوط بھی ہے کہ اس کے وقوع کا اعتقاد رکھیں۔ کیونکہ اگر حشر نہ ہوا اور ہم اس کے قائل رہے تب تو کوئی پوچھنے والا نہیں کہ اس کے کیوں قائل ہوئے تھے۔ اور اگر حشر ہوا اور تم منکر ہوئے تو پھر باز پرس ہوگی اسی کو کسی نے نظم بھی کر دیا۔

قال المنجم والطبیب کلاھما　　لایحشر الاجساد قلت الیکما

ان صح قولکما فلست بخاسر　　او صح قولی فالخسار علیکما

بزرگوں کے علوم یہ تھے ان کی نظر حقائق پر تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ مخاطب کو کسی طرح نفع ہو اپنے کو بڑھانا منظور نہ تھا جیسے آجکل بلا پھیلی ہوئی ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ عید کے دن "عید مبارک" جو ملنے کے وقت کہتے ہیں اور مصافحہ کرنا کیسا ہے۔

ارشاد: عید مبارک کہنا درست ہے فقہاء نے لکھا ہے باقی مصافحہ سو اول ملاقات کے وقت تو اتفاقاً (باتفاق علماء) اور وداع کے وقت اختلافاً (باختلاف علماء) مشروع ہے۔ اور عید کا مصافحہ ان دونوں سے الگ ہے اس لئے بدعت ہے اور معانقہ اور بھی قبیح۔ لوگوں کی پھر حالت ہے کہ نماز عید سے پیشتر تو باتیں کر رہے تھے نماز ختم ہوئی اور مصافحہ کرنے لگے۔

ارشاد: یہ مشغلہ رکھنا کہ فلاں مخالف یا موافق بیہودگی ہے حق تعالیٰ سے معاملہ صحیح ہونا چاہئے۔

ارشاد: مثنوی میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور ﷺ کی مدح کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک کہتے ہیں۔ ابو جہل نے گستاخی شروع کی حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھیک کہتا ہے۔ اور فرمایا کہ میں آئینہ ہوں۔ صدیقؓ کو اپنی صورت اس میں نظر آئی اور ابو جہل کو اپنی میں دونوں کے ادراک سے عالی ہوں۔

واقعہ: یہ ذکر تھا کہ بعض لوگ لکھنو میں حضرت کو برائی سے یاد کرتے ہیں گو کہ ظاہر میں اچھے بنے ہوئے ہیں اور حضرت کے سامنے کچھ نہیں کہتے اور خطوط میں لکھ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ ہم آپ کے خلاف نہیں ہیں۔

ارشاد: آدمی اپنی حقیقت میں غور کیا کرے اور سوچا کرے کہ جو برائیاں لوگ کرتے ہیں۔ میں تو اس سے بھی زیادہ برا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اصل عیوب کو چھپالیا میرے عیوب تو اس سے بھی زیادہ تھے۔ پھر برا کیوں مانے۔ جیسے کوئی اندھے کو کانا کہہ دے تو اس کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر خوش بھی نہ ہو تو اس اہتمام میں تو نہ پڑھے کہ مجھے کیوں برا کہا۔ اور کون ،کون اس میں شامل تھا اور کیا مبنیٰ ہوا برا کہنے کا اور اس کا دفعیہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے ایک رسالہ کارڈ لکھا تھا اور اس میں آپ کی تکفیر بھی لکھی تھی۔ مولانا کے بعض خواص نے اس کا جواب لکھا اور تکفیر کے جواب میں ایک قطعہ لکھا وہ نہایت مہذب و نرم تھا۔ مگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی وہ قطعہ یہ تھا۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست ☆ چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم درجوابش ☆ دروغے راجزا باشد دروغے

حضرت مولانا نے سن کرفرمایا کہ یہ تو خاصی تکفیر ہوگئی ہم مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے اوراس کے درمیان میں دو مصرے اضافہ فرمائے اس طرح سے ۔

مراکافر اگر گفتی غمے نیست ☆ چراغ کذب رانبو وفروغے
مسلمانت بخوانم درجوابش ☆ وہم شیرت بجائے تلخ دوغے
اگرخود مومنی فبہا وگر نہ ! ☆ دروغے راجز اباشد دروغے

ہمارے بزرگوں نے مدتوں قادیانی کی تکفیر نہیں کی اس کے اقوال کی تاویلیں کرتے رہے مگر جب حد سے بڑھ گیا تو تکفیر کی ۔ مثلاً اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نبی ہوں ۔ ابتدا میں محض الہام کا مدعی تھا گو اس میں بعض مضامین بہت موحش تھے مثلاً یہ الہام کہ "**یا احمد یتم اسمک ولا یتم اسمی**" بعض علماء نے تکفیر کی تھی اوروہ علماء مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں بھی آئے تھے اورآپ سے اس معاملہ میں عرض کیا تھا ۔ مگر آپ نے تکفیر سے انکار فرمایا ۔ اس بناء پر کہ ان اقوال میں تاویل ہوسکتی ہے ۔

چنانچہ ہمارے اکابر نے اس الہام کی یہ تاویل کی تھی ۔ کہ تمام کے معنیٰ یہاں کمال کے نہیں بلکہ اختتام اورانقطاع کے ہیں اورحضرات کے مشرب یہ تھا ۔ مولانا محمد قاسم کوکسی نے کافر کہا تھا ۔ آپ نے خبر سن کرفوراً یہ پڑھا "**لاالہ الاالله محمدرسول الله**" ۔

اورفرمایا کہ اگر میں ایسا ہی تھا مگر اب تو نہیں اوریہی دلیل ہے کامل مسلمان ہونے کی ۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے سامنے میں نے ایک صوفی کا قول اس کا کفر ظاہر کرنے کونقل کیا وہ قول یہ تھا کہ ایک صوفی نے اپنے مرید سے کہا کہ تم خدا کو جانتے ہو ۔ اس نے کہا کہ میں خدا کو کیا جانوں میں تو آپ ہی کو جانتا ہوں ۔ مولانا نے اس کی بھی تاویل فرمائی کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدا کو پورے طور سے کون جان سکتا ہے ۔ بشر البتہ بشر کو پہچان سکتا ہے ۔ حالانکہ ہمارے حضرات شرک وبدعات کے اکھاڑنے والے تھے مگر اتنی احتیاط تھی کسی کو تکفیر میں اسی طرح ائمہ سابقین کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات کتنی احتیاط کرتے تھے ۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں ذکر ہوا کہ ایک شخص یوں کہتا ہے کہ جہنم میں کوئی کافر نہ جائیگا ایسے شخص کو کیا کہیں گے آپ نے شاگردوں سے کہا کہ تم بتلاؤ انہوں نے کہا کہ ایسا شخص نصوص قطعیہ کا منکر ہے ۔ اس لئے کافر ہے آپ نے فرمایا کہ کیا اس کی تاویل نہیں ہوسکتی وہ یہ کافر

سے مراد کافر شرعی نہیں بلکہ کافر لغوی ہے۔ چونکہ وہ لوگ جہنم میں جانے سے پہلے تمام امور کی تصدیق معتبر نہ ہوگی تو پھر وہ منکر ہو کر جہنم میں کہاں گئے۔ بلکہ مقرر ہو کر گئے۔ یہ طرز تھا بزرگوں کا۔

جس وقت قادیانی کے بارہ میں بعض علماء پنجاب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اس کے اقوال نقل کر کے گفتگو کر رہے تھے تو مولانا ان کی تاویلیں فرما رہے تھے۔ جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو بطور ظرافت فرمایا کہ ارے میاں جہاں ہندوستان میں پانچ کروڑ مسلمان ہیں ایک وہ بھی سہی ان علماء نے کہا کہ نہیں حضرت تکفیر ہی میں مصلحت ہے۔ اس وقت مولانا کو جوش ہوا۔ فرمایا جب مسلمان ہی کی تکفیر کرنا ہے تو اچھا تمہاری ہی کیوں نہ کی جائے جو تم ایک مسلمان کی تکفیر کے درپے ہو رہے ہو۔ ان علماء نے آپس میں کہا کہ اس وقت مولانا کو جوش ہے۔ آئندہ چل کر خود ہی اس کو کافر کہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ حد سے بڑھ گیا اور تاویل کی گنجائش نہ رہی تو آخر فتویٰ دیا۔

غرض یہ احتیاط تھی کہ کسی کی تکفیر کرتے تھے نہ اپنی تکفیر سے برا مانتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ جتنا رتبہ بڑھتا جاتا ہے جہلاء انکار کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ کتابوں میں لکھا ہے **لایکون الرجل صدیقاً حتی یشهد علیه سبعون صدیقا انه زندیقاً** ۔ یعنی آدمی صدیق نہیں بنتا تاوقتیکہ ستر صدیق اس کو زندیق نہ کہنے لگیں۔ یعنی ایسے مرتبہ کو پہنچ جائے کہ مدعی صدق بھی نہ کہ حقیقی صدیق اس کی بات کو نہ پہنچیں اور اس وجہ سے اس کو زندیق کہنے لگیں۔

ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحبؒ کی تکفیر کی تھی۔ حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ ایسے مغلوب الحال بھی نہ تھے جو یہ احتمال ہو کہ غلبہ حال میں کوئی بات خلاف شرع منہ سے نکل گئی ہوگی۔ آپ نے بیساختہ فرمایا کہ اگر میں عند اللہ مومن ہوں تو سارے جہان کی تکفیر مضر نہیں اور اگر عند اللہ کافر ہوں تو سارے جہان کا مومن کہنا مفید نہیں۔ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا۔ میں نے کہا کہ ہاں اس شخص کو جائز ہے جس کو یہ یقین ہو جائے کہ میں اس سے بہتر ہو کر مروں گا۔ اس نے کہا کہ یہ مرنے کے قبل کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا تو بس مرنے کے بعد جائز ہوگا ورنہ جب تک خاتمہ نہ ہولے اس وقت تک تو یہ حالت ہے۔ شعر ؎

گہہ رشک بر و فرشتہ برپا کی ما ☆ گہہ خندہ زند دیو زناپا کی ما
ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم ☆ احسنت بریں چستی و چالاکی ما

ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی کا مقدمہ پیش ہو رہا ہے اور کچھ خبر نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ وہ

شخص اپنے زعم میں سمجھ رہا ہے کہ ہم پر جرم عائد نہیں ہوتا کیا خبر ہے کہ وہ زعم حاکم کے روبرو صحیح ثابت ہوگا۔ یا غلط چنانچہ اللہ تعالیٰ خود مجرمین کو جتلائیں گے۔

فا تخذ تموھم سخریا حتی انسو کم ذکری و کنتم منھم تضحکون انی جزیتھم الیوم بماصبروا انھم ھم الفائزون .

اوراس سے اور بات بھی معلوم ہوئی کہ اس میں عباد مقبولین کا فعل صبر فرمایا انتقموا۔ نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی ایذا پر صبر کرنا چاہئے نہ کہ انتقام۔

ایک شخص نے میرے پاس لکھا تھا کہ ایک شخص نے آپ کو گالیاں دیں میں نے اس کو خوب برا بھلا کہا۔ آپ دعا کیجئے کہ اس شخص کی اصلاح ہو جائے میں نے جواب میں لکھا کہ آپ پہلے اپنی اصلاح کیجئے کہ آپ نے برا بھلا کہا میں نہیں چاہتا کہ میرے بارہ میں دو فرقے ہوں اس عمل سے تو دو فرقے ہو جائیں گے۔ ایک برا کہنے والا۔ اور ایک بھلا کہنے والا۔ پھر دونوں میں خوب لڑائی ہوگی۔ فرقہ بندی ہوگی۔ اس سے تو ہم توبہ توبہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درجہ میں ہو گئے کہ ان کے بارہ میں دو فرقے ہیں نبی کا انکار تو بیشک کفر ہے اور صحابہ وغیرہم کا انکار فسق ہے۔ باقی جس کی کشتی خود ہی ڈانوڈول ہے اس کیلئے مجلس بنانا کتنی حماقت ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث میں ہے ’’لا عدوی‘‘ یعنی مرض کا تعدیہ نہیں ہوتا اس کے کیا معنیٰ ہیں کیا تعدیہ بالکل منفی ہے۔

ارشاد: دو حدیثیں ہیں ایک تو لا عدویٰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدیہ امراض کا نہیں ہوتا اور دوسری حدیث ہے **"فرمن المجذوم کما تفرمن الاسد"** ۔ کہ جذامی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے اس سے ظاہراً بعض امراض کا تعدیہ معلوم ہوتا ہے۔

یہاں دو وجہ تطبیق کی ہیں بعض تو عدوی کے قائل ہوئے ہیں کہ امراض میں تعدیہ ہوتا ہے اور لا عدوی میں تاویل کی ہیں وہ یہ کہ امراض کی ذات میں تعدیہ نہیں۔ جیسے کہ اہل سائنس بالذات تعدیہ کے قائل ہیں کہ امراض کی ذات میں تعدیہ ہے لا عدوی میں اس کی نفی ہوتی ہے۔ باقی جہاں خدا تعالیٰ کا حکم تعدیہ کا ہوتا ہے۔ وہاں تعدیہ ہو جاتا ہے اور بعض نے لا عدوی کا مطلق کہا ہے۔ کہ تعدیہ بالکل ہوتا ہی نہیں ہے باقی مجذوم والی حدیث میں جو بچنے کو فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس جانے والے کو اگر اتفاق سے یہ مرض ہو گیا۔

تو وہ یہی سمجھے گا کہ مجھ کو اس سے بیماری لگ گئی اس اعتقاد سے بچنے کے لئے آپ نے اختلاط سے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض نے لاعدوی میں تاویل کی ہے۔ اور بعض نے مجذوم والی حدیث میں۔ مگر اقرب یہ ہے کہ تعدیہ ہوتا ہے مگر باذن الٰہی ہوتا ہے اور بلا اذن نہیں۔ چنانچہ بریلی میں ایک بنگالی ہندو کا قصہ ہے کہ اس کا لڑکا مبتلائے طاعون ہوا۔ وہ ہندو برابر اس کے پاس لیٹتا تھا۔ اس کا سانس اس پر آتا تھا۔ وہ لڑکا مر گیا۔ اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اپنی زندگی بار معلوم ہونے لگی۔ اسی لئے قصداً اس کی استعمالی چیزوں کو خوب استعمال کرتا تھا کہ میں بھی مر جاؤں مگر نہیں مرا۔

بتلایئے اگر تعدیہ بالذات ہوتا تو وہ کیوں بچتا۔ اسی طرح اگر تعدیہ بالذات مانا جائے تو اگر کسی جگہ بیماری ہو تو قصبہ میں سے ایک بھی نہ بچے۔ وہاں کون چیز مانع ہے۔ ایک شفیق طبیب تھے جنہوں نے طاعونیوں کا علاج اس طرح کیا کہ دوا اپنے ہاتھ سے بناتے اور پلاتے ان کو گود میں لے کر بیٹھتے کہتے تھے کہ ان کے ۶۳ مریضوں میں سے ۵۳ صحت یاب ہوئے۔ ان میں بعض مریض اس قدر تیز مادہ کے تھے کہ انہوں نے ایک مریض کی نبض پر ہاتھ رکھا تو انگلی میں آبلہ پڑ گیا۔ مگر ان کا کان بھی گرم نہ ہوا۔ غرض بالذات خاصیت تو تعدیہ کی اس میں نہیں۔

البتہ اسباب ظنیہ کے درجہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متاثر نہ ہونیکا مدار قوت وضعف قلب پر ہے۔ ضعیف القلب پر اثر زیادہ ہوتا ہے اس کے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں مرض ہو اس کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں۔ ہاں اسی بستی میں اس مکان میں سے دوسرے میں چلے جانا جائز ہے ایک دقیق فرع اس کی یہ بھی ہے کہ اگر ساری بستی والے کہیں چلے جائیں ایک بھی وہاں نہ رہے تو جائز ہے۔ باقی یہ جائز نہیں کہ بعض چلے جائیں اور بعض وہیں رہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ بعض کے چلے جانے سے باقی ماندوں کی دل شکنی واضاعت حق ہوتا ہے کہ مریضوں کی تیمارداری کون کرے گا۔ حقیقی ہمدردی یہ ہے جو اس مسئلہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ باقی لیڈر و یڈر لوگوں کی ہمدردی صرف باتیں ہی باتیں ہیں وہ تو ہمدردی ہے ان کی تہذیب تہذیب نہیں۔ تعذیب ہے۔ اطباء اور ڈاکٹروں کا یہ حال ہے کہ وہ کسی کو دیکھنے جاتے ہیں۔ تو دور کھڑے رہتے ہیں۔ اس صورت میں مریض کی کیسی دل شکنی ہوگی وہ سمجھے گا کہ اس مرض کی وجہ سے پرہیز کر رہے ہیں اس کا دل کیسا ٹوٹے گا کہ جب یہ ایسا سخت ہے تو میں کیا بچوں گا۔

ایک سب انسپکٹر مجھ سے ایک مقام کا ذکر کرتے تھے کہ ایک امیرزادہ مرض طاعون میں مبتلا

ہوا۔اس کے گھر والے اس کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے۔وہ لڑکا مر گیا تو مرنے کی خبر آئی اور تجہیز و تکفین کا سامان شروع کیا محلّہ کے غرباء نے کہا کہ چونکہ یہ ہمارا دینی بھائی ہے اس لئے ہم اس کی تجہیز و تکفین خود کریں گے آپ ہاتھ نہ لگایئے آپ وہی تو ہیں جو اس کو چھوڑ کو بھاگ گئے تھے۔

مئو میں ایک جماعت نے اپنے ذمہ طاعون والوں کی خدمت اوران کا کفن دفن کرنا لیا تھا۔چنانچہ ان کا کان بھی گرم نہ ہوا۔یہ بھی اورعدم تعدیہ کی دلیل ہے سچی بات ہے ۔

نبار دھواتا نہ گوئی بہار ☆ زمیں نادر وتانہ گوئی بیار

مولانا فرماتے ہیں شعر۔

خاک وباد آب وآتش بندہ اند ☆ بامن وتو مردہ باحق زندہ اند

مولانا نے ایک طویل حکایت لکھی ہے اس میں یہ بھی ایک جزو ہے کہ ایک بچہ کو کفار نے آگ میں ڈال دیا۔اور وہ نہیں جلا بلکہ اوروں کو بلانے لگا لوگ گرنے لگے اور جلتے نہ تھے غصہ ہوکر بادشاہ نے آگ کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تو آگ نہیں رہی خدا نے اس کو ناطق بنادیا اور وہ کہنے لگی ۔

گفت آتش من ہما نم آتشم ☆ اندر آتا تو بہ بینی تابشم

خورجہ میں ابھی قصہ ہوا۔ایک عامل آئے تھے وہ آگ میں کو نکل گئے ابھی اس کا مشاہدہ کثیر التعداد لوگوں کو ہوا۔وہ کامل بھی نہ تھے بلکہ عامل تھے بتلایئے کہ خاصیت طبعی آگ کی کہاں چلی گئی جیسے کہ اہل سائنس کہتے ہیں کہ خاصیت طبعی جا نہیں سکتی۔بات یہ ہے کہ سب اذن سے ہوتا ہے اور مسلمان کے ساتھ تو ایسا معاملہ ہوتا کہ آگ کی خاصیت ظاہر نہ ہو۔عجیب نہیں رنجیت سنگھ کا قصہ ہے کہ مع فوج کے جارہا تھا۔درمیان میں دریائے اٹک پڑا۔کشتی تھی نہیں لوگوں نے کہا کہ ایک دریا ہے۔اس نے جواب دیا کہ جس کے دل میں اٹک اس کے لئے اٹک ہے۔اور گھوڑا ڈال دیا۔گھوڑوں کے سم کے سوا اور کچھ بھیگا تک نہیں حالانکہ ثقیل چیزوں کا میلان مرکز کی طرف ہے چاہئے تھا کہ نیچے کو جاتے۔بس ان کو خدا پر اعتماد ہوا۔خدا نے پار اتار دیا۔سیر کی کتابوں میں ابن العلاء حضرمی کا قصہ مذکور ہے حضرت خلیفہ اول نے ان سے کہہ دیا تھا کہ راستہ میں توقف مت کرنا۔ایک موقعہ پر پہنچے کہ وہاں سمندر حائل تھا حالانکہ مطلب خلیفہ کا یہ تھا کہ آرام کیلئے توقف مت کرنا نہ یہ کہ سمندر ہو جب بھی توقف نہ کرنا۔پس عبور کا عزم بالجزم کرلیا اور دعا کی کہ موسیٰ علیہ

السلام کو رستہ ملا تھا۔ ہم غلامان محمد ﷺ ہیں۔ اے اللہ ہم کو رستہ ملے اور بسم اللہ کر کے گھوڑا ڈال دیا۔ اور اتر گئے سینکڑوں جگہ سائنس کے خلاف ہوتا ہے اب رہا یہ شبہ کہ کفار کے لئے ایسا کیوں ہوتا ہے تو بات یہ ہے کہ کفار کی دعا بھی قبول ہوسکتی ہے یہ تو مسلم ہے اسی طرح ان کا توکل بھی موثر ہوسکتا ہے۔ غرض جیسے دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح توکل بھی نافع ہوسکتا ہے۔ بلکہ کافر کی بعض دعا تو ایسی قبول ہوئی ہے کہ مسلم کی بھی کبھی نہیں ہوئی اور وہ دعا ہے ابلیس کی۔ "**انظرنی الی یوم یبعثون**" اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرآن کریم میں تو ہے **وما دعاء الکفرین الافی ضلال**"۔ کیونکہ یہ آخرت کے بارہ میں ہے نہ کہ دنیا کے بارہ میں۔ اور دنیا کے بارہ میں تو ابھی ذکر ہوا کہ شیطان سے زیادہ کون کافر ہوگا اور دعا بھی کیسی **انظرنی الی یوم یبعثون**۔ مگر پھر بھی کیسے قبول ہوئی بات یہ ہے کہ **انا عند ظن عبدی بی** انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ جیسا ظن کر لیتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ پورا فرما دیتے ہیں۔ بت پرستوں تک کی بھی حاجت پوری ہوتی ہیں چونکہ ان کو خدا تعالیٰ سے یہی گمان ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا کے منکر بھی نہیں مجھ کو پہلے بحث مباحثہ کا شوق تھا ایک دفعہ تھانہ بھون میں ایک بت پرست مل گیا۔ میں نے کہا کہ تم بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہم عبادت تو خدا کی کرتے ہیں مگر خیال کو متوجہ کرنے کیلئے بتوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کا اصل مذہب یہی ہو۔ جو اس شخص نے بیان کیا۔ مگر اب کے ہندوؤں کا خیال ایسا نہیں اب تو بتوں کو معبود ہی سمجھتے ہیں۔ جیسے مشرکین عرب غیر اللہ کو معبود قرار دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو معبود بالذات اور دوسروں کو معبود بالعرض قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تمہارے کتنے معبود ہیں۔ اس نے کہا سات ایک آسمان میں اور چھ زمین میں آپ نے پوچھا کہ بڑے کاموں کیلئے کس کو تجویز کیا ہے جواب دیا کہ آسمان والے کو غرض مشرک بھی اصالتاً خدا ہی سے مانگتے ہیں اور اس مانگنے میں ایک خاص گمان رکھتے ہیں۔ بس خدا تعالیٰ ہر ایک کے گمان کے موافق اسی طریق سے دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ خدائے تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں اور وہ پھر دیتے ہیں۔ کیا چوروں کو نہیں ملتا۔ ان کا یہی گمان ہے کہ ہمیں چوری کر کے ملے گا۔ لہٰذا ان کو اس طریق سے ملتا ہے رنڈیوں کا گمان ہے کہ ہمیں اسی طریقہ سے ملتا ہے اس واسطے ان کو اسی صورت سے ملتا ہے۔ اگر اپنے پیشہ کو چھوڑ دیں اور گمان کریں کہ اب اور طریقہ سے ملے گا تو اور طریقہ سے ملے گا تو اور طریقے سے ملنے لگے گا۔ اسباب وذرائع گویا زنبیل ہیں۔ کوئی توکل کی زنبیل لئے ہوئے ہے۔ کوئی طبابت کی زنبیل لئے کوئی

تجارت کی زنبیل لئے بیٹھا ہے کوئی چوری وغیرہ کی زنبیل۔ گو قبیح ہو مگر بعض کو اس قبیح کے سبب بھی روزی حلال ملی ہے۔ جیسے نجار، لوہار، معمار، پاسبان کہ ان کو چوری کے سبب معاش حلال ملتی ہے۔ اگر چوری نہ ہوئی ان لوگوں کی چنداں حاجت نہ ہوتی۔ سو قبیح چیزیں بھی نفع سے خالی نہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے۔ کہ کوئی چیز ایسی قبیح نہیں جس میں کوئی حکمت نہ ہو۔ چنانچہ چوری میں بھی نفع ہے پولیس رکھی جاتی ہے۔ ہزاروں آدمی ملازم ہیں قفل ہزاروں بنائے جاتے ہیں ۔

''کفر ہم نسبت بخالق حکمت است''

یہ زنبیل اس طرح تقسیم ہوئی میں ہر ایک کو گمان کے موافق ایک ایک زنبیل میں روزی ملتی ہے بس خیال بڑی چیز ہے اور یہاں تک اس کا اثر ہے کہ ساحروں کے سحر جو چلتے ہیں وہاں بھی قوت خیالیہ کا اثر ہے۔ الفاظ میں کچھ تھوڑا ہی رکھا ہے الفاظ تقویت خیال کے لئے ہوتے ہیں۔ باقی اثر خیال سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ جاہل کو تصنیف کر کے الفاظ بتلا دیجئے کہ وہ یہ سمجھے کہ ان الفاظ سے اثر ہوگا تو ان ہی میں اثر ہوگا۔ بچھو کا زہر اتر جائیگا۔ بلکہ اگر بلا الفاظ بھی یقین دلا دیا جائے کہ اس طرح خیال کرنے سے اثر ہوگا تو بھی اثر ہوگا۔ ایک جاڑے بخار کا عمل ہے وہ یہ کہ جنگل میں گڑھا کھود کر یوں کہو کہ جاڑہ بخار میں نے تم کو دفن کر دیا۔ بس اس سے جاڑہ بخار جاتا رہتا تھا ایک اور عمل ہے کہ ۴۰ روز کسی درخت کی جڑ میں پیشاب کرو بعد میں اس سے ہمزاد نکلے گا یہ بھی خیال ہی کا اثر ہے مسمریزم وغیرہ یہ سب خیال ہیں۔ لوگ ایسی باتوں کو بزرگی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بزرگی نہیں اگرچہ بزرگوں سے بھی ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ بزرگی کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی بزرگوں کے یہاں توجہ دیتے ہیں۔ کہ توجہ دی اور دوسرا شخص الٹ پلٹ ہو گیا جس جگہ اس کا موقع ہو اچھی ہے مگر پھر بھی بزرگی اس کا نام نہیں۔ اب تو درویشی اسی کا نام رہ گیا ہے۔ تصوف کی اصل جو حضورؐ اور صحابہؓ کے وقت میں تھی لوگوں نے اس کا ناس کر دیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے لکھنؤ میں تصوف کے معنی یہی سمجھ کر اس کے شدت سے منکر تھے۔ میں نے ان سے گھر میں کا علاج کرایا تھا۔ محبت کرتے تھے خود دعوت بھی کرتے تھے اور نذرانہ تو کیا لیتے انہوں نے مجھ سے تصوف کا تذکرہ کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے غیر تصوف کو تصوف سمجھ لیا ہے۔ وہ بیشک قابل انکار ہے۔ جب میں نے حقیقت بیان کی تو کہنے لگے کہ میں بڑی غلطی میں تھا۔ اس کے بعد کہا کہ کوئی ذکر بتلایئے ان کو تلاوت سے بہت شوق تھا۔ میں

نے تلاوت ہی تجویز کی۔ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ حقیقی تصوف آج سمجھ میں آیا کہنے لگے کہ لوگ ضربیں لگاتے ہیں یہ کیا چیز ہے میں نے کہا کہ سب نہیں لگاتے لازم طریق نہیں اس میں بعض مصالح ہیں مگر سب کے لئے ایک ہی وظیفہ مناسب نہیں جیسا بعض مشائخ ایک لکڑی سے سب کو ہانکتے ہیں۔

چنانچہ ایک حکیم صاحب کا قصہ ہے کہ ایک بار کسی کے یہاں گئے بیمار کے پلنگ کے نیچے نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب نے بیمار سے کہا کہ تم نے شاید نارنگی کھائی ہے اس نے اقرار کیا۔ صاحبزادہ ساتھ رہتے جب حکیم صاحب مکان پر آئے تو صاحبزادہ نے کہا کہ ابا جان آپ نے کیسے معلوم کیا تھا کہ نارنگی کھائی ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ پلنگ کے نیچے چھلکے پڑے ہوئے تھے اس سے میں نے پہچان لیا۔ صاحبزادہ کے ایک قاعدکلیہ ہاتھ لگ گیا۔ کہ جو چیز بیمار کے پلنگ کے نیچے پڑی ہو وہ اس نے کھائی ہوتی ہے بڑے حکیم جی کا تو انتقال ہو گیا۔ اب صاحبزادہ کا دورہ ہوا۔ اتفاق سے ایک مریض کے یہاں بلائے گئے۔ اس کے پلنگ کے نیچے نمدہ پڑا ہوا تھا۔ آپ کہتے ہیں کہ تم نے نمدہ کھایا ہے لوگوں نے نکلوا دیا۔ اور کہا تمہاری دم میں نمدہ۔ اب حالت یہ ہے کہ لوگ دو چار شغل یاد کر لیتے ہیں اور وہ ہی سب کو بتلا دیتے ہیں خواہ مناسب ہو یا نہ ہو۔ ایک بزرگ سب کو حبس دم بتلاتے تھے۔ ایک ضعیف شخص کو بتلایا۔ اور حبس دم بھی اس طرح کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر کھڑا کیا تھا اس کے کرنے سے اس کا دم نکل گیا۔ پیر نے اس پر مسرت ظاہر کی کہ یہ شخص طلب میں ختم ہو گیا۔ پس اہل جنت میں سے ہے اور اسی کو صلوٰۃ معکوس بھی کہتے ہیں غرض لوگوں نے ان اعمال کو اجزاء تصوف خیال کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تدابیر مثل تدابیر طبیہ کے ہیں جیسے بعض مشائخ کے لئے تقویت دماغ کا نسخہ تجویز کرتے ہیں تو کیا وہ جزو تصوف ہو گیا۔ سو بعض میں تو یہ افراط ہے اور بعض میں تفریط ہے کہ سرے ہی سے ان کو مذموم و بدعت قرار دیتے ہیں اور یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کہاں تھیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں تدابیر عمل ہیں کوئی عمل مقصود تھوڑا ہی ہے پھر بدعت کیوں ہوئیں اگر چہ کفار ہی سے کیوں نہ ماخوذ ہوں مثلاً بعضے جوگی برمی بوٹی کھاتے ہیں دماغ کو بہت منافع ہے۔ مجاہدہ زیادہ کرنا پڑتا ہے اس لئے دماغ کی تقویت کی حاجت ہوتی ہے اب ادویہ کو بھی کوئی تصوف میں داخل کرے یا اس کو بدعت بتلانے لگے تو اس عقلمندی کو کوئی کیا کرے اور بوجہ ان امور کے تدبیرات ہونے کے بعض باتیں صوفیہ نے جوگیہ سے لی ہیں جیسے کوئی طبیب سے نسخہ لے لیں

یہ چیزیں نہ تو قابل انکار ہیں۔ نہ فن کا جزو ہیں بعض خشک مزاج ہر چیز کو محض اسی بناء پر بدعت کہہ دیتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھیں حالانکہ بدعت وہ ہے کہ جو کام دین کے طور پر کیا جائے اور دین نہ ہو محققین کے نزدیک یہ امور دین سمجھ کر نہیں کئے جاتے بلکہ محض تدابیر کے درجہ میں ہیں مثلاً حبس دم کا فائدہ ہے کہ سانس روک کر بیٹھنے سے رطوبات تحلیل ہوتی ہیں مگر حضرت حاجی صاحبؒ نے پھر بھی دوسرے مصالح سے اس کو منع فرمادیا تھا کہ اس زمانہ میں مناسب نہیں کیونکہ رطوبات خود ہی کم ہیں مسمریزم میں بھی یہ حبس دم بہت معین ہے مسمریزم کی عجیب عجیب حکایات ہیں ایک شخص کلکتہ کا قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک عامل نے ایک لڑکے کو عمل سے سلادیا۔ اس نے اٹھ کر اقلیدس کی شکلیں حل کرنا شروع کیں اور بچہ کو اس لئے اکثر تجویز کیا جاتا ہے۔ کہ عاقل پر دوسرے کے خیال کا اثر کم ہوتا ہے اشراقیین بھی شاگردوں کو مضامین القاء کرتے تھے حالانکہ دونوں میں بہت فاصلہ ہوتا تھا۔ بعضے مردوں کو دکھا دیتے ہیں مگر وہ سب خیالات ہوتے ہیں بعض لوٹے کے عمل سے ۔زر کا نام نکل آتا ہے۔ یہ بھی خیالی قصہ ہوتا ہے۔ جو خیال میں چور ہوتا ہے اسی کا نام نکل آتا ہے۔ اسی واسطے کبھی متعارض جواب بھی آتا ہے۔ چنانچہ اگر دو عامل بلائے جاتے ہیں اور دونوں مختلف مجلس میں نام نکالیں اور نام نکلوانے والا دونوں سے جدا جدا شخصوں کے نام بتلا دے کہہ دے کہ فلانے پر شبہ ہے۔ اور یہ شخص وہاں نہ رہے تو ان کے عمل سے ایک جگہ زید کا نام نکلے گا اور دوسری جگہ عمرو کا۔ میرے ایک دوست نے ایک دفعہ اس خیال سے کہ ان کے مکان میں خزانہ ہے میز کا عمل کیا اس میں یہ نکلا کہ مکان کے فلاں کمرہ میں خزانہ ہے پھر اس کمرہ کے نمبر دار حصے کئے۔ اور پوچھا کہ کون سے نمبر میں ہے۔ اس میں نکلا کہ تہ خانہ میں ہے اس کو کھودوایا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ پھر انہوں نے اس میز ہی سے اس کا جواب لیا۔ شکایت کی کہ جب نہیں تھا تو کیوں دق کیا۔ تو جواب آیا کہ ہم نے دل لگی کی تھی اور یہ سب بھی خیال تھا۔ چونکہ خیال دل لگی کا تھا اس لئے وہی جواب آ گیا یہ سب کھانے کمانے کی باتیں ہیں۔ اس سے جہلا خوب معتقد ہوتے ہیں۔

ایک شاہ صاحب کان پور میں ہمارے مہمان تھے ان کا ایک معتقد عامل تھا مسمریزم کا۔ ساحر بھی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے شاہ صاحب کو مکان مدرسہ میں بعضی باتیں دکھانا بھی چاہا تھا۔ میں نے منع کر دیا کہ یہ مدرسہ ہے یہاں مناسب نہیں۔ ایک بات یہ دکھلانے کو کہتا تھا کہ میں ایک سفید چادر بچھاؤں گا آپ کو دریائے ناپیدا کنار معلوم ہوگا۔ اور بھی عمل اس کے پاس تھے مگر میں

نے اس وجہ سے اجازت نہ دی کہ لوگ کہیں گے کہ مدرسہ میں تھیٹر ہونے لگا۔ نفس تو چاہتا تھا کہ دیکھوں مگر عقلی ممانعت کی وجہ سے نہ دیکھا۔

واقعہ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض علماء منی آرڈر کو ناجائز فرماتے ہیں۔

ارشاد: عدم جواز کی جو بناء ہے اس میں کلام ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ ڈاک میں جو دیا جاتا ہے وہ قرض میں مثل لینا چاہیے اور مثل لیا نہیں جاتا۔ مثلاً دس روپیہ دو آنہ تو داخل کئے جاتے ہیں اور وصول کئے جاتے ہیں دس روپے اور یہ ربوا ہے اور امانت میں داخل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ امانت میں چیز بعینہ پہنچنی چاہیے اور بعینہ پہنچتی نہیں اور وہ کلام یہ ہے کہ قرض تو مسلم مگر وہ دو آنہ قرض نہیں بلکہ منی آرڈر کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص قرض دیگر دوسری جگہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس میں کچھ لکھت پڑھت ہوتی ہے جس کے لئے عملہ کی ضرورت ہے پس جو دو آنہ سرکار میں دیئے جاتے ہیں وہ قرض نہیں بلکہ عملہ کا خرچ ہوتا ہے۔ سرکار اپنے عمل کی اجرت لیتی ہے دو آنہ اس کی اجرت ہے وہ جزو قرض نہیں ہے۔

سوال: وصول کرنے کا کیا حکم ہے۔

جواب: اس کا اثر بھیجنے والے پر ہوگا نہ کہ وصول کرنے والے پر۔ کیونکہ حرمت عقد کی متعاقدین پر ہے نہ کہ وصول کرنے والے پر وہ تاویل جواز کی یہ ہے باقی محض اس میں عموم بلوے کی تاویل نہیں ہو سکتی۔ ورنہ غنیمت میں بہت عموم بلویٰ بلکہ عموم بلوی وہاں چل سکتا ہے جہاں مسئلہ مختلف فیہ ہو وہاں اپنا مسلک بوجہ عموم بلوی ترک کر سکتے ہیں جو تاویل میں نے بیان کی وہ البتہ ہو سکتی ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ ترکی ٹوپی پہننا کیسا ہے۔

ارشاد: مقتدا کو تو مناسب نہیں مگر چونکہ اس میں ایک گونہ عموم ہو گیا اور پہلے کا سا خصوص نہیں رہا۔ اس لئے عوام کو اجازت ہوگی۔

واقعہ: کیا شامی میں لکھا ہے کہ اجتہاد بعد چوتھی صدی کے بند ہو گیا۔

ارشاد: ہاں شامی میں نقل کیا ہے کہ بعد چوتھی صدی کے اجتہاد بند ہو گیا۔ پھر اگر کہیں منقول بھی نہ ہو تب بھی یہ تو ایک واقعہ ہے جب ایسا شخص پیدا نہیں ہوتا اس لئے اجمالاً یہی کہا جائیگا کہ باب اجتہاد بند ہو گیا۔ اور یہ امر کہ اب ایسا شخص نہیں ہے اس کا امتحان تو بہت آسان ہے کہ جس شخص کو اجتہاد کا دعویٰ ہو۔ وہ فقہاء کے فتاوے سے قطع نظر کر کے کلام اللہ وحدیث سے چند مسائل کو نکالے اور پھر ان ہی مسائل میں فقہاء کے کلام کو دیکھے تو خود ہی کہہ دے گا کہ واقعی کلام اللہ اور حدیث

کوفقہاء ہی نے سمجھا ہے میں نے ریل میں ایک مدعی اجتہاد سے کہا تھا کہ دو شخص ہیں ایک کوحاجت وضو کی ہےاور دوسرے کوغسل کی اور پانی ہےنہیں دونوں نے تیمم کیا۔اور دونوں سب باتوں میں برابر ہیں۔صرف فرق اسی قدر ہے کہ ایک نے تیمّم وضو کیا ہےاور دوسرے نے غسل کا بتلاؤ کون شخص مستحق امامت کا زیادہ ہوگا۔انہوں نے جواب دیا کہ وضووالا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس کی طہارت قوی ہے بوجہ اس کے کہ نجاست میں دونوں کے تفاوت تھا۔اورطہارت دونوں کو یکساں حاصل ہوئی۔پس جس کی نجاست اخفی تھی اس کی طہارت دونوں کو یکساں حاصل ہوئی۔میں نے کہا کہ اب فقہاء کا جواب سنو وہ یہ کہ تیمّم عن الغسل کی امامت افضل ہے کیونکہ تیمم نائب اصل کا ہےاور غسل قوی ہے تطہیر میں بہ نسبت وضو کےاور افضل کا نائب افضل ہوتا ہے۔اس لئے غسل کا تیمم افضل ہوا۔اور یہ مسلم ہے کہ غسل والا افضل ہےامامت میں وضو والے سےلہٰذا تیمم غسل کا بڑا ہوا۔انصاف سے کہنے لگے کہ واقعی ہمارا فہم کچھ بھی نہیں۔

ارشاد: ایک شخص یا شیخ عبدالقادر شیأ للہ پڑھتے تھے میں نے کہا کہ جب شیخ نہ تھے تو لوگ کیا پڑھتے ہونگے اورخود حضرت شیخ کیا پڑھتے تھے وہ چیز یقیناً اس سے بڑھ کر ہوگی جس کی بدولت حضرت غوث اعظمؒ اس مرتبہ کو پہنچے تو وہی کیوں نہ پڑھو ورنہ المعارف میں لکھا ہے کہ میں ایک بار پڑھ رہا تھا شیخ عبدالقادر شیأ للہ۔آواز آئی کہ کہہ ''یاارحم الراحمین شیأ للہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ کسی نے غلبہ حال میں کہا ہوگا۔اصل تو اس کی یہ ہے اب وہ رائج ہوگیا۔بعضی باتیں رسم ہوگئیں اگر چہ ابتداء میں غلبہ حال میں صادر ہوئی تھیں جیسے تمام مولود اس کی اصل بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی مجلس میں اتفاقاً ذکر شریف میں کسی کو وجد ہوا۔اور وہ اس حالت میں کھڑے ہوگئے اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی کھڑے ہوگئے۔چونکہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو وجد ہواور وہ کھڑا ہوجائے تو سب کو کھڑے ہوجانا چاہئے تا کہ اس کو انقباض نہ ہو اب وہ رسم ہوگئی اس کی نظیر سُنی ہے کہ ایک دفعہ شاکر پاشا ترکی ہندوستان آئے تھے ایک انجمن میں جلسہ ہوا۔ایک عربی شاعر نے سلطان کی مدح میں قصیدہ پڑھا۔جب اس میں سلطان کا نام آیا تو شاکر پاشا نام سنتے ہی مجنوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ ولایت کے وقت اس لئے ان کے تشبہ کے لئے ہم بھی کھڑے ہوئے تھے۔ جواب یہ ہے کہ ولادیت کے وقت کھڑے ہوئے تھے۔ ذکر ولادت کے وقت تو نہیں کھڑے ہوئے علاوہ اس کے ہم کو تو حضور ﷺ کے ساتھ تشبہ کی کوشش کرنی چاہئے۔ سو، ولادت کے وقت تو حضور ﷺ نے نزول فرمایا۔اور قیام مناسب ہے،عروج کے تو ذکر معراج

کے وقت البتہ قیام زیادہ مناسب تھا۔ یہ نسبت ذکر ولادت شریفہ کے پھر یہ کہ ملائکہ کیا بیٹھے تھے۔ جو کھڑے ہو گئے اس کا ثبوت دینا چاہئے۔

واقعہ: ایک مجدد بدعت کا ذکر تھا۔

ارشاد: شعر ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ☆ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اسی طرح اس بندۂ خدا نے کسی کو بھی کافر بنانے سے نہیں چھوڑا۔ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تم جو ہمیں وہابی کہتے ہو تو ہم کو ابن عبدالوہاب سے نسبت کیا ہے کیونکہ نسبت تین قسم کی ہے۔ نسبت تلمذ تو وہ ہمارے سلسلۂ اساتذہ میں نہیں ہے ایک نسبت بیعت کی یہ بھی نہیں۔ ایک نسب کی تو وہ ہمارے بڑوں میں نہیں ہے تو اس صورت میں کیا ہم کو اس کی طرف نسبت کرنے میں تم سے پکڑ نہ ہوگی اب تو نسبت کرنے والے یہ معنی لیتے ہیں کہ ہم افعال میں اس کے متبع ہیں۔

مگر یہ بھی تہمت ہے ہمیں تو عبدالوہاب کی تاریخ بھی معلوم نہیں۔ ہماری مجالس میں اس کا تذکرہ بھی کبھی نہیں آتا نہ بطور مدح۔ نہ بطور قدح۔ آخر اپنے بزرگوں کی مدائح تو کی ہی جاتی ہیں اور اصل تو یہ ہے کہ وہابی کے معنی آج کل یہ ہیں کہ جو رسوم مروجہ کے خلاف کرے وہ وہابی اور عوام کے نزدیک یہ مرادف بے ادب کا سمجھا جاتا ہے۔

مولوی اسحاق علی صاحب سے جو میرے دوست بھی ہیں ایک صاحب کہنے لگے کہ آپ ذکر ولادت کے ادب کو منع کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ذکر کی بے ادبی سے منع کرتے ہیں یعنی اگر کھڑا ہونا ادب اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے تو خدا تعالیٰ کے ذکر کے وقت جب بیٹھے رہتے ہو تو وہ بے ادبی ہوئی اس ذکر کی میں کہتا ہوں کہ نیز جب خود رسول اللہ ﷺ کے بقیہ ذکر کو بیٹھ کر کیا تو اس کی بھی بے ادبی ہوئی سو یہ تجزیہ کیسا کہ ایک حصہ ایسا اور ایک ایسا۔ پس چاہئے کہ بقیہ تذکرہ کی بھی بے ادبی کو منع کریں وہ اس طرح کہ سب کو کھڑے ہو کر پڑھو تا کہ سارے ذکر کا ادب ہو۔ لوگوں نے ایسی ہی قیود اضافہ کر لی ہیں۔ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے ایک بڑھیا کو لطیف جواب دیا تھا ایک بڑھیا خدمت میں آئی اور کہا بیٹا تو بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ اماں میں کیا منع کرتا ان کے ابا جان منع کرتے ہیں۔ بڑھیا مان گئی۔

سنا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں صحنک ہوتی تھی۔ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ

گھر میں تشریف لائے تو دیکھ کر منع فرمایا۔شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے یہ تو ایصال ثواب ہے، اس پر مولانا صاحب نے فرمایا کہ قرآن شریف میں جو رسم مذکور ہے۔ وقالوا ھذہ انعام و حرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء ۔اور کہا کفار نے کہ یہ چوپائے اور کھیتی اچھوتی ہے۔اس کو کوئی نہ کھائے مگر جس کو ہم چاہیں۔

اس میں اور صحنک میں کیا فرق ہے۔ چنانچہ جیسے اچھوتی ہونے کی وہاں قید ہے وہی قید صحنک میں ہے۔ صحنک میں یہ قید ہوتی ہے کہ رانڈ تو کھالے مگر جس رانڈ نے نکاح کر لیا ہو اس کو کھانا منع ہے شاہ عبدالقادر صاحب نے فوراً تسلیم فرمالیا اور یہ قیود دین کے تو خلاف ہیں ہی مگر عقل کے بھی خلاف ہیں۔ ایک گیارہویں کی رسم ہو رہی ہے جس میں جُہلاء کا بہت ہی بڑا عقیدہ ہے حضرت غوث پاکؒ کی طرف ایسی ایسی حکایتیں منسوب کی ہیں کہ خدا کی پناہ چنانچہ ایک بڑھیا کا قصہ ہے کہ اس نے اپنے مرے ہوئے فرزند کے زندہ ہونے کی آپ سے دعا چاہی۔آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی عمر ختم ہو چکی تھی اب زندہ نہیں ہو سکتا آپ نے کہا کہ اگر عمر ختم نہ ہو چکی تو آپ سے ہی کیوں کہتے مگر پھر بھی دعا قبول نہ ہوئی۔ آپ نے غصہ میں آکر ملک الموت کا تھیلا جس میں رُوحیں لئے جا رہے تھے چھین کر کھول دیا سب روحیں نکل بھاگیں اور سب مردے زندہ ہو گئے۔ ملک الموت نے اللہ میاں سے شکایت کی ارشاد ہوا کہ ہمارا محبوب ہے جانے دو۔

ریاست نان پارہ کا رئیس پیرانِ پیرؒ کی عقیدت میں مولود کیا کرتا تھا اس کے یہاں بزرگوں کی تصویروں کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ ایک نام کے مولوی صاحب وہاں جاتے تھے۔ اور تصویروں کی زیارت کراتے تھے۔ان مولوی صاحب نے ایک دفعہ یہ بھی کہا کہ میں تھوڑا غیر مقلد بھی ہوں۔تھوڑا بدعتی بھی۔ چنانچہ ریل میں جمع بین الصلوتین کرتے تھے۔اور قوالی میں بھی شریک ہوتے تھے۔مگر اتنی بات غنیمت ہے کہ وہ اہلِ حق کے درپے نہیں ہوتے تھے اپنا نفع البتہ چاہتے ہیں آج کل خوش اخلاق شخص غنیمت معلوم ہوتا ہے اور فی زمانہ تو اہل بدعت کے اخلاق بھی اچھے نہیں رہے پہلے یہ بات نہ تھی۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر گیارہویں کی مٹھائی آئے تو اس کو کیا کرے؟

ارشاد: لے کر کہیں دفن کر دے اور رد کرنے میں عوام کے اندر اشتعال پیدا ہو گا۔ جہلاء عوام الناس کو مشتعل کرنا ٹھیک نہیں اس کی تائید میں کہ عوام میں اشتعال مناسب نہیں۔ ایک حکایت بیان کی کہ ایک زمانہ میں مسئلہ مولد کے متعلق کانپور میں میری تردید کے لئے علماء کو باہر سے

بلا کر بیان کراتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی تشریف لے آئے ان سے بھی میرے رَدّ، کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میرا پیر بھائی ہے میں ایسا نہ کروں گا اسی زمانہ میں ایک صاحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں بڑا مجمع ہے۔ اور اس زمانہ میں کانپور کے لوگوں میں یہی شور ہو رہا تھا صاحبِ رویا نے حضور سے دریافت کیا کہ ان مسائل میں حق کیا ہے تو فرمایا کہ اشرف علی جو کہتا ہے وہ حق ہے پھر حضور ﷺ نے آہستہ سے یہ بھی فرمایا کہ اس سے کہہ دینا یہ وقت اس کا نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا عوام الناس میں چونکہ شورش پھیلتی ہے۔ اس لئے خاموشی کی رخصت ہے۔

ارشاد: علامت اخلاص کی یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص وہی کام کرنے کو آ جائے تو یہ شخص کام کرنا چھوڑ دے بشرطیکہ وہ اہل بھی ہو اب تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی مدرسہ پہلے سے ہے اور دوسرا مدرسہ اور ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ وہ اچھا کام کرے گا تو اس کے اکھاڑنے کی فکر کرتے ہیں کیونکہ دنیا کی سب منفعت جاتی ہے۔

واقعہ: ایک خط حضرت کی خدمت میں درباره طلبِ حافظ کے آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ کوئی شخص ایسا تجویز کر کے بھیج دیجئے جو حافظِ قرآن ہو تجوید سے واقف ہو۔ صالح ہو۔ طرز تعلیم اچھا ہو۔ اور بھی چند اوصاف کی بابت تھا۔ اور تنخواہ لکھی تھی دس روپیہ خشک۔

ارشاد: مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں ایک بار اسی قسم کا خط آیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ اس شخص میں یہ صفت ہو۔ یہ صفت ہو۔ وہ صفت ہو اور تنخواہ اسی قدر۔ تو مولانا نے خط دیکھ کر فرمایا تھا کہ فی صفت ایک روپیہ بھی تو نہیں اچھی قدر کی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ دس روپیہ تو خود اپنے کھانے اور دیگر اخراجات میں صرف ہو جاتے ہیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حافظ لوگ جو محراب سناتے ہیں اور ان کو دیا جاتا ہے۔ علماء اس کو قرآن پڑھنے کی اجرت قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں اگر اس کو حبس اوقات کی اجرت قرار دیا جائے تو کیا قباحت ہے۔

ارشاد: حبس اوقات کی اجرت کہاں ہے اگر حافظ جی مہینہ بھر تک ٹھیرے رہیں اور پڑھیں نہیں تو کون دے اور حافظ جی دن بھر پھرا کریں اور رات کو سنائیں تو مل جائے گا۔ یہ تو خالص اجرت قرآن پڑھنے پر ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تعلیم دین پر اجرت لینے سے اجر ملتا ہے یا نہیں

اور جیسے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز کہا جاتا ہے اسی طرح قرآن سنانے پر اجرت لینے کو جائز کہنے میں کیا قباحت ہے۔

ارشاد: تعلیم پر اُجرت لینے سے اجر نہیں ملتا۔ مگر تعلیم پر جو ملتا ہے۔ اس کو اجرت کیوں قرار دیا جائے۔ بلکہ نفقہ ہے دین کی خدمت پر جو کہ مسلمانوں پر واجب ہے یعنی یہ شخص مسلمانوں کی خدمت دینی کر رہا ہے ان کے ذمہ ہے کہ وہ اس کے نفقہ کے کفیل ہوں اور یہ ان کے ذمہ واجب ہے جب نفقہ ہوا تو اجرت نہ ہو۔ البتہ تعیین مقدار میں شبہ ہوگا کیونکہ نفقہ میں تعیین نہیں ہوتی بلکہ جس قدر اس کے اخراجات کو کافی ہو وہ دینا چاہئے۔ تو یہ بات ہے کہ یہ تعیین رفع نزاع کے لئے ہے۔ اور نفقہ کی صورت سے لینے میں اس کو تعلیم پر اجر بھی ملے گا۔ جب کہ نیت اس کی اللہ کے لئے فیض پہنچانا ہو۔ اور نفقہ ضرورۃً لیتا ہو اور اس کا معیار ہے کہ اگر اس کا گذر اس طریقہ سے ہوتا ہو اور کہیں سے زیادہ کی ملازمت آ جائے اور وہ چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ زر کا طالب ہے اور اگر نہ جائے تو معلوم ہوگا کہ دین کا خادم ہے۔ ہاں اگر تنگی سے گذر ہوتا ہو اور چلا جائے تو وہ مذموم نہیں۔ باقی مردوں پر جو قرآن پڑھتے ہیں اس قرآن پڑھنے کا قیاس تعلیم پر ٹھیک نہیں کیونکہ تعلیم میں دین کی خدمت ہے اگر تعلیم چھوڑ دی جائے تو دین کو ضرر پہنچے کہ ایک مدت کے بعد قرآن ضائع ہو جائے اس لئے بوجہ ضرورت کے صورتاً امام صاحب کے مذہب کو ترک کر دیا گیا بخلاف ایصال ثواب کے کہ دین میں اس کی کمی مضر نہیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع۔ آیا یہ عطف تفسیری ہے۔

ارشاد: خشوع متعلق قلب کے ہے اور خضوع متعلق جوارح کے خشوع کے معنی ہیں سکون چنانچہ کلام اللہ میں ہے وترى الارض خاشعة ای ساکنة. خشوع عمل میں یہ ہے کہ قلب میں سکون یعنی غیر مقصود میں حرکت فکر یہ نہ ہو اور جو چیز موصل الی اللہ نہ ہو وہ غیر مقصود ہے اور جو چیز موصل الی اللہ ہو وہ غیر مقصود نہیں گو مقصود بالذات نہ سہی گو ظاہر میں وہ غیر معلوم ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تجہیز جیش کرتا ہوں تو وہ تجہیز جیش فرماتے تھے اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ منافی خشوع ہی نہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وزیر دربار میں جاتا ہے اور امور سلطنت کو پیش کرتا ہے تو وہ امور حضور بادشاہی کے خلاف نہیں سمجھے جاتے کیونکہ اس کی حضوری یہی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خیال کیجئے۔ کیونکہ ان کے سپرد بھی یہی کام تھا۔

واقعہ: ایک صاحب بی۔اے پاس ہیں مگر انہوں نے سرکاری ملازمت نہیں کی۔ بلکہ ایک رئیس کے یہاں جو کہ مذہب شیعہ رکھتے ہیں ملازمت کرتے ہیں۔ان کے لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں ڈیڑھ سو روپیہ ان کی تنخواہ ہے انہوں نے رئیس صاحب سے یہ بھی شرط کی تھی کہ بچے آپ کے مجلس میں نہ جائیں گے۔اس شرط کو انہوں نے منظور کرلیا۔قدر دان شخص ہیں۔ان صاحب کے ذکر میں حضرت نے فرمایا:

ارشاد: آدمی قناعت اور اکتفاء اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ایسا ہی تقوے والا ادا کرسکتا ہے۔

واقعہ: حضرت سے ایک بی بی نے سُرمہ طلب کیا تھا۔حضرت نے وعدہ نہیں فرمایا کہ میں لا دوں گا۔ بلکہ یہ فرمایا تھا کہ کسی لڑکے کو بھیج دینا میں دیدوں گا۔ چنانچہ اس کا بھیجا ہوا لڑکا بعد ظہر آیا حضرت نے اسی وقت سرمہ کی پڑیہ بکس میں سے نکال کر اس کو دیدی اور حاضرین سے فرمایا:

ارشاد: ترتیب اور ضبط سے خوب کام ہوتا ہے اس انتظام کو لوگ تنگی کہتے ہیں اگر میں یوں کہہ دیتا کہ سُرمہ لا دوں گا اور کام میں بھول جاتا۔اور پھر وہ یاد دلاتیں اور پھر لانے کا وعدہ کرلیتا اور پھر بھول جاتا۔ یہاں تک کہ اس میں ایک عرصہ گذر جاتا۔کام بھی دیر سے ہوتا اور وعدہ خلافی ہوتی سو علیحدہ اور کتنی دقت ہوتی۔مگر دیکھئے اس ترتیب میں کیسی آسانی سے کام ہوگیا مگر آج کل اس ترتیب اختیار کرنے والے کو لوگ بد اخلاق کہتے ہیں۔اور جو دقت کی صورت میں ہو وہ اختیار کی جائے تو ایسا شخص خوش اخلاق کہلاتا ہے۔

واقعہ: ایک شخص کو حضرت نے تعویذ دیا۔اور پانی بھی دو کلیوں میں پڑھ کر دیا۔اس پر ملفوظ ذیل فرمایا:

ارشاد: عوام الناس کا اعتقاد تعویذ کے بارے میں حد سے متجاوز ہوگیا ہے اسی واسطے طبیعت تعویذ دینے کو نہیں چاہتی۔جیسے اہل سائنس کا اعتقاد ہے کہ چیز میں ایک تاثیر رکھ دی ہے جو اس سے تخلف نہیں کرسکتی اور تاثیر رکھ دینے کے بعد نعوذ باللہ اللہ میاں کو بھی قدرت نہیں رہی کہ اس کے خلاف ہوسکے۔مثلاً آگ کے اندر تاثیر جلانے کی رکھ دی ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آگ نہ جلائے۔اسی طرح عوام الناس کا اعتقاد تعویذ کی نسبت ہے یوں سمجھتے ہیں کہ جب تعویذ باندھ دیا تو جس غرض سے باندھا ہے اس میں تخلف ہی نہ ہوگا۔اور اگر تخلف ہو جائے تو یہ احتمال ہوتا ہی نہیں کہ تعویذ کا اثر غیر لازم ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شرط میں کمی رہ گئی ہوگی ان کا طرز عمل یہی بتلا

رہا ہے۔ ان کے معاملات کو تتبع کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس پر حد سے زیادہ اعتماد ہو جاتا ہے۔ البتہ پانی جو پڑھ کر دیا جاتا ہے اس کی نسبت یہ غلو نہیں اور اس لئے اس کا اتنا ہی اہتمام نہیں کرتے مگر تعویذ کو تو خدا جانے کیا سمجھتے ہیں اور ایک وجہ اس سے دلچسپی کی یہ بھی ہے کہ نفس کو رغبت اس چیز میں ہوتی ہے جس میں کچھ کرنا نہ پڑے اور تعویذ میں خود کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ سارا کام تعویذ دینے والے کے ذمہ ہوتا ہے اور تعویذ پر ایسی بے فکری ہو جاتی ہے کہ تعویذ لے کر اصلاح اعمال کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ہیں۔ میں طاعون کے زمانہ میں کہتا تھا کہ اپنی اصلاح کرو کیونکہ اصل میں طاعون تو ہمارے اندر ہے کہیں باہر سے نہیں آیا جو تعویذ دروزہ پر لگانے سے کچھ کام ہو جائے اگر باہر سے طاعون آتا تو تعویذ اس کو روکتا۔ اپنی اصلاح کرنے سے طاعون جائے گا۔

اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے موسیٰ فرعون کے گھر میں تھے اور وہ باہر کا بندوبست کر رہا تھا اسی کے بارہ میں مولانا کہتے ہیں ؎

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود ☆ حیلۂ فرعون زیں افسانہ بود

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ کسی مقام میں دو بھائی تھے جاہل۔ ان کی ماں بیمار تھی وہ دونوں مکان کے دو دروازوں پر تلوار لے کر بیٹھ گئے کہ موت کو نہ آنے دیں گے۔ ان کی ماں مر گئی اب دونوں میں لڑائی ہوئی ایک نے کہا تیری طرف سے موت گئی۔ دوسرے نے کہا کہ تیری طرف سے گئی آخر دونوں کٹ کر مر گئے ہم ایسی حکایت کو سن کر ہنستے ہیں مگر ہم خود اس میں مبتلا ہیں کہ بلا کو باہر سے آتا ہوا سمجھ کر اس کو تعویذوں سے روکتے ہیں۔ اگر تعویذوں کی یہی بھرمار، رہی تو تھوڑے عرصہ میں لوگ نکاح کرنا ہی چھوڑ دیں گے ایسے تعویذ کے طالب ہوں گے جس سے بلا نکاح ہی اولاد ہو جائے۔ ایک پہلوان کا خط بمبئی سے آیا تھا کہ مجھے ایسا تعویذ بھیج دیجئے کہ میں کشتی میں جیتا کروں میں نے کہا پھر دوسرا بھی ایسا ہی تعویذ طلب کرے گا۔ پھر دونوں تعویذوں میں لڑائی ہوگی چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرما دیا تھا کہ کچھ لکھ دیا کرو اس لئے لکھ دیتا ہوں۔ ورنہ جی تو نہیں چاہتا۔ اور میرے پاس تعویذ معین بھی نہیں ہیں کہ یہ اس مرض کا ہے اور یہ اس کا وقت پر جو سمجھ میں آ جاتا ہے لکھ دیتا ہوں بعض تعویذ گنڈے والے تو دھوکہ دیتے ہیں اور بلا مہارت بتلا دیتے ہیں کہ یہ تعویذ اس کا ہے اور یہ اس کا۔ اور بعض کے یہاں تعویذوں کا باقاعدہ فن بھی ہے مگر یہ سب دنیا ہے اور تعویذوں کے اثر کا اصل مدار عاملوں کے نزدیک نجوم پر ہے اسی واسطے عاملوں نے لکھ دیا ہے یہ تعویذ فلاں دن اور فلاں ساعت میں ہونا چاہئے۔ مگر میں سب قیود کو چھوڑ

کر تعویذ کرتا ہوں۔ میں نے ایسی کتابیں بھی دیکھیں ہیں جن میں تسخیر نجوم کے اعمال ہیں تسخیر شمس کا ایک عمل ہے جس میں ایسے ایسے خطاب ہیں **ایھا النیر الاکبر الاعظم** تو ایسا ہے۔ ایسا ہے۔ اور اس کے آخر میں ہے کہ پھر اس کو سجدہ کرے ویسے بھی نجوم سے۔ ایسی اعانت لینا شرک ہے ایک شخص کا مریخ مسخر تھا وہ اس سے آگ لگا دیتے تھے اور بھی اعمال ہیں اسی ایک شخص کی ایک حکایت ہے کہ ایک بار بادشاہ کے پاس بیٹھے تھے اوپر سے قازیں جارہی تھیں بادشاہ نے تیر سے کسی ایک کا شکار کرنا چاہا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کون سی قاز کو شکار کرنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے بتلایا اس نے ایک حلقہ زمین پر کھینچ کر عمل پڑھا وہ قاز اس میں آ کر گر پڑی اس کو ذبح کر لیا۔ اور بھی قسم قسم کے تعویذ ہیں ایک شخص کہتے تھے کہ ایک ایسا عمل ہے کہ دو دائرے کھینچے جائیں ایک میں تھانہ بھون اور دوسرے میں دہلی لکھا جائے اور وہ عمل پڑھ کر اِس دائرہ سے اُس دائرہ میں قدم رکھا جائے تو اسی وقت دہلی پہنچ جائیں۔ ایک ثقہ راوی ایک عجیب حکایت بیان کرتے تھے کہ ایک شخص فلاں رئیس کے پاس آئے اور کہا کہ مجھ کو ڈیڑھ سو روپیہ کی ضرورت ہے بطور قرض دے دیجئے میں ادا کر دوں گا۔ رئیس نے کہا کہ میری تو اتنی ہمت نہیں البتہ میرے ایک دوست ہیں انگریز ان کا لندن میں ایک دشمن ہے اگر اس کو قتل کر دوں تو وہ تمہیں ڈیڑھ سو روپیہ دیدیں گے۔

چنانچہ وہ ان کے پاس گئے انہوں نے ایک آئینہ منگایا اور عمل پڑھا اس انگریز کو اس آئینہ میں لندن نظر آنے لگا اور وہ دشمن لوگوں میں پھرتا ہوا بھی معلوم ہوا۔ اسی وقت ان سے رائفل منگایا اور کہا نشانہ درست کر کے اس کے گولی مارو۔ چنانچہ گولی لگائی گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گولی اس کے بدن میں گھس گئی اور وہ گر کر مر گیا۔ اس انگریز نے کہا کہ ہمیں کیسے یقین ہو کہ وہ قتل ہو گیا۔ عامل صاحب نے کہا کہ آپ لندن کو تار دیجئے چنانچہ تار دیا وہاں سے جواب آیا کہ فلاں دن اور فلاں گھنٹہ میں اس شخص کے اچانک گولی لگی وہ مر گیا قاتل کا پتہ اب تک نہیں ہے پولیس تفتیش میں ہے اگر جانتا نہ ہو تو ایسے لوگوں کو ولی کہہ دیں۔

چنانچہ عوام کا یہی حال ہے کہ جس سے ایسے امور کو صادر ہوتے دیکھتے ہیں اس کی ولایت کے قائل ہو جاتے ہیں بعض لوگ جنات کو عمل سے مسخر کر لیتے ہیں اور خوب ان سے کام لیتے ہیں مگر یہ شریعت میں بوجہ جبر کے حرام ہے۔ ایک عمل گوالیر میں معاصر حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے تھے ان کے جنات تابع تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حکم دیا کہ شیخ کو یہاں اٹھا لاؤ۔ جن وہاں سے آئے اس وقت شیخ مسجد میں مراقب تھے جن علیحدہ کھڑے ہو گئے یہ تو کہا نہیں کہ ہم آپ کو اٹھا

لے چلیں یوں عرض کیا کہ فلاں عمل نے ہمیں بھیجا ہے ان کو آپ کی زیارت کا شوق ہے اگر آپ تشریف لے چلیں تو ہم بہت آسانی سے پہنچا دیں شیخ نے ان سے کہا کہ اسی کو یہاں پکڑ لاؤ وہ آ کر لگے ان کو اٹھانے انہوں نے کہا کہ تم میرے مطیع نہیں ہو جنات نے جواب دیا کہ شیخ کے مقابلہ میں آپ کوئی چیز نہیں اگر شیخ آپ کو قتل کرنے کو کہیں تو ہم قتل بھی کر دیں۔

چنانچہ ان کو پکڑ کر شیخ کی خدمت میں لے آئے۔ شیخ نے ان پر ملامت کی انہوں نے توبہ کی اور شیخ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ بس اللہ والوں کے مقابلہ میں عمل کی یہ قوت ہے کچھ بھی نہیں ان عاملوں میں بعض اہلِ تصرف ہوتے ہیں ایسا تصرف کرتے ہیں کہ دوسرے کے مرض کا ازالہ ہو جاتا ہے اور یہ اصل میں تصرف ہے نفس کا اصل فاعل نفس ہے اگر چہ لوگ اس کو ولایت خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک شعبہ ہے طب کا۔ کبھی اللہ والے بھی ایسے تصرف کرتے ہیں جیسا کبھی تداوی کرتے ہیں مگر یہ شعبہ ولایت کا نہیں۔ بعضے تصرف کر کے دوسرے سے روپیہ وصول کر لیتے ہیں۔ یعنی قلب پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ روپیہ دیدیتا ہے یہ بھی حرام ہے کیونکہ وہ مغلوب ہو کر دیتا ہے اور بعد میں پچھتاتا بھی ہے اور گو یہاں طیب نفس صورۃ تو ہے کیونکہ وہ خود دیتا ہے مگر حقیقت طیب نفس کی نہیں ہے اور حدیث میں ہے **لا یحل مال امرا لا بطیب نفسہٖ** اور یہ اکراہ باطن ہے مگر کسی کو التفات بھی نہیں بلکہ اس کو تو کرامت سمجھتے ہیں ایسے لوگوں میں دو شخص ایسے ہیں جن کو شبہ ہوا۔ اور مسئلہ پوچھنے سے مجھ کو دیندار اور صاحب فہم ہونے کا اندازہ ہوا۔ گو بدعات میں بھی بیچارے مبتلا تھے ایک نے مسئلہ تو پوچھا تھا کہ کسی کو وجد آئے اور وہ گر پڑے تو اس کا وضو رہے گا یا نہیں میں نے کہا ٹوٹ جائے گا۔ جیسے غشی میں۔ دوسرے ایک رئیس تھے اور شیخ بھی تھے اور مخلص اور صادق تھے گو سماع میں مبتلا تھے عُرس وغیرہ میں بھی شریک ہوتے تھے۔ مجلس میں حالت وجد میں صرف رویا کرتے تھے رقص وغیرہ نہ کرتے تھے ایک دفعہ ایک شخص ان کی مجلس میں اٹھا اور چٹکیاں بجانے لگا۔ اور اٹھا تھا مکر سے اُن صاحب نے حکم دیا کہ اس کو کان پکڑ کر نکال دو۔ تو ان رئیس صاحب نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ ایک شخص نے مجھ کو ستایا تھا میں نے اس کو بددُعا دی تھی اور وہ مر گیا مجھ پر گناہ تو نہ ہوگا۔ انہوں نے کیا اچھی بات کہی اور آج کل تو ایسی صورت میں اپنا کمال اور کرامت سمجھنے لگتے ہیں میں نے جواب دیا کہ دو حال سے خالی نہیں وہ یہ کہ بددُعا کے وقت توجہ اہلاک کی طرف تھی یا نہیں اگر توجہ نہ تھی تو قتل کا گناہ تو نہیں ہوا۔ البتہ اگر اس قدر بددُعا دینا جائز نہ تھا تو بددعا دینے کا گناہ ہوا اور نہ اس کا بھی گناہ نہیں ہوا۔ اور اگر توجہ اہلاک کی طرف تھی تو یا تو

آپ کے اندر قوت تصرف ہے اکتساباً یا فطرتاً یا نہیں ہے اگر نہیں ہے تب بھی قتل کا گناہ نہیں ہوا اور اگر ہے تو دیکھا چاہئے کہ وہ شخص اگر مباح الدم نہ تھا تو قتل کا گناہ بھی ہوا۔ اور اگر مباح الدم تھا تو قتل کا گناہ نہیں ہوا۔ غرض تصرفات علی الاطلاق جائز نہیں ہیں مگر لوگ تصرف کو مطلقاً شعبۂ تصوف کا سمجھتے ہیں لوگوں نے تصوف کا ناس کر دیا ہے حالانکہ تصوف تو عین سنت ہے۔ کیا حضور ﷺ نے کبھی تصرف کر کے روپے وصول کئے ہیں۔ لوگ تعویذ گنڈے کراتے ہیں کہ نکاح ہو جائے چنانچہ اس کے اثر سے کبھی ہو بھی جاتا ہے۔ اور ہوتا ہے بے موقع پھر پچھتاتے ہیں میرا مذاق تو بالکل اس کے خلاف ہے مجھ کو اس سے وحشت ہوتی ہے میں ویسے تعویذ بھی نہیں کرتا جیسے لوگ کرتے ہیں میں تو وہ کرتا ہوں جو احادیث سے ثابت ہیں جیسے بسم اللہ ارقیک الخ وہ بھی تعویذ کے طور پر نہیں بلکہ دعا کے طور پر میں کبھی توجہ بیماری کی طرف نہیں کرتا کہ اس کو نکال رہا ہوں۔ بلکہ اللہ کی طرف دعا کے ساتھ توجہ کرتا ہوں۔ عامل تو توجہ اس طرح کرتے ہیں کہ میں نکال رہا ہوں یہ بھی تجربہ ہوا ہے کہ صاحب تصرف کو یکسوئی رہے تو تصرف میں قوت آجاتی ہے مگر انبیاء کا طریقہ یہی تھا کہ وہ رجوع الی اللہ کرتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے نہ یہ کہ ان کے قلوب پر تصرف کرتے تھے اور زور ڈالتے تھے کہ قلوب کو اپنی طرف پھیر لیں۔ قرآن شریف میں زور ڈالنے کی تو نفی ہے فرماتے ہیں:۔ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین۔

ہاں بعض دفعہ حکم ہوتا ہے اہل اللہ کو کہ ایسا کریں تو وہ کرتے ہیں۔ باقی یہ کوئی بزرگی نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے روٹی سے پیٹ بھر دیا۔ کسی کے سر کا درد کھو دیا تو اس میں کیا ولایت ہوگی۔ بعضے مشائخ آجکل دھوکے میں ہیں پھو پھو کرتے ہیں اس سے کچھ ہو جاتا ہے۔ اس کو بڑی بات سمجھتے ہیں حضرت حاجی صاحب کی نسبت بعض شبہ کرتے ہیں کہ توجہ نہیں دیتے۔ یہ جواب دیتا ہوں کہ متعارف توجہ کی اس کو ضرورت ہے جس کو ہر وقت توجہ نہ ہو ان کی تو یہ حالت تھی۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست ☆ زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

چنانچہ اس توجہ دائمی کے آثار کا مشاہدہ کر لیجئے۔ محبت شوق زہد خشیت دیکھ لیجئے کہ یہ آثار اس سلسلہ میں زیادہ ہیں۔ یا دوسرے سلسلوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ توجہ دینے سے اس وقت گرمی ہو جائے ٹھنڈک ہو جائے تو یہ تو برف اور سنکھیہ سے بھی ہو سکتی ہے پھر یہ کیا کمال ہوا۔

واقعہ: ایک صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی اب کیا حال ہے۔ کیا بیماری ہو گئی تھی۔

ارشاد: ہولیا جو ہولیا اب اس کا تذکرہ ہی کیا۔ میں تو اپنی بیماری کا تذکرہ بھی کسی خط میں نہیں لکھتا۔ لکھنے میں یہ ہوتا ہے کہ پھر آپس میں سوال جواب ہوتے ہیں کہ اب کیا حال ہے کیا مرض ہوگیا تھا۔ پھر معمولی امراض کو تو معتد بہ بھی نہ سمجھے۔ بعضے بیماریوں کی اسی طرح فہرست گناتے ہیں کہ اس میں ناشکری کی نوبت آجاتی ہے ہاں بعض اوقات سائل کے خیال سے کہ اس نے تو حال پوچھا اگر طبیعت کا حال نہ کہا جائے تو اس کی دل شکنی ہوگی اس لئے موجودہ مرض کا حال کہدے باقی مضے ما مضے اسی طرح تعزیت میں بوجہ واقعہ کے گذر جانے کے غلو کو روکا ہے حتیٰ کہ اس کی مدت فقہاء نے تین دن فرمائی ہے اس کے بعد نہیں کیونکہ وہ غم نہ رہا۔ اسی طرح بیماری کہ جب گذر چکی تو اس کا تذکرہ ہی کیا۔ الماضی لایذکر بہت اچھا مقولہ ہے۔ فقط۔

واقعہ: ایک صاحب کا خط پہلے آیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ قلب پر وساوس کا ہجوم بہت رہتا ہے۔ حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ کو چند روز کے لئے کسی شیخ کے پاس تعلیم کرنا چاہئے اس پر انہوں نے لکھا تھا کہ قیام کا بدوبست تو نہیں ہوسکتا اور انہوں نے رفع وساوس کے لئے چند مشائخ سے تدبیر بھی پوچھی تھی کسی نے لاحول پڑھنے کو بتلائی کسی نے کچھ کسی نے کچھ کوئی نفع نہیں ہوا اور یہ بھی لکھا تھا کہ بزرگوں کا تصور بھی کرتا ہوں مگر نفع نہیں ہوتا اس پر۔

ارشاد: فرمایا کہ اس پر مولانا رومؒ کا قول یاد آتا ہے۔

چنانچہ اس توجہ دائی کے آثار کا مشاہدہ کر لیجئے۔ محبت شوق زہد خشیت د

گفت ہر دار د کہ ایشان کردہ اند ☆ آن عمارت نیست ویراں کردہ اند

بے خبر بودند از حال دروں ☆ استعیذ اللہ مما یفترون

اکثر کو مرض کا سبب ہی نہیں معلوم ہوتا۔ پھر علاج کیسے ہو لوگ وظیفہ بتلاتے ہیں جن سے صرف یہ ہوتا ہے کہ مثلاً لاحول پڑھی اس وقت وساوس موقوف ہو گئے چھوڑ دی پھر آنے لگے میں نے ان کو لکھا تھا کہ چند روز رہنا چاہئے مگر یہ تدبیر ان کو ٹھیک نہ ہوئی یہ بات ان کے جی کو نہ لگی پھر میں ان کی کون سی تدبیر کروں عجیب حال ہے کہ وظیفہ کی طرف تو توجہ مگر اصلی علاج کی طرف توجہ نہیں کہ کچھ روز ہیں اگر ایسا کریں تو پھر دیکھوں کیسے شکایت باقی رہتی ہے یعنی یہ شکایت ہی نہ رہے گی کہ وساوس کیوں آتے ہیں۔ لوگ مرض کی تشخیص ہی کرنا نہیں جانتے علاج کیا کریں گے اتنے وظیفہ بتلا دیتے ہیں کہ پڑھتا پڑھتا مر جائے اور فائدہ بھی نہ ہو اور اصل علاج کی طرف اس لئے توجہ نہیں کرتے کہ اس میں درویشی کا رنگ نہیں یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کے پاس رہنے میں دفع

وسواس میں مناسبت کیا ہے ایک حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کی آنکھ دکھنے آئی اس نے طبیب سے اس کی تدبیر پوچھی طبیب نے بتلایا کہ فلاں دوا اپنے پاؤں میں لگایئے۔ بادشاہ کا یہ خواجہ سرا تھا اس نے طبیب صاحب سے اعتراضاً کہا کہ دکھنے کو تو آئی آنکھ اور آپ دوا کا استعمال کرتے ہیں پاؤں میں اس میں مناسبت کیا ہے طبیب نے کہا کہ آپ کا جو عضو مخصوص (خصیتین) ملایا گیا اور اس کے ملانے سے داڑھی نہیں نکلی تو داڑھی اور اس میں کیا مناسبت ہے۔ خواجہ سرا چپ رہ گیا۔ اب تو لوگوں کے لئے بس علاج وظیفہ ہی تجویز کئے جاتے ہیں اور اگر وظیفہ میں دل نہ لگے تو لگنے کے لئے اور وظیفہ تجویز کیا جاتا ہے اس میں دل نہ لگے تو اس کے لئے اور وظیفہ ہونا چاہئے بس آدمی تمام وظیفوں ہی کا مجموعہ ہو گیا غالباً ان صاحب نے اپنے شیخ کی نسبت بھی لکھا تھا کہ ان سے بھی اس باب میں تسلی نہیں ہوئی اس پر فرمایا کہ جو لوگ دوسروں کے کھینچنے کھانچنے اور رغبت دلانے سے بیعت ہوتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے۔

بیعت اپنی رغبت سے کرنا چاہئے نہ کہ دوسروں کے کھینچنے سے اور دوسروں کو بھی اس کا خیال چاہئے خواہ مخواہ کسی کو کیوں ذبح کیا مگر آج کل تو خود پیروں کی بھی یہ حالت رہ گئی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف ترغیب دلاتے ہیں کہ بیعت ہو جائے اس نے مقصود مجمع کا بڑھانا ہوتا ہے تا کہ نام ہو کہ فلاں بڑے شخص ہمارے یہاں آ گئے اور لوگ بھی پھنسیں۔ یہ پیری مریدی کی گت بنائی ہے الا ماشاءاللہ اور بزرگوں کے تصور کو کس نے کہا تھا یہ تو جس طریق سے متعارف ہے خود شرک ہے اب رہی یہ بات کہ رفع وسواس اور شیخ کے پاس رہنے میں مناسبت کیا ہے تو وہ یہ ہے کہ اصل علاج تو ہے عدم التفات وسواس کی طرف (یعنی وسواس کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے۔ آئیں یا نہ آئیں کچھ خیال ہی نہ کرے آئیں تو آنے دے غیر اختیاری امر پر مواخذہ تو ہے نہیں پھر کیوں رنج کرے) مگر انفراد کی حالت میں یہ ہوتا نہیں اور شیخ کے پاس رہنے سے اس میں اعانت ہوتی ہے کہ وہاں عدم التفات کا وہ سامان واسباب جمع ہو جاتا ہے جس کو یہ خود نہیں مہیا کر سکتا جیسے نسخہ کہ مریض کو تیماردار بنا کر پلاتے ہیں اگر سب باتیں مریض ہی کے سپرد ہوں تو وہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شفیق شیخ وسواس کی طرف التفات ہونے ہی نہیں دیتا۔ اور یہ انفراد میں نہیں ہو سکتا۔

واقعہ: آموں کے موسم میں حضرت نے تمام اہلِ مدرسہ اور ذاکرین اور بعض اہلِ قصبہ کی دعوت آموں کی فرمائی اور یہ فرمایا کہ کل صبح سب صاحب مدرسہ میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ وقتِ معین پر سب جمع ہو گئے اور باغ میں آم کھانے کے لئے گئے۔ حضرت بھی تشریف لے گئے۔

مجمع میں بعض اصحاب ایسے بھی جمع ہو گئے جو چھلکا گٹھلی چلانے کی نیت سے گئے تھے چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کیا حضرت نے تنبیہ فرمایا جس سے وہ رک گئے اور کسی کی جرأت پھر نہ ہوئی۔

ارشاد: فرمایا کہ اس مجمع میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو اس کھیل میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نہیں چاہتے تو جو شریک ہونا نہیں چاہتے ہیں ان کو شریک کرنا اور مجبور کرنا ناجائز ہے وہ اگر شریک ہوں گے تو نفس کو مار کر شریک ہوں اور جو کھیلنا چاہتے ہیں وہ دل کو مار کر رکھیں گے میں نہ نفس کا مارنا چاہتا ہوں نہ دل کا۔ یوں کریں کہ جو لوگ کھیلنا چاہتے ہیں وہ ایک فہرست بنائیں ان کے لئے علیحدہ سامان کر دیا جائے۔ میں کھیل کو منع نہیں کرتا۔ ناجائز تھوڑا ہی ہے مگر اس کا ایک ضابطہ ہونا چاہئے جو شرکت نہیں کرنا چاہتے ان کو کیوں مجبور کیا جائے۔

تنبیہ: اس ملفوظ کے ظاہر کرنے سے اس امر کا ظاہر کرنا ہے کہ اہل اللہ اگر کسی (غیر منہی عنہا) کھیل کود کے موقع پر بھی شامل ہوتے ہیں تو ان سے وہاں بھی دینی فائدہ ہوتا ہے۔ اور ایک انتظام کی صورت معلوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسی موقع پر یہ معلوم ہو گیا کہ کون سی صورت جلسہ کے ساتھ آم کھانے کے لئے جائز ہے۔ اور کون سی ناجائز۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر کام ضابطہ سے ہونا چاہئے گو کہ معمولی کام ہو۔

واقعہ: جمعرات کی عید ہوئی اور جمعہ کو حضرتِ والا نے قبل نماز جمعہ عید کے متعلق تقریر فرمائی وہ درج ذیل ہے اور حضرت ہی نے فرمایا تھا کہ اس کو ملفوظات میں لکھ دیا جائے اس لئے اس کو علیحدہ مثل وعظ کے نہیں لکھا گیا ہے۔

ارشاد: رمضان کے متعلق وعظ میں بیان کافی ہو چکا ہے اب مجھ کو عید کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے اس وقت اس کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔ عید کے کچھ احکام ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو معلوم نہ ہوں، اس لئے ان کا ظاہر کر دینا ضروری ہے منجملہ ان کے ایک صدقہ فطر کا ادا کرنا ہے جو بشرائط واجب ہے۔ اپنی طرف سے بھی اور اپنے نابالغ اولاد کی طرف سے بھی خواہ روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں حتیٰ کہ اس بچہ کی طرف سے بھی ہوگا جو قبل صبحِ صادق عید ہی کو پیدا ہوا ہو۔ اور قبل نماز عید ادا کرنا مستحب ہے اور جنہوں نے ادا نہ کیا ہو وہ اب ادا کریں۔

مسئلہ: جس کے پاس بچاس روپیہ نقد یا اتنے کا سونا چاندی ہو اس پر صدقۂ فطر دینا واجب ہے سال بھر گذرنا شرط نہیں اگر عید کے روز صبح صادق سے پہلے اس مقدار کا مالک ہو گیا تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔ اگر کسی کے جائیداد ہے تو وہ اگر اتنی ہے جس میں اس کا گذارہ ہوتا

ہے اور قیمت اس کی پچاس روپیہ یا زیادہ ہے تو اس کی قیمت پر صدقہ فطر نہ ہوگا اور جو جائیداد (زمین وغیرہ) اس کے علاوہ ہوگی۔ یعنی گذر اوقات کے لئے تو ایک زمین کافی ہے اور یہ زمین اس سے زائد ہے اور اس زائد زمین کی قیمت پچاس روپیہ یا اس سے زائد ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔

ایک اور عبادت اس مہینہ کے ساتھ خاص ہے اور وہ چھ روزے ہیں جو اس ماہ میں رکھے جاتے ہیں جن کو شش عید کہتے ہیں ان کا بڑا ثواب ہے بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر ان کو عید سے اگلے ہی روز شروع کر کے چھ روزے پورے کر دیئے جائیں تو کافی ہے اور متفرق طور سے بھی جائز ہے ان کا اتنا ثواب ہے کہ رمضان کے ساتھ ان کو ملا کر گویا اس نے سال بھر تک روزے رکھے زمانہ گرمی کا ہے مگر چھ کا رکھنا کیا مشکل ہے تحصیل دنیا میں لوگ کیا کیا تکالیف برداشت کر لیتے ہیں پھر مہلت سے رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ اور ممکن ہے کہ بارش ہی ہو جائے۔ بعض کتابوں میں ایک مسئلہ لکھا ہے وہ یہ کہ جس پر قضا کے روزے ہوں اور وہ ان کو شوال کے مہینہ میں رکھ لے تو دونوں حساب میں لگ جاتے ہیں۔ یعنی قضا روزے رکھنے سے شش عید کے بھی اس میں آ جاتے ہیں علیحدہ رکھنے کی ضرورت نہیں ان کا ثواب بھی مل جائے گا جیسے بعد وضو سنتیں یا فرض پڑھنے سے تحیۃ الوضو بھی اس میں آ جاتی ہیں مگر یہ مسئلہ روزوں کے بارہ میں غلط ہے اور تحیۃ الوضو کے بارہ میں صحیح ہے۔ اور تحیۃ الوضو پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور اس قیاس میں غلطی ہے اور ان دونوں میں فرق اہل علم سمجھ سکتے ہیں ان کو وجہ معلوم ہونے کے بعد فرق سمجھنا سہل ہوگا اور وہ وجہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کیوں مشروع ہوئی ہیں ان کا مشروع ہونا اس لئے ہے کہ کوئی وضوء اور حاضرین مسجد نماز سے خالی نہ ہو۔ اور سنتیں یا فرض پڑھنے سے یہ مصلحت حاصل ہوگئی۔ اس واسطے تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھنے کی علیحدہ ضرورت نہ رہی اور وہ سنت یا فرض میں متداخل ہوگئیں اگرچہ مستقلاً پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے اور چھ روزوں میں اس فضیلت کی دوسری بناء ہے اور وہ بناء یہ ہے کہ ان کے رکھ لینے سے سال بھر کا حساب اس طرح برابر ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی کی دس نیکیاں ملتی ہیں چنانچہ ارشاد ہے **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** اس لئے جب کسی نے رمضان شریف کے روزے رکھے تو دس ماہ کی برابر تو وہ ہوئے اور چھ روزہ دو ماہ کے برابر ہوئے پورا سال ہو گیا تو اگر چھ قضا کے روزے رکھے تو وہ رمضان ہی کے پورے ہو گئے اور وہ چھ روزے رہ گئے جن کا ثواب دو ماہ کے روزوں کا ہے اس

لئے سال بھر کا حساب نہ ہوگا۔ سال بھر کا حساب پورا کرنے کے لئے مستقلاً رکھنے ہوں گے۔ اس لئے نماز میں تداخل ہونا روزہ کے تداخل کو مستلزم نہیں قضا اور شش عید دونوں جدا جدا رکھنے پڑیں گے ایک شبہ یہاں اور ہے وہ یہ کہ ان روزوں کے لئے شوال ہی کی کیا تخصیص ہے قاعدہ تو عام ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا اس لئے جس ماہ میں بھی رکھ لے گا اسی قدر ثواب ملے گا۔ جواب یہ ہے اور بڑے کام کی بات ہے وہ یہ کہ شوال میں تخصیص یہ ہے کہ یہ دو ماہ رمضان ہی کے برابر شمار ہونگے۔ یعنی ان روزوں کا ایسا ہی ثواب ملے گا جیسے رمضان شریف کے روزوں کا بخلاف اس کے کہ اگر کسی نے ذیقعدہ یا دوسرے مہینوں میں رکھے کہ اس کو فضیلت روزۂ رمضان کی برابر نہ ملے گی۔ مطلق تضاعف ہو جائے گا۔ اس لئے شوال کی تخصیص فرمائی تا کہ ان روزوں کا ثواب رمضان کے روزوں کی برابر ملے گا اگر اس سے بہتر کوئی توجیہ ہو تو ہم اس کو قبول کرنے کو تیار ہیں۔ مگر اس سے بہتر غالباً معلوم نہیں ہوتی۔

واقعہ: حضرت والا جامع مسجد تھانہ بھون میں وعظ میں فرما رہے تھے اور ایک شخص حضرت کو پنکھا جھل رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص مجمع سامعین میں سے اٹھ کر پنکھا جھلنے والے کے ہاتھ میں سے پنکھا لینے لگے اور دونوں میں کچھ کشاکشی ہوئی جس سے طبیعت مشغول ہوگئی۔ حضرت ان پر بہت ناراض ہوئے اور۔

ارشاد: فرمایا کہ جس کی خدمت کرنا ہو پہلے اس سے اطمینان کے وقت پوچھ لو اور ویسے کسی کی خدمت مت کرو بعض اوقات قلب پر بار ہوتا ہے البتہ جن سے دل کھلا ہوا ہے ان کی خدمت بار نہیں ہوتی۔ دوسرے بعض اوقات تداول سے پریشانی ہو جاتی ہے ایسے موقع پر تو جنہوں نے خدمت کو پہلے سے اپنے ذمہ لیا ہے وہی اخیر تک کھڑے رہیں مگر یہ بھی ایک رسم کر لی ہے اور سمجھتے ہیں کہ خدمت کریں گے تو ہمیں فائدہ ہوگا ورنہ نہیں جیسے بعد وعظ کے مصافحہ کی رسم کر لی ہے کہ ہر شخص مصافحہ کرتا ہے لوگوں کے دین کا رسم نے ناس کر دیا آنکھ کو پٹی باندھ کر خدمت کے لئے گھس پڑتے ہیں خواہ دوسرے کو ناگوار ہی ہو۔ بس میری خدمت یہی ہے کہ جو کہوں اس کو خوب دل لگا کر سنو۔ جو لوگ وعظ سننے کو بیٹھیں ان کو پنکھا جھلنے کی ضرورت نہیں۔ ایسی خدمت کے لئے اٹھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وعظ میں مزہ ہی نہیں آتا ورنہ اس کا خیال بھی نہ آتا۔

واقعہ: ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۱۴ سال کی ہوگی درد زہ کے لئے گڑ پڑھوانے لایا اور حضرت سے کچھ فاصلہ پر بہت دیر تک کھڑا رہا جب حضرت ہی نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیسے

آئے اس وقت اس نے اپنا مطلب کہا۔

ارشاد: تم نے کچھ کہا نہیں حالانکہ اتنی دیر تک کھڑے رہے۔ اب اتنی دیر میں کہا۔ دیکھو جہاں جاؤ اول تو بیٹھ جایا کرتے ہیں پھر فوراً مطلب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں اس لئے آیا ہوں پھر حضرت نے حاضرین سے فرمایا بچپن ہی سے اس قسم کی عادت سیکھتے ہیں۔ ابھی سے بد اخلاقی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی ہے بات یہ ہے کہ جیسے بڑوں کو دیکھتے ہیں ویسے ہی یہ بھی کرتے ہیں فقط پھر حضرت نے گڑ پڑھ دیا اور تعویذ بھی دیا۔

واقعہ: ایک چھوٹی لڑکی کی بابت حضرت نے فرمایا کہ وہ زینہ پر سر کے بل گری میں تو سمجھے ہوئے تھا کہ سر پھٹ جائے گا مجھ کو بڑا اور ڈر لگا مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو بالاضطرار اس حالت میں اپنی آنکھیں دونوں ہاتھوں سے بند کر کے بیٹھ گیا اور یہ نہ سوچا کہ آنکھیں بند کر کے کیا ہوگا وہ سر کے بل گری اور فوراً اٹھ بیٹھی روئی بھی تو نہیں اس کے چوٹ ہی نہ لگی صرف سر میں گولہ سا پڑا اور کچھ بھی نہیں۔

ارشاد: جب تک آدمی اپنے اختیار کا نہیں ہوتا ہے اس کی حفاظت منجانب اللہ زیادہ ہوتی ہے اور اللہ میاں کی حفاظت کو کیا پوچھتے ہو ایک شخص کہتے تھے کہ ایک دفعہ لڑائی میں گولی چل رہی تھی ایک شخص کی کنپٹی پر گولی لگی چونکہ بہت دور سے آئی تھی اسلئے زور گھٹ گیا تھا تو بار تو نکل نہ سکی دماغ میں جا کر بیٹھ گئی جس سے وہ شخص اندھا ہو گیا عقلاء جمع تھے کہ کس طرح نکالیں پریشان تھے کہ کوئی تدبیر نہیں سوجھی تھی حیران تھے اتنے میں ایک گولی اور خوب زور میں بھری ہوئی اس موقع پر لگی اور اس کو بھی نکال لے گئی اور وہ شخص اچھا ہو گیا۔ زخم تو رہا اس کا علاج ہو گیا بھلا کیسے اور کس کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ یہ ترکیب کرنا چاہئے کہ دوسری گولی اسی موقع پر ماری جائے تاکہ پہلی کو بھی نکال لے جائے۔ خدا کی طرف سے ایسے سامان ہو جاتے ہیں۔

واقعہ: بچوں کی تربیت کے متعلق ذکر تھا اس پر فرمایا:

ارشاد: اکثر لوگ بچپن میں تربیت کا اہتمام نہیں کرتے یوں کہہ دیتے ہیں کہ ابھی تو بچے ہیں۔ حالانکہ بچپن ہی کی عادات پختہ ہو جاتی ہیں۔ جیسی عادت ڈالی جاتی ہے وہ اخیر تک رہتی ہے اور یہی وقت ہے اخلاق کی درستی کا اور خیالات کی پختگی کا۔ چنانچہ بچہ اول سے ماں باپ میں رہتا ہے۔ اور ان کو ماں باپ سمجھتا ہے تو اگر بعد میں کوئی شک ڈالے خواہ کتنے ہی لوگ شک ڈالنے والے ہوں تو کبھی شک نہ ہوگا یہ ہے بچپن کے خیال کی پختگی۔ بچپن کا علم ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کبھی نکلتا

نہیں الا ماشاء اللہ فقط۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ جو بعض لوگوں کی نماز میں عادت ہے کہ خوب گردن جھکا کر تمام بدن کو گھما کر سلام پھیرتے ہیں یہ کیسا ہے اور کہا کہ میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا کہ ایک شخص یوں کہتا ہے کہ اس طرح گردن جھکا کر سلام مت پھیرا کر۔

ارشاد: اس طرح گردن جھکا کر سلام پھیرنا من گھڑت ہے (کوئی اصل نہیں) رہا خواب تو یہاں تو ظاہر ہے کہ صحیح ہے۔ مگر ضابطہ کا یہ ہے کہ جبکہ شرعی کے خلاف نہ ہو تب بھی وہ معتبر جب ہے کہ بہت سے آدمی خواب دیکھیں چنانچہ حدیث میں ہے "(ریٰ رؤیا کم تواطات فی لیلۃ القدر" یا ایک شخص اس درجہ کا ہو۔ یعنی عالی مرتبہ ہو جیسے عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان دیکھی تھی۔ اور پھر حضور سرور عالم ﷺ نے تصدیق فرمائی۔

واقعہ: ایک عورت نے خط میں لکھا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مکان میں دفینہ ہے تو آپ بتلا دیجئے کہ کہاں ہے اور کون سے حصۂ مکان میں ہے اور زمین کی کتنی گہرائی میں ہے۔

ارشاد: حاضرین سے فرمایا کہ طالب علموں سے یہ کام لئے جاتے ہیں افسوس ہے۔ اور جواب لکھا کہ پھر ایسی خرافات نہ لکھنا اگر کوئی مرد سمجھدار ہوتا ہے اور وہ اس قسم کا خط لکھتا ہے تو اس کا علاج کرتا۔ اور بطور ظرافت فرمایا کہ اس عورت کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ کام تو میں نے کرلیا ذرا سی کسر رہ گئی ہے وہ تم بتلا دو (خواب میں نے دیکھ لیا جگہ تم بتلا دو) پوچھا ہے کہ کہاں کھودیں اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل ہی کھود دو۔

ارشاد: حضرت خود ہی فرمانے لگے کہ اب یادداشت نہیں رہی سہو بہت ہونے لگا۔ چنانچہ رومال وغیرہ میں گرہ دے کر کاموں کو یاد رکھتا ہوں جب کام چلتا ہے کبھی جوانی میں ایسا حافظہ تھا کہ طلباء میں شہرت تھی اب کچھ بھی نہ رہا۔ پھر فرمایا کہ خیر جی جو چیز یاد رہنے کی ہے بس وہ یاد رہ جائے جس کے واسطے انسان پیدا ہوا ہے اور کچھ رہے یا نہ رہے ؎

روزہا گر رفت گورو باک نیست ☆ تو بماں اے آں کہ چوں تو پاک نیست

یعنی اللہ میاں یاد رہ جائیں۔ بھولنے پر دو حکایتیں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی یاد آئیں۔ اگر میں اور کسی سے سنتا تو شاید یقین بھی نہ ہوتا مگر میں نے خود مولانا کی زبان سے سنیں اس لئے یہ یقین ہے اور دونوں عجیب ہیں۔ اور دوسری نہایت ہی عجیب ہے، ایک بھولنے کی اور

دوسری بھلا دینے کی۔ بھول جانا تو زیادہ تعجب کی بات نہیں مگر بھلا دینا نہایت تعجب خیز ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خط لکھا جب اخیر میں اپنا نام لکھنا چاہا تو اپنا نام یاد نہ رہا۔ سوچ رہے ہیں مگر یاد نہیں آتا۔ دوسری حکایت یہ کہ مولانا فرماتے تھے کہ ایک شخص نے مجھ کو تسخیر کا عمل بتلایا اور اس نے خود ہی عرض کیا تھا کہ میرے پاس تسخیر کا عجیب عمل ہے اچھی چیز ہے قبول کر لیجئے وہ مولانا کو جنگل میں لے گیا اور آس پاس خوب دیکھ بھال کر کہ کوئی ہے تو نہیں اس کو بتلایا اس میں کوئی شرک وغیرہ کی بات نہ تھی زبانی رٹوا کر یاد کرا دیا مختصراً الفاظ تھے اس عمل کی قدر بڑھانے کے لئے یہ بھی کہا کہ میں نے ایک بار یہ عمل بطور امتحان کیا تھا۔ اور کیا تھا ایک امیر زادی کے بلانے کو وہ شریف خاندان اور بڑے گھر کی تھی۔ تھوڑی دیر گذری کہ وہ سو جال ڈال میرے مکان پر آ گئی۔ نیت اس شخص کی خراب نہ تھی اس سے کہہ دیا کہ ہمارے پاس کوئی کام نہیں چنانچہ وہ چلی گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ جب اس حکایت کو اس شخص نے بیان کیا تو مجھ کو یہ خیال ہوا کہ ہم نفس پر کیسے اعتماد کریں اگر ایسا عمل اپنے پاس رہا نہ معلوم کس بلا میں گرفتار ہو جاؤں۔ بس یہ سوچ کر اس کو بھلا دیا حتیٰ کہ اس کا ایک لفظ بھی ذہن میں نہ رہا۔ اور یہ ہے کرامت کہ ایک چیز ذہن میں جمع کر دی جائے اور اس کو ایسا بھول جائے کہ ایک لفظ بھی یاد نہ رہے۔

چنانچہ جو شخص قرآن شریف بھول جاتا ہے یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ ایک لفظ بھی یاد نہ رہے۔ اور پھر بھلا دینا زیادہ تعجب ہے بھولی ہوئی چیز کا یاد کرنا تو صرف مشکل ہی ہے مگر یاد کی ہوئی کا بھلا دینا تو بے حد تعجب ہے۔ مولاناؒ کی ہر آن عجیب وغریب تھی۔ بالکل مجذوبوں کی سی شان تھی۔

جیسے ابوذر غفاریؓ کی حکایات عجیب ہیں۔ چنانچہ رسالہ القاسم کے بعض نمبروں میں لکھی بھی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شان بالکل مجذوبانہ تھی۔ اسی کے حاشیہ میں مولانا محمد یعقوبؒ کو بھی اسی جماعت میں گنا ہے جو مجھ کو بہت پسند آیا مولانا کی حکایات اخلاقی اعتبار سے بھی عجیب ہیں مولانا بہت بھولے تھے مزاج میں بہت سادہ پن تھا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی زیارت کو آئے کپڑے اچھے پہنتے تھے اس وقت بھی سارے کپڑے تو اچھے مگر کمر بند کی جگہ بان پڑا ہوا تھا لوگ پوشاک میں تو بزرگوں کی ریس چاہتے ہیں اس میں بھی تو ریس کر لیں۔ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ کیا بان ہی رہ گیا تھا مولانا نے عرض کیا کہ کمر بند نہیں ملا۔ میں نے خیال کیا کہ مقصود تو اس سے بھی حاصل ہے اس لئے ڈال لیا۔ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ الگنی پر میرا اُتارا ہوا پاجامہ پڑا ہے اس کا کمر بند لے لیجئے مولانا نے دیکھا تو اس میں ایک روپیہ بھی بندھا ہوا تھا عرض کیا کہ

حضرت اس میں تو ایک روپیہ بھی بندھ رہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ روپیہ بھی آپ کی نذر ہے اور مولانا بھولے تو تھے مگر ویسے بڑے عاقل تھے حقائق پر نظر تھی بھولے پن سے مطلب یہ کہ سید ھے اور سادہ تھے بناوٹ نہ تھی۔ باقی ویسے نہایت عالی دماغ تھے۔ ایک دفعہ کسی سفر کے لئے آمادہ تھے منجملہ اور اسباب کے باہر لحاف بھی لائے اور اس کو اس طرح تہ کر کے گاڑی میں رکھا کہ ابرہ تو اوپر ہے اور استر نیچے ایک شخص بوجھ بجھکڑ وہاں کھڑے تھے مولانا اندر تشریف لے گئے وہ کہنے لگے کہ ان حضرات کو دنیا کا کچھ تجربہ نہیں ہوتا ایسے بھولے بھالے ہوتے ہیں دیکھو تو لحاف کا ابرہ اوپر کر دیا اور چاہئے تھا نیچے کی طرف (جس طرح دستور ہے کہ استر اوپر اور ابرہ نیچے کرتے ہیں) انہوں نے اس کو الٹ کر تہ کر دیا۔ مولانا تشریف لائے اور فرمایا کس نے اس طرح کیا ہے وہ بولے کہ یوں ہی ہے طریقہ کیونکہ سفر میں گردوغبار پڑتا ہے ابرہ خراب ہوتا ہے مولانا نے فرمایا کہ سبحان اللہ لحاف کے ابرہ کا تو اتنا خیال اور دماغ کی حفاظت کا کچھ خیال نہیں۔ میاں دماغ قیمتی ہے یا لحاف یعنی اگر استر اوپر رکھا جائے تو اس میں گردوغبار بھرے گا۔ اور رات کو استر ہی نیچے رہتا ہے تو اگر دوغبار ناک کے ذریعہ سے دماغ میں جائے گا۔ اور اگر ہ ابرہ اوپر ہو تو دماغ محفوظ رہے گا دانشمندی کی یہ حالت تھی پورے محقق تھے رسم پرست نہ تھے کہ ساری دنیا ایسا کرتی ہے ہم بھی ایسا کریں ایسے پاک نفس تھے کہ ایک دفعہ مولانا کے ایک تصحیح کردہ فتوی پر کہیں سے کچھ اعتراض لکھے ہوئے آئے تھے میں نے اس کا جواب لکھنا چاہا مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ اس کا جواب مت لکھنا صرف یہ لکھ دو کہ اس کا جواب تو ہے مگر ہم مرغانِ جنگی نہیں ہیں کہ سوال و جواب کا سلسلہ دراز کریں۔ بس اس جواب کا حق ایک دفعہ ادا ہو گیا تھا۔ اور یہ لکھ دو کہ اگر اطمینان نہ ہو تو **فوق کل ذی علم علیم**۔ دوسری جگہ دریافت کر لو جنگ وجدل سے معاف کرو مولانا کی یہ بات اس وقت تو کچھ سمجھ میں نہ آئی تھی مگر اب اس کی قدر معلوم ہوتی ہے اور وہ بات یاد آتی ہے جنگ وجدل کرنا سچ مچ اس کا کام ہے جس کو فرصت و بیکاری ہو اس کی مثال ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کی داڑھی میں سفید بال تھے جب حجام خط بنانے بیٹھا تو کہنے لگے کہ سفید بال چن کر نکال دینا۔ نائی نے ساری داڑھی صاف کر کے سامنے ڈال دی اور کہا تم خود چن لو مجھ کو فرصت نہیں کام کا آدمی تو بکھیڑوں سے اس طرح گھبراتا ہے۔ ہاں شرعی ضرورت ہو تو اور بات ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بجز کفار کے اور کسی سے مناظرہ نہیں کرتے تھے بہت ہی مجبوری کو ایک بار بعض شیعہ اور بعض غیر مقلدین کا جواب لکھا تھا ورنہ جو مسلمان کہلاتے ہیں خواہ وہ مسلمان نہ ہوں ان سے گفتگو

کرنا پسند نہ تھا۔

تحذیر الناس پر جب تکفیر ہوئی تو جواب نہیں دیا بلکہ جواب میں یہ فرمایا کہ کافر سے مسلمان ہونے کا طریقہ بڑوں سے یہی سنا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے تو میں کلمہ پڑھتا ہو ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ'' اب تو کفر نہ کہیں گے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات میں حُب جاہ نہیں ہوتی کسی سے نہیں الجھتے بلکہ درگذر کرتے ہیں۔ مولانا سمٰعیل صاحب شہیدؒ کی حکایت میں ہے کہ ایک شخص نے اس کا امتحان کیا۔ عین وعظ میں اس نے کہا کہ مجھ کو کچھ دریافت کرنا ہے وہ یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ حرام کی پیدائش ہیں آپ نے باوجودیکہ کس قدر تیز تھے نہایت متانت سے جواب دیا کہ حدیث میں ہے ''الولد للفراش'' اور میرے والدین کے نکاح کے گواہ موجود ہیں۔ ان سے شہادت دلا سکتا ہوں تم ایسی باتوں کا یقین نہ کیا کرو پھر وعظ شروع ہو گیا۔

ایک دفعہ آپ وعظ فرمارہے تھے ایک حدیث بیان کی اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ میں نے شاہ اسحاق صاحب سے سُنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خبر نہیں اسی وقت وعظ چھوڑ کر شاہ صاحب کے پاس پہنچے اور تصدیق کی اور پھر وعظ کے جلسہ میں آکر فرمایا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ حدیث ضعیف ہے ایک بار غالباً مراد آباد تشریف لے گئے اور کسی مقام پر وعظ ہوا بعد وعظ جب باہر تشریف لائے تو ایک شخص اس وقت پہنچا اور وعظ کا ختم ہونا معلوم کر کے نہایت حسرت سے کہا کہ میں تو وعظ کے اشتیاق میں بڑی دور سے آیا تھا۔ مگر افسوس کہ ختم ہو گیا مولانا کے کان میں یہ بات پڑ گئی مولانا اس شخص کو اکیلے مسجد میں لے گئے۔ اور فرمایا کہ میں تم کو بھی سُنا دوں گا اور پھر وہی وعظ سُنا دیا۔ اخلاص تو دیکھئے۔ فقط۔

واقعہ: ایک شخص تھانہ بھون کسی گاؤں سے اپنے کام کو آنے والے تھے اور اس گاؤں میں ایک صاحب کو حضرت والا سے مسئلہ دریافت کرنا تھا۔ انہوں نے ایک پرچہ پر وہ مسئلہ لکھ کر اس آنے والے کو دے دیا کہ اس کا جواب لیتے آنا اس نے حضرت کو لا کر وہ پرچہ دیا۔ حضرت نے ملاحظہ فرما کر اس شخص کو واپس دیدیا اور پھر یہ کہہ دیا کہ ان سے کہہ دینا کہ خود اس کو لے آئیں تو جواب دوں گا کیونکہ کچھ باتیں اس کے متعلق ان سے زبانی دریافت طلب ہیں۔ پھر حاضرین سے فرمایا۔

ارشاد: لوگ ہمیں بے کار سمجھتے ہیں کچہری میں یہ نہیں کرتے کہ اس طرح کلکٹر صاحب

کے پاس عرض بھیج دیں وہاں تو ذرا سی بات کے لئے سو اہتمام کریں گے۔ خود جائیں گے یہاں تک حالت ہوگئی ہے کہ عورتیں بھنگیوں کی معرفت ہی مسائل پوچھ پوچھ بھیجتی ہیں بھلا وہ کیا سمجھ سکتی ہیں اور پھر کیا سمجھا سکتی ہیں بات یہ ہے کہ قلب میں دین کی اور علماء کی وقعت نہیں اور ایسے موقعوں پر جو کہا گیا تم خود پوچھ لو تو دریافت کرنا ہی بند ہو گیا۔ ایک عورت نے طاعون کے زمانہ میں پوچھ کر یہ بھیجا کہ طاعون میں ایک وقت میں بہت بہت آدمی مرتے ہیں عزرائیل ایک وقت میں اتنوں کی جان کیسے قبض کرتے ہوں گے مگر دریافت کرایا ایک بچہ کی معرفت میں نے سوچا کہ یہ بچہ ایسی باریک بات خود ہی نہیں سمجھ سکتا ان کو جا کر کیا سمجھائے گا جواب تو یہ تھا کہ یوں کہلا دیتا کہ خود آ کر پوچھ لو مگر خیر ایک جواب سہل سوجھ گیا میں نے اس سے کہا کہ اپنی اماں سے یوں کہہ دیجیؤ کہ کبھی چاول بھی کھائے ہیں۔ ایک دم سے کتنے چاول رکابی میں سے اٹھا لیتی ہو۔ اس طرح عزرائیل علیہ السلام ایک دم سے سب کی روح قبض کر لیتے ہیں وہ بچہ بھی اس بات کو بخوبی سمجھ گیا اور اس نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ اس پر اس کی ماں نے شکریہ ادا کیا۔ خیال تو کیجئے بچہ کی معرفت ایسی باریک باتیں دریافت کی جاتی ہیں بلکہ باریک بات اپنے فہم سے زیادہ تو پوچھنا بھی بیہودگی ہے اور اصل جواب اس کا یہی ہے جیسے ایک شخص کو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے دیا تھا۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حیض کی حالت میں جو نماز نہیں ہوتی اس کی قضا نہیں ہے اور روزہ جو قضا ہو تو اس کو رکھنا ہوتا ہے حضرت مولاناؒ تھے صاحب جلال۔ اس شخص کو جواب دیا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف کرو گے تو اتنی جوتیاں لگیں گی کہ سر پر بال بھی نہ رہے گا۔ ویسے مولاناؒ طلباء کو جواب دیتے ہیں ہی۔ مگر اس شخص کے مناسب یہی تھا۔

۱۸ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ہندو اگر افطاری میں مٹھائی بھیجے تو اس کا کھانا کیسا ہے اور واقعہ بیان کیا کہ ایک ہندو نے بھیجی تھی اور ایک مولوی صاحب نے لے بھی لی تھی اور کہا تھا کہ کوئی حرج نہیں اور میں اس کے خلاف تھا۔

ارشاد: فتویٰ کی رو سے جواز تو ہے مگر مجھ کو غیرت آتی ہے کہ آئندہ یوں کہنے لگیں گے کہ اگر ہم مدد نہ کرتے تو کیسے بہار ہوتی مسجد میں ایسے موقعہ پر ان کے شریک کرنے سے دو خرابیاں ہیں ایک تو امتنانِ (کافر کا احسان) دوسرے مسلمانوں میں کرم غالب ہے سوچتے سمجھتے ہیں نہیں

پھر ان کے تہواروں میں یہ مدد دینے لگتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب اس وقت حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے کہ بعض ہندو تو اس قسم کی باتیں اسی لئے کرتے ہیں کہ انہوں نے اس میں یہ ترکیب چلی ہے کہ مسلمان دین میں مداہنت کرنے لگیں۔ چنانچہ فلاں جگہ رام لیلا پر جھگڑا ہوا تھا جس میں ۴۵ آدمی مسلمان قید ہوئے مگر رام لیلا بند ہو گیا تھا۔ مگر ہندوؤں نے محرم میں شربت پلانا شروع کیا اس سے وہ بُرا اثر پھیلا کہ ان ۴۵ آدمیوں کے قید ہونے سے بھی نہ ہوا تھا۔ اول تو ہندو احسان کرتے ہیں پھر اپنا کام بناتے ہیں ایک جگہ ہندوؤں نے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور علماء سے کہا کہ مدرسہ عربی بناؤ اور یہ کہا کہ اس قدر روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے قربانی موقوف کر دو۔ بعض علماء نے کہا کہ بہت روپیہ ہے لیلو۔ دیکھئے یہ دین پر اثر ہوا۔ ہمارا مسلک تو یہ ہے اور یہی ہونا چاہئے کہ اگر تمام دنیا ملے اور ایک مسئلہ میں خلاف کرنا پڑے تو دنیا بھر کے خزائن کی طرف نظر بھی نہ کریں۔

ارشاد: حضرت پہلے ہی مضمون کی مناسب فرمانے لگے کہ اسی طرح نفس کے بھی عجیب کید ہیں ایسے قواعد کلیہ ایجاد کرتا ہے اور پھر جزئیات کو اس میں داخل کرتا ہے جس کا کوئی ٹھیک نہیں۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میرے ذمہ قرض ہے فلاں فلاں رئیس کو لکھ دو کہ وہ اعانت کریں میں نے کہا کہ میں کسی کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ ناحق دوسرے کی طبیعت پر گرانی ہوگی بولے کہ گرانی کا کیا حرج ہے آپ لوگوں کی جو تربیت فرماتے ہیں اس میں بھی تو گرانی ہوتی ہے منجملہ اس کے ایک یہ بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور مجاہدہ میں تو گرانی ہوتی ہی ہے دیکھئے تو نفس نے اس جزئیہ کو کیسا کلیہ میں داخل کیا میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ اس وقت ان لوگوں کو ایسے مجاہدہ کی ضرورت ہو موجودہ حالت کے موافق مجاہدہ ہوا کرتا ہے پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ کیا ضرور ہے کہ وہ مال آپ ہی کو دیں یہ نفس کا کید ہے کام تو نرمی سے ان کا ہو گیا تھا۔ مگر یہ نفس کا کید تھا کہ پہلے ایک کلیہ بنایا پھر اس جزئیہ کو اس میں داخل کیا۔ مجتہدین اور عوام میں یہی تو فرق ہے وہ ہر چیز کو اس کی اصل حقیقت پر سمجھتے تھے اور یہاں غرض کی آنکھ سے ہر شے کو دیکھتے ہیں ان ہی کیدوں کی بابت مولاناؒ فرماتے ہیں۔ شعر۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا ☆ ما چوں مرغانِ حریص و بے نوا
دمبدم پابستۂ دامِ نو ایم ☆ گر ہمہ شہباز سیمرغے شویم

میر ہانی ہر دے مارا و باز ☆ سوے دامے میر ویم اے بے نیاز

شہوت وغضب کے دام تو ہیں ہی مگر یہ دام بہت سخت ہیں کیونکہ ان کو دین سمجھتے ہیں چندہ کی تحریک کے متعلق خود میرے سامنے ایک صاحب علم نے کہا کہ ہماری عزت ہی کیا ہے جو تحریک میں اہانت ہوگی۔ ہم ہیں کیا چیز۔ کوئی پوچھے کہ آپ اپنی نظر میں کچھ نہیں ہیں۔ مگر مخاطب کے نزدیک تو ہیں۔ ایک عالم کے سامنے میں نے گراں گذرنے کے متعلق کہا کہ حدیث میں لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسہ کہنے لگے کہ لا یحل اس درجہ کا نہیں کوئی پوچھے کہ اگر یہی ہے تو حرمت علیکم امہاتکم الخ میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حرمت اس درجہ کی نہیں لا یحل میں آپ نے بلا دلیل درجے کیسے نکالے ایک میرے ماموں صاحب درویش تھے وہ کہا کرتے تھے کہ نفس سب کا مولوی ہے۔ عجیب تاویلیں سکھاتا ہے میرے ایک عزیز کہتے تھے کہ میرے سامنے کا قصہ ہے ایک بت خانہ تھا اس میں بت رکھا تھا ایک :ندو نے بت کو پانی دیا جب وہ ہٹ گیا تو اس بت میں کتا موت گیا میں نے بلا کر اس سے کہا کہ تمہارے معبود کی کیا قدر ہو رہی ہے۔ اس نے کہا کہ میاں یہ کتا بھی پانی دیتا ہے یہی راز ہے کہ مذاہب میں فیصلہ نہ ہوا اور نہ ہر شخص حق کو قبول کر لیتا ہے کیونکہ نفس بری سے بری بات کی تاویل گھڑ لیتا ہے دیکھئے قادیانی کی باتیں کھلی ہوئی تھی مگر اس کے مرید کیسی تاویلیں کرتے ہیں۔ قادیانی نے پیشین گوئی کی تھی کہ ”محمدی بیگم“ کا نکاح مجھ سے ہوگا یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی نور الدین نے اس کی کیا اچھی تاویل کی ہے وہ یہ کہ مرزا کی اولاد قائم مقام ہے مرزا صاحب کی اولاد کا نکاح محمدی بیگم کی اولاد سے ہوگا۔ جب کوئی گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اولاً تذبذب ہوتا ہے پھر جب حق کو دفع کر دیتا ہے تو تذبذب نہیں رہتا اور یہ خدا کی رحمت ہے کہ اول تنبیہ ہوتی ہے مگر پھر نفس خوب تاویلیں کر لیتا ہے۔

واقعہ: حافظ عبد المجید صاحب جن کے سپرد سابق میں مدرسہ دار العلوم تھانہ بھون کے بعض کاروبار تھے حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اب میں مدرسہ کا اہتمام اپنے ذمہ نہیں رکھنا چاہتا میں نے مدرسہ کی چیزیں مولوی احمد حسن صاحب کے سپرد کر دیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میرے پڑھنے میں خلل پڑتا ہے آپ نے فوراً منظور فرما کر:۔

ارشاد: فرمایا کہ میرا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا ہے کہ کسی پر کسی کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ حضرت عمرؓ کے انتقال کے وقت لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ خلافت کسی کے سپرد کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ میں اگر سپرد نہ کروں تو اتباع ہے رسول اللہ ﷺ کا کیونکہ آپ نے خلافت کسی کے سپرد

نہیں فرمائی تھی۔ اور اگر سپرد کروں تو اتباع ہے ابوبکرؓ کا کیونکہ انہوں نے خلافت کو میرے سپرد فرمایا تھا۔ اگر چہ مجھ کو دونوں باتوں کا حق حاصل ہے مگر میں اپنے بعد کے قصہ کا بار اپنے سر پر نہیں رکھتا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے جو تفویض کی تھی تو ان کو مل بھی تو گیا تھا عمرؓ جیسا شخص۔

چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلافت سپرد کی تھی تو لوگوں نے کہا تھا کہ آپ خلافت ایسے شخص کو سپرد کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ سوال کریں تو کیا کہئے گا آپ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے کیا ڈراتے ہو میں یوں کہوں گا کہ میں نے خلافت ایسے کے سپرد کی ہے کہ اس سے افضل رُوئے زمین پر نہ تھا۔ ہمارے پاس ایسا آدمی کہاں اس لئے یہاں تو یہ قصہ ہے کہ فرمائش کر کے کام نہیں دیا جاتا اگر کوئی صاحب اجر سمجھ کر کرلیں فبہا ورنہ کام ہی حذف (مدرسہ موقوف) میں نے کانپور میں ایک موقعہ پر ایسا ہی کیا تھا ہمیشہ یہی مدنظر رہا کہ کوئی ذرہ برابر تکلیف نہ پائے کوئی خود کام کا بیڑا اٹھائے تو خیر۔ یہاں تعمیر کا کام سب کام سے زیادہ بکھیڑے کا ہے سو اس میں بھی یہ سوچ لیا ہے کہ حجرہ میں ایک آدمی رہنے سے اگر حجرہ کافی نہ ہو تو ایک ایک میں دو آدمی رہیں اگر یہ بھی نہ ہو تو مساجد میں رہیں اس کی بھی پرواہ نہیں کہ حجرہ ہی ہوں یہ تو خانقاہ ہے ہے خواہ مخواہ تو نہیں جیسے صورت ہو ویسے ہی کریں گے۔

حضرت شاہ سلیمان صاحبؒ پاک پٹن کے ہیں بڑے شخص ہیں حتیٰ کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اُن سے بیعت کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت میانجیو صاحب کی خدمت میں پہنچادیا۔ ان کے وقت میں سُنا ہے کہ لوگ درختوں کے نیچے بستر کئے ہوئے پڑے رہتے تھے بلکہ بعضے مع بال بچوں کے رہتے تھے جو کی روٹی کھاتے تھے یہ حالت تھی حضرت کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں۔

مولانا گنگوہیؒ کا دیکھئے کیا طرز تھا۔ درسِ حدیث کے لئے کوئی مکان تھا نہ مدرسہ تھا کچھ مساجد میں رہتے تھے کچھ وہاں ہی حجروں میں جن میں سے بعضے کی چھت ایسی کہ کہیں گر نہ جائے لوگ اس میں رہتے تھے۔ ساری عمر اسی میں گذاردی مولانا گنگوہیؒ کے یہاں ایک رئیس نے طلبہ کے لئے روپیہ بھیجا درس ملتوی ہو چکا تھا حضرت نے واپس فرمادیا۔ اور فرمایا کہ جس کام کے لئے بھیجا ہے وہ یہاں ہے نہیں اس لئے واپس ورنہ ممکن تھا۔ اور کسی کام کے لئے اگر مشورہ دیا جاتا وہ رئیس ضرور قبول کر لیتے ایک بار سنا ہے کہ جامع مسجد کی جب گنگوہ میں تعمیر ہو رہی تھی تو ایک رئیس نے حضرت کو یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ اس کے کام کا تخمینہ کرا کے اطلاع فرمادیں آپ نے تحریر فرمادیا کہ

میرے پاس کوئی انجینئر نہیں ہے اگر دل چاہے تو اپنا آدمی بھیج کر تخمینہ کرا لیجئے۔ صاف جواب دے دیا۔ یہ زندگی تھی ہمارے حضرات کی گو مدارس کی جو آج کل صورت ہے وہ بھی مصلحت پر مبنی ہے پھر بھی سلف صالحین کا یہ طرز نہیں تھا۔ مگر اب ضرورت ہے اس طرز کی لیکن ہمارے حضرات نے اس ضرورت کے زمانہ میں بھی طرزِ سلف کو کر دکھایا۔ ہم چونکہ ضعفاء ہیں اس لئے اسباب کے ساتھ تشبث رکھنے کی ضرورت ہے فرمایا کہ سب کو یاد ہوگا۔ میں نے جب کام دیا تھا تو فرمائش کر کے نہیں بلکہ کئی صاحبوں کے سامنے ڈال دیا تھا کہ میں تو کرتا نہیں اگر کسی کو اجر حاصل کرنا ہو وہ لے لے بشرطیکہ بار نہ ہو ورنہ حذف مجھے اول ہی سے اس کا لحاظ رہا ہے پھر حافظ صاحب سے فرمایا کہ آپ کی سبکدوشی موافق شریعت کے ہے کیونکہ علم مقدم ہے اگرچہ کام تو دونوں فرضِ کفایہ ہیں (دونوں کام یعنی خدمت مدرسہ اور علم دین حاصل کرنا)۔ مگر ایک فرض کفایہ دوسرے کے مقابلہ میں ترجیح رکھتا ہے۔ پڑھنا مقدم ہے۔ پھر حضرت نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ زمانہ تعلق میں ہر طرح کی باتیں پیش آجاتی ہیں اگر میری جانب سے کوئی خشونت ہوئی ہو یا دل آزاری ہوئی ہو یا کوئی بات خلاف طبع ہوئی ہو معاف کر دیجئے اور جو حق میرا فوت ہوا ہو وہ میں دل و جان سے معاف کرتا ہوں پھر فرمایا تحصیل علم کے برابر کوئی چیز نہیں مگر علم کے لئے آفات بھی ہیں۔

"لکل شیٔ آفة وللعلم افات" اس کی ایک تو ظاہر تاویل ہے کہ علم پڑھ کر بعضی آفتیں ہو جاتی ہیں۔ (مثلاً اس پر عمل نہ ہو) اور ایک معنی عمدہ یہ ہیں کہ علم کے لئے موانع بہت ہیں پہلے لوگوں نے اس طرح طالب علمی کی ہے کہ والد صاحب سے سنا ہے کہ وہ لوگ ایک گھڑا پاس رکھ چھوڑتے تھے جو خط کہیں سے آتا اس میں ڈال دیتے فارغ ہو کر اس کو کھولا کرتے کسی خط کو دیکھ کر ہنس پڑتے کسی کو دیکھ کر رو پڑتے طالب علمی کے زمانہ تک یہ بھی نہیں کرتے تھے کہ خط بھی دیکھیں ایک عالم اپنی حکایت بیان کرتے تھے کہ کنجڑے جو مولی اور گاجر کے پتے پھینک دیتے ہیں ان کو کھا کر طالب علمی کرتے تھے۔ ایک عالم تھے انہوں نے بخاری شریف اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر پڑھی تھی۔ آپ کی علیحدگی سے گو مجھ کو فکر پڑے گا مگر پھر یہی کہوں گا کہ اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ عمل و اخلاص نصیب فرمائیں رہا فکر سو اگر انتظام نہ ہوگا تو اخیر میں یہی کہوں گا جیسے کسی نے کہا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ اسی طرح مدرسہ کردن چہ ضرور۔ اور مجذوب کے لنگوٹہ کا قصہ معلوم ہی ہے۔

ایک اور حکایت ہے۔ دو بھائی تھے ایک بادشاہ۔ دوسرا درویش۔ درویش لنگی باندھے پھرا کرتے تھے ایک روز بھائی نے کہا کہ مجھ کو بڑی شرم آتی ہے کہ تم اس حالت میں پھرتے ہو چلو

لباس درست کرو پاجامہ پہنو۔ کہا کہ پاجامہ ہو تو کرتہ بھی ہونا چاہئے۔ بھائی نے کہا کہ کرتے بہت۔ کہنے لگے کہ ٹوپی بھی ہو اس نے کہا کہ ٹوپی بھی بہت۔ پھر گھوڑا بھی ہونا چاہئے غرض اخیر میں کہا کہ بادشاہت بھی ہونی چاہئے۔ بھائی نے کہا کہ چلئے تخت پر رونق افروز ہوجئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں پاجامہ ہی کیوں پہنوں کہ اتنے قصہ کرنے پڑیں۔ بس میری لنگی ہی رہنے دو خود ہی جھگڑا کرنے سے جھگڑا ہوتا ہے۔

شاہ غلام رسول صاحب ایک درویش تھے کانپور میں شیخ تھے میں ان کے صاحبزادہ شاہ احسان الحق صاحب سے ملا ہوں ایک زمانہ میں ان کی مسجد کا کوئی قصہ تھا۔ ہندوؤں سے جھگڑا تھا۔ عدالت تک نوبت پہنچی۔ شاہ صاحب کے نام سمن آیا آپ نے کہا کہ میں عدالت میں نہیں جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا کہ مقدمہ خارج ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنا گھر نہیں بناتا ہوں چنانچہ نہیں گئے۔ حاکم کے دل میں یہ آیا کہ ہم خود چل کر تحقیقات کریں گے۔ اس نے آکر وہیں اجلاس کیا۔

شاہ صاحب گھر میں چلے گئے۔ حاکم کے بلانے پر جواب ملا کہ کافر کے سامنے نہیں آتا۔ جو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کردو۔ حاکم نے فیصلہ میں لکھا کہ جو شخص اتنا بڑا محتاط ہے کہ عدالت میں نہیں آتا۔ اور سامنے نہیں آتا وہ کیا جھوٹ بولے گا۔ پیلی بھیت میں شاہ جی محمد شیر صاحب تھے۔ لوگ اسٹیشن پر مسجد بنانا چاہتے تھے ہندوؤں نے مندر بنانا چاہا جھگڑا ہوا۔ کلکٹر تھے مسلمان انہوں نے مسجد کو بھی روک دیا۔ شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی کہنے لگے کہ میں کچھ کوشش نہ کروں گا۔ میرا گھر تھوڑا ہی ہے جس کا گھر ہے اس کو منظور ہوگا وہ بنوا لے گا۔ اور کہا کہ ساری زمین مسجد ہے لوگ زمین میں نماز پڑھ لیں گے۔

چنانچہ وہ مسجد پڑی رہی۔ ایک دفعہ وہ کلکٹر صاحب شاہ صاحب کے یہاں پہنچے۔ بعض لوگ پہچانتے بھی تھے ان سے منع کر دیا کہ بتلانا مت ذکر مت کرنا شاہ صاحب کے مکان پر پہنچے دہلیز میں ایک تخت ٹوٹا ہوا پڑا تھا وہیں بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب اس حدیث کا مصداق ہو گئے۔ اتتہ الدنیا وھی راغمۃ کہ ایسے شخص کے پاس دنیا ناک رگڑتی آتی ہے۔ شاہ صاحب نے پوچھا کہ مزاج اچھا ہے کیسے آئے کہا کہ مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے شاہ صاحب نے کہا کہ کہو کہنے لگے کہ مسجد کا کیا قصہ ہے۔ شاہ صاحب بولے کہ ہم مسجد بنا رہے تھے۔ ایک صاحب بہادر آگئے ہیں وہ مانع ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ صاحب بہادر میں ہوں۔ میں معذرت کرنے آیا ہوں آپ تشریف لے چلئے۔

چنانچہ فٹن پر ساتھ سوار کر کے لے گئے اور ان کے ہاتھ سے بنیاد رکھوادی شاہ صاحب کی یہ حالت کہ کلکٹر کے منع کرنے پر نہ گلہ نہ شکایت عبد المطلب کو دیکھئے ہ جب ان کے اونٹ کی بکریاں ابرہہ بادشاہ کے سپاہیوں نے جو کہ خانہ کعبہ کے شہید کرنے کو آیا تھا پکڑ لیں تھیں اور وہ اس کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھا تھا کہ خانہ کعبہ کی سفارش کو آئے ہوں گے۔ انہوں نے اس کا تذکرہ بھی نہ کیا بلکہ اپنے مال کے لئے چھوڑ دینے کو کہا اس نے کہا کہ میں تو اور کچھ سمجھا تھا۔ ایسی خفیف بات کو آپ نے کہا اگر آپ کعبہ کی سفارش کرتے میں قبول کرتا عبد المطلب نے کہا کہ مجھ کو اپنی چیز کی فکر ہے وہ چیز جس کا گھر ہے وہ جانے اس کا گھر جانے میرا گھر ہوتا تو میں سفارش کرتا اس نے اونٹ بکریاں ان کی چھوڑ دیں پھر دیکھئے کیا انجام ہوا سب کو معلوم ہے جس کے بارہ میں ''سورۂ الم ترکیف'' نازل ہوئی۔ یہ مدرسہ بھی اللہ کا کام ہے کسی ایک پر موقوف نہیں دین کا کام ہے اگر دین کا کام کسی ایک پر موقوف ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہوتا مگر باوجودیکہ آپ بھی اٹھا لئے گئے مگر دین باقی ہے اگرچہ انوار کے اعتبار سے حضور ﷺ تشریف رکھتے ہیں اور یہ سب آپ ہی کی برکات ہیں ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشان است ☆ خم و خمخانہ با مہر و نشان است

اور جب اللہ میاں کو موقوف کرنا ہوگا تو کام سے پہلے ان لوگوں کو قبض کرنا شروع کر دیں گے جن سے کام لیا جاتا ہے آج کل مشینیں ایسی نئی نئی چلی ہیں کہ ایک بچہ وہ کام کر سکتا ہے جس کو ایک ہزار آدمی کر سکیں۔ ایک ضعیف آدمی وہ کام کر سکتا ہے جو رستم سے بھی نہ ہو سکتا جب انسان کی یہ قدرت ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کیسی ہوگی۔ وہ ضعیف سے ضعیف شخص سے وہ کام لے سکتے ہیں کہ قوی سے قوی بھی عاجز ہو جائے ایک زمانہ میں یہاں غلغلہ ہوا تھا کہ مدرسہ باضابطہ ہونا چاہئے مجھ سے چھپاتے تھے اور مقصود ان کا یہ تھا کہ قوت پیدا کر کے پھر ظاہر کریں گے جیسے سلطان عبد الحمید خاں کو خبر بھی نہ کی تھی۔ جب سارے بدوبست کر لیے تو ان کو معزول کر دیا۔ مجھ کو اطلاع ہوگئی ان کا ایک جگہ عشاء کے بعد جلسہ تھا۔ میں جلسہ میں پہنچا۔ اور میں نے کہا ۱۵ منٹ کیلئے میں اجازت کچھ کہنے کی چاہتا ہوں اور میں نے کہا کہ میری تقریر سے آپ کی تقریرات کی اعانت ہی ہوگی گو ظاہراً ان تقریرات کا انقطاع ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں انقطاع نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ سے تین چیزوں کا تعلق ہے ان میں ایک چیز تو مکان ہے مدرسہ کا سو جس کا جی چاہے مدرسہ پر قبضہ کر لے میں اپنے مجمع کو بیٹھک میں لے آؤں گا۔ البتہ اگر اجازت ہوگی نماز مسجد میں

پڑھ لیا کروں گا۔ ورنہ دوسری مسجد میں۔ دوسری چیز کتب خانہ ہے سو اس کے دو حصہ ہیں ایک وہ جو میرے آنے سے پہلے موجود تھا۔ وہ تو ابھی سپرد کر دوں گا۔ دوسرا وہ جو میرے سبب سے آیا۔ اور جس کا واقفین نے مجھ کو متولی بنایا سو عاریۃً تو ابھی سے اس کو بھی سپرد کر دوں گا۔ رہا مستقلاً سو، برس روز کام کو ہو جائے گا۔ اس وقت بالکل آپ کی طرف تولیت منتقل کر دوں گا۔ تیسری چیز روپیہ۔ سو اس میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ کچھ تو جائیداد والد صاحب کی وقف کی ہوئی ہے دوسرا جو روپیہ آتا جاتا رہتا ہے سو جائیداد کی تولیت میاں مظہر کے نام ہے ان سے کہئے باقی آمدنی جو روز مرہ آتی ہے اس کو آنے کے بعد ایک ہفتہ روکے رکھا کروں گا۔ اور جس نے بھیجا ہوگا اس کا پتہ آپ کو بتلا دیا کروں گا۔ جب آپ مرسل سے اجازت حاصل کر لیں گے آپ کے حوالہ کر دوں گا۔ بس میں کہہ چکا۔ اب آپ تقریر کیجئے کیا مجھ کو مدرسہ سے جاہ حاصل کرنا ہے۔ اگر اس کی طلب ہوتی تو خوب بڑا سا مدرسہ کرتا۔ مگر بکھیڑے سے دل گھبراتا ہے۔

تہیہ یہ ہے کہ اگر کام نہ ہوگا حذف کر دوں گا۔ کیونکہ خانقاہ میں دو قسم کے لوگ ہیں طلباء ذاکرین۔ اگر یہاں کام نہ ہوگا تو طلباء کے لئے اور مدارس بہت وہاں چلے جائیں گے۔ رہے ذاکرین تو ان سے کہوں گا۔ اگر رہنا ہو تو بے سامان رہو۔ اگر متوکلین ہیں رہیں گے ورنہ چلے جائیں گے۔ ان کی کوئی فکر ہے نہیں چونکہ یہ فکر نہیں اس لئے قلب کی راحت ہے میں اپنی ذات کے لئے بھی اس پر آمادہ ہوں کہ جس روز کسی قسم کی مزاحمت پیش آئی ایک گھر ہے اس کو چھوڑ کر کسی گاؤں میں یا کسی اور شہر میں جا بیٹھوں گا۔ صرف دو بیبیاں ہیں اور وہ سب چلے جائیں گے۔ مجھ یہ سوچ ہی نہیں ہے کہ کیا ہوگا میری حالت تو یہ ہے

ما ہیچ نداریم غم ہیچ ندا ریم ☆ دستار نداریم غم پیچ نداریم

یہاں ایک تار بھی نہیں دس تار کیا ہوتے پھر طلبہ سے خطاب کر کے فرمایا:۔

ہدایت برائے طلبہ وغیرہ

طلبہ وغیرہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی کوئی حاجت حافظ صاحب سے پیش نہ کریں۔ مثلاً چارپائی حجرہ وغیرہ کی طلب ان سے نہ کی جائے کیونکہ اب حافظ صاحب بحیثیت طالب علم ہوں گے پھر فرمایا کہ میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی طالب علم نے کبھی حجرے کے ٹپکنے کی شکایت کی ہے تو میں نے کہہ دیا کہ تم درست کرالو اگرچہ غبن فاحش سے کیوں نہ بنے تو بھی میں گوارا کر لوں گا

صرف اللہ میاں دینے والے ہیں۔ میں ہر وقت آدمی کہاں سے لاؤں وہ طالب علم گیا اور درست کرالیا۔ یہ بھی ایک طریقہ ہے کام کا۔ جیسے یوں ہوسکتا ہے کہ دس آدمیوں کا کام ایک شخص کرے۔ یوں بھی ممکن ہے کہ ۵۰ آدمی کریں۔

واقعہ: علماء متقدمین کے علم وفضل اور ان کی تحقیق اور عبادات کا ذکر ہو رہا تھا کہ انہوں نے ایسی بڑی بڑی تصنیفات کی ہیں کہ عادتاً اس قلیل عمر میں ایسا ہونا دشوار ہے اور پھر یہ کام اس قلیل عمر میں انہوں نے کیسے کیا ہوگا۔ آج کوئی مذہب والا ایسی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔

ارشاد: یہ حال تھا ان حضرات کا لوگوں نے ایسے حضرات کو بدنام بھی بہت کیا ہے بے جا الزامات بھی قائم کئے ہیں اور جتنا کوئی محقق ہوگا۔ اتنا ہی بدنام ہوگا وجہ اس کی نظر گہری ہوتی ہے لوگ وہاں تک پہنچتے نہیں بظاہر اس کی باتیں ان کے خلاف معلوم ہوتیں ہیں۔ اس لئے کفر تک کے فتوے قائم کردیتے ہیں اس لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں۔ مگر کیسے لوگ تھے کہ ایسے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ہم لوگ اگر دو سو رکعت نفل پڑھیں تو اور سب کاموں کو چھوڑیں تو ایسا کرسکتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالم ارواح سے مناسبت ہوجاتی ہے تو وہ زمان ومکان کے ساتھ زیادہ مقید رہتا اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے یہ حضرات متقدمین ایسے ہی تھے۔ اور اس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے۔ میرے سامنے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک تقریر فرمائی کسی نے کہا یہی تقریر ایک بار مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمائی تھی تو مولانا نے فرمایا بھائی جہاں وہ فرماتے تھے وہاں ہی سے ہم کہتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ان کے لئے سمندر کی طرح کھلتا تھا اور ہمارے لئے سوئی کے ناکے کے برابر۔ ایک اور شخص نے پوچھا تھا کہ مولانا نے یہی کتابیں پڑھی تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں اُن کو یہ علم کہاں سے آیا۔

مولانا نے فرمایا اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے اور مولانا میں وہ سب جمع تھیں۔ طلب کی رُو سے معتدل مزاج تھے اس لئے ان پر نفس کامل فائض ہوا۔ پھر استاد بڑے کامل ملے۔ یعنی مولانا مملوک علی صاحب جن کا علم وفضل مخفی نہیں۔ تیسری بات یہ ہوئی کہ متقی اعلیٰ درجہ کے تھے پھر ان میں استاد کا ادب بہت تھا اور پھر پیر بڑے کامل ملے۔ یعنی حضرت حاجی صاحبؒ ان باتوں کے جمع ہونے سے یہ برکت ہوئی۔ ادب کی یہ کیفیت تھی کہ جب مولانا ذوالفقار علی بیماری میں آپ کے پاس جاتے تھے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ

ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ حضرت آپ میرے استاد ہیں انہوں نے پوچھا میں کہاں سے استاد ہوگیا۔ تو فرمایا کہ مولانا مملوک علی صاحب ایک دفعہ کسی کام میں تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دیجئے۔ چنانچہ میں نے آپ سے سبق پڑھا تھا۔

دوسرا قصہ یہ تھا کہ تھانہ بھون کا ایک گندھی جس کو علم سے محبت تھی مجھ سے کہتا تھا کہ وہ ایک بار دیوبند مولانا کی مجلس میں حاضر ہوا مولانا نے فارغ ہو کر پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے کہا تھانہ بھون سے آیا ہوں یہ سن کر گھبرا گئے اور کہا کہ بے ادبی ہوئی وہ تو میرے پیر کا وطن ہے۔ آپ آئے اور میں بیٹھا رہا مجھ کو معاف فرمائیے۔

وہ گندھی کہتا تھا کہ میں مولانا کی اس حالت کو دیکھ کر شرمندگی سے مرا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا کے ادب کا ذکر فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ایک مسودہ نقل کے لئے مولانا کو دیا ایک مقام پر املاء میں غلطی ہوگئی تھی۔ مولانا اس مسودہ کو نقل کر کے لے گئے تو اس لفظ کی جگہ بیاض چھوڑ دی صحیح بھی نہیں لکھا۔ اور کہا کہ اس جگہ پڑھا نہیں گیا۔ اور غرض یہ تھی کہ دیکھ کر غلطی کو درست کر دیں۔ مگر کس عنوان سے کہا۔ یہ نہیں کہا کہ غلطی ہوگئی ہے فرمایا ہاں غلطی تھی میں سمجھ گیا۔ اور اس سلسلہ کی تو برکت ہی عجیب ہے۔ بھلا پیر کا تو ادب کیوں نہ ہوتا۔ یہاں تو مریدوں کا ادب ہوتا تھا۔ چنانچہ میرے سامنے ایک شخص نے مولانا گنگوہیؒ کا بھیجا ہوا حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک عمامہ پیش کیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا۔ ناواقف شخص اس کو دیکھ کر یہ سمجھتا کہ حاجی صاحبؒ مولانا گنگوہی سے بیعت ہوں گے۔ حالانکہ معاملہ بالعکس تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ میں اس قدر ادب تھا کہ علماء سے اور سید سے اور بوڑھے سے خدمت نہیں لیتے تھے یہ تو اعمال و اخلاق تھے اور علم کی شان اور بھی عجیب تھی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی بھی کیسی ذات پیدا کی تھی لکھے نہ پڑھے صرف کافیہ تک پڑھ کر مشکوٰۃ شریف شروع کی تھی۔ ایک بزرگ تھے مولوی قلندر بخش صاحب جو صاحب حضور تھے۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بکثرت مشرف ہوتے تھے۔ حضرت ان سے پڑھا کرتے تھے پڑھنے کے زمانہ میں اگر طلباء میں باہم اختلاف ہوتا بڑے طلباء حضرت حاجی صاحب کو اپنے زور تقریر سے ساکت کر دیتے۔ حضرت بقاعدہ مناظرہ ان کو جواب نہ دے سکتے۔ مگر حضرت کے جی کو بات نہیں لگتی تھی۔ جب مولوی قلندر بخش کے سامنے وہ بحث پیش ہوتی تو حضرت کی بات کی تصحیح فرماتے اور پھر علوم بھی کیسے کیسے خدا نے حضرت کو عطا فرمائے تھے کہ سبحان اللہ حضرت مولانا

محمد قاسم صاحبؒ کا قول سنا ہے۔ یوں فرماتے تھے کہ میں جو حضرت حاجی صاحبؒ کا معتقد ہوا ہوں تو علم کی وجہ سے ہوا ہوں کیونکہ علم الفاظ کا نام نہیں حضرت کے علم کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت مولانا شیخ محمد صاحب نے حضرت حاجی صاحب سے ذکر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک چلہ ترک حیوانات کے ساتھ کروں تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا توبہ کیجئے بدعت ہے مولانا کو تنبہ ہوا کہ واقعی غلطی ہے اور توبہ کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ حضرت کو اپنی بعض تصانیف سناتے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت تو ظاہری عالم نہیں ہیں ان کو سنانے سے کیا فائدہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے قلب میں تو مبادی پہلے آتے ہیں اور مقاصد بعد میں اب جیسے بھی آ گئے۔ اب جیسے ہی مبادی آئے ان کے جمع ہونے سے ویسے ہی مقاصد آ گئے۔ اور ان حضرات کے قلب میں بلا واسطہ مبادی کے مقاصد پہلے آتے ہیں تو حضرت کو سنانے سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ مقاصد ٹھیک ہیں پھر مبادی کو ہم خود ٹھیک کر لیتے ہیں۔

حضرت کی ظاہری حالت کو دیکھئے تو صاحب تصرف ہیں نہ بہت سا ذکر و شغل تھا۔ دُبلے پتلے تسبیح لئے ہوئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ تھانہ بھون والوں میں سے ایک نمازی نیک آدمی ہیں (معمولی شخص معلوم ہوتے تھے) مگر تھے کس درجہ کے حضرت کے کمال کی یہی دلیل بس ہے۔ کہ بڑے بڑے معتبر علماء معتقد تھے ورنہ ایک حضرت مولانا گنگوہیؒ ہی ایسے تھے کہ اگر حضرت کے متعلق ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو حقیقت حال کو صاف ظاہر کر دیتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس مرتبہ کے تھے۔ البتہ ہر شخص کو حضرت حاجی صاحب سے نفع نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آپ کا کلام قدرے مجمل ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک بار فرماتے تھے کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ جب سے حضرت کے یہاں مثنوی ہونے لگی ہے بہت سے لوگ اپنا ایمان مکہ میں رکھ آتے ہیں کیونکہ کلام نہ سمجھنے سے ایسی ہی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو حضرت کے مزاج میں بڑی احتیاط تھی۔ چنانچہ ایسے مضامین کے بیان کے وقت دیکھ لیتے تھے کہ کوئی نااہل تو نہیں ہے اور علماء کی مجلس میں بے تکلف بیان فرما دیتے تھے مگر اس جلسہ میں اگر کوئی اہل علم ہی میں سے کج فہم ہوا تو یہ لوگ گمراہ ہوتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ محققین کی نپی تلی بات ہوتی ہے کم فہموں کی سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہیں اور گمراہ ہوتے ہیں بعض سلف کا یہی قصہ ہوا کہ ان کا کلام لوگوں کی سمجھ میں آیا نہیں اس لئے ان پر کفر تک کے فتوے دیئے گئے حالانکہ جو سلف کی تحقیق ہے وہ خلف کو نصیب بھی نہیں سلف کے ہر ہر لفظ میں علوم بھرے ہوئے ہیں۔ خلف کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی لکڑی کے عمق میں گھستا

ہے۔ علم سلف ہی کا بڑھا ہوا ہے گو معلومات بعض خلف کے زیادہ ہوں اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کی نگاہ تو ایسی تیز ہے کہ حجرہ میں بیٹھا ہوا دن کو ستارے دیکھ رہا ہے گو میدان میں نہ ہونے سے زیادہ ستارے نہیں دیکھتا۔ اور ایک شخص ضعیف نگاہ والا ہے کہ دن کو تو ایک ستارہ بھی نظر نہیں آتا۔ رات کے وقت میدان میں ہے اور بہت سے ستاروں کو دیکھ رہا ہے۔ سو مبصرات تو اس ضعیف نگاہ والے کے زیادہ ہوں گے مگر ابصار اس کا زیادہ ہوگا۔

یہی حال سلف وخلف کا ہے کہ خلف کی معلومات گو زیادہ ہیں۔ مگر سلف کا علم زیادہ ہے ایک عالم حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے ایک تقریر میں حضرت کی زبان سے بشرط شئ اور بشرط لاشئ اور لابشرط شئ وغیرہ اصطلاحی الفاظ نکل رہے تھے۔ انہوں نے تعجب کیا کہ اصطلاحات تو منقول ہیں اور آپ نے یہ فن پڑھا نہیں پھر یہ الفاظ کیسے زبان سے نکلتے ہیں۔ حضرت نے اثنائے تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ کبھی معانی بلا الفاظ کے القاء ہوتے ہیں اور کبھی مع الفاظ کے۔

پھر اس تمام تذکرہ کے بعد (مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ عجیب بات ہے نرے مولویوں کے ذکر میں مزہ نہیں آتا۔ جیسا کہ ان حضرات کے ذکر میں مزا آتا ہے۔ حتیٰ کہ خود اہل علم بھی جو قدر درویشوں کی کرتے ہیں وہ علماء کی نہیں کرتے۔ اسی کو میں نے دیوبند میں طلباء کے مجمع میں کہا تھا کہ آپ لوگ اساتذہ کا ادب استاذ ہونے کی حیثیت سے نہیں کرتے بلکہ بزرگ ہونے کی حیثیت سے کرتے ہیں۔

چنانچہ جو اساتذہ بزرگ مشہور نہیں ان کی وہ عظمت دل میں نہیں ہے جو ایک مشہور بزرگ کی ہے گو وہ استاذ بھی نہ ہو بزرگوں کا ادب تو اس خیال سے کرتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو خدا جانے کیا وبال نازل ہوگا میں بڑے بڑوں کو دیکھتا ہوں کہ بددعا سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے منہ سے کچھ نکل جائے اور اسی طرح ہو جائے۔ بعض نصوص سے اس کا احتمال قوی ہوتا ہے چنانچہ جو حدیث میں ہے علی کی شان میں **اللھم ادر الحق معہ حدیث دار** تو اس میں مجھ کو شبہ ہوا کہ ظاہر تو یہ تھا **اللھم ادرہ مع الحق**۔ کیونکہ پہلی عبارت میں ظاہراً حق کو تابع بنانا لازم آتا ہے حالانکہ ان کا حق کے تابع ہونا چاہئے نہ کہ حق ان کے تابع ہو۔ پھر سمجھ میں آیا کہ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کسی اجتہادی مقابلہ میں غلطی سے بھی کسی جانب ہو جائیں گے تو خدا تعالیٰ انجام کار حق کو ان کی طرف کر دیتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے اسباب جمع کر دیتے ہیں کہ حق انہیں کی طرف ہو جاتا

ہے اور وہ برائی سے بچ جاتے ہیں مثلاً ایک شخص سے حضرت علیؓ ناخوش ہو جائیں تو کچھ ایسے اسباب جمع ہو جائیں گے کہ وہ واقعی ناخوشی کے لائق ہو جائے گا۔

پس ان حضرات کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہوتا ہے کہ اگر غلطی سے بھی کسی جانب مائل ہو جاویں تو اللہ میاں ایسے اسباب بہم پہنچا دیتے ہیں کہ حق ان کی طرف آ جاتا ہے پس اس سے بھی بزرگوں سے ڈرنے کے احتمال کو قوت ہوتی ہے۔ حضرت بعض کمالات ان حضرات کے ایسے ہوتے ہیں کہ بیان میں بھی نہیں آتے وجدان ہی سے معلوم ہوتے ہیں مجھ کو اس پر ایک شعر یاد آتا ہے ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست ☆ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

بچوں عورتوں پر سب عاشق ہوتے ہیں مگر بڈھوں پر عشق ہوتے ہوئے انہیں حضرات میں دیکھا اور پیر سے عقلی عشق تو ہوتا ہے مگر بہت سے حضرات کو اپنے مرشد سے طبعی عشق بھی ہوتا ہے اور یہ تو پھر مشاہد ہیں پھر بھی۔ خدا تعالیٰ سے طبعی محبت نہیں ہوتی تو اس منکر کی مثال ایسی ہے جیسے عنین۔ (نامرد) کہے کہ عورت میں لذت نہیں ہوتی۔ اور خواص تو خواص میرے نزدیک تو عوام الناس بھی اس سے یعنی خدا تعالیٰ کی طبعی محبت سے خالی نہیں ہیں ان کو خدا تعالیٰ سے کھلی محبت طبعیہ ہوتی ہے۔ چنانچہ زیادہ عوام الناس ہی اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جوش میں آ کر سر تک کٹا دیتے ہیں۔ یہ محبت طبعی نہیں تو اور کیا ہے۔

ارشاد: بیعت میں جلدی اچھی نہیں جب خوب محبت ہو جائے پیر سے اس وقت بہت زیادہ نافع ہے اس کی ایک مثال ہے اور ہے تو فحش مگر بیان کئے دیتا ہوں۔ ایک تو ہے نکاح کرنے کے بعد بیوی پر عاشق ہونا کہ ماں باپ نے نکاح کر دیا اس کے بعد محبت ہو جاتی ہے اور ایک ہے عاشق ہو کر نکاح کرنا۔ دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسی قدر دوسری صورت میں ہوتی ہے۔ پہلی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ کیونکہ دوسری صورت میں مدتوں پیچھے پھر کر تکالیف اٹھا کر نکاح ہوگا تو وہ شخص جیسی بیوی کی قدر کرے گا پہلی صورت والا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بیعت بھی ہے کہ ایک تو وہ شخص کہ آتے ہی بیعت ہو جائے اور ایک وہ جو عاشق ہو کر بیعت ہو۔ پوری قدر اس کو ہو گی بیعت کی۔

واقعہ: ایک منشی صاحب خورجوی نے عرض کیا کہ حضرت چمڑے کی تجارت کی حالت بہت ابتر ہے مجھ کو ایک صاحب بارہ سال سے دہلی میں ملازمت کے لئے بلا رہے ہیں اور ۶۵

روپیہ تنخواہ دیتے ہیں۔ میں اس وجہ سے نہیں گیا کہ ان کے یہاں نوٹ میں بٹہ کے لینے دینے کا دستور ہے اور ہنڈوی آتی جاتی ہیں۔ ان میں سود کا حساب کتاب لکھنا پڑتا ہے اب وہ پھر بلا رہے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے دونوں باتیں ترک کردی ہیں مگر میرا جی نہیں چاہتا ترکِ اسباب ہی مرغوب معلوم ہوتا ہے آئندہ جیسے حضور کی رائے ہو مجھے مطلع فرمادیں۔

ارشاد: گھر والے بھی آپ کے آپ کی رائے ترک اسباب سے موافق اور خوش ہیں یا نہیں (منشی صاحب) گھر والے خوش نہیں ہیں (حضرت والا) گھر والوں کو خوش کرنے کے لئے کر لیجئے۔ اور اگر گھر والے بھی بالفرض خوش ہوں تب بھی دوستوں کو خوش کرنے کو ملازمت کر لیجئے میں تو دہلی کی نوکری سن کر بہت خوش ہوا۔ اور یہ منجانب اللہ ہے آپ کی خواہش تو ہے بھی نہیں۔

واقعہ: حضرت والا کے ایک ملازم نے اپنے والدین کو چند باتیں سخت کہی تھیں حضرت نے اس کے والد کو معہ اس کے بلا کر اس کو معافی چاہنے کو کہا۔ اس نے معافی چاہی اور والدہ کے پاس بھی بھیجا کہ معافی چاہو چنانچہ وہ گیا اور معافی چاہی۔

ارشاد: اگر والدین سے کسی وقت تکلیف بھی پہنچے تو اٹھاؤ۔ انہوں نے تمہارے لئے کتنی تکالیف اٹھائی ہیں۔ جو بات تم کہنا چاہتے تھے وہ دوسرے طریقہ سے کہہ دیتے بھائی اعتراض و استغناء کے طور پر کہنا ٹھیک نہیں صاف گو ہونا اچھا۔ مگر صاف گو نہ ہونا چاہئے۔ میں شفقت سے کہتا ہوں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دو۔ ماں سے بھی معاف کراؤ اس نے باپ سے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میں معافی چاہتا ہوں میں کبھی ایسا نہ کروں گا اور حضرت سے کہا کہ آپ جب چاہیں آئندہ تحقیق کر لیا کریں۔ پھر حضرت نے حاضرین سے کہا کہ اس کا لہجہ ہی کچھ ایسا ہے جس سے بدخلقی معلوم ہوتی ہے۔

ارشاد: جب مدرسہ کی ابتدا ہوئی تو بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس میں انگریزی بھی ہونی چاہئے۔ میں نے مصالح مدرسہ کے خلاف ہونے کے سبب سے منع کیا تو بعض لوگوں نے اس پر کہا کہ جب معاش اس پر موقوف ہے تو کیا کریں یہاں ایک شیعی تھے قصبہ کے بخشی وہ بولے کہ کیوں صاحبو اگر کوئی ایسا قانون ہو جائے کہ نوکری ملے گی کہ نصرانی بنو تو کیا آپ کو یہ بھی گوارا ہوگا سب لوگ اس کو سن کر چپ ہو گئے اور بخشی صاحب نے کہا کہ اگر کوئی امر شرعاً ممنوع ہے تو بالکل یہی مثال ہے۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ طلوع کے وقت جو نماز پڑھنا منع ہے تو اس کے

لئے کتنا وقت ہے۔

ارشاد: آفتاب اتنا روشن ہو جائے جس پر نگاہ کرنے سے نگاہ خیرہ ہو جائے۔

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ غیبت کہاں جائز ہے اور کہاں ناجائز؟

ارشاد: غیبت اصل میں جہاں مصلحت شرعی نہ ہو ناجائز اور جہاں مصلحت شرعی ہو جائز ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص کسی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے اور ہے وہ چور اور آقا کو خبر نہیں۔ اور ایک شخص کو اس کا حال معلوم ہے تو اس کو مطلع کر دینا ایسے عیوب پر جائز ہے البتہ غیبت کر کے اپنے غصہ کا فرو کرنا یہ بُرا اور بعض اوقات مقصود تو ہوتا ہے شفائے غیظ مگر تاویل سے کوئی دوسری بناء غیبت کرنے کے لئے نکالی جاتی ہے اور یہ قسم غیبت کی فقہاء اور علماء میں بہت ہے یہ اور بھی بُرا ہے۔ اس سے تو فساد ہی کی غیبت اچھی۔ کیونکہ یہ اس کو غیبت ہی نہیں سمجھتے اور فساق برا جانتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے غیبت کی پوری تفصیل کی ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ کسی کے مکان کو کپڑے وغیرہ کو بُرا کہنا بھی غیبت میں داخل ہے۔ اور کافر کی برائی جو کفر کے متعلق ہو وہ تو جائز ....اس کے علاوہ جائز نہیں اور اپنے اس بیان پر ان کے پاس دلائل ہیں۔

ارشاد: ایک زمانہ میں کسی شخص نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے بارہ میں استفتاء طلب کیا اور ایسے قیود سوال میں لکھیں کہ مولانا کو جواز کا فتویٰ دینا پڑا۔

اس فتویٰ پر بعض خواص بھی بدظن ہو گئے۔ بعض علماء سے سنا کہ حضرت پر تعجب کرتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ تو دیکھنا تھا کہ سوال کیا ہے ایک خان صاحب کو جو اپنی جماعت میں ہیں فتویٰ دیکھ کر غصہ آیا اور خط لکھا کہ جب آپ جیسے مقتداؤں کی یہ اجازت ہو گی تو عوام الناس کی کیا حالت ہو گی اور ڈاک میں خط ڈال دیا۔ اب ڈالنے کے بعد ہوش آیا۔ اور سمجھے کہ بڑی بے ادبی ہوئی کہتے تھے کہ میرے ہوش اڑ گئے کہ یا اللہ کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرا خط اور بھیجا کہ میں کسی حال میں تھا گستاخی سے خط لکھا گیا ہے۔ میرا کیا منہ ہے اکابر پر اعتراض کرنے کا خدا کے لئے معاف فرما دیجئے پہلے خط کا تو جواب نہ آیا۔ دوسرے خط کا جواب آیا کہ میں یقین دلاتا ہوں کہ جیسی پہلے خط سے مسرت ہوئی تھی دوسرے خط سے نہیں ہوئی کیونکہ مجھے پہلے معلوم ہوا کہ میرے احباب میں ایسے بھی ہیں جو متنبہ کرنے والے ہیں یہ حضرات ایسے حق گو ہیں۔ یہ ہے شان بزرگوں کی۔ اب تو یہ بات دیکھتے ہیں کہ کون کتنی تعظیم کرتا ہے۔ حالانکہ محبت اور خیر خواہی کی تو یہ بات ہے کہ جو اس قصہ میں معلوم ہوئی ہے۔

ارشاد: ثقات سے سُنا ہے کہ سید صاحب کاندھلہ تشریف لائے تھے اور ایک بہت بڑے عالم صاحب کے یہاں جو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے۔ ایک بار یہ قصہ ہوا کہ گھر میں سے ماما آئی اس کی گود میں بچہ تھا اس کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کے کڑے تھے سید صاحب نے مولانا سے فرمایا یہ تو حرام ہیں۔ مولوی صاحب نے سن کر ماما سے کہا کہ والدہ صاحبہ سے عرض کردو کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ کڑے پہنانا لڑکے کو حرام ہیں پھر تھوڑی دیر میں ماما آئی کہ آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو بلاتی ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ چلو میں آتا ہوں پھر تقاضے کو آئی سید صاحب نے فرمایا کہ ہوآیئے کچھ کام ہوگا انہوں نے کہا کہ کچھ بھی کام نہیں شادی کے لئے چاول کوٹے جائیں گے موسل میں ڈوری باندھنے کے لئے والدہ صاحبہ بلاتی ہیں۔

سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو شرک ہے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ ہر دفعہ یہ کیا کہہ دیتے ہیں کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شرک ہے ایک صاحب وہاں بیٹھے تھے انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ ہر دفعہ یہ کیا کہہ دیتے ہیں کہ سید صاحب یوں فرماتے ہیں۔ آپ کچھ نہیں فرماتے آخر آپ نے بھی تو پڑھا لکھا ہے اس وقت مولوی صاحب نے فرمایا سچ تو یہ ہے کہ ہم میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ ایک صندوق میں جواہرات بھرے ہوں مگر اس صندوق کو کچھ خبر نہیں کہ مجھ میں کیا ہے اور ایک جوہری ہے کہ سب کی حقیقت جانتا ہے پس ہماری مثال صندوق جیسی ہے کہ ہمارے اندر کتابیں وغیرہ سب کچھ ہیں مگر ہمیں پوری خبر نہیں اور یہ جوہری ہیں کہ ان کو سب کچھ خبر ہے۔ ہم صرف جواہرات کے حمال ہیں اور یہ نقاد ہیں اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میاں یہی قرآن و حدیث تھا کہ سید صاحب کی صحبت سے پہلے اور کچھ نظر آتا تھا۔ اور اب اور کچھ نظر آتا تھا۔ اور اب اور کچھ نظر آتا ہے کسی نے مجھ سے (یعنی صاحب ملفوظ سے) پوچھا تھا کہ مولویوں کو کیا ہوا جو حضرت حاجی صاحب کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ لوگ تو خود لکھے پڑھے ہیں وہاں کیا چیز ہے جس کے لئے وہاں جاتے ہیں وہ کون سی بات ہے۔

میں نے جواب دیا کہ میں ایک مثال بتاتا ہوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص تو وہ ہے۔ اس کے پاس تمام مٹھائیوں کی فہرست موجود ہے مگر اس نے چکھی ایک بھی نہیں اور ایک شخص وہ ہے کہ نام تو ایک مٹھائی کا بھی اس کو یاد نہیں مگر ہاتھ میں لئے ہوئے کھا رہا ہے بتلاؤ کہ آیا نام یاد رکھنے والا اس حقیقت جاننے والے کا مٹھائی کے فوائد حاصل کرنے میں محتاج ہے یا وہ حقیقت جاننے والے کا۔ ظاہر ہے کہ پہلا دوسرے کا محتاج ہے نہ کہ برعکس۔ اسی طرح ہم اہل الفاظ ہیں اور حضرت اہل معنیٰ۔ تو صاحب محتاج ہوتا ہے وہ شخص کہنے لگے کہ واقعی خوب حقیقت واضح ہوگئی جس سے علماء اور

عرفاء میں فرق سمجھ میں آ گیا۔

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں نے مختلف چیزوں کی دوکانیں مختلف کھلوادی ہیں مسائل کی دکان مولویوں کے پاس۔ اور تعویذ کی دوکان حاجی محمد عابد صاحب کے پاس۔ پس جس کو جو مراد لینا ہو وہ ان حضرات کے پاس جائے اور جسے نامرادی لینی ہو میرے پاس آئے۔ اس آخیر کلمہ کو سن کر بعض کو وحشت ہوئی ہوگی۔ مگر قلندرانچہ گوید، دیدہ گوید۔ حضرت نے خود ہی شرح فرمائی کہ عاشق ہمیشہ نامراد رہتا ہے کیونکہ جس درجہ پر پہنچتا ہے اس سے مافوق کا طالب ہوتا ہے پس نامرادی سے مراد عشق ہوا۔

حضرت حاجی صاحب کا مطلب یہ تھا جسے مسئلے کی ضرورت ہو مولویوں کے پاس جاؤ۔ اور جسے عاشق بننا ہو وہ یہاں آئے تعویذ پر قصہ یاد آیا وہ یہ کہ حاجی محمد عابد صاحب سے کہ میں ایک بدوی نے اونٹ کے لئے تعویذ مانگا۔ انہوں نے لکھ دیا۔ اس نے ایک روپیہ نذر کیا۔ حاجی صاحب نے واپس کر دیا وہ سمجھا کہ قلیل سمجھ کر نہیں لیا وہ خوشامد کرنے لگا۔ جب میں نے اس کو بڑی مشکل سے سمجھایا اور قلیل سمجھنے کا خیال اس کے دل میں سے بڑی مشکل سے نکالا۔ اس نے بڑی دعائیں دیں۔

نوٹ: ''یہاں تک مضمون جلوۂ یوسف کا تھا جو جلد سویم حسن العزیز سال سویم سے شروع ہوا ہے اور چار پرچوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اب چونکہ ناظرین سفر نامہ گورکھپور کے بہت شائق تھے۔ لہٰذا سردست ''جلوۂ یوسف'' کو بند کر کے سفر نامۂ گورکھپور شروع کرتے ہیں اس کے تمام ہونے کے بعد پھر موقع پر جلوۂ یوسف کو تمام کیا جائے گا۔

سفر نامۂ پانی پت

جزء خیر الحدورِ فی السفر الثالث الی گورکھپور

ماہ صفر ۳۷ھ نومبر ۱۹۱۸ء

کچھ عرصہ ہوا کہ شروع محرم سنہ رواں میں بڑی پیرانی صاحبہ اپنے ایک دنبل کے علاج کے لئے کانپور تشریف لے گئی تھیں اور خیال تھا کہ زنانہ شفاخانہ میں عمل جراحی کی ضرورت ہوگی۔ جراحی کے وقت حضرت والا کا موجود ہونا وہاں ضروری تھا۔ اس واسطے اس سفر کی ضرورت ہوئی اور یہ ناممکن تھا کہ حضرت والا تھانہ بھون سے کانپور تک کا سفر کریں اور درمیانی مقامات کے خدام نیز کانپور کے گرد و نواح کے بلکہ قریب کے دیگر اضلاع کے لوگ بھی کھنچ کر پروانہ وار نہ چلے آئیں

اور اپنے اپنے مقامات پر حضرت کو لے جانے کی تابمقدور کوشش نہ کریں۔ اور حضرت والا کے بھائی منشی اکبر علی صاحب گورکھپور میں قیام پذیر ہیں ان سے ملنے کے لئے گورکھپور جانا تو لابد تھا ہی کیونکہ ان کا تقاضا شدید تھا اس واسطے کانپور کا سفر کرنے کے وقت یہ ضرور تھا کہ صرف کانپور ہی کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ گورکھپور اور بعض دیگر مقامات تک جانے کا تہیہ کر لیا جائے۔ اور کچھ نہ کچھ وقت اس کے لئے بھی دیا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے باوجود بہت اختصار کے ایک مہینہ کی مدت کا اندازہ کیا گیا۔ اور چونکہ چھوٹی پیرانی صاحبہ آخر محرم میں بیمار ہو کر پانی پت تشریف لے گئی تھیں۔ اس واسطے ضرورت تھی کہ پانی پت بھی تشریف لے جائیں۔

لہٰذا اس سفر کی ترتیب یہ ٹھہری کہ تھانہ بھون سے پانی پت تشریف لے جائیں وہاں سے کانپور وغیرہ کا عزم فرمائیں۔ اہل پانی پت جیسے دیندار اور علم دوست اصحاب ایسے موقع کو کب ہاتھ سے جانے دینے والے تھے۔ عوام وخواص سب ہی تو ٹوٹ پڑے اور ایک ایک دن کر کے ایک ہفتہ سے زیادہ وقت لے لیا اور ان کے خلوص اور قلبی کشش کا یہ اثر ہوا کہ اس مدت میں پانچ وعظ بھی ہوئے حالانکہ حضرت کے معمول کے خلاف ہے کہ دو دن متواتر وعظ فرمائیں۔ لیکن بحمد اللہ حضرت کی صحت ان دنوں نہایت اچھی تھی۔ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ ایک دن چار پانچ گھنٹہ بیان ہوا۔ اور اگلے دن پھر کسی نے اصرار کیا تو عذر نہیں فرمایا۔

غرض ایک ہفتہ میں پانچ وعظ ہوئے احقر نے اس سفر کی خبر سن کر زیارت کے لئے تھانہ بھون حاضر ہونے کا ارادہ کیا تھا کہ اتنے میں معلوم ہوا کہ حضرت پانی پت پہنچ گئے۔ اس واسطے پانی پت کا ارادہ کیا اور بتاریخ ۲۰ صفر ۱۳۳۷ھ روز دوشنبہ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۱۸ء کو اسباب تیار کر لیا ۱۰ بجے دن کے اصحاب پانی پت کا ارجنٹ تار حضرت والا کے نام سے بندہ کے پاس پہنچا کہ کل کو وعظ ہے جلد آؤ۔ پھر کیا تھا۔ بندہ تیار تھا ہی ۱۰ بجے دن کے ریل سے روانہ ہوا۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب اور حافظ عبداللہ صاحب ملازم خواجہ صاحب بھی ساتھ تھے ہم سب ۹ بجے شب کو حضور میں پہنچ گئے۔ اس سفر میں حضرت کے ساتھ حافظ صغیر احمد صاحب ساکن مظفر نگر اور تین صاحب اور تھے۔ یہ چاروں صاحبان تھانہ بھون سے ہم رکاب ہوئے تھے اور بندہ پانی پت میں پہنچا۔ بندہ کے پہنچنے سے پہلے کچھ ملفوظات حافظ صغیر احمد صاحب نے لکھے بعد ازاں تمام زمانہ قیام پانی پت کے واقعات وملفوظات بندہ نے لکھے۔ لیکن پانی پت سے آگے بندہ نہ جا سکا۔ لہٰذا میرے بھائی محمد یوسف کانپور میں جا کر ساتھ ہو گئے۔ اور تمام سفر کانپور اور فتح پور، اور گورکھپور وغیرہ کے واقعات و

ملفوظات اور مواعظ انہوں نے لکھے اور سفر کے اخیر حصہ میں وہ بھی علیحدہ ہو گئے تو اس وقت خواجہ صاحب پہنچ گئے بقیہ حصہ ملفوظات وواقعات کا نیز ایک وعظ خورجہ کا خواجہ صاحب نے لکھا۔ الحاصل یہ سفر نامہ ہم چار شخصوں کا لکھا ہوا ہے۔ حافظ صغیر احمد صاحب اور بندہ اور مولوی محمد یوسف مختصر نویس اور خواجہ صاحب کا۔ ہر ایک کی تحریر کا تب کا نام لکھ دیا جائے گا۔ اول تحریر حافظ صغیر احمد صاحب کی ہے۔ اس کل سفر نامہ کا حضرت والا نے سالہائے گذشتہ کے دو سفر ناموں کے نام (خیر العبور، اور خیر المرور) کے وزن پر ''خیر الحدور فی السفر الثالث الی گورکھپور'' تجویز فرمایا۔ اتفاق سے سر دست خواجہ صاحب کے لکھے ہوئے ملفوظات وغیرہ کی تبیض نہ ہو سکی۔ کسی اور موقع پر ہدیہ قارئین ہوں گے۔

ملفوظات بقلم حافظ صغیر احمد صاحب

ساکن تسنگ ضلع مظفر نگر

۱۔ فرمایا میں نے اصول زیادہ تر دوسروں کے لئے مقرر کئے ہیں اور دوسری منتظم قوموں کے یہاں اپنے آرام کے لئے۔ یہاں خدا کے لئے اور وہاں دنیا کے لئے۔

۲۔ فرمایا میں اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں تا کہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ دھوکہ بازی سے مجھ کو سخت نفرت ہے حتی کہ گناہوں کی نفرت سے بھی بڑھ کر بس ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے۔

۳۔ فرمایا میرے یہاں تعلیم میں بہت سہولت ہے۔ مگر جو بعض الجھتے ہیں وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کو توجہ طلب نہیں ہوتی۔

۴۔ فرمایا میں تو اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ آجکل داڑھی اور پائچے اور تسبیح کے بزرگ بہت ہیں اخلاقی بزرگ کا پتہ نہیں ہزاروں میں کہیں ایک آدھ ہوتے ہیں۔

۵۔ فرمایا جو شخص اپنی اصلاح کی طرف خود توجہ نہ کرے ان کی اصلاح بزرگ سے تو کیا نبی سے بھی نہیں ہو سکتی دیکھئے ابو طالب باوجودیکہ مخالف بھی نہ تھے۔ مگر پھر بھی بے توجہی سے ہدایت نہ ہوئی۔ اور اگر توجہ اور خواستگاری ہو تو بزرگ تو بڑی چیز ہیں جانوروں سے بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ فرمایا میں بہت دنوں سے تجربہ کر رہا ہوں مجھے تو ایسا ہی ثابت ہوا ہے۔

۶۔ کسی صاحب نے خط میں حضرت سے ایسی بات کی درخواست کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور ان کو بڑے اہتمام سے لکھا۔ اور اپنا عجز و انکسار بہت کچھ اس میں تحریر کیا تھا۔ حضرت

نے جواب میں تحریر فرمایا کہ افسوس ہے کہ جس بات کی آپ نے مجھ سے درخواست کی وہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ پھر فرمایا کہ جواب پڑھ کر گالیاں دیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کی توجہ بہت ضعیف ہے۔

۷۔ فرمایا اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے کہ تحریر، تقریر، رفتار، گفتار، نشست و برخاست ایسی ہو کہ پڑھنے والے۔ دیکھنے والے۔ سننے والے کو ذرا الجھن نہ ہو اور کسی کی دل شکنی کا باعث نہ بنے اکل حلال کا بہت خیال رکھے کہ یہ طاعت کرنے کا آلہ ہے اور گناہوں سے بچنے کا اوزار ہے۔ لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین اسی کی زیادہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ اگر اچھا لقمہ کھائے تو اچھے کام اعضاء سے ظاہر ہوں گے اور خراب لقمہ کھائے گا خراب کام اعضاء سے ظاہر ہوں گے۔ حضرت مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

زاید از لقمہ حلال اندر دہان ☆ میل خدمت عزم رفتن آنجہاں

اور کچھ دن صحبت شیخ میں ضرور رہے اس سے بہت فائدے ہوں گے شیخ کے طرزِ انداز سے واقفیت ہوگی۔ مناسبت ہوگی۔ حجاب و تکلف جو درمیان میں ہے وہ دور ہو جائیں گے۔ اور یہی ذریعہ حصولِ مقصود کا ہے کچھ دن قیام کے بعد اگر شیخ سے غائب رہ کر بھی کام کرے گا۔ تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کام ہو جائے گا خلاصہ یہ ہے کہ تانبے سے کندن جب ہی ہوگا جب صحبت میں رہے گا ؎

گفتم کہ مشکے یا عبیری ☆ کہ از بوئے دلآویزے تو مستم

بدو بگفتا من گل ناچیز بودم ☆ ولیکن مدتے با گل نشستم

۸۔ فرمایا صاحب حال جب ہی ہوگا جب کچھ دن شیخ کے پاس رہے کیونکہ میاں بیوی میں اگر نکاح دور ہی سے ہو اور دور ہی دور رہیں تو لڑکا نہیں ہوگا۔ لڑکا جب ہی ہوگا جب دونوں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں۔

اشعار ذیل کا یہی حاصل ہے ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بیریا

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است ☆ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

۹۔ فرمایا عمل آخرت میں مشغول رہے دنیا کے فضول جھگڑوں کو دور کرے اور اس شعر کو اپنا معمول کرے۔

ما ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم ☆ دستار نداریم غم پیچ نداریم

۱۰۔ فرمایا دنیا کو سرائے اور مسافر خانہ سمجھے اور آخرت کو اپنا گھر سمجھے اگر ان دونوں باتوں کو خوب ذہن نشین کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ساری مصیبتیں حل ہو جائیں۔ جس طرح دنیا کے سفر کی مصیبتیں وطن کا آرام خیال کر کے ہوا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح آخرت کے آرام کا خیال کر کے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت ان شاء اللہ تعالیٰ آسان ہو جائے گی۔ ساری خرابیاں آخرت کے بھلانے سے اور دنیا کے پیش نظر رکھنے سے ہوتی ہیں۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھے ان شاء اللہ تعالیٰ تقدیم آخرت کی برکت سے دنیا بھی ٹھیک ہو جائے گی اور حدیث شریف میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ **من جعل الھموم ھماً واحد اھم الآخرۃ کفاہ اللہ ھم دنیاہ** اور اگر دنیا کو دین پر مقدم کرے گا۔ تو دنیا تو تقدیر سے زیادہ نہ ملے گی۔ مگر آخرت تو بالکل برباد ہو جائے گی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

۱۱۔ فرمایا کہ طالب کو مطلوب نہیں بننا چاہئے۔ اس سے بجائے نفع کے نقصان ہے۔ امر ذیل میں ایک درجہ تک استغناء چاہئے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو ☆ دارو گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

۱۲۔ فرمایا کہ بجائے سلام کے آداب کہنا یا لکھنا بدعت ہے کیونکہ تغییر ہے مشروع کی۔ البتہ بعد سلام کے اس قسم کے آداب کے کلمات لکھنے کا مضائقہ نہیں ہے۔

۱۳۔ فرمایا مثنوی شریف پر بحر العلوم کا حاشیہ ہے۔ بحر العلوم محقق شخص تھے حضرت حاجی صاحب سے تعریف سنی ہے لیکن بعض ظاہریت غائب ہے کہیں وہ فن سے نکل جاتے ہیں۔ اور ولی محمد ایک محشیٰ ہیں وہ فن سے بہت مناسبت رکھتے ہیں۔ لیکن غلو کرتے ہیں شریعت سے نکل جاتے ہیں اور حضرت حاجی صاحب جامع مسجد ہیں مسئلہ کے خاص مرکز پر بھی رہتے ہیں پھر شریعت کے خلاف بھی نہیں ہوتا یہ جامعیت کی بات ہے۔

۱۴۔ فرمایا ایک مشہور قول ہے۔

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند ☆ روز و شب در چق چق و در بق بق اند

ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل دنیا کو کافر کہا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کافران مطلق کو اہل دنیا کہا ہے یعنی پورے اہل دنیاوی ہیں جو بالکل کافر ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اہل دنیا خبر اور کافرانِ مطلق مبتداء ہے نہ کہ عکس۔

۱۵۔ فرمایا کہ بعض لوگ اچھے ہی لوگوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ عیب گوئی سے عیب جوئی سے انہیں کوستاتے رہتے ہیں۔

۱۶۔ فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے بعضے بزرگوں کا ایسا رعب پڑتا ہے کہ بڑے بڑے دنیادار عظمت والے ان کے سامنے بول تک نہیں سکتے۔

۱۷۔ فرمایا بزرگوں کے کلام میں اثر ہوتا ہے بعض معمولی باتیں کرتے ہیں۔ ان میں بھی اثر ہوتا ہے۔

۱۸۔ فرمایا ہدیہ لینے میں توسع ہرگز مناسب نہیں۔

۱۹۔ فرمایا کہ دو چیز اہل علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہئے۔

۲۰۔ فرمایا گناہوں کے علاج میں بے پروائی نہ کرے جہاں تک ہو جلدی توبہ کرے ورنہ سخت مشکل پیش آئے گی۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل ☆ چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

۲۱۔ فرمایا ذکر واشغال میں کسی سنت کا ترک نہ ہونے دے اور اس بات کو خوب سمجھ لے کہ اگر ترک سنت کر کے ذکر وغیرہ کرے گا تو خاک نفع نہ ہوگا خصوص معاصی و ایذا رسانی سے بہت اجتناب کرے بیماری و مصائب کو زیادہ موجب قرب سمجھے اور اس بات کا پکا یقین کرے کہ جو درجہ برسوں کے مجاہدہ کرنے سے حاصل نہ ہوتا وہ تھوڑے دنوں کی بھاری مصائب اٹھانے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۲۔ فرمایا تعلیم دین کا کام دیندار ہی کر سکتا ہے دنیادار سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

۲۳۔ فرمایا اگر کوئی مرجاتا ہے تو لوگوں کا یہ حال ہے اور یہ رسم جہالت اختیار کر رکھی ہے کہ اگر پردیس میں کہیں ملازم ہووے تو نوکری وغیرہ کو چھوڑ کر اور گھر پر آ کر مکان کا قفل کھول کر بیٹھے ہیں کہ اگر کوئی آیا تو کس کے پاس آئے گا۔ مطلب اس کا یہ ہوا کہ سوگ منایا جاتا ہے۔ اسی رسم جہالت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ میرا مذاق تو یہ ہے کہ خدا نہ کرے کہ اگر گھر کے تمام آدمی مرجائیں تو میں مکان کو قفل لگا کر تین سو چار سو کوس پر چلا جاؤں گا۔ تاکہ جو کوئی آئے گا قفل لگا ہوا دیکھے اپنا سا منہ لے کر چلا جائے۔

۲۴۔ فرمایا کہ میں کسی کے معاملہ میں مشورہ یا دخل نہیں دیتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی زبان کا اس زمانہ میں بالکل پاس نہیں رہا۔ اور جو شخص کسی کام کے بیچ میں پڑتا ہے وہ اس کا بطور

ذمہ وار کے ہو جاتا ہے تو جو کچھ بُرائی بھلائی ہوتی ہے اس کے ذمہ پڑی ہے اس لئے میں نے تو اس سے بالکل پرہیز کرلیا ہے۔

۴۵۔ فرمایا علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے، جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ مذہب برباد ہو گئے۔ (تحریر حافظ صغیر احمد صاحب کی ختم ہوئی)

سفرنامہ بقلم احقر محمدؐ مصطفےٰ

۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ روز سہ شنبہ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ء شب سہ شنبہ میں ۹ بجے کے بعد ہم تینوں یعنی احقر محمد مصطفیٰ اور خواجہ عزیز الحسن صاحب اور حافظ عبد اللہ صاحب پانی پت پہنچے۔ حضرت والا آرام گاہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ ہم تینوں کا باہم یہ مشورہ ہو چکا تھا کہ کھانا پانی پت کے بازار میں کھا کر چلیں گے۔ تاکہ میزبان صاحبان پر یا حضرت والا پر بے وقت بار نہ پڑے۔ لیکن حضرات پانی پت نے ایک صاحب کو اسٹیشن پر ہم لوگوں کے لئے بھیج دیا تھا۔ ان سے یہ ظاہر کیا گیا کہ ہمارا ارادہ یہ ہے تو انہوں نے اس کو گوارا نہ کیا۔ لیکن ہم لوگوں نے اپنی اس تجویز پر زیادہ اصرار کیا تو وہ خاموش ہو رہے۔ اور فرمایا بہت اچھا جس میں راحت ہو۔ مگر تمام بازار میں سے یہی کہتے کہتے نکال لے گئے کہ نانبائی کی دوکان آگے ہے حتیٰ کہ محلہ مخدوم زادگان میں فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ جہاں حضرت والا کا قیام تھا۔ اور وہ ہماری تجویز جوں کی توں رہی۔ ان سے عرض کیا گیا کہ اس وقت حضرت والا کو ہم لوگوں کے آنے کی خبر نہ کیجئے کیونکہ آرام میں خلل پڑے گا۔ مگر حضرت کو کسی طرح خبر ہو ہی گئی اور حضرت نے ہم کو فوراً بالا خانہ پر آرامگاہ میں بلایا۔ ہم خدام تقریباً ۱۵ منٹ بیٹھ کر اٹھ آئے۔ دریافت فرمایا۔ گھر میں کچھ کھانا بچا بچایا ہوگا۔ وہ کھا لیجئے چنانچہ گھر میں سے کھانا آیا۔ اور ہم تینوں نے نیچے کے مکان میں بیٹھ کر کھایا۔ اس وقت یہ کھانا تھا گوبھی، گوشت، دال، کھیر، ایک ترکاری گوشت میں پڑی ہوئی جلیبی۔ اس کے بعد ہم تینوں نشست گاہ میں سو رہے۔

صبح کی نماز حضرت والا نے پڑھائی اور سورۂ واقعہ اور سورۂ حاقہ پڑھی بعد نماز فجر ہوا خوری کے لئے بجانب شمال راستہ چھوڑ کر مزروعہ زمینوں میں تشریف لے گئے۔ راستہ میں کسی نے ایک دائم المرض شخص کے عمل کے لئے پوچھا تو فرمایا بعد نماز فجر کے گیارہ بار الحمد پڑھ کر پانی پر دم کر کے پیا کریں۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا صرف گیارہ بار، فرمایا۔ ہے تو اصل عمل اکتالیس بار۔ مگر میں

نے آسانی کے لئے اتنا کم کر دیا ہے۔

ایک قبرستان میں پہنچے۔ جس میں مولوی یحییٰ صاحب (یہ ایک صاحب حضرت کے شناساؤں میں سے تھے) وغیرہ کی آٹھ قبریں برابر، برابر تھیں۔ سب قبروں سے آگے مغرب کی طرف پشت اور قبروں کی طرف منہ کر کے حضرت والا کھڑے ہوئے اور کچھ پڑھتے رہے۔ جس میں سب سے اول لفظ السلام علیکم تھا۔ ٹھیک دو منٹ کے بعد وہاں سے چل دیئے۔ دعا وغیرہ حسب رواج ہاتھ اٹھا کر نہیں مانگی۔

ایک باغ میں پہنچے یہ باغ صنعت کے ایک شوقین شخص کا تھا۔ اشجار کے متعلق بہت ہی صنعتیں اس میں موجود تھیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھی کہ سنترہ کے درخت ہاتھ ہاتھ بھر کے تھے۔ جن میں صرف دو چار پتے تھے۔ اور ہر درخت میں دو تین سنترے بڑے بڑے لگے ہوئے تھے۔ اس جسامت پر اتنا بوجھ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ یہ بات قلم لگانے کی ایک خاص ترکیب سے ان میں پیدا ہوئی تھی۔ فرمایا سبحان اللہ ان پر بڑی جلدی پھل آتا ہے۔ یہ نابالغوں کی اولاد ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے آج کل کے قانون میں انسانوں کے بھی نابالغی کی حالت میں اولاد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قانونی بلوغ اٹھارہ برس کی عمر میں ہوتا ہے اور اولاد اس سے پہلے ہو جاتی ہے۔ یہ آج کل کے اہلِ عقل، اہل عقل نہیں ہیں۔ اہل اکل ہیں۔ باغ والے نے آٹھ دس سنترے نذر کیے۔

ہوا خوری سے لوٹتے میں احقر سے فرمایا میں نے ایک چلہ سکوت ایجاد کیا ہے۔ اس کے متعلق منشی عزیز الرحمٰن صاحب ساکن انچولی ضلع میرٹھ کا خواب (اس خواب کا خلاصہ الملفوظ میں مذکور ہے) بھی آپ نے سُنا۔ عرض کیا جی ہاں سنا ہے اور کیسا صریح خواب ہے۔ فرمایا لوگ مجھے کہتے ہیں کہ بڑا سخت کام لیتا ہے یہ چلہ ایسا نکالا ہے کہ بہت ہی مشکل ہے اس میں آدمی کا کیا جی گھبرائے گا۔ میں نے کہا جی اس کا گھبرائے گا جس کا جی خالی ہے اور ذاکر کا تو جی خالی نہیں ہوتا۔ اس کا اس میں اور جی لگے گا۔ پھر فرمایا کہنے دو لوگوں کے کہنے کی کہاں تک پرواہ کی جائے۔

الحمد للہ متقدمین کی سنت زندہ ہوتی ہے۔ اگلے لوگ تو بڑی بڑی محنتیں لیتے تھے۔ احقر نے عرض کیا۔ کیا چلہ سکوت بھی پہلے کسی نے کرایا تھا۔ فرمایا نہیں یہ چلہ تو نہیں کرایا۔ مگر قلت کلام کے بڑے بڑے اہتمام کیے۔ اور سخت تاکید کی ہے۔ اب یہ انتظامی امر ہے کہ پہلے اور طرح سے اس کے اہتمام کیے گئے۔ اور اب یہ صورت تجویز کی گئی ہے۔

ہوا خوری سے لوٹ کر بالائے قلعہ متصل مسجد شاہی کہنہ حافظ اسحاق صاحب کے مکان پر

پہنچے۔ ان کے یہاں اس وقت دعوت تھی (اس وقت ایک گھنٹہ دن چڑھا تھا اور پونے آٹھ بجے تھے) انہوں نے زنانہ مکان میں فرش وغیرہ کر رکھا تھا۔ پردہ کرا کر وہاں بٹھایا۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ کھانے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ صرف پانی گرم ہو رہا ہے۔ تو کسی نے کہا کہ ابھی تو پانی ہی گرم ہو رہا ہے۔ صاحب خانہ نے کہا نہیں حضرت کھانا بھی تیار ہے ہاتھ دھونے کے لئے پانی گرم کیا جا رہا ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دینداری کا اثر ہے کہ جیسے کہا ویسے کر لیا ان حافظ صاحب نے دعوت کی تھی تو میں نے کہا کہ کھانا سویرے مل جائے۔ چنانچہ یہی کیا۔ اور کھانا تیار ہے۔ اہل دنیا ایسا کبھی نہ کرتے وہ تو اپنے وقت پر ہی کھلاتے وہ خود مہمان کے تابع نہیں ہوتے بلکہ مہمان کو اپنا تابع بناتے ہیں حالانکہ یہ الٹی بات ہے مقصود تو مہمان کو راحت پہنچانا ہے۔ پھر اس کی راحت اس میں ہو سکتی ہے کہ وہ آزاد رہے یا اس میں مقید ہو جائے۔ پس مسلمانوں کا طریقہ تو یہ ہے کہ سیدھا سادہ کام کر لیا۔ مہمان سویرے کھانا چاہتا ہے تو جو سہولت سے تیار ہو سکا۔ اسی وقت تیار کر دیا۔ حافظ صاحب سے میں نے عرض کیا تھا کہ کھانا سویرے ملے اور یہ جب ممکن ہے کہ کچھ تکلف نہ کیا جائے۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ کھچڑی پکوالی جائے۔ انہوں نے اس کو بخوشی منظور کر لیا یہ ہے دعوت جس سے قلب کو بشاشت ہوتی ہے۔ پھر ہاتھ دھلائے گئے اور کھانا لایا گیا تو یہ کھانے تھے۔ شوربا۔ روٹی۔ پلاؤ۔ زردہ۔ اور بالائی۔ حضرت نے فرمایا۔ سبحان اللہ یہ کھچڑی پکائی ہے جس کا وعدہ تھا۔ نئی قسم کی کھچڑی ہے۔ کمال کیا یہ کھانے اتنے سویرے پک کیسے گئے۔

رات سے سامان کیا ہوگا۔ سارے گھر نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ میں نے تو سہولت کے لئے کھچڑی تجویز کی تھی۔ مگر والوں نے کمال ہی کر دیا کہ اپنے من مانے کھانے بھی پکائے اور جو میری غرض تھی کہ سویرے مل جائے وہ نہ جانے دی آج نئی قسم کی کھچڑی کھائی۔ خیر مزہ تو زیادہ اسی میں ہے۔ کھانے کے بعد چائے آئی تو فرمایا کہ میری تو عادت چاء پینے کی نہیں ہے مگر میزبان کی طیب خاطر کے لئے ایک گھونٹ پئے لیتا ہوں۔

اور سب حضرات پئیں۔ مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی کا ذکر دیر تک ہوتا رہا۔ ایک خواب بھی ان کا بیان فرمایا۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ دیکھا کہ ایک مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور دیگر اکابر بھی ہیں۔ جیسے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ مولوی شبیر احمد صاحب نے کھڑے ہو کر وعظ کہا اور وہاں ایک جنازہ بھی

رکھا ہوا ہے۔ مولانا کے وعظ سے اس میں جان پڑ گئی اور وہ ان کے سامنے آ کر تڑپنے لگا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیان کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے معنیٰ یہ ہوتے تو اچھا تھا۔ اور اس کی تصدیق دیگر اکابر نے بھی کی۔ فرمایا حضرت والا نے کہ یہ خواب مجھ سے کہا گیا تو میری سمجھ میں اس کے بعض اجزا کی تعبیر نہیں آئی۔ اول وہلہ میں نہیں آئی تھی مگر بعد میں آ گئی۔ مثلاً جنازہ کے اٹھنے اور تڑپنے سے مراد یہ سمجھ میں آئی کہ مراد مایوس العلاج مریض ہے ان شاء اللہ مولانا سے ایسوں کو بھی نفع ہوگا۔ پھر فرمایا تعجب ہے، کہ فلاں صاحب کے بعض اعزاء حتیٰ کہ ان میں کے اہل علم بھی ان کے اس موجودہ مذاق کے خلاف ہیں۔ اور اس کے مانع ہوتے ہیں۔ حالانکہ اہل علم کے لئے یہ مذاق نہایت ضروری ہے۔ بلکہ ہر مسلمان میں یہ مذاق ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ مذاق تو ہر انسان میں ہونا چاہئے وہ بھی کیا انسان ہے جس میں تصوف کا مذاق نہ ہو۔ اور جو لوگ زیادہ مانع بھی نہیں ہیں وہ بھی ان کو رائپور کی طرف کھینچتے ہیں وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں تھانہ بھون اور رائپور میں بالکل فرق نہیں کرتا۔

لیکن مجھ جیسے طبیعت والے کے لئے مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کیسے اخلاق تربیت کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ جب میں جاتا ہوں تو وہ میری تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں فرمایا حضرتِ والا نے کسی کے لئے ایک دفعہ تو میں بھی کھڑا ہو جاتا ہوں۔ پھر نہیں کھڑا ہوتا۔ اور یہ بھی تعظیماً نہیں بلکہ کبھی غلبۂ محبت ہوا تو کھڑا ہو گیا۔ ورنہ ایک دفعہ بھی نہیں کھڑا ہوتا۔ اور فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے ان کو اس (یعنی مولانا نے) چھڑایا۔ میں دعویٰ تو نہیں کرتا مگر وثوق سے کہتا ہوں کہ میں نہ ہوتا تو وہ صاحب دیوبند میں نہ رہتے۔ ان کے خیالات دور دور کے تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو سامنے بادشاہی پرانی مسجد تھی۔ یہ بہت اونچے پر واقع ہے۔ اور آس پاس اس کے آبادی باقی نہیں ہے۔ لوگ حضرت کو مسجد کے اندر لے گئے۔ مسجد کی فضا اور غیر آباد جگہ دیکھ کر فرمایا یہ مسجد تو رہنے کی جگہ ہے۔ یہ تو اللہ اللہ کرنے کی جگہ ہے (راقم کہتا ہے کہ اس کی حضرت کو نہایت درجہ تڑپ ہے کہ تنہائی کا موقع ذکر کے لئے ملے۔ بقولیکہ ؎

میں ہوں صنم ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو ☆ ایسی جگہ ملے کہ کوئی بھی وہاں نہ ہو

چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون میں بعد مغرب ایک ذاکر خوش الحانی کے ساتھ ذکر کر رہے تھے۔ اور احقر حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا۔ حضرت بار بار اس کی طرف دیکھتے تھے۔ اور حسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ بعض کو حق تعالیٰ نے اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ ذکر کریں۔ دعا کیجئے کہ یہ دولت مجھے

بھی نصیب ہو۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرت کا اٹھنا بیٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ جاگنا سونا۔ بھی ذکر ہی ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ صحیح مگر ذکر لسانی کو بھی تو جی چاہتا ہے۔ یہ ایسے درد کے لہجہ سے فرمایا کہ احقر کے آنسو نکل آئے۔ ایسے ہی بہت سے موقعوں پر جہاں تنہائی اور یکسوئی کا موقعہ ہوا تو فرمایا کرتے کہ یہ تو رہنے کی اور اللہ اللہ کرنے کی جگہ ہے) اس کے بعد فرودگاہ میں پہنچے۔ اس وقت ذرا فرصت تھی۔ خواجہ صاحب نے اپنا وہ مضمون سُنایا جو الکلام الحسن کی تمہید میں مقفا لکھا تھا۔ جس میں اکیاون قافئے بازار، بھرمار، گلزار، وغیرہ تھے۔ اس کا ختم ایک دعا پر تھا جس کے آخر میں **تجری تحتھا الانھار** سے فرمایا کہیں تو ہار۔ آپ تو انہار ہیں۔

اور فرمایا آپ نے اپنی عبارت کو عربی کے ''انہار'' پر ختم کیا۔ میں نے انہار کو اردو کر دیا۔

اور خواجہ صاحب نے اپنی مثلث نعت مصنفہ حال بھی سنائی جس کا مطلع یہ ہے

ہو نعت بشر کیا کوئی شایانِ محمد ☆ ہے خود ہی خدا جبکہ ثنا خوانِ محمد

میں اور میرے باپ ہوں قربانِ محمدؐ

( ) اور جملہ حضار مجلس بہت محظوظ ہوئے اسمیں ایک یہ بھی بیت تھا۔

( ) حق قوتِ فیضانِ محمد ☆ ایماں سے مشرف ہوا شیطانِ محمدؐ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بندش بیڈھب ہے، ان دونوں لفظوں کا اقتران بہت

گو مضمون بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ جوڑ ایسا آنا پڑا ہے کہ خواہ مخواہ دل میں ( ) ہے اور اس میں مجھے کچھ مخالف کے اعتراض کا خیال نہیں بلکہ یہ طبعی ادب کا مقصود ہے۔ کہاں شیطان اور حضور کا نام مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ جانیے حضور کی تعلیم کی نسبت کرنا بھی دل میں کھٹکا کرتی ہے۔ گو ضرورتاً کی جاتی ہے کیونکہ کہاں حضور کی شان اور کہاں نعل جیسی مبتذل چیز اور لفظِ شیطان کو تو کیا کہوں۔ میری کچھ ایسی طبیعت ہے کہ اگر تحریر میں کہیں ایک لفظ وہ آتا ہے جس کے معنی قبیح کے ہوں اور دوسرا وہ جس کے معنی حسن ہوں تو میں حتی الامکان دونوں کو جمع نہیں کرتا کم سے کم یہ کرتا ہوں کہ دونوں کے بیچ میں کسی اور لفظ کا فصل کر دیتا ہوں خواجہ صاحب نے اس بیت کو اس طرح کر دیا

مومن ہوا شیطاں بھی جو تھا آپ کی ہمرا ☆ ہے قدرتِ حق قوتِ فیضانِ محمدؐ

(صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو حضرت نے پسند فرمایا۔

سوال؟ لولاک لما خلقت الافلاک۔

حدیث ہے یا نہیں ۔فرمایا یہ حدیث نہیں ہے۔ یہ لفظ نہیں ہیں حدیث کے ہاں اس مضمون کی حدیث اور (ٹ اس حدیث سے بانضمام ایک مقدمہ عقلیہ کے ہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ وہ مقدمہ عقلیہ یہ ہے کہ جن دو چیزوں میں تقدم وتاخر واقع ہوتا ہے تو اور میں شئے متاخر شئے متقدم پر موقوف ہوا کرتی ہے گو کسی طرح کا توقف ہو۔ اور چونکہ حضور تو ان قبلیت کا ذکر مقام مدح میں ہے اس لئے اس قبلیت سے حضور کا ایجاد میں اصل ہونا۔ اور کی دوسروں کا تابع ہونا بھی مفہوم ہو گیا ہے۔) ہے۔ اس کو عبد الرزاق نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ( ) کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ( ) اول کیا چیز حق تعالیٰ نے پیدا کی ۔فرمایا یا جابر ان اللہ تعالیٰ ( ) نور نبیک من نورہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے ( ) تیرے نبی کا نور ہے اس کو میں نے نشر الطیب میں لکھا ہے۔ احقر نے عرض کیا اول (ما خلق) اللہ نوری تو حدیث کا لفظ ہے فرمایا یہ لفظ تو یاد نہیں ہے۔ مگر ( ) حدیث کا ہے۔

ایک شخص نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ پانچوں نماز کے وقت میں میرے ایک درد ہوتا ہے مطلب یہ تھا کہ کوئی عمل بتا دیجئے۔) فرمایا وہ درد نماز ہی میں ہوتا ہے یا خارج نماز کے بھی۔ کہا خارج نماز کے بھی ہوتا ہے۔ فرمایا یہ تو علامت ہے مرض کی کسی شیطان یا جن کا اثر نہیں معلوم ہوتا کسی طبیب سے رجوع کیجئے۔ عرض کیا طبیب کی طرف رجوع کیا۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ مرض نہیں ہے۔ فرمایا کئی طبیبوں سے رائے لیجئے۔ اگر سب یہی کہیں تو میں حاضر ہوں پونے بارہ بجے کے قریب حضرت والا زنانہ مکان میں استراحت کے لئے تشریف لے گئے بعد نماز ظہر حافظ لقاء اللہ صاحب کی بیٹھک میں تشریف فرما رہے۔ آج ڈاک غالباً نہیں آئی تھی اس وجہ سے فرصت تھی۔ حاضرین سے نہایت بے تکلفی سے پر تکلف باتیں کرتے رہے۔ حافظ لقاء اللہ صاحب کا صاحبزادہ آ گیا جس کی عمر تقریباً چار پانچ سال کی ہو گی۔ وہ نہایت ہی باتون اور ہر دلعزیز اداوالا بچہ ہے۔

سب لوگ اس سے ہنس بول رہے تھے۔ حضرت بھی اس سے ملاعبت مزاح فرما رہے تھے حتیٰ کہ قلم حضرت کے ہاتھ میں تھا سیاہی سے اس کے داڑھی مونچھ لگائی اور فرمایا جاؤ گھر میں جا کر آئینہ دیکھو۔ ایک پلیٹ میں کسی سوداگر نے تقریباً پچیس پیڑے بھیجے اور کہا کہ یہ آپ کے اور آپ کے ہمراہیوں کے لئے ہیں حضرت نے لانے والے سے فرمایا آپ خود تقسیم کر دیں اور جو بچیں وہ میرے یہاں بھیج دیں میں تقسیم کا بار اپنے اوپر نہیں رکھتا۔

آج شام کی دعوت ایک غریب عورت کے یہاں تھی۔ یہ بی بی حضرت سے بیعت تھیں اور مدت سے اس تمنا میں تھی کہ حضرت کو مع ہمراہیان کے اپنے مکان پر بلا کر کھانا کھلاؤں اور بعد ظہر کے انہوں نے دریافت کرایا کہ کھانا کس وقت کھائے گا۔ چونکہ آج رات کو وعظ ہونے والا تھا۔ اس واسطے فرمایا کہ میں تو کھانا بعد وعظ کے کھاؤں گا۔ ہمراہیان چاہیں تو بعد مغرب کھالیں۔ پھر فرمایا اگر سب کا اجتماع ہی مقصود ہے تو ایک یہ صورت ہے کہ عصر کے وقت سب کو کھلا دیں۔ میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ اس صورت میں وعظ کے وقت تک اس کی گرانی نہ رہے گی۔ مگر اس کی صورت یہ ہے کہ صرف ایک چیز مثلاً دال پکالیں۔ ورنہ عصر کے وقت کھانا تیار نہیں ہوسکتا۔ وہاں سے جواب آیا کہ آپ تو عصر کے وقت کھالیں اور ہمراہیان بعد مغرب کھالیں گے اس کو حضرت نے پسند کیا اور فرمایا کہ سمجھ بھی بڑی نعمت ہے کیسی اچھی تجویز ہے۔

۲۲ صفر ۳۷ھ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۱۸ء یوم چہار شنبہ

شب چہار شنبہ میں بعد نماز عشاء ۱۱ بجے تک درگاہِ مخدوم صاحب میں وعظ جمال الجلال ہوا۔ جس کو احقر نے ضبط کیا۔

فجر کی نماز میں حضرت والا نے سورۂ ملک اور سورۂ دہر پڑھی ۶ بجے ۴۰ منٹ پر نماز فجر ختم ہوئی اور طلوع اس روز ۶ بج کر ۵۹ منٹ پر تھا۔ بعد نماز فجر ہوا خوری کے لئے بجانب جنوب تشریف لے گئے۔ ہوا خوری کے وقت ایک شخص ایسے ساتھ ہوتے تھے جو تمام پانی پت سے واقف ہوں وہ آگے آگے ہوتے اور ہر جگہ بتاتے جاتے تھے کہ یہ فلاں بزرگ کا مزار ہے اور یہ فلاں شخص کا باغ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور کہیں کہیں مزاروں کے اندر بھی لے جاتے تھے۔ چنانچہ اس وقت ایک بزرگ حاجی ولی محمد صاحب نام کے مزار میں حضرت کو لے گئے۔ مزار کے در میں دعاء **السلام علیکم یا اهل القبور** پڑھی اور قبر کے غرب میں کھڑے ہو کر ایک منٹ تک کچھ پڑھتے رہے۔ بعد ازاں السلام علیکم کہتے ہوئے لوٹ آئے پھر حافظ جمال صاحب میں یعنی قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والدین کے مزار پر گذر ہوا۔ بدستور سابق وہاں بھی گئے اور ایک منٹ تک کچھ پڑھتے رہے۔ یہاں قلندر صاحب کی والدہ صاحبہ اور والد صاحب دونوں کے مزار ہیں۔ والد صاحب کا نام سالار فخر الدین تھا۔ اور والدہ ماجدہ کا نام جمیلہ تھا۔ یہ بی بی حافظ تھیں۔ مزار انہیں کے نام سے مشہور ہے نام میں اتنا تغیر کر دیا گیا ہے کہ بجائے جمیلہ کے جمال کر دیا گیا ہے اور

حافظ جمال کا مزار کہا جاتا ہے

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد ☆ نہ ہر زن، زن ست و نہ ہر مرد، مرد!

پھر ابراہیم لودھی بادشاہ کے مزار پر گذر ہوا۔ اس مزار کی صورت یہ ہے کہ ایک میدان میں صرف ایک چبوترے پر اونچا سا بنا ہوا ہے کسی وقت میں اس کے نشانات ناپید ہو گئے تھے۔ سرکار انگریزی نے یہ چبوترہ بنوا دیا ہے۔ اس مزار پر فرمایا یہ اتنے بڑے میدان میں اکیلے ہی ہیں (مطلب یہ تھا کہ فقراء اور اہل اللہ مرنے کے بعد بھی اکیلے نہیں رہتے جہاں ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں بہت سے ان کے اصحاب اور متوسلین اور صُلحاء کے مزارات بھی ہیں اور یہ باوجود بادشاہ ہونے کے اس میدان میں تنہا ہی مدفون ہیں خدم وحشم سب ہی الگ ہو گئے۔

پھر فرمایا یہ بادشاہ صلحاء میں سے ہیں ہمارے اکابر سے ان کو خاص تعلق تھا۔ اثناء راہ میں ایک ہندو کے باغ پر گذر ہوا۔ جو بہت بڑا تھا اور اس کے اندر تالاب بھی تھا۔ راستہ اس کے اندر کو بھی تھا۔ اور باہر باہر بھی تھا۔ راہنما نیدہ نے کہا کہ یہ باغ نہایت پرفضا اور دیکھنے کے قابل ہے اور تفریح کی جگہ اس کے اندر کو چلئے گا یا باہر باہر۔ فرمایا اس وقت کا جنگل میں آنا سیر وتفریح کے لئے تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ بالقصد تو غرض منزل کا پورا کرنا ہے۔ ضمناً اِدھر اُدھر بھی نظر ڈال لیتے ہیں اس باغ کے اندر جانے کی کیا ضرورت ہے ان مزخرفات سے وحشت ہوتی ہے۔ باہر باہر چلئے۔

واپسی میں قاری عبد السلام صاحب مرحوم کے مکان پر پہنچے۔ حضرت والا نے قاری صاحب کی صاحبزادیوں سے اس کا وعدہ فرما لیا تھا۔ آدھے گھنٹہ کے قریب وہاں بیٹھے اور زنانہ مکان میں بطور تعزیت بھی تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے اٹھ کر ۹ بجے مکان پر واپس پہنچے۔

چونکہ سال گذشتہ میں پورب کے تمام سفر میں احقر ساتھ رہا تھا۔ امسال بھی خواجہ صاحب کی رائے یہی تھی۔ اور دیگر بعض موانع ایسے موجود تھے کہ بار بار ہمت کرتا مگر رہ جاتا تھا۔ خواجہ صاحب نے اس کو حضرت کے سامنے پیش کیا کہ امسالِ ضبط ملفوظات کے لئے ساتھ جانے والا کوئی نہیں ہے یہ بھی ہمت نہیں کرتے۔ احقر نے عرض کیا کہ میری تو دلی خواہش ہے مگر اس وقت میری عام صحت اچھی نہیں ہے خصوصاً آنکھوں کی حالت کئی مہینہ سے ایسی ہے کہ ذرا محنت کی متحمل نہیں ہے بار بار دُکھ آتی ہیں۔ خاص کر نیند میں ذرا سی بے اعتدالی ہونے سے آشوب فوراً ہی آجاتا ہے اور سفر میں بے اعتدالی ضروری اور یقینی ہے۔ نیز سرمائی سامان بھی میرے پاس اس وقت کافی

نہیں ہے اور نہ اتنی جلدی تیار ہوسکتا ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا تم میری رضائی لے لو کچھ کپڑا اپنے پاس موجود ہے سفر میں اس سے کام چل جائے گا۔ اور گھر والے برے بھلے گذر کر ہی لیں گے۔

رہی آنکھ کی حالت سو یہ کرنا کہ سونے کا وقت مقرر کر لینا۔ فرمایا حضرت والا نے کوئی معمول اختیاری نہیں رہتا۔ فرض کیجئے کہ ریل میں ہوئے۔ یا ریل میں سوار ہونے کا وقت آدھی رات کا ہے تو سونا کیسے ممکن ہے۔ لہٰذا یہ خیال تو دور رکھنا چاہئے کہ بے اعتدالی نہ ہوگی۔ اور بے اعتدالیوں کا تحمل ہو تب تو ارادہ کیا جائے ورنہ نہیں۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا تو ملفوظات وغیرہ یوں ہی جائیں گے۔

فرمایا جاؤ۔ ہمارا تو مذہب ہی یہ ہے کہ آزاد رہنا چاہئے اور کسی کام کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے۔ سہولت سے ہو جائے تو ہو جائے۔ ورنہ الگ دل کو اس سے کیوں لگایا۔ احقر نے عرض کیا کہ میں حیران ہوں کہ کیا کروں، دل یہی چاہتا ہے کہ ہمرکاب رہوں۔ مگر موانع کو دیکھتا ہوں تو ہمت پست ہو جاتی ہے۔

فرمایا یہ دیکھنا چاہئے کہ موانع قوی ہیں یا ضعیف۔ اگر ضعیف ہوں تو ہمت سے کام لینا چاہئے۔ اور اگر قوی ہوں تو دل کو پریشان کرنا نہیں چاہئے۔ عرض کیا جہاں تک غور کیا موانع تو قوی ہیں۔ فرمایا تو وہ کام چاہئے جس میں راحت ہو۔ پریشانی میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ پھر فرمایا کہ استخارہ کیا جائے۔

خواجہ صاحب نے احقر سے فرمایا۔ بس ارادہ کی کسر ہے۔ ہمت کرو۔ اور ارادہ کر دو۔ پھر استخارہ بھی کر لو۔ استخارہ سے یہ ہوگا کہ اسی شق میں یعنی جانے ہی میں بہتری کی صورتیں نکل آئیں گی۔ فرمایا حضرت والا نے کہ یہ طریقہ استخارہ ارادہ سے پہلے چاہئے۔ تا کہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہو جائے۔ اور اسی طرف کا ارادہ کیا جائے۔ اس میں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔
صحیح طریقہ یہ ہے کہ ارادہ سے اول استخارہ کرنا چاہئے۔ پھر استخارہ سے جس طرف قلب میں ترجیح پیدا ہو جائے وہ کام کرنا چاہئے۔ احقر نے سوال کیا کہ رات کا وقت ہونا استخارہ کے لئے ضروری ہے۔ فرمایا نہیں۔ یہ صرف ایک رسم ڈال لی ہے صلوٰۃ الاستخارہ کے بعد نہ سونا ضروری ہے

اور نہ رات کی قید ہے۔ کسی وقت مثلاً ظہر کے وقت دو رکعت نفل پڑھ کر دعاء مسنونہ پڑھے۔ اور تھوڑی دیر قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

ایک دن میں چاہے کتنی ہی بار استخارہ کرے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا۔ استخارہ بھی ہوگا اور حضرت دعا کر دیں کہ ارادہ سفر ہی کا ہو جائے۔ اور ترددات اور موانع رفع ہو جائیں۔ فرمایا جبکہ دونوں جانب کے مقتضیات موجود ہیں۔ اور دونوں طرف نفع وضرر کا احتمال ہے تو ایک جانب کو متعین کر لینا کیا معنی۔ اس دعا میں کیا حرج ہے کہ اللہ جو بہتر ہو اس کا سامان کر دیجئے۔ اور آپ استخارہ سے اس قدر کیوں گھبراتے ہیں۔ استخارہ کی دعا کا حاصل تو یہی ہے کہ جو بہتر ہو اس کی توفیق دیجئے اور اس میں یہ لفظ ہے: "ثم رضنی بہ" یعنی قلب کو اس امرِ خیر کے ساتھ سکون بھی دیجئے۔

پھر فرمایا یہ ایک خفی بے ادبی ہے حضرت حق جل وعلا کے ساتھ کہ استخارہ سے گھبراتے ہیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ اطمینان نہیں ہے کہ حق تعالیٰ جو کریں گے وہ خیر ہی ہوگا۔ بس اپنے ذہن میں جس جانب کو خیر قرار دے لیا اسی کو خیر سمجھتے ہیں۔ تب ہی تو تردید کے لفظ کو نہیں اختیار کرتے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا

"در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست"

ساتھ رہنے اور ملفوظات ومواعظ ضبط کرنے میں جانب شر کا احتمال ہی کہاں ہے۔ یہ تو خیر ہی خیر ہے۔ ہمیں کوئی پہلو شر کا نہیں معلوم ہوتا۔ پھر تردید کیسے کی جائے۔ فرمایا یہ خوب کہی ہر کام مستلزم خیر وشر کو ہو سکتا ہے اس میں ایک جانب آپ نے متعین کیسے کر لی۔ دیکھئے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے باوجود اس کام میں رضا نبوی ہونے کے جس کے خیر ہونے میں کچھ شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

عرض کیا "لاحتیٰ استشیر ربی" یعنی میں ابھی کچھ نہیں کہتی جب تک کہ اپنے رب سے استشارہ نہ کرلوں۔ اور استخارہ کیا فرمائیے۔ یہ کیا موقع استخارہ کا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہر کام میں احتمال خیر وشر کا ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا صریح نیک کام بھی مستلزم شر ہو سکتا ہے۔

اس طرح کہ مثلاً نکاح کے حقوق ادا نہ ہوں۔ خدمت واطاعت میں کمی ہو تو یہ نکاح اور

باعثِ وبال ہو۔ اس واسطے حضرت زینب نے استخارہ کی ضرورت سمجھی۔ عرض کیا دعا میں تو مسنون یہی ہے کہ جو مانگنا ہو جزم کے ساتھ مانگے نہ کہ تردید کے ساتھ۔ فرمایا یہ ہر دعا میں نہیں ہے۔ کہیں جزم چاہئے اور کہیں تردید اس میں قول فیصل یہی کہ جس امر میں تردد ہو۔ اور قرائن کسی ایک شخص کے راجح نہ ہوں تو اس میں تو دعا تردید کے ساتھ چاہئے۔ اور اگر قرائن سے کسی ایک شق کا خیر ہونا راجح ہو جائے یا شر ہونا تو دعا بلا تردید چاہئے۔ دیکھئے مریض کے لئے دعاء صحت کی مانگی جاتی ہے۔ لیکن اس میں ذرا سی تفصیل ہے وہ یہ کہ فرض کیجئے کہ ایک شخص مر رہا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ زندہ رہنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ اعمال صالحہ کرے گا خلق اللہ کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ یہ قرائن مرجح ہیں صحت کے اس واسطے اس کی صحت کی دعا مانگیں گے۔ اور اگر ایک شخص ہے کہ اس سے فائدہ بھی پہنچتا ہے اور وہ ظلم بھی کرتا ہے تو اس صورت میں دعا تردید کے ساتھ مانگیں گے۔ مثلاً یوں کہیں گے کہ اے اللہ اگر اس کے لئے اور مخلوق کے لئے اس کا زندہ رہنا اچھا ہو تو اس کو صحت دے دیجئے۔ ورنہ موت دے دیجئے۔ اس تفصیل سے تطبیق ہو جاتی ہے نصوص میں اور یہی محل ہے اس کا کہ شریعت میں ایک جگہ تو حکم ہے:۔

لا یقل احدکم اللھم اغفرلی ان شئت وارحمنی ان شئت اس میں تردید سے منع کیا گیا۔ اور ادھر استخارہ مسنون ہے ان میں تطبیق یہی ہے کہ جس امر میں تردد ہو اس میں دعا تردید کے ساتھ مانگے۔ ہر دعا میں جزم صحیح نہیں۔ جزم تو جزم بعض دعا میں تردید کی بھی اجازت نہیں بلکہ اس سے ممانعت ہے۔ دیکھو حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کے لئے دعا کرنے سے منع فرمادیا کہ **ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون.**

یہاں اس کی بھی گنجائش نہ تھی کہ یوں دعا کی جاتی کہ یا اللہ اگر آپ چاہیں تو ان کو بخش دیجئے۔ پھر فرمایا حضرت والا نے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بہت باریک بات ہے۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیا منہ ہے کسی کا کہ حق تعالیٰ کے کاموں میں دخل اندازی کرے۔

(محمد مصطفیٰ راقمِ ملفوظات کہتا ہے کہ استخارہ کے متعلق اسی سفر میں میں دو ملفوظات اور ہوئے ہیں۔ ایک پانی پت میں اور ایک گورکھپور میں نقل کیا جائے گا۔ تا کہ استخارہ کا بیان جامع ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گورکھپور میں ایک شخص نے استخارہ کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا صلوٰۃ الاستخارہ یعنی دونفل پڑھ کر سلام پھیر کر دعا استخارہ پڑھے۔ پھر قلب کی طرف رجوع کرے۔ سونے کی ضرورت نہیں اور ایک دفعہ بھی کافی ہے حدیث میں تو ایک دفعہ ہی آیا ہے اور پہلے سے اگر کسی جانب اپنی رائے کو رجحان ہو تو اس کو فنا کردے۔ جب طبیعت یکسو ہو جائے تب استخارہ کرے اور یوں عرض کرے کہ اے اللہ جو میرے لئے بہتر ہو وہ ہو جائے اور یہ دعا مانگنا اردو میں بھی جائز ہے لیکن حضور ﷺ کے الفاظ بہتر ہیں۔

واقعہ ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ بمقام پانی پت فرمایا استخارہ ہوتا ہے تردد کے موقعہ پر اور تردد کے معنی یہ ہیں کہ مصالح طرفین کے برابر ہوں اور جب ایک جانب کی ضرورت متعین ہو تو استخارہ کیا معنی۔ ایک طالب علم دو استفتاء لائے ان کو حضرت والا نے بہت سرسری نظر سے دیکھ کر ان سے پوچھا کہ یہ سوال آپ کسی دوسرے کے سمجھانے کیلئے کرتے ہیں یا خود معلوم کرنے کیلئے، کہا اپنے سمجھنے کیلئے۔ فرمایا تو تحریر کی کیا ضرورت ہے۔ زبانی سوال کیجئے میں جواب دیدوں گا۔ تحریر میں دیر لگتی ہیں۔ اتنا وقت میرا کیوں ضائع ہو۔ کہا لکھ دیجئے کیونکہ باہر بھیجنا ہے۔

فرمایا آپ نے ابھی تو کہا تھا کہ اپنے واسطے ضرورت ہے اور اتنی ہی دیر میں پلٹ گئے کہ باہر بھیجنا ہے۔ میں نے بھی کیسا پہچان لیا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ چالاکیاں کی جاتی ہیں استفتوں میں۔ اسی واسطے میں ہر سوال کے جواب کیلئے تیار نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ کہیں مقصود مسئلہ کی تحقیق نہیں ہوتی۔ صرف دق کرنا۔ اور وقت ضائع کرنا ہوتا ہے اور کہیں اصل سوال کے بیچ میں اپنے مطلب کے موافق اینچ پینچ کیا جاتا ہے۔

تا کہ جواب مرضی کے موافق ملے۔ جب خوب چھان بین کر لیتا ہوں۔ تب جواب دیتا ہوں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک سوال کیا جاتا ہے۔ اور جب جواب ان کے خلاف ہوتا ہے تو اس میں ایک قید اور لگاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ بات بیان سے رہ گئی تھی تا کہ حکم پلٹ جائے ایسے وقت میں ان کو بھی دق کرتا ہوں اور اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ صرف شرارت ہے اور اپنا کام نکالنا ہے تو جواب سے مطلقاً ہی انکار کر دیتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں کہ جاؤ میں نہیں بتاتا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہم سائل کے تابع بنیں کہ جس طرح چاہے نچائیں۔ آپ کو یہ فتویٰ جس کے

پاس بھیجنا ہے اس کو لکھ دیجئے کہ وہ خود براہ راست کسی معتبر عالم سے بذریعہ ڈاک پوچھ لیں۔ آپ سفیر کیوں بنتے ہیں ڈاک کا رستہ کھلا ہوا ہے دو پیسہ میں جواب ملتا ہے آپ طالب علم ہیں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے کام میں لگئے اور دوسروں کے قضیوں میں نہ پڑیئے۔ طالب علم کیلئے یہ مشغلہ سخت مضر ہے۔ پھر فرمایا میرے یہاں تھانہ بھونؒ میں ذاکرین کو کسی کا سلام پہنچانے کی بھی اجازت نہیں ہے بس اپنے کام سے کام رکھو۔ ذکر و شغل کے لئے آئے ہو یا دوسروں کے دکھڑے رونے کیلئے پھر فرمایا یہ سب حجاب ہیں جو اس طریق میں مانع ہوتے ہیں۔ اس میں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ دوسروں کے سفیر بننے کو امر خیر اور موجب ثواب سمجھ کر انکار نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ حسن خلق ہے جو مقصود اعظم ہے اس طریق کا حضرت یہ حجاب ہیں۔ حجاب دو قسم کے ہیں ظلمانی اور نورانی۔ یہ اشغال حجاب نورانی ہیں کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کار خیر ہے اور ہے مانع خیر۔

ایک سمجھدار اور تعلیم یافتہ شخص نے ایک سوال کیا جس میں فتنہ کا احتمال تھا فرمایا فتویٰ کی رو سے جائز ہے مگر تقویٰ کی رو سے مکروہ ہے اور آپ جیسے فہیم شخص سے ایسا سوال مجمع میں کرنا سخت تعجب ہے۔

سوال: مسلمان کے جنازہ میں ہندو بھی شریک ہوں تو کیسا ہے؟

جواب: فرمایا اگر ان کو منع کرنے پر قدرت ہو تو منع کرنا واجب ہے۔ اور اگر قدرت نہ ہو تو معذوری ہے دوسرے پر کس کو اختیار ہے۔

سوال: اور مسلمان کو ہندو کے جنازہ میں شرکت کرنا کیسا ہے اور ان کے مردہ وغیرہ کے جلانے وغیرہ میں اعانت کرنا کیسا ہے؟

جواب: فرمایا یہ فعل تو اختیاری ہے اس میں تو کوئی مجبوری بھی نہیں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ عرض کیا گیا بعض جگہ ہندو مسلمانوں میں باہم ایسا سلوک ہے کہ کسی قسم کا نزاع نہیں ہے وہاں اتحاد قائم رکھنے اور تالیف قلب کیلئے ایسا کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ فرمایا ایسی کیا دوستی ہے کہ امور مذہبی میں بھی شرکت کی جائے اور اگر یہی ہے تو ان کو قربانی میں بھی شریک ہونا چاہئے۔

سوال: عورت کا مہر ذمہ رہ گیا اور وہ مر گئی تو کیا کیا جائے۔

جواب: وہ میراث ہے ورثہ کو دیا جائے۔

سوال: ماں اگر اولاد کا دودھ نہ بخشے اور مر جائے تو کیا کیا جائے۔

جواب: دودھ بخشوانے کی شریعت میں کچھ اصلیت نہیں یہ محض رسم جہالت ہے اور دودھ پینے

میں گناہ کیا ہوا جس کی معافی کی ضرورت ہو اور بالفرض گناہ ہوا بھی تو بچہ نے ایسے وقت میں دودھ پیا ہے جبکہ وہ مکلف نہ تھا تو اس کے ذمہ تو گناہ ہو نہیں سکتا۔ اگر ہوا تو ماں کے ذمہ ہوا تو الٹا اسی کو معاف کرانا چاہئے اولاد کے ذمہ تو کسی صورت سے معافی لازم آتی ہی نہیں۔ غرضیکہ کہ یہ محض رسم جہالت ہے۔

سوال: ایک جگہ کا امام مرتکب کبائر ہے اور بار بار اس سے توبہ کرائی جاتی ہے۔ مگر پھر مرتکب ہوتا ہے اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے اور اس کو امام بنانا چاہئے یا نہیں۔ یہ توبہ اس کی صرف ریا کی ہے اس دباؤ سے ظاہرا توبہ کر لیتا ہے کہ نکال نہ دیا جاؤں۔ فرمایا یہ تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ توبہ ریا کی ہے۔ کسی کے دل کا حال تمہیں کیا معلوم یہ بتاؤ کہ اس کے مقتدی کیسے ہیں آیا خواص اور متقی ہیں یا وہ بھی اس کے ہم جنس ایسے ہی بے احتیاط ہیں۔ عرض کیا کہ مقتدی دونوں قسم کے ہیں۔ فرمایا تو اس صورت میں عوام کی نماز تو ہو جائے گی اور محتاط لوگوں کی نماز مکروہ ہوگی اور اگر اس کے عزل پر قدرت ہو تو معزول کرنا واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو مجبوری ہے۔

آج دن کا کھانا حافظ لقاء اللہ صاحب کے یہاں تھا۔ ایک بڑے کٹورے میں حلیم یعنی کھچڑا خاص حضرت والا کے سامنے رکھا گیا (کیونکہ حلیم حضرت کو مرغوب ہے) فرمایا اس کو بھی سب کو پہنچا دیا جائے۔ ایک برتن میں کھانا ہوتا ہے تو مجھے تنگی ہوتی ہے اور دل گوارا نہیں کرتا کہ اکیلے کھایا جائے۔ اگر دو چار آدمی ہوں تو یہ بھی ممکن ہے کہ سب ہاتھ بڑھا کر اسی برتن میں شریک ہو جائیں۔ یہاں ایسا ممکن نہیں کیونکہ آدمی زیادہ ہیں۔ سب اس برتن میں نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ برتن اور منگائے گئے اور وہ حلیم سب کو تھوڑا تھوڑا پہنچایا گیا۔

۲۳ صفر ۱۳۳۷ھ یوم پنجشنبہ ۲۸ نومبر ۱۸ء

مغرب کی نماز میں سورۂ تکاثر اور والعصر پڑھی۔ کل کے دن دو شخصوں نے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی تھی ان سے حضرت نے فرمایا تھا کہ کل بعد مغرب میرے قریب آ بیٹھنا تا کہ مجھے یاد آ جائے چنانچہ ایک شخص ان میں سے اس وقت مغرب کے بعد موجود تھے۔ لیکن حضرت سے ذرا سے دور بیٹھے رہے جب حضرت والا وظیفہ سے فارغ ہو کر اٹھ کر چل دیئے تو وہ سامنے آئے اور عرض کیا میں حاضر ہوں۔ فرمایا میں جب اٹھ کر کھڑا ہوا تب آپ نے کہا میں نے آپ سے کیا کہا تھا۔ عرض کیا میں حاضر تھا مگر حضرت کو وظیفہ پڑھتے دیکھ کر چپکا بیٹھا رہا۔ فرمایا میں

نے کیا کہا تھا یہی نا کہ میرے قریب آ بیٹھنا۔

عرض کیا جی ہاں مگر وظیفہ کی وجہ سے پاس نہیں آیا اس کو میں نے خلاف ادب سمجھا۔ فرمایا یہ عمل قیاس پر ہوا آپ نے اپنے قیاس پر تو عمل کیا کہ وظیفہ میں پاس جانے کو خلاف ادب سمجھا۔ اور میری تصریح پر عمل نہ کیا۔ انہوں نے اس پر کچھ دیر تک تو سکوت کیا اور حضرت کو کھڑا رہنا پڑا۔ فرمایا جواب تو ملنا چاہئے سکوت ٹھیک نہیں۔ عرض کیا ادب کی وجہ سے میں پاس نہ آ سکا۔

فرمایا ایک بات کو دوبارہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہی تو اس سے پہلے بھی آپ نے کہا تھا اور میں اس کا جواب دے چکا کہ یہ تصریح کے خلاف قیاس پر عمل ہوا۔ اس کا جواب کیا ہے وہ حیران ہوئے اور کہا غلطی ہوئی۔ فرمایا جب آپ نے آج ہی سے اپنی رائے پر عمل کیا تو آپ سے آئندہ کیا امید ہے کہ میرے کہنے پر چلیں گے عرض کیا اتنی غلطی ہوگئی۔

فرمایا غلطی ہوئی تو اپنی غلطی کو بھگتو میں تو اب کھڑا ہو چکا اب بیٹھنا مشکل ہے پھر فرمایا میں امتحان بھی تو کرتا ہوں کہ طلب کس میں کتنی ہے لیجئے اتنے ہی میں امتحان ہوگیا۔ یہ کہہ کر حضرت چل دیئے مسجد سے روانہ ہونے کے بعد پوچھا کہ ایک صاحب اور بھی تھے وہ حضرت بھی ہیں یا نہیں مگر کچھ جواب نہ ملا فرمایا بس ہو چکی درخواست بیعت کی یہ حالت ہے لوگوں کے طلب کی ایک صاحب موجود ہیں تو اس بے عنوانی کے ساتھ اور دوسرے موجود ہی نہیں ہیں۔

جب حضرت مکان کے قریب پہنچ گئے تو وہ دوسرے شخص بھی لپکے ہوئے پہنچے اور کہا میں بھی حاضر ہوں میں وہیں مسجد میں موجود تھا۔ درگاہ کے پاس کو کھڑا ہو گیا تھا۔ حضرت وظیفہ میں تھے فرمایا سبحان اللہ شکر ہے اتنی دیر میں پتہ تو چلا کہ آپ بھی تشریف فرما ہیں یہ ان سے بھی بڑھ کر ہوئے وہ صاحب مسجد میں تو موجود تھے اور آپ سیر تماشہ میں تھے یہ میرے کہنے کی تعمیل ہے کہ میرے پاس آ بیٹھنا اتنی دیر تک آپ کی ڈھونڈ ہوئی اسی وقت تک بھی آپ کو سیر تماشہ سے فرصت نہ ہوئی افسوس گویا یہ بھی میرے ذمہ ہے کہ طالبین کو ڈھونڈتا پھروں مجھے کہاں تک یاد رہے اور میں کیوں یاد رکھوں یہ میرے ذمہ کیوں ہے۔ یہ کام طالب کا ہے یا میرا۔ عرض کیا میں تو حاضر تھا مگر حضرت نے مجھے یاد نہیں فرمایا میں اس کے انتظار میں رہا۔ اور وظیفہ میں حضرت کے سامنے جانا مناسب نہیں سمجھا الگ ٹہلتا رہا۔

فرمایا کیا میں نے یاد فرمانے کا وعدہ کیا تھا آپ کو یاد ہے کہ میں نے کیا کہا تھا کہ میرے پاس آ بیٹھنا کیا اس کے یہی معنی ہیں کہ الگ ٹہلتے رہنا اور میں آپ کو بلا لوں گا۔ آپ

کو چاہئے تھا کہ اپنے موجود ہونے کی اطلاع کر دیتے۔

اول تو وظیفہ ہی کی حالت میں اطلاع کرنا تھی اور یہ بھی نہ ہوا تو اتنا تو ہوتا کہ میں جیسے ہی اٹھا تھا فوراً سامنے آ گئے ہوتے۔ سامنے آنا تو درکنار اس وقت آپ کا پتہ بھی نہ تھا میں مسجد سے یہاں تک چلا آیا تب بھی آپ کا پتہ نہ تھا جب میں نے خود ہی چھیڑا اور شکایت کی تو آپ نے خبر لی۔ یہ طالبین ہیں حضرت طلب کا نام لینا مشکل ہے۔

فرمایئے کس بات پر دل پگھلے۔ جایئے میں صاف کہے دیتا ہوں سب پانی پت والے سن لیں کہ جس کو بیعت ہونا ہو وہ دو مہینہ میرے پاس تھانہ بھون میں رہے۔ حضرت بیعت ہو کر کام کرنا تو دور ہے پہلے ضرورت ہے بیعت کی درخواست کرنیکا سلیقہ سیکھنے کی میں ان دو مہینہ میں وہ سلیقہ سکھلاؤں گا اس کے بعد بیعت کی درخواست کیجئے اور یہ وعدہ نہیں ہے بیعت کر لینے کا اس کا جواب اس وقت دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ پھر بھی بیعت نہ کروں۔ رہی تعلیم سو وہ بذریعہ خط کے بھی ہو سکتی ہے۔ تعلیم ضروری چیز ہے بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ بیعت کیلئے یہ بھی شرائط ہیں اور تعلیم میں میں نے اس قدر سہولت کر دی ہے کہ کہیں جاؤ نہ آؤ گھر بیٹھے جو چاہو سیکھ لو۔ جو کچھ لکھنا ہو تھانہ بھون کو خط لکھو میں جہاں بھی ہوں وہ خط وہاں پہنچ جائیگا۔ اور میں جواب دیدوں گا اور لیجئے میں اور آسانی کرتا ہوں ابھی تو میں پانی پت میں موجود ہوں یہاں پر بھی جو کچھ پوچھنا ہو وہ خط میں لکھ کر پانی پت کے پتہ سے لکھ کر ڈاک میں ڈالئے میں یہیں سے جواب دوں گا۔ روز کا روز آپ کو ڈاک سے جواب ملتا رہے گا۔ اور کیا سہولت چاہئے۔ اس کے بعد ان صاحب کو لوگ حضرت والا کے دروازہ سے ہٹا کر علیحدہ لے گئے تاکہ حضرت کو اور کلفت نہ ہو۔

صبح کو ہوا خوری سے واپس آ کر فرودگاہ میں حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے اور طبیعت حضرت والا کی نہایت بشاش تھی۔ کسی تذکرہ میں فرمایا اس طریق میں بڑی بڑی نازک باتیں پیش آتی ہیں اور بہت غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک اصول لاکھوں روپیہ کا یہ ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

خواجہ صاحب ایک طرف کھڑے ہوئے تھے حضرت نے خاص طور سے ان کو پکار کر فرمایا خواجہ صاحب آپ بھی سن لیجئے کس قدر کام کی بات ہے اور سالک کو ہر وقت کام دینے والا اصول ہے کہ امور طبعیہ مضر نہیں ہوتے۔ مضرت کا مدار اختیار پر ہے۔ اس سے بہت سے عقدے حل ہوتے ہیں اور بہت سہولتیں ہو جاتی ہیں اور اس کے نہ جاننے سے بہت سے مغالطے لگتے

ہیں۔ یہ اصول بالکل صحیح ہے اور سیدھا سا ہے۔ مگر حقیقت اس کی پاس رہنے سے معلوم ہوتی ہے نہ کہ سننے سے اس کی حقیقت کا انکشاف اس طرح ہوتا ہے کہ چندروز آدمی کسی کے پاس رہے اور ایک الجھن پیش آئے اور اس کو بتایا جائے کہ یہ مضر نہیں کیونکہ امر طبعی ہے اور ایک دوسری الجھن پیش آئے اور اس میں بتایا جائے کہ یہ مضر ہے کیونکہ اختیاری ہے بار بار وقت پر اس طرح بتانے سے یہ مضمون ذہن میں آتا ہے۔ ایک دو دفعہ بتانے سے بھی نہیں آتا۔ اس کی قدر بھی کسی الجھن میں پڑنے کے وقت ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ کہ کس قدر کام دینے والا ہے اور اس کا حال ایسا ہے جیسے بعض دوائیں مشترک النفع ہوتی ہیں کہ ایک مرض میں دی اور نفع ہوا تو مریض نے سمجھا کہ یہ دوا اس مرض کیلئے مفید ہے۔

پھر دوسرے مرض میں دی اور تیسرے میں دی۔ اور سب میں اکسیر کا کام کیا تب معلوم ہوا کہ یہ دوا عجیب چٹکلہ ہے کہ اتنے مرضوں میں کارآمد ہے۔ (راقم کہتا ہے کہ اس اصول کو سن کر خواجہ صاحب اور احقر اور جمہ حضار کی یہ حالت تھی کہ پھولے نہ سماتے تھے گویا وجد کی سی کیفیت تھی۔ اور تمام مجلس میں سبحان اللہ کا غل تھا۔ اس ملفوظ کا نام احقر نے لکھی ملفوظ رکھا ہے)۔

بعد ظہر حکیم امین اللہ صاحب کے یہاں زنانہ مکان میں وعظ العقوق فی الحقوق زیر آیت **والذین ھم لامانا تھم وعھدھم راعون**۔ ہوا۔ جس میں حقوق خالق ومخلوق کا بیان ہوا۔ احقر نے اس کو ضبط کیا۔ وعظ ۴ بج کر ۲۰ منٹ پر ختم ہوا۔ تو عصر کی نماز کیلئے مخدوم صاحب کی مسجد میں پہنچے معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی۔ لہٰذا مسجد کا صحن چھوڑ کر درگاہ کی حد میں جماعت ثانیہ کی گئی۔ درگاہ کے صحن میں کچھ قبریں بھی ہیں جو صحن کی برابر ہیں اوپر دری اور چٹائیاں بچھا کر نماز پڑھی۔

سوال: قبر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مکروہ ہے بشرطیکہ قبر نمودار ہو اور اگر نمودار نہ ہو اس طرح کہ آڑ ہو۔ اور آڑ معتبر ایک ہاتھ اونچی ہے جو سترہ کی مقدار ہے یا قبریں زمین میں ہوں یعنی سطح برابر ہو جیسا کہ درگاہ کے صحن میں ہیں اوپر فرش بچھا دیا ہو تو درست ہے۔

بعد عصر ایک خادم جو پہلے سے حضرت کی عادات وغیرہ سے واقف تھے تقریباً دو روپے کے پیڑے لائے اور ایک دو روپے نقد بھی نذر کئے۔ فرمایا چیڑی اور دو، دو نقد ہدیہ بھی اور مٹھائی بھی۔ آپ نے بڑی تکلیف کی۔ اس قدر تو بار اٹھانا نہیں چاہئے۔

عرض کیا یہ چیز ہی کیا ہے حضرت نے اس کو قبول فرمایا۔ لیکن فرمایا کہ مٹھائی کی نسبت اتنا عرض کرنا ہے کہ مناسب ہوتا کہ آپ پہلے مجھ سے مشورہ کر لیتے کہ میں کچھ لانا چاہتا ہوں تو میں بتا تا کہ کیا چیز لانا چاہئے۔ مٹھائی ایسا ہدیہ ہے جو میرے کام میں آ نہیں سکتا۔ کیونکہ میں مٹھائی کہاں تک کھا سکتا ہوں زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک دو، آنہ کے کھالوں تو اتنا بڑا احسان تو ہوا میرے اوپر اور کھائیں ایرا غیرا تو اس ہدیہ کا کیا لطف ہوا۔ مجھے تو ایک شخص کا طریقہ بہت پسند آیا وہ یہ کہ اس نے مجھ سے آکر پوچھا کہ میں دو روپیہ کا ہدیہ لانا چاہتا ہوں کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جو آپ کو پسند ہو۔ اور آپ کے کارآمد ہو میں نے کہا یہی ہے تو آپ بادام لے آیئے۔ بادام مجھے مفید بھی ہیں اور مرغوب بھی ہیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا کہ دو روپے کے بادام لے آئے میں نے ان کو رکھ لیا۔ اور وقتاً فوقتاً کھایا اور بہت نفع ہوا۔ آج بھی اگر آپ مجھ سے پوچھتے تو میں یہی بتا تا کہ بادام لے آیئے۔ اس مٹھائی سے بہتر ہوئے۔ انہوں نے کہا یہ میری غلطی ہوئی۔ فرمایا آپ تو میری عادت سے واقف ہیں آپ سے ایسی غلطی ہونا تعجب ہے۔

۲۴ صفر ۱۳۳۷ھ یوم جمعہ ۲۹ نومبر ۱۹۱۸ء

فجر کی نماز میں سورۂ واقعہ اور سورۂ تحریم پڑھی۔ ہوا خوری کو جانے میں فرمایا۔ رات ایک مثال ذہن میں آئی اس کو لکھ لو وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ چراغ میں سے گل کر جاتا ہے اور اس میں دھواں اٹھتا ہوتا ہے تو وہ گل بذریعہ اس دھویں کے چراغ کی لو میں سے آگ لے لیتا ہے یہ مثال ہے اس کی کہ طالب جب اعلیٰ کی طرف یعنی شیخ کی طرف یا باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف نیچے اتر آتا ہے جیسے آگ چراغ میں سے گل کی طرف اتر آتی ہے اتنا فرق ہے کہ چراغ میں یہ بات اضطراراً ہے اور وہاں اختیاراً ہے۔

(یہ ملفوظ قریب قریب لفظ بلفظ لکھا گیا ہے) محمد مصطفیٰ۔

فرمایا حضرت والا نے کہ میں محسوسات میں غور کرتا رہتا ہوں اور ان سے اکثر ایسی کارآمد باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔

راستہ میں ایک مکان میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بی بی کو بیعت کرنا تھا چنانچہ ان کو بیعت کیا وہاں ایک بچہ لایا گیا کہ اس پر دم کر دیجئے وہ رونے چیخنے لگا تو فرمایا عدم علم بھی عجب چیز ہے جس سے مفید چیز بھی مضر معلوم ہونے لگتی ہے۔ دیکھئے اس کو لایا گیا اس کے نفع کے لئے

اور یہ اس سے گھبراتا ہے یہی مثال ہے حق تعالیٰ کے برتاؤ کی ہمارے ساتھ کہ حقیقت میں رحمت ہوتی ہے اور ہم اس سے گھبراتے ہیں اور چیخنے چلاتے ہیں۔ اس سے ہم کو سبق لینا چاہئے۔ راستہ میں پانی پت کا ریت دیکھ کر فرمایا کہ یہ ریت بھی یاد رہیگا۔ اس بستی کا نام تو ریت پت ہونا چاہئے تھا پانی پت نام کس نے رکھا ہے۔

ایک مکان میں اندر تشریف لیجانے لگے تو صاحب خانہ نے بطور ادب پیچھے رہنا چاہا تو فرمایا آپ آگے چلئے۔ گھر میں گھر والے کو آگے چلنا چاہئے۔ اور فرمایا اصلاح معاشرت کی میرے نزدیک سخت ضرورت ہے۔ اور اس میں ایسا انقلاب ہوا ہے کہ اگر بہت سے لوگ مل کر کوشش کریں تب پچاس برس میں کامیابی ہوسکتی ہے مگر اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہے اس کو تو جزو دین ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ سلف کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔

دیکھئے امام صاحبؒ نے امام شافعی صاحب کی دعوت کی۔ جب امام شافعیؒ صاحب آکر بیٹھے تو غلام نے اول ہاتھ ان کے دھلانا چاہئے تو امام مالک صاحب نے روکا۔ اور اپنے ہاتھ پہلے دھلوائے۔ پھر اس نے کھانا مہمان کے سامنے اول کھانا رکھنا چاہا تو اس سے بھی اس کو روکا اور اپنے سامنے رکھوایا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مہمان کو معلوم ہو جائے کہ یہاں تکلف نہیں اور نہ کوئی بناوٹ ہے تو وہ بے تکلف ہو کر کھانا کھائے۔ دیکھئے اتنی ذرا ذرا سی باتوں کا اہتمام کرتے تھے۔ اور آجکل تو دوسرے کی ایذا تک کا خیال نہیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مکان میں پہنچے جہاں اس وقت دعوت تھی۔ اس وقت تقریباً ۸ بجے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کھانا لایا جائے۔ فرمایا مجھے تو ابھی رغبت نہیں رفقا چاہیں تو کھالیں سب صاحبوں سے پوچھ لیا جائے رفقاء میں سے کسی نے عرض کیا کہ ابھی تو سویرا ہے ابھی رغبت کہاں۔ فرمایا آپ کو رغبت نہ سہی ممکن ہے کہ اوروں کو ہو۔ سب سے فرداً فرداً پوچھنا چاہئے چنانچہ ہر ایک سے پوچھا گیا کسی نے رغبت ظاہر کی اور کسی نے نہیں۔

فرمایا مناسب یہ ہے کہ کھانا مکان پر بھیج دیا جائے۔ اور یہاں جو بلانا منظور تھا تو اس کی صورت یہ ہے کہ ہم سب ویسے ہی تھوڑی دیر یہاں بیٹھ جائیں آپ کے فرمانے کی تعمیل ہو جائے گی۔ کھانا اطمینان سے جس وقت بھوک لگے گی اپنے مکان پر کھالیں گے۔ عرض کیا گیا کہ چائے تو پی لیجئے چائے تیار ہے۔

فرمایا چائے پینے کی میری تو عادت نہیں۔ ہمراہیان چاہیں تو پی لیں۔ اور اگر چائے

سادی ہوتو میں بھی تھوڑی سی پی لوں گا۔ چنانچہ سب کے لئے دودھ کی اور حضرت والا کے لئے سادی چائے لائی گئی۔ حضرت نے تھوڑی سی پی کر چھوڑ دی اور فرمایا آج چائے کئی سال کے بعد پی ہے۔ مجھے دودھ کی چائے پسند نہیں ہوتی اور چائے جس کو کہنا چاہئے وہ تو سادی ہی ہے۔ دودھ اور دیگر مصالحے ڈالنے سے تو ایک نیا مرکب بن جاتا ہے۔ چائے اس کا نام کیوں رکھا جائے وہ تو ایک دوا ہے جو بطور جوشاندے کے ہے۔ بعض لوگ بڑے نخرے اور بکھیڑے سے چائے بناتے ہیں۔ لاگت بھی بہت لگتی ہے اور وقت بھی بہت خراب ہوتا ہے۔ چائے کا لطف تو اس میں باقی نہیں رہتا۔ چائے سادی ہو اور اس میں پانی اور شرینی بقدر مناسب ہو تو اس میں جو لطف ہے وہ ان بکھیڑوں میں کبھی نہیں ہوسکتا جب میں کبھی چائے پیتا ہوں تو اپنے ہاتھ سے بناتا ہوں دوسرے کے ہاتھ کی بنی ہوئی کبھی نہیں پیتا ہوں۔ کیونکہ اس کا اندازہ خود ہی کو ہوسکتا ہے کہ اس وقت کتنی تیز ہونی چاہئے چائے اور پان سے فارغ ہوکر ۹ بجے مکان پر پہنچے۔

اہل پانی پت کی تجویز ہوئی کہ ایک وعظ بڑے مجمع میں ہونا چاہئے جس کی اطلاع قرب وجوار کے دیہات میں بھی کردی جائے یہ خیال حضرت کے سامنے جمعہ کے دن سے پہلے ظاہر کیا گیا تا کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت تجویز کیا جائے تو اس سے پہلے دیہات میں خبر پہنچ جائے حضرت نے وعظ کہنا منظور فرمالیا۔

عرض کیا گیا کہ حضرت ہی وقت اور مقام بھی تجویز فرمادیں جس میں حضرت کو سہولت ہوئے ہم کو منظور ہے۔ فرمایا میں وعظ کیلئے تیار ہوں وقت اور مقام آپ لوگ تجویز کرلیں کیونکہ اپنے یہاں کے مصالح آپ ہی زیادہ جان سکتے ہیں اور مناسب ہے کہ یہ سب باتیں ان تمام اشخاص کے باہمی مشورہ سے طے ہوں جو کسی مقام کو عظ کیلئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً درگاہ قلندر صاحب کے متولی صاحب اور جامع مسجد کے مہتمم صاحب وغیرہ تا کہ کسی کو بعد میں شکایت کا موقعہ نہ رہے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ ان سب صاحبوں کو جمع کیا گیا اور ظہر کے بعد مخدوم صاحب کی مسجد میں مشورہ ہوا۔ حضرت بھی وہاں تشریف فرمارہے۔ بعض لوگوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت ہی مقام اور وقت کی تعیین فرمائیں فرمایا میں اس میں کچھ دخل نہ دوں گا۔ مجھے تو آپ لوگ آپس میں گفتگو کرکے اخیر نتیجہ سے اطلاع کردیجئے کہ یہ طے ہوا۔ اور فلاں جگہ اور فلاں وقت وعظ کہنا ہوگا۔ چنانچہ تقریباً ایک گھنٹہ تک ان صاحبوں میں گفتگو ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں لوگ اپنی اپنی

مصلحتیں اور ضرورتیں بیان کرتے تھے اور ہر شخص چاہتا تھا کہ میری رائے کو ترجیح ہو اور بعض وقت مصالح اور ضرورت کے تساوی اور تعارض کے وقت پر یہ چاہتے تھے کہ اس میں حضرت ایک جانب کو اپنی رائے سے ترجیح دیدیں۔ (کیونکہ لوگوں کو حضرت کے صائب الرائے ہونے پر بھی پورا اعتماد ہے) تو حضرت فرماتے نا صاحب میں کچھ دخل نہ دوں گا۔ کیونکہ اس صورت میں سارا بار میرے اوپر آپڑے گا میں کس کس کو جواب دیتا پھروں گا۔ آپ خود ہی آپس میں نبٹ لیں۔

چنانچہ بہت ردوکد کے بعد یہ طے ہوا کہ شب شنبہ میں وعظ ہوا۔ اور قلندر صاحب کی درگاہ میں ہوا۔ اس کی اطلاع حضرت کو کردی گئی۔ اور سب جگہ بذریعہ منادی وغیرہ اس کی خبر کردی گئی۔ جمعرات کے دن یا بدھ کے دن یہ مشورہ ہوا تھا اور سب باتیں طے ہو چکی ہیں۔ آج جمعہ کے دن ایک دیہاتی آدمی ایک رقعہ لے کر آیا جس میں ایک صاحب نے لکھا تھا کہ مصلحت مقتضیٰ اس کو ہے کہ وعظ جامع مسجد میں ہو۔ اس کو پڑھ کر فرمایا۔ یہ صاحب مشورہ کے وقت کہاں گئے تھے۔ کیا ان کو اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا ان کو اطلاع ہو چکی تھی مگر اس وقت مشورہ میں نہیں تھے۔

اس شخص نے کہا اطلاع تو ہوئی تھی مگر اس وقت وہ دہلی چلے گئے تھے اس وجہ سے مشورہ کے وقت نہ آسکے فرمایا یہ ان کا عذر صحیح ہے کہ مشورہ ہو چکا طرفین ایکدوسرے کو معذور سمجھیں۔ اس رقعہ لانے والے نے کہا تو صاحب امیروں کا کہنا ہوا۔ اور غریبوں کا کہنا کچھ بھی نہ ہوا۔ اس پر حضرت والا برہم ہوئے اور احقر سے فرمایا جواب اس کا یہ ہے کہ اس پر لکھ دو کہ ایسے بیہودہ کو ہمارے پاس نہ بھیجئے جسے بولنے کی تمیز نہیں۔ چنانچہ احقر نے اس رقعہ پر یہی لکھ دیا۔ اس رقعہ لانے والے نے کہا اجی میں دیہاتی آدمی ہوں میری خطا معاف کیجئے اور آگے بڑھ کر حضرت کے پیروں پر سر رکھ دینا چاہا۔ حضرت نے اس کو ہاتھ سے ہٹا دیا۔ اور فرمایا دور ہو اس سے کیا ہوتا ہے کیوں ایسی غلطی کی اس لفظ کے کیا معنی کہ امیروں کا کہنا ہوا غریبوں کا نہ ہوا۔ تم نے کتنی ایسی باتیں دیکھیں جن میں یہ کہنے کا موقعہ ہوا کہ امیروں کی طرفداری کی جاتی ہے۔ امیروں نے مجھے کیا ہدیہ دیا ہے اور عذر کیا اچھا ہے؟

کہ میں دیہاتی ہوں اور گنوار ہوں۔ ہم تو جب جانیں کہ یہ بات صاحب کلکٹر کے اجلاس میں کہہ آئے ہم ابھی آپ کو بھیجتے ہیں۔ اگر وہاں ایسا لفظ کہہ آؤ۔ تو ہم ہاتھ جوڑ کر اپنی خطا تم سے معاف کرائیں۔ ہم کو منافق سمجھا۔ وہ شخص چلا گیا۔ پھر فرمایا آج صبح میں سوچ رہا تھا کہ پانی

پت میں کسی پر خفگی نہیں ہوئی۔ سو آج ہی یہ حضرت تشریف لے آئے۔ ایک شخص نے کہا کہ حضور کی تو خفگی بھی اصلاح کیلئے ہوتی ہے۔ فرمایا اصلاح ہو جاتی ہے۔ قصد تو اس کا نہیں ہوتا۔ واقعہ میں تو غصہ ہی آجاتا ہے گو نیت اصلاح کی بعد میں کر لی جائے۔

خواجہ صاحب نے کہا بیجا بات پر تو غصہ آنا ہی چاہئے ورنہ بے حسی ہوگی فرمایا ان کی بات تو ایسی بیجا تھی کہ یہاں تو ان کو کچھ کہہ سن کر ہی چھوڑ دیا گیا اور کسی جگہ ایسا لفظ کہتے تو پٹتے۔ مجھے اتنا غصہ بھی اس وجہ سے آیا کہ ایک مدعی خصوصیت کی طرف سے ایسا ہوا یہ کس قدر غلطی ہے کہ اب کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے بعد کا وقت مناسب ہے اپنا تو قصور ہے کہ مشورہ میں نہیں آئے اور اب ہم سے تجویز پلٹنے کو کہتے ہیں اور اس خوبصورتی کے ساتھ کہ ایسے بیہودہ آدمی کو بھیجا جس نے ایسا بے بنیاد اعتراض جڑ دیا کہ امیروں کا کہنا ہوا۔ غریبوں کا نہ ہوا۔ مجھے بالکل اجنبی اور مخالف شخص پر تو غصہ نہیں آتا وہ چاہے کیسی ہی بدتمیزی کرے۔ اور کوئی لفظ بھی کہے مطلق ناگواری نہیں ہوتی۔ دیکھئے لوگ ہم کو کافر تک کہتے ہیں اس سے زیادہ سخت لفظ کونسا ہو سکتا ہے۔ مگر ہم ان کو لوٹ کر جواب نہیں دیتے ہیں۔ اور جو شخص اعتقاد سے ملے اور خصوصیت ظاہر کرے اس سے تو ذرا سی بھی ناگواری بری معلوم ہوتی ہے اور اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔

دیکھئے حضور ﷺ کو لوگ کیسی کیسی ایذائیں دیتے تھے لساناً بھی اور عملاً بھی حتیٰ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی کہ آپ کہیں تو ہم ان پر عذاب نازل فرمائیں۔ مگر آپ یہی فرماتے تھے۔ **اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون** ۔ اور حضرت جابر ایک دفعہ آئے اور آپ نے آنے کی اطلاع کی تو حضور ﷺ نے پوچھا کون انہوں نے کہا انا۔ تو آپ ناخوش ہوئے اور ڈانٹا کہ انا انا کس کو کہتے ہیں نام لو کون ہو۔

جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی عام خیال یہ تھا کہ وعظ جمعہ کے بعد ضرور ہوگا۔ اس واسطے مجمع ایسا تھا جیسے الوداع کے جمعہ میں ہوتا ہے چونکہ بعض لوگوں کو اس تجویز کی خبر تھی کہ شب شنبہ میں وعظ کی قرارداد ہوئی ہے اس واسطے شدہ شدہ مسجد میں یہ خبر اڑ گئی کہ جمعہ کے بعد وعظ نہیں ہوگا۔ پھر کیا تھا عام طور سے تشویش سی پیدا ہوگئی اور لوگوں نے جمعہ سے پہلے ہی حضرت کے پاس آ آ کر اصرار کرنا شروع کیا۔ حضرت لوگوں کی بات سنتے اور مختصر سا یہ جواب دیدیتے کہ اہل مشورہ نے وعظ آج کی رات کو قلندر صاحب میں تجویز کیا ہے۔ لوگوں میں بہت چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ مگر حضرت نے اپنی زبان سے کچھ نہیں فرمایا اور بعد نماز جمعہ کے مکان کو واپس ہوئے

تو لوگوں پر ایک یاس کا سا اثر تھا۔ خصوصاً ان لوگوں پر جو قرب و جوار کے دیہات سے وعظ کے اشتیاق میں آئے تھے کیونکہ اس وقت وعظ نہیں ہوا۔ اور ایک رات تک وہ ٹھہر نہیں سکتے تھے کیونکہ کھانے کا اور سردی کا سامان کر کے نہیں آئے تھے۔

غرض بہت سے آدمی افسوس کے ساتھ واپس ہو گئے اور انہوں نے اس کی کچھ تلافی یہ کی کہ مصافحہ پر ٹوٹ پڑے اور ایسا اژدہام ہوا کہ حضرت کو مسجد سے نکلنا مشکل ہو گیا اور مصافحہ کا سلسلہ تمام بازار میں جاری رہا۔ بازار میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی برأت ہے اور بمشکل مصافحہ کی نوبت آتی تھی۔

احقر نے سنا کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ یہ اللہ کے پیارے بندے ہیں ان کے اوپر ہر وقت رحمتیں اترتی ہیں مصافحہ کا موقعہ بھی نہ ملے تو ان کا دیکھ لینا ہی اچھا ہے۔ مکان پر پہنچتے وقت بھی ساٹھ ستر آدمی ہمراہ تھے ایک صاحب نے عرض کیا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھوڑی دیر مخدوم صاحب کی درگاہ میں تشریف رکھیں۔ کیونکہ اتنے مجمع کی جگہ فرودگاہ میں نہیں ہے اس کو حضرت نے پسند فرمایا اور درگاہ میں رونق افروز رہے۔ ذکر ہوا کہ وعظ کا وقت بجائے آج کی شب کے جمعہ کے بعد کا ہوتا تو اچھا تھا کیونکہ مجمع بہت تھا اتنا مجمع رات میں ہونا ناممکن ہے کیونکہ جو لوگ جمعہ میں آئے تھے وہ رات تک بوجہ سردی کے نیز اس وجہ سے کہ رات کے کھانے کا انتظام کر کے نہیں آئے تھے ٹھہر نہیں سکتے۔ اور مکان تک پہنچ کر اور پھر رات کو واپس آنا مشکل ہے۔ جمعہ کے بعد مجمع مفت میں ہو گیا تھا اس وقت وعظ ہوتا تو نفع عام ہوتا۔ فرمایا میں نے اس سے بھی انکار نہیں کیا تھا۔ میں تو ہر طرح حاضر تھا۔ اہل مشورہ نے یہ تجویز کی کہ رات کو بیان ہو میں نے سب بار اہل مشورہ پر رکھ دیا ہے اب میں بالکل سبکدوش ہوں اور میرا مذاق پوچھیں تو یہ ہے کہ جمعہ کے بعد وعظ کہہ کر میرا دل کبھی خوش نہیں ہوتا کیونکہ جمعہ کے وقت بالقصد تو آتے ہیں جمعہ کی نماز کے لئے اور وعظ کیلئے گویا بالجبر پکڑ لئے جاتے ہیں۔ تو یہ گھیر گھار ہے شوق نہیں ہے اور جو مجلس وعظ کی ہو مستقل، اس میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جو عظ سننے کے شوقین ہوں اور قاعدہ ہے کہ بیان کرنے والے کی طبیعت جب ہی کھلتی ہے جب کہ سامعین متوجہ ہوں اور اگر سامعین گھیر گھار سے یا دل ناخواستہ یا شرما حضوری سے بیٹھ گئے ہوں تو بیان کرنے والے کا دل کیا کھل سکتا ہے۔ ہاں مجمع کمانے کھانے اور روپیہ وصول کرنے کیلئے کیا گیا ہو تو اور بات ہے اس صورت میں تو جتنا مجمع زیادہ ہو اتنی ہی گرم بازاری کی صورت ہے اور رہا وعظ

سواس کے لئے تو مجمع وہی اچھا معلوم ہوتا ہے جس میں توجہ اور رغبت کے ساتھ سننے والے ہوں۔

پھر مسکرا کر فرمایا جمعہ کیلئے تو یہی مناسب ہے۔ **اذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض** ۔نماز ختم ہوئی اور جاؤ اپنے اپنے کام میں لگو پھر وعظ کے متعلق متفرق باتیں ہوتی رہیں۔ اس ضمن میں فرمایا وعظ کا پرانا طریقہ بزرگوں کا خوب تھا کہ کتاب لیکر بیٹھ گئے اور ایک آیت یا حدیث پڑھی اور مختصر سا مطلب بیان کیا اور آگے چل دیئے اس میں دماغ پر تعب نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی اختیار رہتا ہے کہ جتنی دیر چاہا بیان کر دیا اور جب چاہا ختم کر دیا کیونکہ مضامین میں تسلسل نہیں ہوتا جس سے مضمون کے ناتمام رہ جانے کا خیال ہو۔ ہر مضمون مستقل ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا اب تو سہل ترکیب یہ ہے کہ مجمع میں حضرت کا کوئی مطبوعہ وعظ پڑھ دیا جایا کرے۔ بحمد اللہ اتنے وعظ قلم بند ہو چکے ہیں کہ مدتوں تک مکرر ہونے کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔ فرمایا نا صاحب اس میں بھی دماغ پر تعب ہوگا کیونکہ سمجھانا پڑیگا۔ اس واسطے کہ مواعظ لفظ بلفظ تو قلم بند ہوئے نہیں ہیں بلکہ عبارت ان کی کتابی ہے اور لفظ بلفظ بھی ہوں تب بھی بیان کا لب ولہجہ تحریر میں کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ لکھا ہوا پڑھنے میں اور بیان میں فرق ہوتا ہے یہی تحریر بلا سمجھائے ہوئے ذہن میں نہیں آسکتی۔ لوگوں نے مصافحہ کیا اور ہاتھ بھی چومنے لگے۔ تو فرمایا کہ یہ ہاتھ چومنے کی رسم تو چھوڑ ہی دو۔ بس ہاتھوں کا مصافحہ کافی ہے اس بکھیڑے میں تو بڑی دیر لگتی ہے اور کانپور میں تو غضب کرتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں پھر ہاتھ چومتے ہیں پھر ہاتھوں کو ایک آنکھ سے لگاتے ہیں پھر دوسری سے لگاتے ہیں۔ ایک مصافحہ میں بڑی دیر تک دق کرتے ہیں۔ دس بیس آدمی بھی مصافحہ کرنے والے ہوں تو شام تک فرصت نہ ملے مصافحہ تو ہاتھوں کا ہے اور اگر آنکھوں کا مصافحہ کرنا ہے تو آنکھوں سے کرنا چاہئے۔

سوال : التحیات مکرر پڑھ جائے تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

جواب: واجب ہے۔

سوال : تشہد میں السلام علیک ایہا النبی پڑھ کر کچھ شبہ ہوا۔ اور لفظ مذکور کو پھر دہرایا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں۔

جواب: یہ دہرانا اصلاح صلوۃ کیلئے اور رفع شبہ کیلئے ہے لہٰذا موجب سجدہ نہیں ہے۔

سوال : اگر قعدہ میں دیر تک سو گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں۔

جواب: جو تاخیر فعل اختیاری سے ہو وہ موجب سجدہ سہو ہوتی ہے اور سونا فعل اختیاری نہیں ہے

لہٰذا موجب سجدہ نہیں ہے فرمایا نماز میں سونے کے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ جو فعل بحالت نوم ہو وہ معتبر نہیں ہے اس کا دہرانا ضرور ہے مثلاً کسی نے رکوع سونے کی حالت میں کیا تو یہ رکوع صحیح نہیں ہوا۔ اس کو چاہئے کہ اگر رکوع کی حالت میں آنکھ کھل جائے تو ذرا توقف کر کے قومہ کرے تاکہ یہ رکوع ہو جائے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ بعضے حافظ تراویح میں سوتے سوتے قرآن کریم پڑھ جاتے ہیں۔ یہ قرآن جو سونے کی حالت میں پڑھا گیا معتبر نہیں اس کو دہرانا چاہئے ورنہ قرآن ناتمام رہے گا۔ اور یہی حکم استغراق کا ہے۔ نوم اور استغراق ایک ہی حکم میں ہیں۔ یہاں سے استغراق کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے جس کو لوگ بڑا کمال سمجھتے ہیں کہ اس حالت کا کوئی عمل شمار نہیں ہوتا۔ ہاں استغراق کوئی بری حالت نہیں بلکہ محمود ہے۔ کیونکہ خطرات سے اس میں نجات ملتی ہے۔ مبتدی کو اس سے نفع ہوتا ہے مگر قرب میں اس کو کچھ دخل نہیں۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی تحقیق یہی ہے کہ استغراق سے جب افاقہ ہوگا تو آدمی وہیں ہوگا۔ جہاں سے استغراق شروع ہوا تھا اس کو ترقی مطلق نہ ہوئی ہوگی۔

۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ یوم السبت ۳۰ نومبر ۱۸ء

بعد عشاء قلندر صاحب کی درگاہ میں وعظ طریق القلندر ہوا جس میں تصوف کی واقعی حقیقت کا اور ان مغالطوں کا بیان ہوا۔ جس میں رسمی پیر نیز رسمی علماء بھی پڑے ہوئے ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ دین میں دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ عمل کی اور محبت کی۔ اہل تقشف اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ صرف عمل کو کوئی سمجھتے ہیں اور مدعیان تصوف اس غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ صرف محبت کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور اس کو ایک لطیف مثال سے بیان فرمایا۔ یہ وعظ ایسا بلیغ تھا کہ ہر طبقہ کے لوگ سن کر جھوم رہے تھے خصوصاً صوفی صاحبان پر تو وجد کیسی کیفیت تھی۔ غرض ایسا وعظ ہوا کہ گو حضرت والا کا ہر وعظ بے مثل ہوتا ہے مگر حضرت کے مواعظ میں بھی اس کی نظیریں زیادہ تعداد میں نہیں ملیں گی۔

خیال یہ تھا کہ بوجہ سردی کے رات کو مجمع زیادہ نہیں ہوگا لیکن خلاف امید تقریباً چار ہزار آدمی تھے۔ ایک حصہ میں قنات کے پیچھے مستورات بھی تھیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ انہی کی رعایت سے اہل مشورہ نے رات کے وقت کو بیان کیلئے ترجیح دی تھی۔ نیز قلندر صاحب کی درگاہ کو بھی اسی واسطے تجویز کیا تھا کہ مستورات کیلئے اس سے اچھی جگہ کہیں نہیں ہوسکتی تھی۔ اس

وعظ کو بالقصد خواجہ صاحب نے قلمبند کیا۔

بعد ختم حافظ لقاء اللہ صاحب نے عرض کیا کیسا اچھا وعظ ہوا۔ اس وعظ سے اپنے مشائخ بھی تو خوش ہوتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں ہوتے ہوں گے اور غیر سلسلہ کے مشائخ بھی خوش ہوتے ہوں گے۔ عرض کیا مثلاً یہ وعظ قلندر صاحب کی درگاہ میں ہوا ہے۔ تو کیا قلندر صاحب کو اس وقت مسرت ہوئی ہوگی فرمایا ہاں وہ تو بہت ہی قریب ہیں۔ یہاں تک تو آواز بھی پہنچتی ہوگی (حضرت والا کے ملفوظات میں ہے کہ مسئلہ سماع موتی عموماً تو مختلف فیہ ہے۔ لیکن اہل کشف کا اتفاق ہے۔ اس پر کہ اہل اللہ قبر میں سنتے ہیں۔ راقم محمد مصطفیٰ

پھر فرمایا پانی پت میں دو وعظ ہوئے (اندازہ یہی تھا کہ صرف دو وعظ ہوں گے مگر خوش قسمی سے پانی پت میں پانچ وعظ ہوئے) ایک مخدوم صاحب کی درگاہ میں جس کا نام ''جمال الجلال'' تھا۔ اور ایک آج قلندر صاحب کی درگاہ میں ہوا۔ میں اس کا ثواب ان صاحب مزار کو اور اس کا ثواب ان صاحب مزار کو بخشتا ہوں فجر کی نماز میں حضرت والا نے سورۂ انا فتحنا پوری اور سورۂ نباء پڑھی۔

سوال: پانی پت کے کملیوں (کمبل بافوں) نے اپنی برادری میں پنچایت کر کے مسجد کیلئے چندہ کی ایک صورت یہ نکالی ہے کہ فی کمبل ایک پیسہ لیا جائے اور وہ اس طرح وصول کیا جاتا ہے کہ جب کسی کے یہاں کمبل بکے تو محصل چندہ مسجد کی صندوقچی لئے ہوئے موجود ہو اور فی کمبل حساب کر کے بائع سے وصول کرے لیکن اس میں جبر نہیں کیا جاتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بالکل نہ دے تو اس پر کسی قسم کی ملامت بھی نہیں کی جاتی۔

فرمایا یہ صورت بھی جبر کی ہے یوں چاہئے کہ مشتری یا محصل کوئی اپنی زبان سے کچھ نہ کہے جس کو جو دینا ہو وہ خود ڈالدے کیونکہ مانگنے سے گو اس میں یہ تصریح بھی کر دی جائے کہ جبر نہیں ہے تاہم یہ اثر ضرور ہوتا ہے کہ بعض طبیعتیں شرما جاتی ہیں اور انکار نہیں کر سکتی۔ حالانکہ رضا قلبی نہیں ہوتی یہی جبر ہے۔ لوگوں نے کہا بجائے اس کے پرانا طریقہ اچھا تھا جس کو مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم نے جاری کیا تھا۔ وہ یہ کہ صندوقچیاں گھر گھر میں رکھوادی تھیں کہ جو کوئی کمبل بیچ کر دام لادے وہ خود فی کمبل ایک پیسہ کے حساب سے اس صندوقچی میں ڈال دیا کرے حضرت والا نے پوچھا پھر یہ طریقہ کیوں چھوڑ دیا۔ عرض کیا گیا کہ یہ اس واسطے ترک کیا گیا کہ وہ صندوچیاں لائی جاتی تھیں اور کھولی جاتی تھیں تو ہر ہر شخص کا راز کھلتا تھا کہ اس کے یہاں کتنے کمبل بکے اور اس

سے اس کی آمدنی ہر شخص کو معلوم ہو جاتی تھی اور یہ خلاف مصلحت تھا۔ فرمایا صرف اس وجہ سے تو ناحق چھوڑا اس کی تدبیر یہ تھی کہ ایک دن معین کرلیا جاتا۔ اور ایک بڑا صندوق مسجد میں رکھ دیا جاتا اور سب لوگ اپنی اپنی صندوقچیاں لاکر اس میں رقم ڈال دیا کرتے اس سے یہ مصلحت بھی فوت نہ ہوتی۔

فرمایا حافظ جنازہ (یہ بزرگ حضرت کے ایک نہایت مخلص اور جاں نثار خادم ہیں نام ان کا کچھ اور ہے چونکہ چہرہ مہرہ ان کا بالکل مردوں کا سا واقع ہوا ہے نیز ان سے ایک قصہ بھی ایسا ہی ہو گیا تھا اس واسطے ایک دفعہ حضرت نے ان کو حافظ جنازہ کہہ دیا تھا۔ جب سے ان کا نام ہی پڑ گیا تھا اور وہ اس نام سے خوش ہوتے تھے") کا نام میں نے بدل کر حافظ خضر کر دیا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ وہ بیمار ہوئے تو اس حالت میں جب لوگ ان کو جنازہ جنازہ کہتے تھے تو ان کو بہت وحشت ہوتی تھی اس واسطے میں نے اس کے مقابلہ میں خضر کا لفظ تجویز کیا۔ کیونکہ یہ دال ہے طول عمر پر جیسے کہ لفظ جنازہ میں تعریض ہوتی تھی قصر عمر پر۔ فرمایا میں نے نام بدل دیا۔ مگر پھر میں ان پر ایک روز بہت خفا ہوا کہ یہ کیا حالت ہے کہ موت سے گھبراتے ہو اگر موت سے اس قدر وحشت ہوگی۔ تو اندیشہ ہے تمہارا خاتمہ بگڑ جانے کا کیونکہ دنیا کو چھوڑتے وقت حق تعالیٰ کی شکایت قلب میں پیدا ہوگی کہ محبوب چیز کو چھڑاتے ہیں یہ حالت بدلو اور موت کی تمنا اور شوق پیدا کرو۔ کسی نے عرض کیا کہ موت کی تمنا کیسے ہو۔ فرمایا اس کے لئے ذکر اللہ کی کثرت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ فرمایا دوسرے خیال کے لوگوں سے۔ (یعنی متنعمین اور اہل دنیا سے) یہ کہنے کو دل چاہا کرتا ہے۔

خواب را بگذرا مشب اے پدر ☆ یک شبے در کوئے بے خوباں گذر

دنیا کی لذت کے لطف تو بہت اٹھائے ہیں ترک لذات کر کے بھی دیکھو اس میں وہ لطف ملے گا کہ پھر اس کا نام بھی نہ لو گے بلکہ خود ہی ان لوگوں پر افسوس کیا کرو گے۔ جو لذات میں پڑے ہوئے ہیں۔ غالباً خواجہ صاحب نے عرض کیا لفظ پدر تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مخاطب کو باپ بنایا فرمایا۔ اس کا ترجمہ بابا ہے یہ ہمارے محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ارے بابا جا کام کرو تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ مخاطب کو باپ بناتا ہے اور لفظ پدر آپ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا تو پسر کر دیجئے۔

سوال: بیماری کے موسم میں جو اذانیں کہی جاتی ہیں انکا کیا حکم ہے۔

فرمایا بدعت ہے لوگ کہتے ہیں کہ وبا جنات کے اثر سے ہوتی ہے اور اذان سے جنات

بھی بھاگتے ہیں اس واسطے اس اذان میں کیا حرج ہے۔ ایک شخص کو میں نے جواب دیا کہ اذان شیاطین کے بھگانے کیلئے۔

مگر کیا وہ اذان اس کے لئے کافی نہیں جو نماز کیلئے کہی جاتی ہے اگر کہا جائے کہ وہ صرف پانچ دفعہ ہوتی ہے تو اس وقت شیاطین ہٹ جاتے ہیں مگر پھر آجاتے ہیں تو یہ تو اس اذان میں بھی ہے کہ جتنی دیر تک اذان کہی جائے گی ہٹ جائیں گے اور پھر آجائیں گے۔ اور نماز کی اذان سے تو دن رات میں پانچ دفعہ بھی بھاگتے ہیں یہ تو صرف ایک ہی وقت ہوتی ہے۔ ذرا دیر کو بھاگ جائیں گے اور اس کے بعد تمام وقت میں رہیں گے۔ تو شیاطین کے بھاگنے کی ترکیب صرف یہ ہوسکتی ہے کہ ہر وقت اذان کہتے رہو۔ پھر صرف ایک وقت کیوں کہتے ہو۔

فرمایا آجکل بعض علماء کو بھی اس کے بدعت ہونے میں شبہ پڑ گیا۔ حالانکہ یقیناً بدعت ہے اور اس کی کچھ بھی اصلیت نہیں یہ صرف اختراع ہے۔

مسئلہ: مسجد کی لال ٹین میں اپنا تیل ڈال کر اپنے کام میں لانا درست ہے یا نہیں۔

جواب: درست نہیں کیونکہ تیل گو اپنا ہے مگر استعمال لال ٹین کا بھی تو ہوا۔ جو مال وقف ہے جس کا استعمال سوائے مسجد کے کام کے درست نہیں ہے حتیٰ کہ اپنے گھر تک لانا بھی جائز نہیں۔ اس پر سوال کیا گیا کہ اگر اس لالٹین کی قیمت مسجد میں دیکر اپنی ملک کر لیجائے اس طرح کہ مسجد میں اس کا استعمال بدستور رہے اور اپنے کام میں بھی لائی جایا کرے تو کیسا ہے۔ فرمایا یہ بیع ہے اور وقف کی بیع درست نہیں۔ الا آنکہ بیکار ہو جائے اور مسجد کے کام کی نہ رہے۔

فرمایا مسجد کے لوٹے میں پانی پینا مسجد کے اندر درست ہے۔ باہر لاکر درست نہیں علیٰ ہذا جو ڈھیلے استنجے کے لئے مسجد میں رکھے ہوں ان کا استعمال اس نمازی کو درست ہے جو اس مسجد میں نماز پڑھے اور وہ بھی نماز کے قریب اور دوسروں کے لئے اور دوسرے وقت میں بھی درست نہیں۔

ایک شخص آئے جو ایک گاؤں میں امام بھی تھے اور حضرت والا کے معتقد تھے اور گاؤں کے چند اشخاص کو اپنے ساتھ لائے اور ایک دوسرے شخص کی شکایت کی جو وہ بھی امام ہی تھے کہ وہ مرتکب کبائر ہیں اور ان تمام ہمراہیان نے ہم زبان ہو کر اس کی تصدیق کی تو حضرت والا نے ان کے بیان کے بموجب فرمایا کہ ایسے امام کو معزول کرنا چاہئے۔ یہ شکایت کرنے والے شخص بہت خوش ہوئے کہ میں جیت گیا اس کی اطلاع حضرت والا کو ہوگئی کہ ان کو اس کے معزول ہونے

اور اپنے جیتنے سے خوشی ہوئی۔ تو ان سے فرمایا کہ میں خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ آپ ان قصوں سے علیحدہ رہیں ورنہ آپ بدنام ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس میں شائبہ حسد کا پایا جاتا ہے سننے والے یہی کہیں گے کہ امام ہونے کی وجہ سے اپنے ہم پلہ سے حسد ہوا۔ اس واسطے اس کو نکلوا دیا۔ گو حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ اور میرے مذاق کے موافق تو کسی کام میں دخل دینا بالکل خلاف ہے آدمی کو آزاد رہنا چاہئے اور امام تو سب جگہ ایسے ہی ہیں آپ کہاں کہاں کا انتظام کریں گے اور عیب کس میں نہیں ہوتے اگر وہ آپ ہی کے عیب چھانٹے تو کیا آپ میں عیب نہیں نکل آئیں گے۔ فرمایا کوئی گناہ ظاہری میں مبتلا ہیں اور کوئی گناہ باطنی میں اور اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا بھی گناہ ہے اور فسق باطنی ہے۔

۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ یوم یکشنبہ ۳۱ نومبر ۱۸ء

شب یکشنبہ میں کھانا حافظ مشتاق محمد صاحب کے یہاں تھا ان کے مکان پر تشریف لے گئے فرمایا دو نعمتیں بہت بڑی ہیں فہم اور محبت۔

معاملات کا ذکر تھا۔ فرمایا اس کو تو لوگوں نے دین سے الگ ہی سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ علماء تصنیفیں کرتے ہیں اور وعظ کہتے ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم کرتے ہیں مگر کہیں معاملات کا ذکر ہی نہیں آتا۔ پھر فرمایا میں ایک حکایت سناتا ہوں اس کو بطور فخر نہ سمجھا جائے منشی محمود الحق صاحب ہردوئی سے آئے تھے کہنے لگے میں آجکل تصانیف دیکھتا ہوں۔ ان میں نماز روزے کے مسائل تو ہیں مگر معاملات کی صفائی کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ غور کرنے سے اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ جن کے معاملات خود صاف ہوں وہ دوسروں کو بھی تعلیم کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ آجکل کے لوگ جو دوسروں کو اس کی تعلیم نہیں کرتے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے خود کے معاملات بھی صاف نہیں ہیں اور آپ جو دوسروں کو اس کی سخت ہدایت کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کے معاملات بالکل صاف ہیں۔

احقر نے دیکھا کہ ایک اجلے پوش شخص آئے جن کی چال ڈھال اور صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ تعلیم یافتہ اور شریف آدمی ہیں وہ آئے اور حضرت مولانا کی مجلس میں بیٹھ کر چلے گئے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں مگر بوجہ ادب کے نہیں پوچھ سکے اور چلے گئے۔ آج بھی وہ عشاء کے وقت موجود تھے۔

احقر کو معلوم ہوا ایک صاحب سے کہ وہ ایک چوھدری صاحب پنجابی ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ اس نواح میں دورہ میں آئے ہوئے ہیں۔ حضرت والا کی خبر سن کر یہ معمول کر لیا ہے کہ دن کو اپنے کیمپ میں اجلاس کرتے ہیں اور اجلاس سے فارغ ہو کر بذریعہ ریل یا جس طرح ممکن ہوتا ہے شام کو پانی پت آ جاتے ہیں تا کہ جتنا وقت مل سکے حضرت کے پاس بیٹھیں۔ چنانچہ آج شام کی ریل سے آئے ہیں اور بارہ بجے کے قریب واپس جائیں گے۔ یہ چوہدری صاحب عشاء کے بعد حضرت والا کے سامنے آ بیٹھے اور جیسے ہی حضرت والا وظیفہ سے فارغ ہوتے۔ پاس بیٹھے اور عرض کیا کہ مجھے کچھ پڑھنے پڑھانے کو بتا دیجئے۔ حضرت نے ان سے بہت دیر تک مخاطبت فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام کا ایک قاعدہ ہوتا ہے اور کام قاعدہ سے ہی اچھا معلوم ہوتا ہے کام کو بے قاعدہ کرنا نہیں چاہئے آپ تعلیم چاہتے ہیں تو اس طریق کی تعلیم با قاعدہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ ضرورت ہے اعمال کے درست کرنے کی اعمال میں نماز و روزہ عبادات، اخلاق سب آ گئے سب سے زیادہ ضرورت ان کی اصلاح کی ہے۔

اب لوگ وظیفوں کو اختیار کرتے ہیں حالانکہ اصل چیز یہ ہیں اگر یہ درست نہیں تو کچھ بھی نہیں خواہ وظیفہ کتنے ہی گھنٹے کرو اور اگر یہ اعمال درست ہوں اور وظیفے بالکل نہ ہوں تو حرج نہیں اور اعمال کی درستی کی عمدہ تدبیر یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اول سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے یا ناخوشی کا باعث ہے اگر خود کو یہ بات معلوم ہو کہ دونوں قسموں میں سے کونسی قسم میں داخل ہے تو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ اور اگر معلوم نہ ہو تو اس کے کرنے سے پہلے کسی سے پوچھ لیا جائے۔ یہ ایسی تدبیر ہے کہ جس سے ہر شخص اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اس میں تمام افعال آ گئے ہاتھ کے پیر کے زبان کے سب افعال میں یہی التزام کرے کہ بے پوچھے نہ کروں گا۔ تجربہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ کس درجہ مفید اور سہل تدبیر ہے۔ یہ تو تدبیر ہے اعمال ظاہری کی اصلاح کی۔ اور اعمال باطنی کے متعلق عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند کتابیں ہیں ان کے نام میں عرض کروں گا۔ ان کو بالالتزام از اول تا آخر دیکھ لیا جائے بلکہ ان کو مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار دیکھا جائے اور ایک ضرورت اس بات کی ہے کہ کبھی کبھی جب موقع ملے تو کسی ایسے شخص کے پاس جس کو اپنے نزدیک ایسا سمجھا جائے کہ میری اصلاح کر سکتا ہے ایک ایک دو، دو دن جا کر رہا جائے اس سے بہت نفع ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہوئیں۔ یہی اصل ہیں۔

اس طریق میں ان کو بار بار کرتے رہنے سے خود اچھا برا سمجھ میں آنے لگتا ہے اصل تعلیم

یہ ہے اور اس کے بعد وظیفے بھی ہوں تو مضائقہ نہیں ہے۔ اس صورت میں وہ وظیفے معین ہو جاتے ہیں۔ طریق میں سیدھی چال تو یہ ہے اور آجکل یہ چال اختیار کی گئی ہے کہ وظیفے ہی وظیفے ہیں۔ نہ علم ہے نہ عمل۔ سو اس سے کیا ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو کوئی مادی مرض ہے اس کا باقاعدہ علاج تو مسہل ہے لیکن وہ عقلمند مسہل نہیں پیتا۔ اور بجائے مسہل کے عرق بادیان سے کام نکالنا چاہتا ہے جو مسہل کی مدد میں پیا جایا کرتا ہے تو کیا عرق بادیان سے مسہل کا کام نکل سکتا ہے۔

سیدھی چال یہ ہے کہ مسہل لیا جائے اسی سے مرض کو شفا ہوگی نہ کہ عرق بادیان سے ہاں مسہل کے ساتھ مدد کے عرق بادیان بھی پیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اس صورت میں عرق بادیان سے نفع ہوگا کہ مدد پہنچے گی۔ اور مسہل کا عمل اچھا ہوگا۔ اس مثال سے میرے بیان کی بالکل توضیح ہو گئی۔

اب میں پھر اس کو دہراتا ہوں کہ زیادہ نظر ان تین باتوں کی طرف رکھی جائے۔ اور اس کے ساتھ کچھ ذکر بھی ہو تو معین ہو جاتا ہے طریق میں اور جلدی ترقی ہو جاتی ہے۔ چوہدری صاحب نے عرض کیا ذکر کیا ہونا چاہئے۔

فرمایا سب سے زیادہ مفید اور قلب کو نورانی کرنے والا ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔ جس قدر بھی ہو ہزار، دو ہزار پانچ سو چار سو، دو سو، سو ہی دفعہ سہی اس سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں اس کی ترکیبیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی وقت معین کر کے کوئی تعداد اس ذکر کی مقرر کر لی جائے۔ جو وقت بھی فرصت کا ہو دن میں یا رات میں اگر ممکن ہو تو عشاء کے بعد کچھ نفلیں پڑھ کر مثلاً چار ہی رکعت سہی۔ ذکر لا الہ الا اللہ کیا جائے۔ اور تعداد کم سے کم پانچ سو بار ہو۔

اور کبھی کبھی اس کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' ﷺ بھی ملا لیا جائے اور تیسرے چوتھے دن اس کی ایک ایک تسبیح بڑھائی جایا کرے حتی کہ بارہ سو تک پہنچ جائے۔ چوہدری صاحب نے عرض کیا عشاء کے بعد کیا ضرورت ہے تہجد کے وقت ہی کیوں نہ ہو جو اصل وقت ہے نفلوں کا۔

فرمایا ہاں اگر تہجد کی عادت ہو تو اسی وقت ذکر کیا جائے مگر دوام چاہئے دوام بڑی چیز ہے۔

عمل چاہے قلیل ہی ہو مگر دوام ہو تو اس میں بڑی برکت ہو جاتی ہے ایک ترکیب تو ذکر کی یہ ہوئی۔ اور دوسری ترکیب یہ ہوئی کہ ہر وقت زبان سے آہستہ آہستہ اسی کی کثرت رہے۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے برابر اس کو ورد زبان رکھا جائے۔ اور ایک ضرورت ہے اس بات کی کہ وقتاً

فوقتاً جو بات اچھی بری پیش آئے یا کچھ بھی پیش نہ آئے تب بھی اطلاع دیجائے۔ نہایت اچھی چیز ہے بعض لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں کہ اطلاع کی ضرورت نہیں سمجھتے اور جوان کو اول دن بتا دیا اس کو ساری عمر کیلئے کافی سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی مثال نسخہ جیسی ہے مریض جب طبیب کے یہاں اول دن گیا تو طبیب نسخہ لکھ دیگا۔ لیکن وہ نسخہ تمام معالجہ کیلئے کافی نہیں ہوتا بلکہ ضرورت ہے بار بار اطلاع دینے کی اور نسخہ میں تغیر و تبدل کرانے کی اور علاج میں ترمیم کئے جانے کی۔

یہ ہے خلاصہ سلوک کا اور یہ ہے سیدھی چال اس طریق سے چلئے کام اصول کے موافق کیا جائے تو صحیح ہوتا ہے جس طرح میں نے عرض کیا شروع کر دیجئے اس میں کوئی دشواری بھی آپ کو پیش نہیں آئے گی۔ شروع کر دیجئے اور اطلاع دیتے رہئے۔

ابتدا میں سہل کام سے شروع کیا جائے گا پھر بتدریج حسب موقع و محل بڑھا دیا جائیگا۔ اور وہ کتابیں جن کا میں نے وعدہ کیا تھا یہ ہیں بہشتی زیور، اصلاح الرسوم، تعلیم الدین، قصد السبیل، میرے مواعظ جو دعوات عبدیت کے سلسلہ میں ہیں جتنے حصے مل جائیں ان کو مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار دیکھا جائے۔ خصوصاً حصہ ششم دعوات عبدیت کا کہ اس میں بہت مفید مضامین ہیں۔ اس وقت اتنی ہی کتابوں کے نام لیتا ہوں ان کے ملاحظہ کے بعد پھر مجھ سے مشورہ کیا جائے ان کتابوں کے ملنے کا پتہ یہ ہے:

تھانہ بھون (مطبع امداد المطابع) اس کے بعد حضرت اٹھ کھڑے ہوئے اور آرامگاہ میں تشریف لے گئے۔ یہ ملفوظ اس طریق کے طالبین کے لئے جس قدر مفید ہے اور جامع تعلیمات ہے ظاہر ہے بلحاظ اس کی جامعیت کے احقر اس کا نام جامع النعم رکھتا ہے۔ لفظ نعم میں باعث ملفوظ یعنی چوہدری نعمت اللہ صاحب کے نام کی تضمین بھی ہے۔ اہل پانی پت میں دینداری کا نہایت درجہ چرچا ہے۔ یہ مقام ہمیشہ سے علماء اور صلحاء اور اولیاء اللہ کا مرکز رہا ہے۔ اس وقت اگر کوئی تمام بستی کی سیر کرے تو اس کو یہ بات تقریباً صحیح معلوم ہوگی کہ آدھی عمارتیں موجودہ باشندگان کے رہنے کی ہیں اور آدھی عماریں مزارات کی ہیں۔ حضرت شاہ شمس الدین صاحبؒ ترک، اور مخدوم جلال الدین صاحب کبیر الاولیاء اور خواجہ عبدالرحمٰن گاررونی اور بوعلی شاہ صاحب قلندر اور قاضی ثناء اللہ صاحب وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے اکابر کے مزارات یہاں موجود ہیں اور فن قرأت کیلئے تو ہندوستان میں پانی پت ہی ایک مخصوص مقام ہے بچہ بچہ یہاں کا حافظ اور قاری ہے اور بہت سی عورتیں سبع کی ماہر موجود ہیں۔ قرآن پاک ہی کی برکت ہے کہ

یہاں کے لوگوں کو دین سے اور علم دین سے خاص مناسبت ہے۔

احقر کی غرض اس تحریر سے صرف یہ ہے کہ اس دینی مناسبت کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت والا کو بھی یہاں سے خاص دلچسپی رہی اور باوجود اس کے کہ پہلے سے ارادہ حضرت کا صرف ایک یا دو وعظ کا تھا۔ لیکن لوگوں کے سچے اصرار اور خصوصاً مستورات کی درخواستوں نے تین وعظ اور بھی کہلوائے اور آٹھ دن میں پانچ وعظ ہوئے اور حضرت کی طبیعت پر ان کا مطلق بار نہیں ہوا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر حضرت والا کی جسمانی اور دماغی قوت متحمل ہوتی تو روزمرہ ایک وعظ کہنے سے بھی دریغ نہ فرماتے۔

یہ نتیجہ سامعین کے خلوص اور طلب کا ہے۔ حضرت والا کے ملفوظات کے مضامین کی مثال ماں کے دودھ جیسی ہے کہ پستان میں موجود ہے مگر نکلے گا اسی وقت جبکہ بچہ کھینچے گا۔ اگر بچہ نہ کھینچے تو نہ نکلے گا۔ اور کم کھینچے تو کم نکلے گا۔

چنانچہ اہل پانی پت کی طلب کا یہ نتیجہ تھا کہ مضامین کی بارش ہوگئی اور ایسے وعظ ہوئے کہ سبحان اللہ اور صل علٰی۔ خصوصاً دو وعظ ایک طریق القلندر جو قلندر صاحب کی درگاہ میں ہوا کہ وہ تصوف کی روح تھا۔ اور اس سے طریق تصوف کی حقیقت منکشف ہوگئی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوگیا۔ اور دوسرا وعظ ''دارالسلام جو قاری عبدالسلام صاحب مرحوم و مغفور کے مکان پر قاری صاحب کی صاحبزادیوں کی درخواست سے پانچ گھنٹہ کے قریب ہوا۔ اس میں تسلی اور تشفی اور صبر کا بیان تھا۔

کیونکہ اسی سال میں قاری صاحب کا انتقال ہوا ہے احقر کا خیال ہے کہ تسلی اور تعزیت کے متعلق کوئی وعظ ایسا جامع اس سے پہلے نہیں ہوا۔ اور نہ مصیبت کا کوئی دستور العمل اس سے بہتر موجود ہے اور اسی خلوص اور طلب صادق کا ایک فرد یہ تھا کہ مستورات ہر وقت چھوٹی پیرانی صاحبہ کے مکان میں آتی جاتی رہتی تھیں۔ اور تعلیم حاصل کرتی تھیں جن کی وجہ سے حضرت کو اکثر مکان میں جانا پڑتا تھا۔ جب مستورات کی رجوعات زیادہ بڑھی تو حضرت والا نے ایک دستور العمل ایسا تجویز فرمایا جو ہر بی بی کو بتا دیا جاتا تھا۔ اس کی نقل یہ ہے:

۱۔ بعد عشاء کے تہجد چار رکعت

۲۔ اگر طبیعت متحمل ہو تو بعد تہجد پانچ تسبیح لا الہ الا اللہ کی اور درمیان میں محمد رسول اللہ ملا لیا جائے پھر بتدریج ایک ایک تسبیح بڑھایا کرو اور دس تسبیح تک پہنچاؤ جہاں تک تحمل ہو۔

۳۔ دوسرے وقتوں میں جب یاد آجائے استغفار یا درود شریف پڑھتی رہیں

۴۔ بعد نماز پنجگانہ کے ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کریں۔

۵۔ میری کتابوں میں بہشتی زیور، اور اصلاح الرسوم پوری دیکھ کر ان کی پابندی رکھیں اور تسہیل المواعظ کی جلدیں منگا کر ان کو روزانہ دیکھا کریں۔ یہ جلدیں اس پتہ سے مل سکتی ہیں۔ تھانہ بھون امداد المطابع۔ منشی رفیق احمد صاحب۔

۶۔ سب گناہوں سے اور خصوصاً زبان کے گناہوں سے سخت پرہیز رکھیں۔

۷۔ اگر کبھی کبھی اپنے حالات سے اطلاع دیجائے گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ سلسلہ تعلیم کا جاری رہے گا۔ (ختم شد دستور العمل نسوان)

ذکر ہوا کہ سید کو نوکر رکھا جائے تو دقت یہ ہے کہ اس سے خدمت کیسی لی جائے کیونکہ سید کی تو تعظیم چاہئے۔ فرمایا نوکر رکھنے میں اور خدمت لینے میں کیا حرج ہے ہاں اس کی اہانت نہ کرے اور خدمت کی ضرورت سے اس کو زجر و تنبیہ کرنے میں بھی حرج نہیں۔ خدمت لینے اور زجر و تنبیہ کرنے کو اہانت لازم نہیں۔ میرے یہاں نیاز اور عبدالستار دو نوکر ہیں ان کو مار بھی لیتا ہوں مگر واللہ باللہ جو قلب میں ان کی ذرا بھی اہانت ہو۔

قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی کا انتقال ابھی تھوڑے عرصہ کے اندر ہو چکا ہے حضرت والا سے قاری صاحب مرحوم کو نہایت درجہ انس تھا۔ حضرت والا ان کے مکان پر ایک روز بطور تعزیت تشریف لے گئے تھے۔ قاری صاحب کی صاحبزادیوں نے ایک وعظ کی درخواست کی جس کو حضرت نے منظور فرمالیا۔ اور ۲۶ صفر ۱۳۳۷ء روز اتوار اس کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ بعد طلوع آفتاب وہاں تشریف لے گئے تھے اور آٹھ بجے کے بعد آیت واللہ یدعوا الی دار السلام کا وعظ شروع ہوا حضرت کا ارادہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ بیان کرنے کا نہ تھا۔ لیکن صاحبزادیوں کی طلب صادق اور سامعین کی خوش قسمتی کا یہ اثر ہوا کہ آج حضرت والا کے سامنے گھڑی رکھ دینا کسی کو یاد نہیں رہا۔ اور مضمون ایسا دلچسپ بیان ہوا کہ نہ حضرت والا ہی کو وقت کا اندازہ ہوا۔ اور نہ سامعین کو ہاں یہ ہوا کہ لکھنے والوں کے ہاتھ دکھ گئے اور کاغذ ختم ہو گئے اور قلم گھس گئے۔

حافظ لقاء اللہ صاحب پنسل برابر بنا کر دیتے رہے تھے اور کاغذ ایک دفعہ منگایا وہ بھی ختم ہو گیا تو دوبارہ منگایا وہ بھی ختم ہو چکنے کے قریب آگیا اس پر بھی سامعین کی سیر نہیں ہوتی تھی اور چاہتے تھے کہ برابر اسی طرح بیان جاری رہے۔ احقر کا خیال یہ تھا کہ گیارہ بج گئے۔ گھڑی

نکال کر دیکھا تو ایک بجا ہے۔ چار گھنٹہ سے زیادہ وعظ ہوا سب حیرت میں رہ گئے۔ اور یہی کہتے ہوں گے کہ گھڑی غلط ہوگی۔ اتنا وقت نہیں آیا ہے وعظ ابھی اور ہونا چاہئے۔ اس وعظ کا نام بمناسبت آیت نیز بمناسبت قاری صاحب مرحوم کے دار السلام رکھا گیا۔

وعظ کے بعد قاری صاحب مرحوم کے ہمشیرہ زادہ حافظ شریف الدین صاحب نے بیان کیا کہ رات میں نے اپنی نانی یعنی قاری صاحب کی والدہ کو اور قاری صاحب کو خواب میں دیکھا کہ اس مکان کے بالا خانہ پر کتب خانہ میں ہیں۔

اس کے بعد قاری صاحب نیچے اتر آئے میں نے عرض کیا میں چارپائی لاتا ہوں اس پر تشریف رکھئے۔ فرمایا نہیں میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے استقبال کے لئے کھڑا ہوں کیونکہ وہ تشریف لا رہے ہیں اور ان کا استقبال ضروری ہے۔ اس وقت کھانا محلہ مخدوم زادگان میں ایک جگہ تھا۔ وعظ سے فارغ ہو کر ظہر کی نماز پڑھی اور بعد ظہر وہاں جا کر کھانا کھایا۔

وہاں ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ اس قدر متقی اور پرہیزگار ہیں کہ کھانا بھی ایک ہی وقت کھاتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ اچھا نہیں کرتے اس کو وہ زہد سمجھتے ہیں۔ خیر یہ ان کی رائے ہے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ اور خوب کام کرو۔

پھر فرمایا ابو طالب مکی نے لکھا ہے کہ عبادت میں انسان کو تشبہ بالملئکہ کرنا چاہئے۔ اور تشبہ بالملئکہ کی صورت یہ ہے کہ وہ نہ بھوکے ہوتے ہیں نہ کھانے سے گرانبار ہوتے ہیں تو انسان کی حالت عبادت میں ایسی ہونی چاہئے کہ جب کھڑا ہو تو ایسا ہو کہ نہ تو اس کو بھوک ہو۔ یعنی بالکل خالی پیٹ نہ ہو اور نہ ایسا ہو کہ کھایا ہے یعنی اتنا نہ کھائے کہ بار ہو۔

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید ☆ نہ چند انکہ از ضعف جانت برآید

عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ نے بہت کم کھایا ہے۔ بسا اوقات دو، دو پتھر حضورؐ کے شکم مبارک پر بندھے رہتے تھے تو طریقہ سنت یہی ہوا کہ بھوکا رہے۔ فرمایا حضورؐ نے بیشک کم کھایا ہے۔ یہ صحیح ہے مگر یہ عمل مقاصد میں سے تو نہیں ہے حضورؐ کی قوت کو کون پہنچ سکتا ہے۔ آجکل لوگ اس کے متحمل نہیں ہیں اس کا اہتمام آجکل زیادہ کرنے کا انجام یہ ہے کہ آدمی دین کے کام سے بھی رہ جائے۔ ایک صاحب اسی طرح تقلیل غذا کرتے تھے انجام یہ ہوا کہ ان کو یبوست بڑھ کر دق ہوگئی اس وقت وہ نہایت درجہ پچھتاتے تھے یہ پچھتانا اس کھانے سے زیادہ برا ہے۔

بعض لوگوں کی تجویز محلہ مخدوم زادگان کے قریب ایک مدرسہ کھولنے کی تھی بعد عصر

لوگ حضرت کو وہاں لے گئے۔ وہ کمرے دکھائے جو بطور درسگاہ تجویز ہوئے تھے ان میں ایک کمرہ ایسا تھا کہ آبادی کی طرف اس کی پچھیت تھی اور سامنے اس کے تھوڑا صحن تھا گویا یکسوئی کی جگہ تھی۔ فرمایا یہ جگہ تو رہنے کی اور اللہ اللہ کرنے کی ہے اس لفظ کو ایسے لہجہ سے فرمایا جس سے تڑپ ٹپکتی تھی جس کا اثر سامعین کو محسوس ہوتا تھا اسی مدرسہ کے متصل حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب کا مزار ہے اور مدرسہ کو جاتے وقت اول وہ مزار ہی ملتا ہے۔ حضرت مدرسہ میں پہنچنے سے پہلے اس مزار پر کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر کچھ پڑھتے رہے سنا ہے کہ حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اس مزار کی طرف خواہ مخواہ کشش ہوتی ہے کیونکہ میں انہی کی دعا سے پیدا ہوا ہوں۔ اور شورش جو میرے طبیعت میں ہے انہی کا اثر ہے۔ ورنہ حضرت حاجی صاحب تو رحمت مجسمہ تھے۔

۲۷ صفر ۱۳۳۷ھ یوم دوشنبہ ۲ دسمبر ۱۹۱۸ء

صبح کو ۸ بجے کے بعد دو گھنٹہ کے قریب محلہ مخدوم زادگان میں عبدالحکیم کے زنانہ مکان میں وعظ ''کساء النساء'' ہوا کھانا اس وقت کا محلہ انصار میں ایک جگہ تھا۔ بعد وعظ وہاں تشریف لے گئے کھانا کھلانے کا سامان کیا جا رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا جائے قیام پر تشریف لائیے اس وقت دماغ تھکا ہوا ہے۔ نیز یہ جلسہ کھانے کا ہے ہر بات کا ایک موقع ہوتا ہے یہاں کھانا کھانے کے واسطے آئے ہیں۔ خیالات دوسری طرف ہیں کسی سوال کے جواب میں توجہ کی جائے تو کھانے کا لطف جاتا ہے اور اگر کھانے کی طرف توجہ رہے تو خدا جانے جواب کیا کا کیا دیدیا جائے کیونکہ توجہ تو اس طرف ہے ہی نہیں۔ ایسے وقت سوال کرنا بڑی غلطی ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب راستہ میں چلا جا رہا ہے اور کوئی مریض کہے چلتے چلتے نسخہ ہی لکھتے جاؤ۔ اس حالت میں کیا نسخہ لکھے گا۔ اور کیا اس سے شفا ہو گی لوگوں کی حس نہ معلوم ایسی باطل کیوں ہوئی ہے کہ اتنی کھلی بات نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا یہ آداب ہیں جن کو لوگ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ان کی ضرورت سب کو ہوتی ہے اور ان کے خلاف کرنے سے تکلیف بھی سب کو ہوتی ہے خصوصاً مہمان کو۔ مگر بوجہ اخلاق کے کوئی کہتا نہیں۔ میں جو کہہ دیتا ہوں تو بدنام ہوں اور مجھ کو بدخلق اور تیز مزاج کہا جاتا ہے۔

پوچھنے کیلئے ہمیشہ الگ جلسہ ہونا چاہئے جس میں یہی کام ہوتا کہ جواب دینے والے کے عام خیالات اسی طرف متوجہ ہوں۔ بعض لوگ کھانا کھاتے میں کچھ پوچھا کرتے ہیں تو میں منع

کر دیتا ہوں کیونکہ کھانا کھانے میں خلل ہوتا ہے۔ کھانا کھانے میں تو تفریح کی باتیں کرنا چاہئیں اس وقت کوئی ایسی بات جس سے سوچنا پڑے نہ کرنا چاہئے اس سے غذا کے ہضم میں بھی فرق پڑ جاتا ہے کیونکہ ہضم کیلئے توجہ طبیعت شرط ہے اور جب توجہ دوسری طرف ہے تو ہضم کما حقہ کیسے ہوسکتا ہے اور اگر کسی بات کی تحقیق منظور ہے تو اس طرح تحقیق ہوا کرتی ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لیا۔ میں کبھی ایسے پوچھنے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ جس میں کم از کم اتنا بھی نہ ہو کہ بالقصد سائل اسی کے واسطے آیا ہوں۔ یہ کیا اتفاقاً اجتماع ہو گیا اور لگے پوچھنے۔ کھانا کھاتے میں۔

احقر اور خواجہ صاحب ایک جگہ بیٹھے تھے اخیر میں روٹی کے چند ٹکڑے بچے تھے وہ ہم دونوں نے کھا لئے اس وقت سب لوگ کھانا کھا چکے تھے ہم نے اپنے سامنے کے ٹکڑے کھا لئے اور ثابت روٹیاں جمع کر کے ایک جگہ کر دیں۔ حضرت ذکر فرمانے لگے کہ ایک شخص کہا کرتے تھے کہ اخیر میں ایک ٹکڑا روکھا کھالے تاکہ منہ صاف ہو جائے اس کو سن کر خواجہ صاحب نے ثابت روٹی میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر کھا لیا تو حضرت نے فرمایا خوب یہ کچھ ایسا ضروری کام نہ تھا کہ ثابت روٹی کو آپ نے اس کی وجہ سے خراب کیا۔ میں حتی الامکان کھانے کو خراب نہیں کرتا دستر خوان تک آلودہ نہیں کرتا۔ دیکھئے میرے سامنے کچھ کھانا نہیں گرا۔ برتن اٹھا کر دیکھا گیا تو صرف تین لونگیں حضرت کے سامنے دستر خوان پر ملیں۔ فرمایا دیکھئے چاول ایک نہیں گرا ہے۔ اگر کوئی چاول گر جاتا ہے تو میں فوراً اٹھا کر کھا لیتا ہوں۔ لونگیں چونکہ کھائی نہیں جاتی ہیں اس واسطے رہ گئیں ہیں۔

میں نے دستر خوان کی منفعت صرف یہ سمجھی ہے کہ اس پر اگر کوئی چیز گرے تو اس کو اٹھا کر کھا لینے میں طبیعت نہ رکے نہ یہ کہ اس پر خواہ مخواہ شوربا گرایا جائے اور بداحتیاطی سے کھایا جائے اور اس پر گرے ہوئے کو پھینک دیا جائے۔ اس وقت دستر خوان پر زردہ پلاؤ آلو گوشت دال ماش پودینہ کی چٹنی تھی سب کھانوں سے پہلے زردہ لا کر رکھا گیا تھا۔ اسی کو حضرت والا نے کھانا شروع کر دیا۔ اور اخیر تک اسی کو کھاتے رہے۔ فرمایا میرے سامنے جو چیز اول آجائے میں اسی کو کھا لیتا ہوں۔ مختلف چیزوں کو جمع کرنا میری طبیعت کے خلاف ہے۔ اور اطبا بھی شاید یہی کہتے ہیں کہ الوان مختلفہ میں جمع کرنے سے ہضم ٹھیک نہیں ہوتا۔ خصوصاً چاول اور روٹی میں جمع کرنا میری طبیعت کے زیادہ خلاف ہے۔ میں نے اس وقت اگر روٹی شروع کر دی ہوتی تو چاول بالکل نہ کھاتا۔ بعد کھانا کھانے کے ایک صاحب ہاتھ دھلانے لگے اور پانی لگا تار ڈالنے لگے تو فرمایا ٹھہریئے اس طرح پانی ضائع ہوتا ہے اور اگر دھونے والے کے اشارہ کرنے پر ڈالا

جائے تو ضائع نہیں ہوتا۔ تھوڑا پانی کافی ہوتا ہے اور ہاتھ بخوبی دھل جاتے ہیں۔ پانی پت میں حضرت والا کا خیال صرف ایک دو وعظ ہونے کا تھا لیکن قدرت خدا کہ پانچ وعظ ہو گئے۔ خواجہ صاحب نے اس مجموعہ مواعظ خمسہ کا لقب پنج آب پانی پت تجویز کیا۔ اور حضرت نے بھی اس کو پسند فرمایا۔ پنج آب بمعنی انہار خمسہ ہے اور اس لفظ میں حرف بھی پانچ ہیں اور پانی پت احاطہ پنجاب میں واقع ہے۔ اور حافظ لقاء اللہ صاحب نے تجویز کیا کہ وعظ جمال الجلال کے سرورق پر مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کا فوٹو ہو اور وعظ طریق القلندر کے سرورق پر قلندر صاحب کی درگاہ کا فوٹو ہو۔ اس کی بھی حضرت نے اجازت دی۔

۲۸ صفر ۱۳۳۷ھ روز شنبہ ۳ دسمبر ۱۹۱۸ء

واقعہ : حضرت کا قیام اپنے سسرال میں تھا گھر والوں سے فرمایا کہ کوئی دعوت بلا میری اطلاع اور اجازت کے منظور نہ کی جائے۔ شہر کے ایک رئیس صاحب پیر کے دن شام کو تشریف لائے اور کل کی صبح دعوت کیلئے بالحاح اصرار کیا۔ حضرت نے بہت اصرار کے بعد دعوت منظور فرمالی۔ انہوں نے یہ بھی فرمائش کی کہ جب صبح کو کھانا کھانے کے لئے تشریف لائیں تو کچھ تھوڑا سا بیان بھی ہو جائے حضرت نے اس سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ مستورات کا فرقہ وعظ و نصیحت کا زیادہ مستحق ہے اگر وہ اس موقعہ پر کچھ سن لیں گے تو نفع ہی ہوگا۔ فرمایا یہ سب کچھ صحیح مگر اپنی مصلحتوں کو اور ضرورتوں کو ان مصالح سے تلف نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض وہ بیان کیلئے اصرار کرتے رہے مگر حضرت نے انکار کیا۔ حضرت والا شاید اس کے بعد گھر میں تشریف لے گئے اور ان صاحب سے کسی نے کہا کہ اگر مستورات کو کچھ وعظ و نصیحت سنوانا منظور ہے تو ان کو یہاں بھیج دیجئے وہ صاحب یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ خیر زیادہ نہیں دو ایک مسئلہ ہی بیان فرما دیں گے اور یہ سمجھا حضرت والا اس سے انکار نہ کریں گے۔

یہ خبر دو چار آدمیوں کے کانوں میں پڑ گئی پھر کیا تھا اس پر حاشیئے چڑھائے گئے اور کچھ سے کچھ ہو کر ذرا دیر میں شہر میں اڑ گئی اور مشہور ہو گیا کہ کل صبح فلاں جگہ وعظ ہوگا۔ حضرت والا اس سے بالکل بے خبر تھے اور صبح کو حسب معمول ہوا خوری کو تشریف لے گئے۔ جس گھر دعوت تھی وہاں شائقین وعظ کا مجمع ہو گیا اور ان میں سے بعض لوگوں کو صبر نہ ہوا۔ اور حضرت کی تلاش میں جنگل کو چل دیئے حتیٰ کہ حضرت کے پاس پہنچ گئے یہ اشخاص اتنے تھے کہ اچھا خاصا چھوٹا سا مجمع ہو گیا۔

اس مجمع کو دیکھ کر حافظ لقاء اللہ صاحب نے ایک شخص سے پوچھا تو معلوم ہو گیا کہ اس وقت فلاں جگہ وعظ ہے وہاں یہ لوگ جمع ہوئے تھے وہاں سے یہاں پہنچے ہیں اور وہاں اور مجمع ہو رہا ہے حافظ صاحب نے حضرت والا سے پوچھا کہ کیا اس وقت جہاں کھانا ہے وہاں بیان بھی ہو گا۔

فرمایا نہیں صرف کھانا ہے میرے تو معمول کے خلاف ہے کہ جہاں بیان ہو وہاں کھانا بھی ہو۔ میں نے بیان سے تو انکار کر دیا ہے پھر حضرت نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ آپ وہاں جا کر فرما دیجئے کہ کھانا مکان پر بھیج دیں (کیونکہ اگر حضرت وہاں جاتے تو حاضرین وعظ کے لئے ضرور اصرار کرتے پھر کس کس سے عذر کرتے اور کس کس کو سمجھاتے)

چنانچہ حافظ لقاء اللہ صاحب نے وہاں جا کر پیغام پہنچا دیا۔ اور واپس آ کر حضرت کو اس کی اطلاع کی میں تعمیل ارشاد کر آیا ہوں۔ اور وہاں کہہ آیا ہوں کہ کھانا مکان پر بھیج دیں۔ فرمایا اب تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ کھانا یہاں بھی نہیں آنا چاہئے اور بالکل انکار ہی کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ غلطی کیوں کی کہ وعظ کی شہرت کر دی میں نے وعظ کا وعدہ کب کیا تھا میں نے تو صریح انکار کر دیا تھا۔

اب اگر یہاں بھی کھانا آئے گا تو عوام واقعی بات کی تحقیق تو کریں گے نہیں یہ ہی کہا جائے گا کہ دو، وعدے تھے ایک طعام کا اور دوسرا وعظ کا ایک تو ایفا کیا یعنی کھانے کے وعدے کا۔ اور دوسرے کا نہیں یعنی وعظ کا۔ حافظ صاحب نے ایک شخص کے ہاتھ وہاں یہ پیغام کہلا بھیجا کہ کھانا یہاں بھی نہ بھیجا جائے۔ اس کو سن کر وہاں سب کو ملال ہوا۔ اور یہ سمجھے کہ حافظ لقاء اللہ صاحب جو یہاں یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ کھانا مکان پر بھیج دیا جائے تو یہاں سے جا کر یہ کہا ہو گا کہ ان لوگوں نے وعظ کا سامان کیا ہے اور مجمع کر رکھا ہے اور صاحب خانہ مع چند اشخاص کے حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ جو خبر حافظ لقاء اللہ صاحب نے آپ کو دی ہے بالکل غلط ہے۔ (غالباً مطلب یہ ہے کہ وعظ کا سامان ہم نے نہیں کیا نہ اس کی شہرت دی مجمع از خود ہو گیا)۔

حضرت نے فرمایا حافظ لقاء اللہ صاحب کا نام مت لیجئے حافظ صاحب نے مجھ سے کچھ نہیں کہا مجھے خود اس بات کی شکایت ہے کہ آپ نے باوجود میرے صریح انکار کے وعظ کا سامان کیوں کیا اول تو میرے معمول ہی کے خلاف ہے کہ جہاں کھانا ہو وہاں وعظ ہو۔

اور شاید آپ کو میرا معمول معلوم نہ ہو۔ تو میں تو آپ سے صراحتاً انکار کر چکا تھا پھر یہ مجمع کیوں کیا انہوں نے کہا ہم نے یہ مجمع نہیں کیا لوگ از خود جمع ہو گئے تھے۔ فرمایا یہ بات آپ کی

میں جب مان لیتا کہ اس کے ساتھ اتنا ہی ہوتا کہ جیسے ہی لوگ جمع ہوئے تھے آپ نے تردید کی ہوتی کہ یہ خبر غلط ہے کہ وعظ نہیں ہوگا مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔اب جب یہ پیغام پہنچا کہ کھانا مکان پر بھیج دیا جائے اورآپ نے سمجھا کہ یہ مجمع ہونا اس کی طبیعت کے خلاف ہوا تب مجمع کوموقوف کیا یہ تو صریح دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کو وعظ ہونے کا خیال تھا اور اسی خیال سے یہ مجمع ہوا انہوں نے کہا۔

حاشا وکلا جو ہم نے یہ مجمع کیا ہو۔نہ معلوم کس نے یہ خبر اڑادی کہ وہاں وعظ ہوگا۔ہم اس میں بالکل بے قصور ہیں۔فرمایا میں اب بھی کھانا کھانے کو اور وہاں چلنے کو تیار ہوں اگر میرا اطمینان کردیا جائے کہ آپ نے اسی وقت اس خبر کی تردید کی تھی جبکہ مجمع ہونا شروع ہوا تھا۔اس پر وہ لوگ لاجواب ہوگئے اور بادل ناخواستہ واپس ہوگئے فرمایا یہ ہمارے معاملات ہیں کہ معاہدہ کے خلاف کرنا کچھ جرم ہی نہیں ہے کیا تہذیب رہ گئی ہے۔

آج شام کو یعنی بروز شنبہ ۲۸ صفر ۳۷ھ حضرت والا پانی پت سے رخصت ہوکر کانپور روانہ ہوئے۔پانی پت کے اسٹیشن پر پہنچے تو وہ شخص آیا جس پر جمعہ کے دن خفگی ہوئی تھی جس نے کہا تھا کہ امیروں کا کہنا ہوا غریبوں کا کچھ نہ ہوا۔اور حضرت والا سے بالحاح اپنے قصور کی معافی مانگی۔

فرمایا اگر میں کسی کو تنبیہ وتہدید کرتا ہوں تو اس میں اسی کا فائدہ ہوتا ہے تم کچھ خیال نہ کرو مجھے خدانخواستہ کسی سے عداوت تھوڑا ہی ہے۔

(محمد مصطفیٰ کی تحریر ختم ہوئی)اس کے بعد مولوی محمد یوسف کی تحریر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری اطلاع

اس میں اس سفر کے حالات ہیں جو حضرت والا نے ماہ صفر ۳۷ھ اور ماہ ربیع الاول ۳۷ھ میں پانی پت ضلع کرنال اور کانپور اور فتح پور اور گورکھپور اور موضع پوکھر بنوا کی طرف فرمایا اور یہ کمترین پانی پت میں موجود نہ تھا۔اس لئے وہاں کے حالات میرے بھائی مولوی محمد مصطفیٰ صاحب نے لکھے ہیں۔جو میری اس تحریر کے اول میں منسلک ہیں اور اخیر کے کچھ جز وسفر میں بھی یہ حقیر حضرت سے علیحدہ ہوگیا تھا اس وقت کے ملفوظات خواجہ عزیز الحسن صاحب نے لکھے ہیں اگر وہ صاف ہوگئے تو اس کے اخیر میں ملحق ہوں گے دیباچہ جو بھائی مولوی محمد مصطفیٰ صاحب کی تحریر

میں ہے دیکھ لیا جائے۔ اور باقی موقعوں کے واقعات اس ناچیز کے قلم سے تحریر ہوں گے۔

یہ ناچیز ۴ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو حضرت والا کی خدمت میں قبل دو پہر کانپور پہنچا۔ اس سفر نامہ میں دو باتیں لکھی جائیں گی۔ ایک تو ملفوظات ہر موقع کے دوسرے انتظامات جو بعض بعض مواقع پر ہوئے ہیں اور بعض جگہ صرف واقعہ ہی لکھا ہے۔

ملفوظات وانتظامات کانپور

انتظامات: جس وقت میں خدمت والا میں پہنچا تو حضرت نے فرمایا کہ کنجی نشست گاہ کی حکیم صاحب کے سپرد کر دی جائے اور ان کی ذمہ داری میں مکان کی حفاظت رہے۔ وجہ ترجیح کی اوروں سے یہ ہے کہ یہ میری ساتھ رہنے کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے یہ انتظام انہی کے مناسب ہے کیونکہ یہ پابندی سے حاضر رہیں گے میں نے کنجی اپنی سپردگی میں لے لی اور مکان کے کھولنے اور بند کرنے کا انتظام میں ہی تا قیام کانپور کرتا رہا۔ اور چلتے وقت کنجی مالک مکان کے سپرد کر دی۔

انتظام: میں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں کھانے کا کیا انتظام ہے فرمایا کہ آج شام کو تو آپ کا کھانا ہمارے یہاں ہے جس کی اطلاع آپ کو کر دی گئی ہے آئندہ کیلئے یہ صورت ہے کہ اگر کہیں دعوت ہو جائے تو جتنے لوگوں کی ہو ان کو اطلاع کر دی جاتی ہے۔ اگر اطلاع نہ دی جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ کہیں دعوت نہیں ہے۔ اپنا انتظام کریں بازار موجود ہے۔ ایک اور صاحب بھی ہیں میرے ہمراہ، وہ کسی دوکان پر کھانا کھاتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اس دوکان پر کھانا اور جگہ سے اچھا ملتا ہے مناسب ہے کہ آپ بھی وہ دوکان دیکھ لیں ان کی ہمراہ جاکر۔

انتظام: میں تنہا جا کر دوکان پر کھانا کھا آتا تھا۔ حضرت نے ایک صاحب کی معرفت مجھ سے کہلایا کہ دونوں ساتھ جا کر کھایا کریں۔ حضرت کی یہ تجویز نہایت مناسب تھی۔ کیونکہ اس سے آپس میں الفت پیدا ہوتی ہے دوسرے اور بھی بہت مصالح اس میں ہیں جیسے سفر تنہا اچھا نہیں۔ یہ بھی قریب قریب اسی کی فرع ہے واقعی مجھ کو اس رائے پر عمل کرنے سے بہت راحت ملی۔ مثلاً کبھی میرے پاس روپیہ ہوتا اور اس کے پیسے نہ ملتے تو میں دوکان دار کو ان سے لیکر دیدیتا۔ اور کبھی وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ کبھی مجھ کو کھانا کھانے کے بعد پان بنوانے کی ضرورت ہوتی اور میں رضائی پہنے ہوتا اور کوئی بکھیڑا میرے پاس ہوتا تو میں ان کو سپرد کر کے چلا جاتا۔ اسی طرح وہ بھی کرتے۔

غرض یہ بات دیکھنے میں تو ذراسی ہے مگر بڑے مصالح اس میں مخفی ہیں جن کا تجربہ عین وقت پر ہوسکتا ہے۔

انتظام: مجھ سے حضرت نے فرمایا کہ آپ کو یہاں کے ڈاک خانہ کا موقع دیکھ لینا چاہیے نہ معلوم کس وقت ضرورت پڑ جائے۔

ملفوظات

واقعہ : ایک صاحب نے بیان کیا کہ فلاں جگہ کے لوگ جناب کے تشریف لانے اور وعظ کے بہت مشتاق ہیں۔

ارشاد: وہ تو خط تک روانہ نہیں کرتے پھر میں کیسے سمجھوں کہ ان کو اشتیاق ہے خط سے ایک تعلق رہتا ہے طرفین میں۔ المکتوب نصف الملاقات سچا مقولہ ہے یہ بات تو ضرور ہے کہ اگر خط نہ آئے تو میرا کام ہلکا رہے جواب دینا نہ پڑے یہ تو میرا فائدہ ہے مگر خط نہ آنے سے یہ کیسے معلوم ہو کہ ان کو محبت ہے صرف مختصر لکھ دیا کریں جس سے اشتیاق معلوم ہو طول نہ دیں۔ اس صورت میں میرا کام بھی ہلکا رہے۔ اور ان کا اشتیاق بھی معلوم ہو۔

واقعہ : جس روز میں کانپور پہنچا بعد ظہر مجمع مستورات میں وعظ ہوا اس کا نام ''خیر الاثاث للاناث'' ہے۔ بعد واپس آنے کے وعظ سے معلوم ہوا کہ ایک لڑکی کو اس کی ماں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ اور وہ رو رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں خبر آئی کہ اس کی ماں دوسرے گھر میں چلی گئی تھی۔ آ گئی۔

ارشاد: کیا اس کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا خواہ مخواہ لڑکی کو اور دوسرے لوگوں کو پریشان کیا عورتوں میں احتیاط نہیں ہاں ان کو عین مصیبت میں رونا تو آتا ہے مگر انتظام نہیں۔ اگر اس کی ماں دوسرے مکان میں گئی تھی تو کچھ انتظام تو کر جاتی۔ کیونکہ بے خبری میں لڑکی کے نکل جانے اور کھوئے جانے کا احتمال بعید تو نہیں۔ یہ مستورات ابن الوقت ہیں جو کچھ وقت پر پیش آ گیا بھگت لیا۔ ان کو کم از کم اتنا تو چاہئے کہ اپنے ہوشیار بچوں کو باپ کا نام اور مختصر پتہ لکھ دیا کریں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے گھر کے ایک بچے سے پوچھ رہے تھے کہ تیرے باپ کا کیا نام، تیرے دادا کا کیا نام میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سے کیا فائدہ فرمایا کہ اگر گم ہو گیا تو بتلا تو دیگا کہ میں کون ہوں ورنہ یوں کہے گا میں ابا کا ہوں (پھر حضرت نے فرمایا) بچوں کی پوری نگرانی ہونی چاہئے۔

واقعہ : ایک صاحب کے یہاں جو مخلصین میں سے تھے کھانا کھانے گئے جس موقعہ پر کھانا

کھانے گئے تھے درمیان میں قالین بچھا تھا جس پر بیٹھنے سے ہر شخص کو تکلف ہوتا تھا اور اس کے داہنے بائیں معمولی فرش تھا۔ ایک صاحب وہاں دستر خوان بچھانے آئے حضرت نے فرمایا کہ قالین اٹھا دو۔ اور پھر اہل عرب کا طرز معاشرت بیان فرمایا۔

اہل عرب کا طرز مجلس

ارشاد: عرب کی مجلس ایک سی ہوتی۔ ایک تکیہ پشت کی طرف دو تکیئے داہنے بائیں نیچے گدا غریب ہو امیر ہو سب کی نشست یکساں ہوتی ہے۔ ایک بار محمد حسین سندھی نے حجاج کو اپنے مکان میں اس لئے جمع کیا تھا کہ پاشا آکر ان سے خیریت اور ان کی ضروریات کو ضرور دریافت کریں گے۔ چنانچہ پاشا آئے یہ بڑے رتبے کا شخص ہوتا ہے سب کھڑے ہو گئے۔ ان کی تعظیم کو وہ ایک ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں پہلے سے ایک غریب آدمی بیٹھا تھا۔ صاحب خانہ نے اس سے کہا کہ اور جگہ بیٹھ نہ پاشا سے کہا کہ فلاں جگہ بیٹھے یہ کس قدر سادگی ہے۔ وہاں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ اکثر افسر رعایا کو سلام کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ سوار پیادہ کو سلام کرے۔ وہاں اس پر عمل ہے اور اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ ذرا تکبر ٹوٹے۔ سو وہاں سلام کرنا افسری کی علامت ہے ایک بار شریف صاحب کی سواری نکلی تھی وہ دو طرفہ سلام کرتے جاتے تھے۔

واقعہ: حضرت والا ایک صاحب کے مکان پر سے کھانا کھا کر گاڑی میں واپس چلے میں بھی ہمراہ تھا۔ یہ فرمایا:

کھانے میں قوت فکریہ کو دوسری طرف نہ کرنا چاہئے اور میزبان کو چاہئے کہ نئے آدمی کو مہمان سے اجازت لیکر کھانے پر بٹھائے

ارشاد: کھانے کے وقت قوت فکریہ کو دوسری طرف صرف نہ کرنا چاہئے۔ ایک جگہ ایک شخص نے دستر خوان پر سوال و جواب شروع کر دیئے میں نے کہا کہ یہ جلسہ اس کا نہیں ہے (قوت فکریہ کو دوسری طرف متوجہ کرنے سے کھانے کے لطف میں کمی ہوتی ہے)۔

اور کھانے کا ادب یہ بھی ہے کہ اس پر ایک جنس کے لوگ ہوں اگر غیر جنس ہوتا ہے تو طبیعت منقبض ہوتی ہے کھانے کا جلسہ بے تکلف ہونا چاہئے اس لئے میزبان نئے آدمی کو کسی مہمان کے ساتھ شریک کرنا چاہے تو مہمان سے اس کے کھانے کی اجازت لے لے۔ ممکن ہے کہ

وہ غیر جنس ہو۔ اور اس وجہ سے مہمانوں کی طبائع مختلف ہوں اور کھانا بھی بار ہو جائے۔

غیر اللہ کی قسم ایک شخص کا عجیب طریقہ سے دینا

واقعہ : ایک شخص نے حضرت والا کی خدمت میں خط لکھا تھا جس کا مضمون تھا۔ "تمہیں اللہ رسول کی قسم فاطمہ کی قسم خلفاء کی قسم، امامین کی قسم، غوث پاک کی قسم ایک رضائی کا بندوبست کر دیجئے"۔

ارشاد: ان کے تین خط میرے پاس آئے یہ تیسرا خط ہے میں نے ان کو تین روپے بھیج دیئے ہیں اور لکھ دیا کہ میں رضائی کا ذمہ دار نہیں ہوں ہاں یہ موجود ہیں اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ خدا کے لئے مخلوق کی قسم نہ کھایا کیجئے یہ جائز نہیں اور یہ بھی لکھا کہ کسی کو قسم دینے سے اس پر پورا کرنا لازم نہیں ہوتا مگر ان حضرت کو کچھ اثر نہیں ہوتا۔

واقعہ : ایک صاحب نے کانپور کے دیہات کی حالت بیان کی کہ بے دینی یہاں تک ہے کہ کلمہ تک نہیں جانتے۔ اس کے متعلق فرمایا۔

ارشاد: مولویوں کے ایسے موقعہ پر جانے کی ضرورت ہے مگر مولوی ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں پلاؤ قورے ملیں۔ واقعی خبر ہی نہیں ان بیچاروں کو کہ اسلام کیا ہے۔ ہمارے یہاں کے دیہات میں بفضلہٖ تعالیٰ گو یہ حالت نہیں ہے مگر پھر یہاں بھی ہر طرح کے لوگ ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے قرب وجوار میں ایک گاؤں کے متعلق سنا کہ وہاں ایک جنازہ بلا نماز پڑھے دفن کر دیا گیا۔

ضرورت کی صورت میں نماز جنازہ کی سہل ترکیب

جمعہ میں میں نے لوگوں سے بطور اعلان کے کہا کہ اگر تم کو جنازہ کی پوری نماز نہیں آتی تو یوں کیا کرو کہ وضو کر کے کھڑے ہو گئے اور چار دفعہ اللہ اکبر کہہ دیا۔ بس فرض ادا ہو جائیگا۔ کیونکہ رکن صرف چار تکبیریں ہی ہیں۔ اور میں نے یہ کی تو تھی خیر خواہی۔ مگر لوگوں کے نزدیک ہو گئی بدخواہی۔ بعض لوگ اس پر کہنے لگے کہ واہ واہ ہم نے تو اب تک سنا بھی نہیں کہ ایسے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ہمارے قصبہ میں ایک مردہ کو کہ وہ جذامی تھا بلا نماز دفن کر دیا مجھ کو شام کو خبر ہوئی میں طلباء کو ساتھ لے کر وہاں گیا۔ اور اس کی قبر پر نماز پڑھی اور یہ جو صورت میں نے نماز کی لوگوں کو بتلائی تھی یہ جاہلوں کیلئے ایک آسان صورت ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے سے فرض ادا ہو

جاتا ہے اور مردہ کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اسی پر بس کریں کہ نماز جنازہ کے سیکھنے کا قصد ہی نہ کریں۔ غرض دیہات والوں کو خبر ہی نہیں اسلامی امور کی۔

جن دیہاتیوں کو خبر نہیں دین کی ان سے قیامت میں سوال ہوگا یا نہیں ہوگا

دیہات میں شریر تو کم ہوتے ہیں۔ راہ پر لگانے سے جلدی امید ہے ان کی راہ پر آ جانے کی مگر ان کو خبر نہیں اور شہر میں شریر زیادہ ہیں ان کے راہ پر آنے کی دیر میں امید ہوتی ہے۔ (میں نے حضرت سے سوال کیا کہ قیامت میں ایسے لوگوں سے احکام کے بارہ میں سوال ہوگا یا نہیں اس پر فرمایا۔ قانون کی رو سے تو قابل مواخذہ ہیں۔ ہاں حق تعالیٰ معاف کر دیں تو کون روک سکتا ہے میں نے عرض کیا کہ ایسے لوگوں کا ایمان بھی ہے یا نہیں۔ اس پر فرمایا) ہاں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں ان کا تو ایمان ہونا چاہئے۔ میں نے وہاں (کانپور کے ان دیہات میں) یہ رائے دی تھی کہ ایک مکتب قائم کیا جائے۔ بوڑھوں کو چھوڑ دو وہ تو پک چکے بچوں کو لو جس کا فائدہ آئندہ پہنچے گا۔

دیہات والوں کے دین سے واقف ہونیکی تدبیر

یہاں کے دیہات والوں کی ایسی حالت ہے کہ مولوی سعید احمد مرحوم میرے ساتھ تھے۔ سفر میں میں نے ان کو ایک گاؤں میں بھیجا تبلیغ کے لئے وہ کھانے کے لئے تھوڑا سا ستو لے گئے تھے مگر ان کو برتنوں کی ضرورت ہوئی تو کسی نے مسلمانوں میں سے ستو گھولنے کو برتن تک نہیں دیا۔ دو پہر کو لوئیں چل رہی تھیں کسی نے سونے بیٹھنے کو جگہ تک نہیں دی۔ یہ تو وہاں کے مسلمانوں کے حال تھے پھر ایک برہمن نے اپنے یہاں ٹھہرنے کو جگہ دی۔

سہارنپور اور اس کے اطراف کے دیہات اچھے ہیں

سہارنپور اور اس کے اطراف کے دیہات اچھے ہیں۔ بعض دیہاتوں میں تو ایسا دیکھا ہے کہ وہاں گنواروں میں ایسا پردہ ہے کہ شہر کے مہذب لوگوں میں بھی نہیں۔ ہم لوگ طالب علمی کے زمانہ میں باہمراہی مولانا رفیع الدین صاحب بعض دیہات میں گئے تو گھر کی مستورات وضو کر کے پکاتی تھیں ہم نے وہاں کسی عورت کو بے پردہ نہیں دیکھا۔ مردوں کی یہ کیفیت کہ سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعہ میں سب سے پہلے ہی گاؤں والے بیٹھتے ہیں۔ خاص کر اخیر جمعہ

میں رمضان شریف کے جمعرات ہی کی شام سے آبیٹھتے ہیں وہاں لوگوں کو دین کا شوق ہے۔

واقعہ : حضرت والا نے ایک خط کھول کر اور کمترین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مولوی صاحب (مدرس تھانہ بھون) کا خط ہے کہ میں مدرسہ سے استعفیٰ دینا چاہتا ہوں وجہ یہ ہے کہ میری والدہ مجھ کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے میں نے لکھ دیا ہے کہ استعفیٰ دیدیجئے۔ کچھ حرج نہیں۔

ارشاد: یہاں تو یہ مسلک ہے کہ اللہ کا کام ہے کچھ ایک پر موقوف نہیں خدا تعالیٰ خود دوسرا بندوبست فرمائیں گے یہاں تو یہ معاملہ ہے۔

''ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو''

حافظ صاحب پر (جن کے متعلق مدرسہ اور خانقاہ کا سارا بندوبست تھا) کتنا کام تھا مگر میں نے ان کے درخواست کرتے ہی کہہ دیا کہ اہتمام چھوڑ دیجئے۔ خدا کی طرف سے سامان ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں مسجد و مدرسہ کے متفرق کاموں کے لئے ایک شخص کی ضرورت تھی اور جی چاہتا ہے کہ وہ ایسا شخص ہو جس کے بیوی بچے نہ ہوں آزاد ہو۔ دیانت پر بھی اس کی نظر ہو۔

ایک شخص تھے دیانت میں منشاء کے موافق اور وہ یہاں کا کام بھی کرتے تھے مگر بی بی بچوں کے سبب یہاں کی تنخواہ کافی نہ تھی اس لئے کچھ ان کا تعلق مطبع سے بھی تھا۔ اور اس لئے کام کیلئے وقت ان کو کم ملتا تھا۔ میں نے ان سے بھی کہا کہ مطبع میں کم وقت صرف کرو اور یہاں سے اس کا معاوضہ ملے گا۔ مگر اہل مطبع نے منظور نہیں کیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس بیماری میں (عموماً ہر جگہ بیماری پھیلی تھی)۔ ان کی بی بی مری بچے مرے سب جھگڑا نبٹ گیا۔ خود انہوں نے درخواست کی کہ مدرسہ میں جگہ دیدو ان کی پانچ روپیہ تنخواہ کر دی۔ نیک آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ خود سامان کر دیتے ہیں۔ اور وہ بڑے خوش ہیں اس حالت میں کہتے ہیں کہ یہ پانچ روپیہ مجھے خوب کافی ہیں اب مجھے اور ضرورت ہی کیا ہے۔ ان کو مبلغ اسی روپے سال کی آمدنی اپنے یہاں کی جائداد سے ہے بڑے خوش ہیں حضرت ہم لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم خدا والے ہیں۔ ہاں خدا والوں سے محبت ہے ان کے طریقہ کی نقل کرتے ہیں۔ اس کی یہ برکت ہے اگر اللہ والے ہو جائیں تو اس کو تو پوچھنا ہی نہیں مولوی صاحب مدرسہ سے چلے جائیں گے دیکھ لینا ان کے بعد ہی درخواستیں آئیں گی کہ ہمیں رکھ لو۔ بس ہم چھانٹ کر رکھ لیں گے اگر ہم مدرس ڈھونڈتے تو ان کی شرطیں ہمیں قبول کرنی پڑتیں۔ اب ان کو قبول کرنی پڑیں گی۔ جو لوگ وہاں خانقاہ میں رہتے ہیں تو محض اسلئے کہ ہمیں خدا کا راستہ ملے اس لئے وہ تھوڑی تنخواہ پر کفایت کرتے ہیں۔ خداوند کریم ہی تو ان کے دل میں

ڈالتے ہیں۔

(پھر فرمایا حضرت والا نے) جس کی نیت کسی انتظامی کام کے متعلق پہلے سے یہ ہو کہ اگر کام نہ ہوا۔ بلا سے مت ہو۔ تو اس کو پریشانی کیوں ہو۔ البتہ جس کی نیت یہ ہو کہ کام ضرور ہونا ہی چاہئے اس کو بے شک کسی کے آنے جانے سے پریشانی ضرور ہوگی مجھے تو کام ہونے نہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں۔ اس لئے پریشانی نہیں ہوتی۔ مجلس خیر کا کام بڑھا رقم میں گنجائش نہ تھی۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ اب کیا ہوگا۔ میں نے کہا کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ (یعنی کام ہی رکھنا کیا ضرور ہے)۔ وعظ لکھنے کا کام منسوخ کر دیا۔ جب میں نے کانپور کے سفر کا ارادہ کیا تو کوئی صورت بظاہر سفر میں وعظ لکھنے کی نہ تھی مگر خدا کی جانب سے مدد ہوتی ہے خدا خود اپنا کام کرتا ہے اس کی صورت یہ نکل آئی کہ چند لوگوں نے میرٹھ میں جمع ہو کر اس کا اہتمام کیا۔ اور بندوبست کر کے (تم کو یوسف بجنوری) مواعظ وغیرہ کی خدمت کیلئے بھیج دیا۔

آنے والوں کو حضرت کے یہاں کھانا نہ ملنے کی وجہ

ارشاد: بعض لوگ آتے ہیں اور میرے یہاں سے ان کو کھانا نہیں ملتا تو شکایت کی جاتی ہے میں کہتا ہوں کہ تم میرے کام کو آتے ہو یا اپنے کام کو آتے ہو۔ اگر کچہری میں کام ہو اور جائیں تو اپنے طور سے انتظام کرتے ہیں۔ صاحب کلکٹر کی شکایت کوئی نہیں کرتا کہ انہوں نے ٹھہرنے کو جگہ نہیں دی۔ کھانا نہیں دیا۔ وہاں کورٹ فیس بھی داخل کرتے ہیں یہاں تو فیس بھی نہیں۔ سو وہاں اسی وجہ سے تو آنے والوں کی خدمت نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے کام کو آتے ہیں بس یہاں بھی یہی سمجھنا چاہئے۔ پہلے میرے یہاں کھانے کا انتظام تھا اور میرے گھر میں انتظام کرتی تھیں۔ مگر یہ ہوتا تھا کہ چار اب آئے ان کے لئے گھر کہہ دیا پھر چار اور آئے ان کے لئے کہلا دیا۔ یہی سلسلہ لگا رہتا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ تن واحد کہاں تک کرے۔ گرمی کا موسم خصوص جمعہ کے دن تو بہت ہی ہجوم ہوتا تھا میں نے اول جمعہ کے دن کا انتظام کھانے کا موقوف کیا۔۔ اور ساتھ ہی جمعہ کی آمدنی بھی موقوف کی۔ اس خیال سے کہ جیسے اوروں کے لئے ضابطہ ہے اپنے لئے بھی تو ضابطہ ہونا چاہئے۔

چنانچہ جو لوگ جمعہ کو کچھ پیش کرنا چاہتے تھے میں نہیں لیتا تھا۔ بعضے لوگ دیہات سے ترکاری وغیرہ لاتے تھے وہ بھی نہ لی جاتی تھی۔ میں کہہ دیتا تھا کہ تمہارا آنا خاص میری نیت سے

نہیں۔ بلکہ یہ نیت ہوتی تھی کہ لاؤ جمعہ کو تو چلتے ہی ہیں ترکاری بھی لے چلو۔ پھر جمعہ کے بعد بالکل ہی اس کا سلسلہ اٹھا دیا۔ بجز ان خاص مواقع کے جہاں پیری مریدی کے سوا، اور کچھ تعلقات بھی ہوں اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ مہمان کھاتے ہیں تو روپیہ بھی تو دے جاتے ہیں۔ تو میں ان کو صاف کہتا ہوں کہ جو لائے ہو ہمارے دینے کو وہ ہمیں مت دو۔ اپنے خرچ میں لاؤ۔ بلا غرض محبت سے دو تو دے جاؤ۔ ورنہ میں نہیں لیتا ہوں۔ غرض آزادی اور راحت تو جانبین کی اسی میں ہے اسی لئے میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بزرگی بٹتی ہے اور درباروں میں۔ یہاں تو انسانیت بٹتی ہے۔

آخر معاشرت کی درستی بھی تو دین کا شعبہ ہے مگر اکثر مشائخ کے یہاں زیادہ معمول یہ رواج ہے اور اس طرف توجہ نہیں اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں وظیفوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔

خلاصہ آداب معاشرت کا یہ ہے کہ کسی کو تکلیف کسی کی ذات سے نہ پہنچے اگر معاشرت ٹھیک ہو اور پانچ وقت کی نماز پڑھے تو ولایت اس کے لئے رکھی ہوئی ہے لوگوں کو اس کی پرواہ نہیں مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے میں سفر میں بعض اوقات دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ پچاس آدمیوں کی بھی دعوت کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ رواج ہے تو میں کہہ دیتا ہوں (میزبان سے) کہ میں مجمع کے ساتھ نہ کھاؤں گا۔ بس وہ خود ہی پچاس کی دعوت نہیں کرتا۔

واقعہ: جس وقت جرمن اور دیگر بادشاہوں میں لڑائی ہو رہی تھی تو بہت سے مشتبہ لوگ بھی نظر بند کر دیئے گئے تھے۔ ایک روز یہ سننے میں آیا کہ اب کچھ عرصہ کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی ہے۔ اور جن لوگوں نے کوئی سازش یا توہین کی ہے ان پر مقدمہ قائم ہوگا اس پر فرمایا۔

بادشاہ کی مخالفت کرنے کے متعلق حضرت والا کی رائے گرامی

ارشاد: ہماری رائے یہ ہے کہ سلطنت کا مقابلہ یا ایسا برتاؤ کرنا جس سے سلطنت برہم ہو ٹھیک نہیں بعضے لوگ اس (سکون کے برتاؤ) کو بزدلی سمجھتے ہیں۔ بھلا کوئی کہے کہ تم کرو گے کیا ؂

ہر کہ بافولاد بازو پنجہ کرد ☆ ساعد سیمین خود، را رنجہ کرد

میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جوش سے کام مت لو ہوش سے کام لو ہمارا کوئی نوکر ہو۔ اور ہمیں دبانا چاہے تو ہمیں غیرت آتی ہے ہم دبنے کو اپنی ذلت سمجھتے ہیں کیا سلطنت نہ سمجھے گی۔

بعضوں کو بزرگی کا ہیضہ

بعض لوگ تنگی کے وقت میں بھی وظیفہ وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ جلدی

کا موقع ہوتا ہے مثلاً ریل چھوٹنے کا وقت قریب ہو یا ایسا ہی کوئی موقعہ ہو۔ بعض کو بزرگی کا ہیضہ (یعنی غلو) ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ میں اور ایک بزرگ مظفر نگر گئے اس وقت ریل نہ تھی چلنے میں دیر ہوگئی راستہ میں مغرب کا وقت آ گیا۔

ہم لوگ ایک ایسے موقعہ پر تھے کہ وہاں اندیشہ تھا میں تو مغرب کی نماز میں تین فرض اور دو سنت پڑھ کر فارغ ہوگیا۔ انہوں نے صلوٰۃ الاوابین شروع کردی۔ میں نے دل میں کہا کہ میں ایسے بزرگوں کے ساتھ آئندہ سفر نہ کرونگا۔

صحابہ کا یہ طرز نہیں تھا ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے نماز پڑھی۔ ایک خارجی نے اس پر اعتراض کیا کہ دیکھو تو یہ صحابی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سہولت پسند دیکھا ہے میرا گھوڑا بھاگ جاتا۔ میں پیادہ چلنے پر قادر نہ تھا مجھ کو کیسی پریشانی ہوتی۔

میں ریلوے اسٹیشن پر ریل کے انتظار میں حاضر تھا ادھر مغرب کا وقت تھا ادھر ریل کی آمد۔ ایک قاری صاحب بھی وہاں تھے ان کو امام بنا دیا۔ انہوں نے ترتیل بلکہ ترسیل شروع کردی اور خوب ہی اینٹھ مروڑ سے پڑھا۔ ایسے موقعہ پر اس قدر دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ میں تو سفر میں اکثر صبح کے وقت نماز میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سے زیادہ نہیں پڑھتا ہوں۔

ایک بچہ کی عجیب ذہانت

ارشاد: بھائی کا لڑکا ماشاء اللہ بڑا ذہین ہے اس کی ذہانت کی ایک بات بیان کرتا ہوں میں نے اس سے جب وہ بالکل بچہ تھا ایسا کہ اس وقت تک پاجامہ بھی بالالتزام نہ پہنتا تھا کہا کہ عربی اچھی ہے یا انگریزی۔ اس نے کہا عربی۔

حالانکہ خود اس کو انگریزی شروع کرائی گئی تھی۔ میں نے کہا کیوں اس نے جواب دیا اس لئے کہ کلام پاک اسی میں نازل ہوا ہے میں نے کہا دلیل تو ٹھیک ہے مگر عربی والوں کو سرکاری نوکری نہیں ملتی کھائیں کہاں سے۔ اس نے عجیب جواب دیا کہنے لگا کہ جب آدمی علم دین پڑھتا ہے تو اللہ کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ اس کی خدمت کریں۔ میں نے کہا یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔ مگر اس کو لوگ ذلت سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ لوگوں کی بے وقوفی ہے ذلت تو جب ہے کہ خود مانگے لوگوں سے

اور جبکہ لوگ خود دیتے ہیں اس میں ذلت کی کیا بات ہے۔

واقعہ : ایک صاحب کی بابت معلوم ہوا کہ وہ عیسائیوں سے مناظرہ کرتے ہیں اور جب کوئی عیسائی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ عیسیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: اس کی ایسی مثال ہے کہ عیسائی سور کا گوشت کھائے تو یہ بھی کھائیں۔ اور یوں کہیں کہ یہ اس لئے کہ عیسائی سے مقابلہ ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر اہل باطل کے مقابلہ میں بولا نہ جائے تو ان کو جرأت بڑھتی ہے مگر پھر بھی یہ ضرور چاہئے کہ حدود سے باہر قدم نہ رکھو۔

اور اصل بات تو یہ ہے کہ آجکل مناظرہ میں بجائے احقاق حق کے شفائے غیظ مقصود ہوتی ہے جیسے کوئی کہے کسی کو حرام زادہ تو مقابل کو صرف حرام زادہ کہنے سے شفا نہیں ہوتی بلکہ یوں کہے گا تو حرام زادہ تیرا باپ حرام زادہ۔ اب پوری شفا ہوگی۔ یہی حالت رہ گئی مذہبی گفتگو میں کہ بے ادبی کا جواب زیادہ بے ادبی سے دیا جاتا ہے اور بھلا بے ادبی صریح تو کیسے جائز ہوتی۔

اگر تفضیل نبوی میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی کا ایہام بھی ہوتا ہو تب بھی ذموم ہے حضور ﷺ کی مدح بمقابلہ اور انبیاء کے کرنا میں نے اس کا معیار یہ معین کیا ہے کہ اگر سارے انبیاء ایک جلسہ میں ہوں اور یہ شخص حضور ﷺ کی مدح کرنا چاہے تو اس وقت کس طرح کی مدح کریگا۔ کیا ایسی مدح کریگا جس میں دیگر انبیاء کی توہین ہوتی ہو ہرگز نہیں بس اس سے فیصلہ ہو جائیگا۔ تو ایسی مدح کرے جو اس وقت سب حضرات کے روبرو کر سکے۔ ایسی مدح بیشک طاعت ہے۔ چنانچہ حسان بن ثابتؓ نے حضور ﷺ کی مدح فرمائی ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اوروں کو بھی شفا دی اور خود بھی شفا حاصل کی۔ مگر ایسا وہی کر سکتا ہے کہ جس کو قدرت بھی پوری ہو کلام کی اور تدوین بھی کامل ہو اور علم بھی کافی ہو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا

ارشاد: یہ جو دستور ہے کہ بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا۔ میں نے تھانہ بھون میں اس کو موقوف کر دیا ہے۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے اپنے بزرگوں کے پاس آنے والے لوگوں کو دیکھا ہے وہ ان کے ہاتھ پاؤں نہیں چومتے تھے۔ مگر اب ایک رسم ہوگئی ہے میں اوروں کیلئے منع نہیں کرتا مگر مجھے اپنے لئے پسند نہیں۔

کیونکہ اول تو اس میں افراط فی التعظیم کی شکل معلوم ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض دفعہ بعض کے قلب میں جوش محبت ہوتا ہے اور وہ جوش سے ایسا کرتے ہیں اور بعض جوش نہ ہونے سے ایسا کرنا نہیں چاہتے مگر شرم کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ سو یہ ریا ہوا۔ اور یہ اول چومنے والا سبب ہوا ریا کا۔ تو ایسا کام ہی مت کرو جس کی وجہ سے سبب بنو ریا کے۔ اگر چہ فتوی کی رو سے فی نفسہ جائز ہے۔ مگر بعض عوارض کی وجہ سے قبیح لغیرہ کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ بعضی مدح کو قبیح کہا گیا ہے جب کہ حد سے بڑھی ہوئی۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔ ایک خرابی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ چومتے ہیں وہ بعض اوقات اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ کھانا پکانا زوجہ کے ذمہ ہے یا نہیں۔

ارشاد: دیانۃً ہے قضاءً نہیں ہے اگر زوج فرمائش کرے تو دیانۃً اس کے ذمہ ہے اور یہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر زوج کو حکم دے کہ سیاہ پہاڑ کے پتھر سفید پہاڑ پر لے جا۔ اور سفید پہاڑ کے سیاہ پر تو اس کو کرنا چاہیے۔ اطاعت کی اس قدر تاکید ہے۔ کھانا پکانا تو اس سے کم ہی درجہ میں ہے۔

حضرت والا کی احتیاط ایک واقعہ زیور سے

واقعہ : ایک صاحب کانپور میں زیور بناتے ہیں وہ ایک لونگ سونے کی حضرت والا کے یہاں دکھلانے کو لے گئے وہ حضرت کو گھر میں پسند آ گئی۔ قیمت میں سوا روپے کی تھی۔ حضرت نے دوسرے وقت اس کی قیمت ایک شخص کی معرفت ان کے پاس بھیج دی۔ حضرت کو دست بدست معاملہ ہونے کا خیال اتفاق سے نہ رہا۔ دوسرے وقت خیال آیا کہ معاملہ دست بدست نہیں ہوا۔

ایک صاحب کو مالک سے پاس بھیجا کہ ان سے یوں کہنا کہ تم کو مع سوا روپیہ کے بلایا ہے۔ لونگ واپس نہیں کریں گے۔ بلکہ شرع کے مطابق معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ آئے تو حضرت نے یہ کیا کہ قیمت واپس لی اور لونگ ان کو واپس دی اور پھر معاملہ بیع کا دست بدست کیا اس کے بعد فرمایا۔

ارشاد: مجھ کو خیال نہیں رہا تھا جو ایسا ہوا لوگ اس کا خیال بالکل نہیں کرتے۔ حالانکہ ذرا سی بات میں ربا (سود) لازم آتا ہے سہواً مجھ سے ایسا ہو گیا۔ البتہ خیال آنے پر تدارک نہ کرنا یہ برا ہے۔ ایک صاحب نے اس درمیان میں سوال کیا کہ اگر بائع سے یوں کہہ دے کہ ہم اس کو لئے

تو لیتے ہیں مگر دوسرے کو دکھالیں اگر پسند ہوگی تو رکھیں گے ورنہ واپس تو یہ جائز ہے یا نہیں۔
اس پر فرمایا بیع تو ہو یداً بید (دست بدست) مگر خیار شرط کرے (نظر ثانی کے وقت اس کی تحقیق کی گئی تو اظہار تردد کر کے کتب فقہ کی طرف رجوع کرنے کا امر کیا۔ چنانچہ ہدایہ میں مسئلہ نکلا کہ بیع صرف میں خیار شرط جائز نہیں پس اس کو دیکھ کر اپنے اس جواب سے رجوع کیا۔ اور یہ سطر اپنے ہاتھ سے بڑھادی۔ جماعت الانتخاب

واقعہ : حضرت کا قیام کانپور تھا۔ اور حضرت اپنے گھر میں کے علاج کیلئے مع چند احباب فتح پور تشریف لے جاتے تھے فتح پور میں ایک باغ کے اندر قیام کیلئے خیمہ نصب ہونے کی تجویز کی گئی تھی اس پر فرمایا۔

احباب کا جلسہ عجیب ہے

ہم جنس احباب کا جلسہ بھی عجیب راحت بخش ہے۔ امام شافعی کا قول ایک کتاب میں دیکھا ہے فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے سنا ہے کہ جنت میں احباب سے ملاقات ہوا کرے گی تو میں جنت کی تمنا کرنے لگا۔ ہم جنس احباب میں کوئی گرانی نہیں ہوتی تو دنیاداروں کو دوستی میں بھی مزہ نہیں آتا وہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ یہ اس سے بڑھنا چاہتا ہے اور وہ اس سے۔

ایک شخص کی شادی باوجود قادر نہ ہونیکے

ارشاد: ایک عنین شخص کی بی بی مرگئی تھی تھانہ بھون میں۔ مگر انہوں نے دوسری شادی کر لی اور مصلحت یہ بیان کی کہ میں نے اس لئے شادی کی ہے کہ روٹی کا آرام ہو جائے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اپنی ضرورت کے لئے دوسرے کی مصلحت برباد کرے۔

مسجد و مکان میں کسی کے نہ ہونے پر سلام

واقعہ : ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو سلام کرے یا نہیں۔

ارشاد: کرے اسی طرح خواہ گھر اکیلا ہی ہو اس میں بھی سلام کرے کوئی انسان نہیں ملائکہ تو ہوتے ہیں۔

حضرت والا کابلی نسل ہیں

ایک شخص نے حضرت سے کہا کہ میں آپ کو دیکھ کر کابلی سمجھتا تھا اس پر فرمایا۔

ارشاد: جولوگ کابلی میرے پاس آتے ہیں وہ اکثر مجھے کابلی خیال کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ فرخ شاہ بادشاہ کابل کے جو رہے ہیں وہ یہاں (ہندوستان) آئے تھے ان کے ساتھ کے لوگ یہاں رہ گئے تھے۔ ہم ان کی نسل میں ہیں۔ (پھر حضرت نے بطور ظرافت فرمایا) میرے پاس ایک پوستین ہے۔ کابل سے ایک شخص لائے تھے میں کبھی کبھی اس کو پہن لیتا ہوں اس سے تو کابلی ہی معلوم ہونے لگتا ہوں۔

نیک نیتی عجیب چیز ہے اس پر ایک واقعہ

ارشاد: نیک نیتی عجیب چیز ہے مجھ کو اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک بڑے اور دیندار رئیس تھے ان کا انسپکٹر پولیس سے کچھ کام تھا انہوں نے اپنے ملازم منشی سے جن کی تنخواہ دس بارہ روپے ماہوار تھی۔ کہا انسپکٹر صاحب کو ایک رقعہ لکھ دو کہ وہ اس کام میں کوشش کر دیں ان کو خوش کر دیا جائے گا۔ منشی جی نے کہا کہ یہ تو رشوت کا وعدہ ہوا۔ چونکہ شریعت میں حرام ہے اس لئے میں ایسا رقعہ لکھنے سے قاصر ہوں۔ رئیس صاحب نے کہا کہ اگر آپ ایسے متقی ہیں تو پھر نوکری نہ کیجئے کیونکہ سب جگہ یہی قصہ ہے انہوں نے فوراً قلم ہاتھ سے رکھ دیا کہ ابھی چھوڑتا ہوں اور فوراً استعفیٰ لکھ کر رئیس صاحب کے حوالہ کیا۔ رئیس صاحب نے کہا کہ پھر کرو گے کیا بولے ابھی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں گا۔ رئیس صاحب نے کہا کہ ایک ہزار روپیہ میں دیتا ہوں آپ اس سے تجارت کرئے انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی پرورش ہے۔ غرض ایک ہزار روپیہ دیا اس عدہ پر کہ سو روپیہ سالانہ کے حساب سے ادا کرتے رہیں۔ دس برس میں ادا ہو جائیگا۔

چنانچہ وہ ایک سال کے بعد سو روپے لائے رئیس صاحب نے کہا کہ یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ تم دوسرے کا روپیہ سمجھ کر کام ہوشیاری سے کرو گے اور احتیاط سے کام لو گے۔ اب معلوم ہو گیا کہ تم کام کر سکتے ہو۔ سو یہ رقم تم کو معاف کرتا ہوں۔ نیک نیتی بھی عجیب چیز ہے۔

لوگ سفارش کی حقیقت نہیں سمجھتے۔

آجکل لوگ سفارش کی حقیقت نہیں سمجھتے زور ڈالتے ہیں۔ (ایک صاحب نے اسی درمیان میں عرض کیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب تو سفارش فرما دیتے تھے۔ اس پر فرمایا) کہ میرا خود بلا واسطہ مولانا سے سماع ہے کہ ایک رئیس سے مولانا کی ملاقات ہو گئی۔ ربط ضبط بڑھ گیا۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ اب لوگ مجھ سے سفارش چاہیں گے اور میں

کسی کی دلشکنی بھی نہ کروں گا۔

سفارش لکھ دوں گا۔ مگر میں آپ کی کوئی مصلحت بھی فوت کرنا نہیں چاہتا اس لئے عمر بھر کے لئے اس وقت کہے دیتا ہوں کہ اس قسم کا جو خط میری طرف سے آپ کے پاس آئے آپ اسے کالعدم سمجھئے گا۔ اور اپنی کسی مصلحت کو فوت نہ کیجئے گا۔ میں نے بھی نواب صاحب ڈھاکہ سے کہہ دیا تھا کہ اب آپ سے ملاقات ہوگئی ہے۔ اب لوگ میرے پاس سفارش کو آئیں گے۔ آپ میری سفارش کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ جو مصلحت ہو وہی کیجئے۔ میری سفارش سے اپنی مصلحت فوت نہ کیجئے۔ انہوں نے بڑی دانائی کا جواب دیا کہنے لگے کہ میں تو قصداً بھی قبول نہ کروں گا۔ تاکہ جب لوگ میرا یہ برتاؤ دیکھیں گے تو آپ کے پاس سفارش کیلئے آئیں گے ہی نہیں آپ کو راحت ہوگی (پھر حضرت نے فرمایا) سفارش کی شان اور حقیقت بریرہؓ کے واقعہ سے نکلتی ہے۔

حضور ﷺ نے بریرہؓ سے فرمایا تھا کہ اگر مغیث سے نکاح کرلو تو اچھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ حکم کرتے ہیں یا سفارش۔ حضور ﷺ نے فرمایا سفارش۔ انہوں نے کہا تو پھر میں نہیں مانتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں میں فرق ہے۔ سفارش یہ ہے کہ جس سے سفارش کی ہے وہ آزاد ہے اور یہ شخص جس نے سفارش کی ہے اس کے منظور نہ کرنے پر ناخوش نہ ہو۔ اب تو لوگوں کو سفارش سے پریشانی ہونے لگی۔

معتقدین بھی تنگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی جو ایک درجہ میں مجذوب تھے۔ انہوں نے ایک عرب کیلئے سفارش کا خط ایک رئیس کو اپنے ہاتھ سے لکھا انہوں نے مجھے دکھلایا تھا۔ میں نے مولانا کا لکھا ہوا پہنچانا تھا۔ واقعی مولانا کا لکھا ہوا تھا۔ وہ عرب ان رئیس صاحب کے پاس وہ خط لیکر گئے۔ انہوں نے صاف کہا کہ یہ جعلی خط ہے پھر وہ عرب چند باران کے پاس گئے۔ یہاں تک کہ رئیس صاحب نے اپنے ملازم سے کہہ دیا کہ اب ان کو نہ آنے دینا (پھر حضرت نے فرمایا) یہ سفارش کا اثر ہے آجکل۔ ملفوظات کانپور ختم ہوئے۔

حضرت والا کی روانگی کانپور سے فتح پور کو

حضرت والا ۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کی صبح کو فتح پور مع احباب روانہ ہوئے حضرت والا کی غرض فتح پور جانے سے بڑی پیرانی صاحبہ کا علاج تھا۔ وہاں کے زنانہ شفاخانہ میں آپریشن ہوا تھا۔

انتظام: ۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کی شام کو بعد عشاء حضرت نے جملہ احباب کو مطلع فرمایا کہ سب صاحب اپنا اپنا اسباب قبل نماز صبح ہی تیار کر کے رکھ لیں۔ نماز کے بعد کوئی جھگڑا باقی نہ رہے اور ہر شخص بلا انتظار دوسرے کے بطور خود روانہ اسٹیشن ہو جائے۔ اور کھانا دوپہر کا سب کیلئے فتح پور میں ایک صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کے بعد جیسا انتظام کھانے کا اس وقت کے مناسب ہوگا کیا جائیگا۔ چنانچہ جملہ احباب نے مطابق فرمودہ حضرت والا عمل کیا فتح پور پہنچے۔ وہاں قیام کیلئے ایک باغ میں خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ جو زنانہ ہسپتال کے قریب تھا۔ جس کو حضرت والا کے انہی ایک مخلص صاحب نے کانپور سے بھیجا تھا۔ اور ایک باروچی بھی اسکے ساتھ بھیجا تھا۔

جب باغ میں پہنچے تو خیمہ موجود تھا۔ مگر اب تک نصب نہیں ہوا تھا۔ آپس میں مشورہ ہوا کہ کس موقعہ پر نصب ہونا چاہئے۔ چنانچہ ایک جگہ تجویز کی گئی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ خیمہ کے نصب کرنے میں اس کا خیال رہنا چاہئے کہ قبلہ کا رخ سیدھا واقع ہوتا کہ نماز میں صف کے اندر لوگ زیادہ آسکیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جو صاحب ہمراہ تھے سب نے مل کر خیمہ نصب کیا۔ اور ہر شخص نے ایک ایک موقعہ اپنے آرام کیلئے معین کر لیا۔ حضرت والا کے لئے خیمہ میں ایک چارپائی بچھادی گئی۔ اور سب صاحب اول سے آخر تک زمین پر سوتے اور آرام کرتے تھے۔ خیمہ میں پھونس بچھا کر اس پر فرش کر دیا گیا تھا۔ نہایت آرام ملا۔

انتظام: حضرت نے فرمایا کہ بہت سی چیزیں ضرورت کی ہمارے استعمال کیلئے مختلف لوگوں نے بھیجی ہیں ان کی فہرست بنانی چاہئے تاکہ ہم یہاں سے روانگی کے وقت ہر شخص کی چیز اس کے یہاں پہنچا سکیں کوئی چیز گم نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک صاحب نے فہرست مرتب کی اور وہاں سے روانگی کے روز اسی فہرست کی رو سے ہر شخص کی چیز اس کے یہاں پہنچادی گئی۔

کھانے کا عجیب وغریب انتظام

بعد نماز ظہر حضرت نے فرمایا کہ آئندہ کے کھانے کا بندوبست ہونا چاہئے اور اس کی صورت قائم ہونی چاہئے جن صاحب نے دوپہر کا کھانا اپنے ذمہ لیا تھا۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میری خوشی تو یہی تھی کہ جب تک یہاں قیام رہے مجھے ہی یہ فخر حاصل رہے کیوں اور جھگڑا کیا جائے اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ مخلصین میں سے ہیں یہ تو یقینی ہے کہ آپ کی طبیعت پر اس سے کسی قسم کی گرانی نہیں ہو سکتی مگر میرے احباب میں سے بعض ایسے بھی

ہیں کہ ان کو یہ بات گوارا نہ ہوگی تو اس سے ان کی آزادی میں خلل ہوگا۔ دوسرے اطراف وجوانب سے نہیں معلوم کس قدر لوگ آئیں۔ اتنا بارڈالنے سے میں شرماؤں گا۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ آپ اپنے ذمہ نہ رکھیں۔ بلکہ ہر شخص اپنا خرچ کرے اس میں راحت رہے گی۔ آپ کو بھی اوراحباب کو بھی چنانچہ وہ ایسے مخلص تھے کہ انہوں نے عرض کیا کہ جس میں آپ کوراحت ہو۔ اور جمہ احباب کوراحت ہو۔ اس میں مجھے بھی راحت ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب یہ رائے قائم کرنی چاہئے کیا صورت اختیار کی جائے چنانچہ اس صورت میں مختلف رائیں ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ایک وقت کے کھانے کے مناسب خرچ کی ایک آدمی کیلئے ایک مقدار معین کر کے ہر شخص سے لے لیا جائے اوراس وقت کے مناسب کہ گرانی کا زمانہ ہے میرے نزدیک فی وقت دوآنے مناسب ہیں اورایک صاحب کے پاس جمع ہو جائے اوراس کا حساب اس کے پاس رہے اور جو صاحب وقتاً فوقتاً باہر سے آئیں ان سے یوں کہہ دیا جایا کرے کہ کھانے کا انتظام یہاں اس صورت سے ہے اگرآپ کو کھانے کا انتظام کرنے میں دوسرے طریقہ سے سہولت ہوتو ویسا کر لیجئے۔ ورنہ یہاں کا انتظام موجود ہی ہے۔

جس میں آپ کوراحت معلوم ہو ویسا کر لیجئے کوئی آپ پر بارنہیں ڈالا جاتا کہ یہ ہی صورت اختیار کی جائے۔ چنانچہ یہی طریقہ اول سے آخر تک عمل میں رہا جب کوئی صاحب باہر سے آئے حضرت والا ان سے فرمادیتے کہ آپ حکیم صاحب سے مل لیجئے چنانچہ میں ان سے صورت حال کے بارہ میں عرض کردیتا۔ چونکہ اس سے بہتر صورت راحت کی بظاہر نہ تھی اس لئے سب اسی کواختیار کرتے تھے اور جتنے وقت کیلئے ان کو کھانا منظور ہوتا فی وقت دوآنے کے حساب سے جمع کردیتے (میرے پاس)۔ آخر تک یہی قصہ رہا۔ اس میں یہ بھی ہوتا تھا کہ بعض صاحبوں نے داخل تو کیا دوروز کا خرچ۔ اورایک روز رہ کران کا ارادہ جانے کا ہوگیا تو جوخرچ زائدان سے وصول ہوا تھا وہ ان کو روانگی کے وقت واپس دیا جاتا۔

واللہ العزیز اس صورت مجوزہ حضرت والا میں وہ راحت رہی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ جن صاحب کا ذکر ہوا ہے وہ ایسے مخلص ہیں کہ جس طریقہ میں حضرت کوراحت ہوتی وہ اسی کوبطیب خاطر منظور فرمالیتے تھے۔ ایسے صاف دل حضرات میں نے بھی کم دیکھے ہیں۔ میں تو یہ بھی حضرت ہی کے فیض کا اثر سمجھتا ہوں میں نے ان میں کوئی بات بناوٹ کی نہیں دیکھی۔ جوان

کے دل میں ہوتا تھا صاف کہہ دیتے تھے عجیب شخص ہیں صاف دل ان کے نام میں بھی دل ہے۔

انتظام: حضرت والا نے فرمایا کہ پانی کا خرچ یہاں سے زیادہ ہوگا۔ کھانے پکانے میں، وضو میں، پینے میں۔ اگر تمام پانی اجرت پر آیا تو بہت خرچ ہوگا اس لئے مناسب ہے کہ باغ میں جو کنواں ہے متفرق کاموں میں تو اس کنوئیں سے بھر کر استعمال کریں اور کھانے پینے کیلئے برتنوں میں سے استعمال ہو جو اجرت پر آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور جو برتن پانی کے تھے ان پر چٹیں لگا دیں گئیں کہ یہ پینے کے لئے ہے یہ ہاتھ دھونے کیلئے علیٰ ہذا۔

انتظام: جب کھانے کا وقت ہوتا اور کھانا چن دیا جاتا اور حاضرین بیٹھ جاتے تو رجسٹر سے سب کی شمار ہوتی کہ کوئی صاحب رہ نہ گئے ہوں حضرت والا ضرور دریافت فرماتے کہ سب آ گئے ہیں یا نہیں۔ واقعی اس کا خیال ضرور ہونا چاہئے حضرت کو تو سب ہی کا خیال ہر موقعہ پر رہتا ہے۔

پہرہ کا انتظام: جنگل و میدان کا موقعہ اور پھر قحط سالی کا زمانہ شب کے وقت تذکرہ ہوا کہ حفاظت کی کیا صورت ہونی چاہئے۔ حضرت نے فرمایا کہ یوں کرو کہ سب صاحب تو سوئیں اور میں جاگتا رہوں مگر اس کو کون منظور کر سکتا تھا قیامت تک بھی منظور نہ کرتا۔ واقعی مریدین مخلصین کو شیخ سے وہ علاقہ حب کا ہوتا ہے۔ جیسے صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا کہ آپ کا تھوک تک منہ پر مل لیتے تھے۔ مریدین مخلصین کو یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے کہ حضرت والا جاگیں اور سب سوئیں۔

اس کے بعد پہرہ کا انتظام ہوا۔ اس طرح کہ دس بجے سے تین بجے تک یعنی پانچ گھنٹہ تک پہرہ رہنا چاہئے اور بعد تین بجے کے ذاکرین اٹھ ہی بیٹھتے ہیں پھر ضرورت نہیں یوں کیا جائے کہ احباب میں سے دس صاحب جو اس خدمت کو بطیب خاطر منظور کریں ان کے نام لکھ لئے جائیں۔ اور دو، دو ایک ایک گھنٹہ پہرہ دیں جس کا گھنٹہ ختم ہو جائے وہ اپنے مابعد والے کو جگا دے پھر وہ اپنے مابعد والے کو علیٰ ہذا۔

چنانچہ فہرست لکھی گئی اور ایک صاحب کے سپرد، روزمرہ کا انتظام کیا گیا انتظام کی صورت یہ تھی کہ بعد نماز عشاء وہ صاحب فہرست جملہ احباب کو پڑھ کر سنا دیتے تھے کہ فلاں صاحب کا پہرہ دس سے گیارہ بجے تک اور فلاں صاحب کا گیارہ سے بارہ بجے تک علیٰ ہذا۔ اور جن کا پہرہ اول گھنٹہ میں ہوتا۔ ان کو گھڑی اور فہرست پہرہ والوں کی دیجاتی اور وہ اپنے مابعد والے کو دیدیتے علیٰ ہذا۔

اور روزمرہ پہرہ تبدیل ہوتا۔ وہ اس طرح کہ جن کا پہرہ آج مثلاً دس سے گیارہ بجے تک تھا۔ ان کو دوسرے گھنٹہ میں رکھا جاتا یا اخیر میں منتظم صاحب جیسا مناسب خیال کرتے تغیر وتبدل کرتے یہ اس لئے تاکہ سب پر یکساں بار رہے۔ کیونکہ اخیر شب میں جاگنا بہ نسبت اول شب کے۔ زیادہ دشوار ہے۔ اس لئے ہر روز تغیر وتبدل کیا جاتا تھا اخیر تک اسی پر عمل رہا۔

ملفوظات فتح پور

اس ملفوظ میں عجیب قابل دید تحقیق ہے

واقعہ : ایک صاحب نے (ہنسوا کے رہنے والے ہیں) کہا کہ یہ جو دعا میں ہے اللھم انی اعوذ بک منک۔ اس میں مستعاذ اور مستعاذ منہ ایک ہی ہے (یعنی ذات باری تعالیٰ) یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی چیز مستعاذ ہو اور وہی مستعاذ منہ۔

ارشاد: اس میں علماء نے مضاف محذوف مانا ہے یعنی اللھم انی اعوذ بک برضاک من سخطک۔ اور محققین نے یہ کہا ہے کہ دونوں جگہ ذات ہی مراد ہے اور ذات جامع ہے۔ صفات قہریہ اور لطیفہ کو۔ اور بہ اختلاف حیثیت وہی ذات مستعاذ ہے اور وہی مستعاذ منہ ذات کی عظمت خود مقتضی ہے خوف اور ہیبت کو قطع نظر اس سے کہ ادھر سے معاملہ قہر کا ہو۔

چنانچہ محققین کی خشیت ذات کے اعتبار سے ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام مامون نہیں ہوئے باوجودیکہ ان کو حق تعالیٰ کے وعدہ پر پورا اطمینان ہے۔ کذب کا احتمال بھی نہیں ان کو حق تعالیٰ کی عظمت کا خوف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے۔ مخلوق کی شان یہ ہے کہ وہ کتنا ہی اطمینان دلائیں مگر ہیبت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے سامنے مغلوب ہی ہونا پڑے۔ دہلی کے عجائب خانہ میں ایک شیر مضبوط کٹ گھر میں بند تھا۔ ایک شخص نے اس کے سامنے لکڑی سے اشارہ کیا اس نے کچھ التفات نہ کیا۔ پھر چھیڑا تو اس نے جو آنکھیں نکالی ہیں تو وہ شخص بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ ذات کی ہیبت ہے اور خوف خدا تو وہی ہے جو ذات کا ہو۔

امام غزالیؒ نے اس مسئلہ کو "احیاء العلوم کی کتاب الخوف میں لکھا ہے مگر کچھ عنوان اس قدر تیز ہو گیا کہ اس کے دیکھنے سے اثر یہ ہوتا ہے کہ قریب قریب مایوسی ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے میں ضعفاء کو منع کرتا ہوں اس کی کتاب الخوف کے دیکھنے سے بعض لوگوں نے اس کو دیکھ کر یاس کے غلبہ سے نماز روزہ تک چھوڑ دینے کا قصد کر لیا۔ انہوں نے (امام غزالیؒ) اس مسئلہ کو زیادہ

تفصیل سے بیان کیا ہے پھر انہی صاحب نے کہا کہ یہ جو آیت وذا النون اذ ذھب مغاضباً فظن ان لن نقدر علیہ۔ اس کے کیا معنی ہیں۔ ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ یونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر قادر نہ ہوں گے اور یہ ان کی شان کے بالکل خلاف ہے اور مغاضباً کا کیا مطلب ہے۔ حضرت نے فرمایا قدر کے معنی ضیق کے ہیں۔

یعنی فظن ان لن نضیق علیہ۔ مطلب یہ ہے کہ یونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر اس معاملہ میں (یعنی قوم میں سے نکل جانے میں) کوئی گرفت نہ کریں گے اس لئے نکل گئے اور قدر کے معنی ضیق کے ہیں اور دوسرے موقع پر خود کلام اللہ میں موجود ہیں یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔ اور مغاضباً اے مغاضباً لقومہ۔ پھر ان ہی صاحب نے کہا کہ تصوف میں سوائے مکارم اخلاق کے اور کچھ بھی ہے۔

تصوف میں احوال ومواجید مقصود نہیں

اس پر فرمایا یہ تو ایسا سوال ہے کہ کوئی یوں کہے کہ حج میں سوائے حاضری عرفات کے اور بھی کچھ ہے پھر حضرت نے فرمایا کہ تصوف میں مقصود تہذیب اخلاق ہے اور باقی چیزیں مقصود نہیں جن کو احوال ومواجید کہتے ہیں وہ مقصود نہیں ہیں۔ ہوں، ہوں، نہوں نہوں جیسے حج میں جدہ وغیرہ کی سیر کہ وہ کوئی مقصود نہیں ہو ہو، نہو نہو۔ پھر ان صاحب نے کہا کہ مکارم اخلاق مکتسب ہیں یا غیر مکتسب ہیں۔ فرمایا مکتسب ہیں جیسے ایمان وہ ایمان ہی کا ایک درجہ ہے۔ ایمان ہی کے ایک درجہ کا نام ہے تصوف۔ اور وہ مکتسب ہے۔ لوگوں نے تصوف کو ہوا بنا دیا ہے۔

کتاب وسنت کی تعلیم پر پورا عمل کرے یہی تصوف ہے

کتاب وسنت کی تعلیم پر پورا عمل کرے بس یہ ہے تصوف آجکل احوال کو لوگ بہت کچھ سمجھتے ہیں وہ ارکان نہیں ہیں امور زائد ہیں وہ ہوں یا نہ ہوں۔ ایک صاحب نے حاضرین میں سے عرض کیا کہ احوال ومواجید وہی ہیں جو امور طبیعہ ہیں۔

اس پر فرمایا امور طبیعہ سے تعبیر کر لیجئے مگر ہیں غیر اختیاری جیسے غذا کا کھانا تو اختیاری ہے۔ لیکن اس پر احوال کا مرتب ہونا یہ غیر اختیاری ہے مثلاً دو شخص ہیں انہوں نے ایک ہی غذا کھائی ہے اور ایک ہی مقدار سے کھائی۔ ایک کو تو غذا کھانے کے بعد خمار پیدا ہوا۔ طبیعت پر بار ہو گیا۔ اور عوارض پیش آئے اور دوسرا شخص ہے کہ اس کو اسی غذا کے کھانے سے بار ہوا نہ گرانی۔

دونوں میں سے ایک کودوسرے پر یہ تعجب نہیں ہوتا کہ اس کی حالت ایسی کیوں ہوئی۔ میری کیوں نہ ہوئی۔ حالانکہ غذا ہم دونوں نے کھائی ہے۔ اختلاف حالات اختلاف استعداد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی کوذکر میں استغراق ہے اور کسی کونہیں اور اکثر تو ضعیف طبائع میں ایسے حالات ہوتے ہیں۔ اس باعث سے محققین کہتے ہیں کہ احوال مقصود نہیں ہاں محمود ہیں۔ اپنی ذات میں اور مقصود میں معین بھی ہوتے ہیں۔ مگر مقصود ان پر موقوف نہیں۔ جیسے خانہ کعبہ کی زیارت کہ اصل مقصود تو وہ ہے اور بمبئی اور جدہ پہنچنا مقصود نہیں ہاں مقصود میں معین ہے۔

اسی طرح اصل مقصود تعلق مع اللہ ہے خواہ استغراق کے ساتھ ہو یا کسی اور اثر کے ساتھ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جولوگ اس کے (یعنی احوال کے) طالب ہوتے ہیں محض مزے کیلئے طالب ہوتے ہیں اور جب یہ حاصل نہیں ہوتے تو وہ پریشان ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ لذت ولطف نہیں آتا ورنہ (قرب الٰہی اعمال سے ہوتا ہے حالات سے نہیں ہوتا۔ مگر لوگ اس کو (احوال کو) بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف معین کے درجہ میں ہیں اور ہر شخص کیلئے معین بھی نہیں اور جن کے لئے معین ہیں ان میں بھی کسی کے واسطے بعض احوال معین ہوتے ہیں اور کسی کیلئے بعض احوال کیونکہ طبائع میں اختلاف ہے۔ کسی کیلئے ایک چیز معین ہے اور کسی کیلئے دوسری چیز پس اصل مقصود تعلق مع اللہ ہے یہی وجہ ہے کہ تصوف کی تعلیم خفیہ کی جاتی ہے۔

کیونکہ شیخ ہر شخص کے لئے تجویزیں کرتا ہے تو اگر اس کی تعلیم علانیہ ہو تو یہ خرابی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو حالات پیش آرہے ہیں اور مجھ کو کچھ بھی نہیں تو اس شخص کو رنج ہوتا ہے کہ میری حالت ایسی کیوں نہ ہوئی اس کی کیوں ہوئی اس واسطے وہ بے قدری کرتا ہے شیخ کے بتلانے کی۔ اس لئے شیخ ہر شخص کو علیحدہ تعلیم کرتا ہے کہ دوسرا پریشان نہ ہو کسی طرح کسی کو۔ اور کسی طرح کسی کو تعلیم کرتا ہے۔ (انہی صاحب نے کہا کہ تصوف کا مقصود قلب کو سلیم کرنا ہے)۔

چنانچہ آیت میں ہے حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں اذ جاء بقلب سلیم اس پر حضرت نے فرمایا۔ قلب کا سلیم کرنا یہ تو اعمال سے ہے مقصود تعلق مع اللہ ہے جو اعمال کا نتیجہ ہے (پھر حضرت نے فرمایا) حضرت ان تحقیقات سے کام تھوڑا ہی چلتا ہے کچھ بھی نفع نہیں سوائے اس کے کہ میرا وقت ضائع ہو۔ اور آپ کو نفع نہ ہو جیسے کوئی طبیب سے نسخہ تو لکھا لے اور اس کا استعمال نہ کرے اگر شوق ہو تو طبیب کا بتلایا ہوا نسخہ استعمال کریں۔

اور جو امور کرنے کے ہیں ان کا تذکرہ بھی ناگوار ہوتا ہے مثلاً خوشنویس کے پاس جا کر یہ تذکرہ کرنا کہ یہ حروف اس طرح کیوں بنتا ہے اور اس کی شکل ایسی کیوں ہے اس کی نشست ایسی کس لئے ہے۔ صرف اس تذکرہ سے کیا فائدہ یوں چاہئے کہ اس کے پاس جا کر قلم درست کرے۔ اس سے سیکھے کام ہی کے درمیان میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ان امور کی تحقیق بھی ہو جاتی ہے آپ کے سارے شبہات کسی کے پاس رہنے سے رفع ہوں گے کسی جگہ آپ کو رہنا چاہئے اور سارے شبہارت دفعۃً پیش کر کے دو مہینہ تک زبان بند رکھیں یہ طریقہ ہے اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص مل گیا۔ اس کے سامنے شبہات پیش کر دیئے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدہ ہو کر پھر شبہات تازہ ہو جاتے ہیں میں نے یہ اس وجہ سے عرض کیا کہ وقت کام میں صرف ہو تو اچھا ہے کیونکہ جب نتیجہ نہیں ہوتا کسی فعل کا تو قلب کو بشاشت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ثمرہ ہو تو خوشی ہوتی ہے میں اپنا وقت صرف کر رہا ہوں مگر کوئی ثمرہ نہیں۔ موٹی مثال عرض کرتا ہوں جب آدمی علاج کراتا ہے طبیب سے یوں تو نہیں کہتا کہ اگر نسخہ سے حرارت بڑھی تو کیا ہوگا اور برودت ہوئی تو کیا ہوگا۔ خدا کے نام پر علاج شروع کر دیتا ہے تحقیقات نہیں کرتا۔ اور جب کوئی حالت پیش آتی ہے اس وقت اس کے متعلق تحقیق کرتا ہے بس یہاں بھی یہی کرنا چاہئے اسی طرح شبہ بھی وہی معتدبہ ہوتا ہے جو کام کرنے کے بعد ہو۔ اس پہلے ہوائی شبہات ہوتے ہیں۔

جن کو کام کرنے کے بعد انسان خود سمجھتا ہے کہ میرے یہ سارے شبہات مہمل تھے اور وہ صاحب چلے گئے اس کے بعد حضرت نے حاضرین سے فرمایا۔ نرے لفظوں سے کام نہیں چلتا اس فن (تصوف) کی باتیں بہت لذیذ ہیں۔ مگر کرنے کا کام سخت ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ دشوار ہے ہاں نفس کے خلاف ہے ان صاحب نے میرے اس کہنے پر کہ کچھ عرصہ تک کسی کے پاس رہنا چاہئے یوں کہہ دیا کہ میں غیر مطمئن ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اتنی عمر گزری کبھی تو کیا ہوتا۔ کیا تمام عمر میں اتنی بھی فرصت نہ ملی میں تو کہتا ہوں کہ کافر ہو مسلمان ہو کام سے پہلے اس کو اپنا اطمینان کر لینا چاہئے۔

طریقہ اس کا یہ ہے کہ سارے شبہات ایک دفعہ پیش کر کے خاموش بیٹھ جایئے ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً سارے شبہات رفع ہو جائیں گے۔ میں اس دعوی میں خدا پر بھروسہ کر کے ڈرتا ہی نہیں مجھ کو تو اندیشہ ہی نہیں ہوتا۔ مؤتمر الانصار کے جلسہ میں میرٹھ کے اندر علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ جن صاحبوں کو شبہات پیش آتے ہیں۔ چالیس روز ہمارے پاس رہیں۔ اور سارے شبہات

ایک پرچہ پر لکھ کر دیدیں۔ اور اس عرصہ تک زبان کو بند رکھیں۔ ان شاء اللہ سارے شبہات حل ہو جائیں گے۔ چنانچہ میرے ملنے والوں میں ایک شخص نے ایسے ہی نئے مذاق کے صاحب سے جو کہ شبہات نکالتے تھے کہا کہ اب اس بارہ میں کہو کیا کہتے ہو۔

اس بات میں کوئی شبہ نکالو۔ انہوں نے کہا کہ میں شبہ جب نکالوں کہ میں وہاں رہوں اور کامیاب نہ ہوں وہ شخص بولے کہ اچھا دل بھی کچھ گواہی دیتا ہے کہ یہ دعوی صحیح ہے یا غلط ان صاحب نے کہا کہ دل تو کہتا ہے کہ دعوی صحیح ہے اور میں نے اسی جلسہ میں یہ بھی کہا تھا کہ یہ جو تم لوگوں کی عادت ہے کہ کوئی مولوی مل گیا۔ اور اس کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ یہ طریقہ نہیں ہے شبہات کے حل کرنے کا۔

قاعدہ یہ ہے کہ پہلے نسخہ کا استعمال کرے۔ پھر جو بات پیش آئے۔ اس کو ظاہر کرے اگر پہلے ہی کہنے لگے کہ اس نسخہ سے حرارت بڑھی تو کیا کروں گا۔ اور برودت بڑھے تو کیا کروں تو یہ حماقت ہے (پھر حضرت نے ان ہی صاحب مذکورہ بالا کی نسبت فرمایا کہ) لایعنی کلام سے میرا دل الجھتا ہے ہاں ایسی گفتگو کرنے سے یہ بات تو ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہم بھی سب کچھ جانتے ہیں مگر جب مخاطب کو نفع نہ ہوا۔ تو کیا فائدہ بڑا مقصود یہی ہے کہ مخاطب کو نفع ہو اور وہ نفع کلام کلی سے کم ہوتا ہے۔ ہر شخص کے مناسب حال تدبیر بتائی جاتی ہے جس سے اس کو نفع ہو۔ چنانچہ میں نے ایک صاحب کے بارہ میں یہ تجویز کیا ہے کہ چالیس دن کا چلہ خاموشی کا کریں وہ بہت بولتے ہیں اگرچہ ان کو بولنا مفید بھی ہے مگر حضرت فرید الدین عطارؒ اس کی نسبت بھی فرماتے ہیں۔

دل زپر گفتن بمیرد، دربدن ☆ گرچہ گفتارت بوددر عدن

آج کل ان امور کی طرف کسی کو بھی التفات نہیں۔ مرید تو مرید پیروں کو بھی خبر نہیں رہتی کی (ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس میں علم کی ضرورت ہے اس پر فرمایا) ہاں علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے۔ صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے۔ اور عمل کے ساتھ بھی مناسبت ہوتی ہے۔ اب تو واقفیت بھی نہیں۔ اس لئے بڑی ضرورت ہے شیخ کی۔ نری کتابیں ہی کافی نہیں۔

چنانچہ وکالت کی کتابیں دیکھ کر بھلا کوئی امتحان تو دیدے۔ وکالت کا کام تو کرلے۔ ادنی پیشہ بھی بدون صحبت کے نہیں آتا۔ خوش نویسی کی کتابیں موجود ہیں کوئی ان کو دیکھ کر لکھ تو لے۔ الوان نعمت اور خوان نعمت میں ساری ترکیبیں کھانے کی لکھی ہیں ان کو دیکھ کر کوئی

گلگلہ تو پکالے محض کتابیں دیکھنے سے کام نہیں آتا۔ تاوقتیکہ استاد فن کی صحبت میں نہ رہے۔ بہشتی زیور میں شلجم کا اچار بنانے کی ترکیب لکھی ہے میں نے بنایا اچھا نہ بنا۔ پھر ایک جگہ کھایا بڑا مزیدار۔ میں نے پوچھا یہ اچار تو بڑے مزے کا ہے۔ کس ترکیب سے بنایا ہے جن کے یہاں کھایا تھا کہنے لگے کہ وہی ترکیب ہے جو آپ نے بہشتی زیور میں لکھی ہے۔ تو بات کیا تھی کہ وہ لوگ خود اچار بناتے تھے۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گننا چاہئے دو شخص تھے ایک تو ہدایہ کے حافظ تھے اور ایک صرف عالم تھے ان عالم صاحب نے ایک مسئلہ بیان کیا۔ اور کہا کہ ہدایہ میں ہے۔ حافظ ہدایہ کو بھروسہ تھا کہ ہدایہ میں تو کہیں بھی نہیں ہے بولے کہ لاؤ ہدایہ عالم صاحب نے ایک عبارت نکالی جس سے وہ مسئلہ مستنبط ہوتا تھا۔ حافظ ہدایہ رونے لگے اور کہا کہ ہمارا حفظ کیا ہوا کچھ بھی کام نہ آیا۔ ایک شخص پڑھا ہوا ہو۔ اور ایک گنا ہوا ہو۔ دونوں میں بڑا فرق ہے گننا صحبت سے آتا ہے۔

اس فن (تصوف) میں صحبت کی سخت ضرورت ہے۔ ایک حکایت ضرورت صحبت وعدم کفایت الفاظ پر یاد آئی۔ ایک مولوی صاحب طلباء کو پڑھا رہے تھے۔ یہ حدیث آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے کتفین کے درمیان عمامہ کا شملہ چھوڑا۔ حدیث میں بین کتفیہ کا لفظ ہے ایک طالب علم نے کہا کہ اس کی صورت تو یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شملہ کو گردن اور مونڈھے کے درمیان میں کو نکال کو سینہ پر چھوڑ دیں۔ بین کتفیہ اس پر بھی صادق ہے۔ مولوی صاحب نے یہ کہا کہ وہ طالب علم عمامہ باندھے ہوئے تھا۔ اور شملہ پشت پر پڑا ہوا تھا۔ عمامہ کا رخ پھیر کر شملہ ماتھے کی طرف لٹکا دیا۔ جس کی ہیبت ہاتھی کی سونڈ کی سی ہوگئی۔ اور کہا کہ یہ بھی تو بین کتفین ہے۔

بات یہ ہے کہ جب تک حقیقت نہ دیکھے تو صرف الفاظ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے (ایک صاحب نے اسی درمیان میں دریافت کیا کہ کیا تعلق مع اللہ سے خاص قسم کا تعلق مراد ہے۔ (اس پر فرمایا) ہاں جیسے محبوب سے تعلق ہوتا ہے۔ ورنہ یوں تو ہر مومن کو تعلق ہوتا ہے (پھر حضرت نے فرمایا) تعلق مع اللہ کے لئے دو چیزیں لازم ہیں سہولت طاعت دوام ذکر جس کسی سے محبت ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ اکثر اوقات اس کی یاد رہتی ہے۔ میں تو اس کو یوں تعبیر کرتا ہوں کہ دوام طاعت اور کثرت ذکر کیونکہ ذکر میں تو کسی وقت غفلت بھی ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے یہاں بجائے لفظ دوام کے لفظ کثرت لایا گیا۔

واقعہ : بڑی پیرانی صاحبہ کا فتح پور میں جس روز آپریشن ہوا۔ ان کا بھتیجا بعد آپریشن کے ان کی بے ہوشی دیکھ کر روتا ہوا خیمہ پر آیا۔ اور کہا کہ بے ہوش ہیں۔ کراہ رہی ہیں۔ اس میں منہ سے اللہ اللہ نکل رہا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا

ذکر اللہ جب رچ جاتا ہے تو بے اختیار جاری ہو جاتا ہے

ارشاد: ذکر اللہ جب رچ جاتا ہے تو ہر وقت اسی کا دھیان رہتا ہے ذکر چونکہ بسا ہوا ہے ان کے دل میں اس لئے زبان سے بے ہوشی میں بھی اللہ اللہ نکلتا ہے۔ اگر دوسرا شخص ہوتا (جس کے دل میں ذکر بسا ہوا نہ ہوتا) تو کیا اس طرح کرتا۔

ایک کتاب جس میں انبیاء کی توہین تھی

واقعہ : ایک صاحب حضرت کی خدمت میں ایک جدید لکھی ہوئی سیرت نبویہ لائے ایک صاحب نے احباب حضرت والا میں سے عرض کیا کہ انہوں نے انبیاء کے بارہ میں اس کتاب کے اندر بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقعہ کتاب مذکور میں نکال کر دکھلایا تھا کہ موسیٰ اور نوح۔ صفت عفو عام سے خالی تھے۔ اس کتاب کا ظاہر تو بہت اچھا تھا۔ کاغذ نہایت عمدہ دبیز سفید قیمتی۔ تحریر نہایت پاکیزہ۔ مگر اندر یہ خرافات بھری تھی۔

ارشاد: بند کیجئے اس کے دیکھنے اور سننے سے قلب میں تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ جس کی جڑ ہی خراب ہے تو شاخوں کو لیکر کیا کرے۔ اس میں انبیاء پر حملہ کیا ہے۔ ظاہری خوبصورتی اور عمدگی لیکر کیا کرے۔ جبکہ ایسے مضامین ہوں انبیاء علیہم السلام کو خدا تعالیٰ ساری صفتیں کمال کی دیتے ہیں۔ باقی جس صفت سے خدا تعالیٰ کام لینا چاہتے ہیں وہ اسکو استعمال کرتے ہیں۔ ہوتی ہیں ان میں سب صفتیں اور وہ ہر صفت میں کامل ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو آگے بھی چلنا آتا ہو اور پیچھے بھی مگر آقا کا حکم یہ ہے کہ آگے چلا کرے تو وہ آگے ہی چلے گا۔ اس صورت میں یہ تو نہ کہا جائیگا کہ اس کو پیچھے چلنا نہیں آتا۔

انبیاء کامل ہوتے ہیں ہر طرح سے۔ باقی جن افعال کا حکم خدا تعالیٰ ان کو کرتے ہیں وہی افعال کرتے ہیں۔ ایک سخی ہے ایک مانگنے والا اس کے پاس آئے تو وہ کسی مصلحت سے یوں کہتا ہے کہ میں تجھے نہ دوں گا۔ تو کیا وہ بخیل تھوڑا ہی ہو گیا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ موسیٰ اور نوح عفو عام سے خالی تھے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

عفو عام کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی سے انتقام نہ لے یہ تو رسول اللہ ﷺ پر بھی اعتراض ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے بھی انتقال لیا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ملک داری کے کمال سے خالی لکھا ہے حالانکہ ان کی اس صفت کا ظہور اس وقت ہوگا جب وہ بادشاہ ہوکر تشریف لائیں گے۔ اس کے قبل چونکہ اس کے استعمال کا ان کو حکم نہیں ہوا۔ اس لئے ظاہر نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ جس کے عقائد اچھے نہ ہوں وہ کیا لکھے گا۔ میں تو موٹی بات کہا کرتا ہوں کہ اگر موسیٰؑ اور نوحؑ سامنے ہوں تو کیا اس وقت بھی کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے یہ تو گالیاں ہیں۔ اور بالکل واقعہ کے خلاف یہ تو اہانت ہے انبیاء کی۔ یہ فیصلہ کرنے بیٹھے انبیاء کا۔ شیخ اکبر کہتے ہیں کہ انبیاء کے مقامات کو اولیاء نہیں پہچانتے اور یہ ہیں حضرت کہ ان میں فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں (اس کے بعد حضرت نے اس کتاب کو بند کرادیا)۔

جتنی محبتیں ہیں سب موذی ہیں بجز محبت الٰہی کے

واقعہ: مال اور اہل مال اور مال کی محبت کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: جتنی محبتیں ہیں سب موذی ہیں بجز اللہ تعالیٰ کی محبت کے۔ حق تعالیٰ کی محبت ایک ایسی محبت ہے جو ہر طرح راحت رساں ہے تھانہ بھون کے پاس ایک گاؤں میں ایک ڈپٹی تھے ان کے پاس مال بہت تھا۔ رات بھر پہرہ دیتے تھے۔ پہرہ داروں کو پکارتے رہتے تھے چوکیداروں کو پکارتے رہتے تھے خود بھی جاگتے رہتے تھے۔

جو علماء گورنمنٹ کی مخالفت میں شریک نہیں ہوتے ان کو بزدل کہتے ہیں

واقعہ: اس پر ذکر تھا کہ جن لوگوں نے جنگ کے زمانہ اخبارات کے اندر سرکار انگریزی کے خلاف مضامین طبع کئے تھے التواء جنگ کے وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ اس پر سرکار انگریزی کی طرف سے دار و گیر ہوگی اس پر فرمایا۔

ارشاد: جو علماء ان مضامین میں ان کے شریک نہ تھے ان کو یہ لوگ بزدل کہتے تھے۔ میں نے تو یہ جنگ بلقان کے متعلق چندہ کے بارہ میں میرٹھ میں کہا تھا۔ ایسے لوگوں سے کہ آپ لوگوں کے مساعی ارباب چندہ کے قابل مدح ہیں اور اس تحریک میں آپ امام ہیں اور ہم مقتدی مگر جب امام سے غلطی ہو تو مقتدی کو مطلع کرنا چاہئے اس لئے آپ کی غلطیوں پر آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ بیان کیا تھا کہ ہوش سے کام لو۔ جوش سے مت لو۔ آپ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ کوئی خبر پہنچی اس

پر اچھل رہے ہیں کود رہے ہیں جوش ہی جوش ہے ہوش نہیں ہے۔

قرآن شریف میں ہے۔ لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین۔ یہ لوگ (جدید تعلیم یافتہ) ہر امر میں مقلد ہیں اہل یورپ کے یہ طریقہ بھی (یعنی اتنا اظہار جوش) یورپ والوں کا ہے۔ یہ سب فضولیات ہیں۔ ہمیں تو ہر چیز کے اچھے اصول بتلائے گئے ہیں جو یقینی عقلی ہیں سماوی ہیں لوگ ان کو چھوڑ کر دوسرے اصول لینے لگے ہیں میں نے کہا تھا کہ ان اصول کو برت کر دیکھ لو تو معلوم ہو۔ انگریزی طالب علموں کو تو اور بھی ضرورت ہے فضول باتوں سے بچنے کی۔ کیونکہ ہم لوگ تو بدنام ہیں کہ فضولیات میں وقت صرف کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے کو وقت کا قدر شناس بتلاتے ہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ خود یہی لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

رات کو لالٹین جلتی چھوڑنا

واقعہ : ایک صاحب نے کہا کہ رات کو لالٹین کا روشن رکھنا یہ مانع ہے۔ چوروں کی جرأت کو وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چوروں کو ڈر رہتا ہے صورت پہنچانے جانے کا۔ عرض کیا گیا کہ حضرت حدیث میں تو ممانعت ہے رات کو چراغ کے روشن چھوڑ دینے سے۔

ارشاد: فرمایا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قندیل میں روشنی ہو تو جائز ہے اس کا روشن رکھنا کیونکہ جو علت ہے گل کرنے کی (چوہے وغیرہ کا بتی لے جا کر کپڑوں میں ڈال دینا) جہاں وہ پائی جائے تو روشن رکھنا جائز نہیں ہے اور جہاں یہ نہ ہو تو جائز ہے۔

اسی تقریب سے ذکر فرمایا کہ ایک شخص کہتے تھے کہ امریکہ میں خزانہ کے صندق پر ایک ایسا مصالحہ لگایا گیا کہ جب چور آئے تو اس کا فوٹو اتر آئے۔ اسی فوٹو سے پکڑ لئے جاتے تھے۔ چوروں نے کیا کیا کہ اپنے منہ پر چہرہ لگا کر چوری کرنے جاتے تھے تو فوٹو اس چہرہ کا آتا تھا۔ پھر بے تار کی خبر کا ذکر چلا کہ اس کی لم اب تک عام طور سے سمجھ میں نہیں آئی۔ تو فرمایا کہ بندوں کی ایجادیں ایسی ہیں کہ ان کے اسرار سمجھ میں نہیں آتے تو خدا تعالیٰ کے اسرار کیسے سمجھ میں آئیں۔ آجکل لوگ حق تعالیٰ کے اسرار سمجھنے کے درپے ہوتے ہیں کیا وہ ان کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

ایک صاحب کیلئے چلہ خاموشی تجویز کرنا اور فضول باتیں کونسی ہیں

واقعہ : حضرت نے فرمایا کہ میں نے فلاں صاحب کے لئے چلہ خاموشی تجویز کیا ہے۔ کیونکہ وہ باتیں بہت کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت کیا یہ عادت ڈالنے کی غرض سے کیا جاتا ہے

اس پر فرمایا۔

ارشاد: ابتداء ہر امر کی تکلیف ہے پھر عادت ہو جاتی ہے (میں نے عرض کیا کہ میں اپنے گھر میں باتیں بہت کرتا ہوں۔ اس پر فرمایا وہ تو ملاعبت میں داخل ہے مگر اس کا بھی ایک اندازہ ہے بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ باہر والوں کی ساتھ فضول ہیں اور گھر میں فضول نہیں۔ اور بعض گھر والوں کے ساتھ بھی فضول ہیں۔ مثلاً ایک تو یہ کہ اپنے گھر والوں سے محبت ولطف کی باتیں کرے جس سے محبت بڑھے یہ فضول نہیں۔ ایک یہ باتیں ہیں کہ بی بی سے کہے کہ اپنے کپڑے دکھاؤ اپنا زیور دکھاؤ علیٰ ہذا یہ فضول ہے۔ غرض ہر شخص کا فضول جدا ہے اس میں بڑی بصیرت کی ضرورت ہے کہ جس سے تمیز کر سکے ہر شخص اس کے ساتھ فضول اور غیر فضول ہیں۔

اسی درمیان میں ایک صاحب نے کہا کہ پہلے لوگ بہت کم کھاتے تھے۔ اس پر فرمایا۔ اب تو تقلیل کا درجہ یہی ہے کہ بھوک سے زیادہ نہ کھائے گو پیٹ بھر کر کھالے مگر اتنا نہ بھرے کہ نمک سلیمانی ڈھونڈتا پھرے۔ اس زمانہ کی تقلیل یہ ہی ہے۔ تجربہ ہوا ہے کہ لوگوں نے بہت کم کھانے سے آجکل مضرتیں اٹھائیں۔

جب تک زندہ رہے بے لطف رہی زندگی۔ اور جسمانی غذا کی تقلیل سے ان کی روحانی غذا بھی جاتی رہی (بوجہ ضعف کے ذکر و شغل سے بھی جاتے رہے کام نہ ہو سکا پھر حضرت نے فرمایا) بڑی بات سلوک میں جمعیۃ خاطر ہے کہ پریشانی نہ ہو۔ چنانچہ بعض کو اختیار اسباب سے جمعیت ہوتی ہے اور بعض کو ترک اسباب سے غرض ہر شخص کی حالت جدا ہے اس کے موافق ہونا چاہئے۔

مسلم اور کافر میں فرق کیا ہے اور کفار سے نفرت کیوں کی جاتی ہے؟

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ دعا کافر اور مسلم دونوں کی قبول ہوتی ہے۔ پھر فرق کیا ہوا کافر اور مسلم میں۔

ارشاد: یہ کیا ضرورت ہے کہ اہل ایمان کو ہر بات میں خصوصیت ہو یہاں تک کہ پھر یہ بھی سوال ہوگا کہ خوبصورتی کافر اور مسلم دونوں میں ہوتی ہے تو پھر کیا فرق ہوا کافر اور مسلم میں اور بالخصوص دعا کے مقدمہ میں فرق کا اہتمام میں پڑنا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی تو وہ شان ہے کہ اگر لوگ دعا نہ بھی کریں تو بلا دعا ان کی حاجت پوری کریں جس میں سب بندوں کی یہی شان ہے۔ باقی

کافر و مسلم میں اصل فرق تو یہ ہے کہ خدا کفار سے ناراض اور اہل ایمان سے راضی ہے۔ (ایک صاحب نے عرض کیا کہ کفار سے نفرت کیوں کی جاتی ہے۔ وہ بھی تو مظہر ہیں صفات الٰہیہ کے اس پر فرمایا) مظہر سے نفرت ہے ظاہر سے نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ گندہ پانی میں ایک محبوب کا چہرہ نظر آتا ہو۔ تو محبوب سے تو محبت ہی ہوگی جو ظاہر ہے اور گندہ پانی سے نفرت ہوگی جو مظہر ہے۔

اگالدان مسجد میں اٹھا کر تھوکنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں

واقعہ : ایک صاحب نے پوچھا کہ اگالدان مسجد میں رکھا ہے۔ نماز میں اس کو اٹھا کر تھوکنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں ہو جائے گی۔

ارشاد: یہ دیکھا جائے کہ یہ فعل کثیر ہے یا نہیں۔ اگر آپ کے نزدیک نہیں تو آپ کی نماز ہو جائے گی مگر میں تو اپنی نماز لوٹاؤں گا۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ فعل کثیر ہے فعل کثیر کی اقرب تعریف میرے نزدیک یہ ہے کہ جس کو کرتے ہوئے دیکھ کر دوسرا آدمی سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔ چنانچہ اگالدان اٹھانے کی حالت میں دوسرا شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے بلکہ یوں کہے گا کہ یہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔

ایک صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آپ تو آزاد ہیں

واقعہ : ایک صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ حضرت آپ تو آزاد ہیں کام کیا نہ کیا کسی کے ملازم تھوڑا ہی ہو۔ پھر اتنی محنت کرنے سے کیا فائدہ اس پر فرمایا۔

ارشاد: میں ایسی سرکار کا نوکر ہوں جس کے بادشاہ بھی نوکر ہیں۔ (یعنی اللہ میاں کا) پھر ہمارا جو کام ہے وہ ایسا نہیں کہ ہم کسی کے سپرد کریں بخلاف ملازموں کے کہ رخصت لینے کے وقت دوسرے کا کام دیدیا اور بے فکر ہو گئے مگر مشکل یہ ہے کہ اس کام کو لوگ کام ہی نہیں سمجھتے ہیں اس لئے بعض لکھ دیتے ہیں کہ تمہیں کام ہی کیا ہے۔

واقعہ : حضرت والا نے ایک خط سنایا جس میں بعض احکام شرعی کی بابت لکھا تھا کہ یہ حکم کیوں ہے اور یہ کیوں ہے اس پر فرمایا۔

ارشاد: یہ شخص انگریزی پڑھے ہوئے ہیں اس تعلیم میں شبہات بہت پیدا ہوتے ہیں میں نے ان کو لکھا ہے کہ احکام شریعت میں آپ کو کیا حق ہے علت نکالنے کا اگر اسی طرح وجہ نکالی جائے

تو کوئی حلال حلال اور حرام حرام نہ رہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے منشاء کے موافق علت نکال لے گا۔ علت کی یا حرمت کی۔ مثلاً کسی نے حرمت زنا کی یہ علت نکالی کہ اس سے اختلاط نسب ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی بیوہ عورت سے مل کر زنا کر لیا۔ اور اس کو ایسی دوا کھلا دی کہ جس سے علوق ہی کا احتمال نہ رہے تو چاہئے کہ حلال ہو جائے۔

کیونکہ وہ علت یہاں مرتفع ہے۔ اور دوسرے کا حق (یعنی خاوند کا حق) متعلق ہے نہیں تو اب اس میں قباحت کیا۔ اس لئے کوئی حرج نہ ہونا چاہئے۔ میں نے اسے یہ کہا تھا۔ بس چپکے رہ گئے۔ انہوں نے تصویر کی ممانعت کی وجہ بتائی تھی کہ چونکہ ابتدائے اسلام میں بت پرستی کا احتمال تھا اس لئے ممانعت کر دی گئی تھی۔ اور اب وہ احتمال ہے نہیں اس لئے ممانعت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ کو کیا حق ہے علت نکالنے کا ہمارے علت نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے لئے تو یہ کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کذا وعن کذا۔ باقی حضور ﷺ یوں فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں کہہ دیا تھا وہی میں نے بھی کہہ دیا تھا۔ آگے رہے اللہ تعالیٰ سو وہ ان گستاخوں کا جواب دیں گے۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ بحالت حیض نمازیں جو گئی ہیں ان کی قضا نہیں اور روزہ کی ہے اس کی کیا وجہ ہے مولانا نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو اتنے جوتے لگیں گے کہ سر پر بال بھی نہ رہے گا۔ ایک شخص نوکر رکھے کسی کو کہ ڈاک میں خط چھوڑ آیا کرو۔ وہ پوچھنے لگے کہ یہ بیرنگ خط کیوں بھیجا۔ حالانکہ اس کی وجہ ضرور ہے مگر اس کو کیا غرض ہے اس پوچھنے سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کو خدمت سپرد کی ہے اور وہ اس کی علت پوچھیں کتنی بڑی حماقت ہے۔ اصلی وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہیں بلکہ خود ان کی ہستی کو خیالی اور وہمی سمجھتے ہیں اور اپنی ہستی کو واقعی۔

ارشاد: ملا دو پیاز وغیرہ نے جو اپنے کو مسخرہ بنا لیا تھا تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے لوگوں میں بعض ایسے گزرے ہیں کہ بادشاہ کو نصیحت کرنے کے واسطے انہوں نے اپنے کو مسخرہ بنا لیا تھا کہ جس سے دربار میں داخل ہو کر وہ کچھ کہہ سکیں۔

ایک بے نماز کا عذر

واقعہ : ایک بے نمازی کا ذکر ہوا کہ وہ کہتا تھا کہ جب سے مرض ہوا نماز نہیں ہوتی۔ اسی حیلے سے نماز سے بچتا تھا اس پر فرمایا۔

ارشاد: اگر کوئی سزا مقرر ہو جائے حکومت کی جانب سے تو ایسے حیلے کبھی بھی پیش نہ کریں۔

حضرت کے اصول برتنے پر آپ کو لوگ سخت کہتے ہیں

ارشاد: میں جو اصول برتتا ہوں۔ تو لوگ مجھے سخت کہتے ہیں اور متمدن قوموں کو باوجود ان ہی اصول برتنے کے کچھ نہیں کہتے۔ ایک لفٹنٹ گورنر سے ایک شخص بالتفصیل کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے اس نے کہا کہ ہم شام تک کھڑے رہیں گے مگر شرط یہ ہے کہ ایک بات کو دو دفعہ مت کہنا۔ اور یہ شرط پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی۔ اگر یہی شرط ہم سوال کریں تو تکبر اور بد دماغی سمجھی جائے وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ غریب ہیں اس لئے ہماری بات بھی بری معلوم ہوتی ہے اور وہ امیر ہیں سب مانتے ہیں۔

مسلمانوں کو بس غلام بننا آتا ہے

واقعہ : اس کا ذکر تھا کہ بعضے مسلمان تجارت کو پسند نہیں کرتے نوکری کو پسند کرتے ہیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: فرمایا کہ مسلمانوں کو بس ایک کام آتا ہے۔ پرایا غلام بننا۔ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ ہندو برابر صنعت سیکھتے ہیں نوکری کی یہ حالت ہے کہ حکام بھی ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے نوکری کی۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کو اس کا شوق ہے۔

واقعہ : ایک صاحب معزز عہدیدار یہاں مقیم تھے وہ حضرت کی طرف بہت توجہ رکھتے تھے اور حضرت والا کے معمولات دوسرے لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے۔ اس پر ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ ذرا ہوشیار ہو کر ان سے گفتگو کرنی چاہئے یہ خفیہ پولیس معلوم ہوتے ہیں (حالانکہ وہ ایسے نہ تھے)۔

ارشاد: فرمایا محبت کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے خفیہ پولیس کے لوگ دعوی محبت کا کرتے ہیں مگر وہ دل کو نہیں لگتا۔ اور صاحب محبت کا دعوی دل کو لگتا ہے۔

ایک شخص کا لڑکی کو بیچنا

واقعہ : ایک صاحب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ ایک چھوٹی لڑکی کو آٹھ آنے میں فروخت کر گیا ہے۔ میں نے اس کو لے لیا ہے اب اس کا نام کیا رکھوں۔ حضرت نے اس کا نام امۃ اللہ تجویز فرمایا۔ دو مناسبت سے ایک تو یہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ بندی بندہ کی نہ تھی کہ اس کو فروخت کیا وہ تو اللہ کی بندی تھی۔ دوسرے عبداللہ نام مردوں میں پسند ہے امۃ اللہ عورتوں میں پسند ہوگا۔ اور فروخت کرنے کے بارہ میں حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ اس نے بڑا ہی ظلم کیا اگر ٹالنا ہی تھا تو کسی کو پالنے والے کے واسطے ویسے ہی دیدیتا۔

واقعہ : حضرت والا کے گھر میں آپریشن سے دو چار روز بعد میم نے خود بلا کسی کے پوچھے یہ کہا کہ آٹھ روز میں آرام ہو جائے گا (اس کے قبل بعض لوگوں نے کی رائے تھی کہ پوچھنا چاہئے) اس پر فرمایا۔

معالج سے پوچھنا ٹھیک نہیں کہ کب تک ٹھیک ہو جائیگا

ارشاد: ایسے موقعہ پر پوچھنا ٹھیک نہیں۔ (پھر فرمایا) معالج ہو مربی باطن ہو ایسے امور میں ان سے پوچھنا میں پسند نہیں کرتا۔ مثلاً یوں پوچھے کہ کب تک کام ہو جائے گا۔ اس میں ایک شان تقاضا و فرمائش کی معلوم ہوتی ہے جو شان طلب کے خلاف ہے۔ بس اس کے سپرد کر دے۔ اور اصل سپردگی تو خدا تعالیٰ کی ہے مگر ظاہری طور پر اس کے سپرد کر دے۔

اگر نوکر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے یا نہیں

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر نوکر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہوگا یا نہیں۔

ارشاد: ہاں نصیحت نہ کرے، باقی نوکر پر جبر نہیں، بی بی اور بچہ اور غلام پر جبر ہے نوکر پر حکومت نہیں۔ اس معاملہ میں جس کا نوکر ہے اس میں حکومت ہے بس۔ میں نے عرض کیا کہ ایک رئیس ہیں وہ جب نوکر رکھتے ہیں اس وقت شرط کر لیتے ہیں کہ نماز پڑھنی ہوگی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا۔ ہاں یہ بہت خوب ہے مگر یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو خود پابند ہو۔

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرے گھر میں نماز کی پابندی نہیں کرتیں۔ حالانکہ میں کتابیں اس قسم کی سناتا رہتا ہوں مگر اثر نہیں ہوتا۔

ارشاد: سناتے رہیئے کبھی اثر ہو ہی جاتا ہے پھر اس سننے سے اثر ہو جانے پر ایک حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ ہیں اصمعیؒ وہ سفر میں اونٹ پر سوار تھے انہوں نے یہ آیت پڑھی ۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون ۔ اونٹ والے نے پوچھا کہ یہ کس کا کلام ہے ۔ کہا کہ اللہ کا ۔ اس نے کہا کہ پھر پڑھنا ۔ انہوں نے پھر پڑھی کہا پھر پڑھو انہوں نے پھر پڑھی ۔ اس نے کہا کہ جب رزق آسمان پر ہے تو زمین میں کس لئے ڈھونڈیں چنانچہ اس نے اونٹ ان کو دیدیا اور کہا کسی کو فی سبیل اللہ دیدینا اور خود وہاں سے چل دیا ۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اس شخص سے مکہ میں ملاقات ہوئی ۔ اس نے کہا کہ مجھے نہیں پہچانا ۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے تم نے یہ آیت پڑھی تھی ۔ آیا اس کے بعد کچھ اور بھی ہے ۔ آپ نے اس سے آگے کی آیت پڑھی فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون اس نے بطور تعجب کہا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ان کے یقین دلانے کیلئے اللہ کو قسم کھانے کی ضرورت پڑی کیسے ہیں وہ لوگ اس پر ایک حالت طاری ہوئی اور دم نکل گیا (پھر حضرت نے فرمایا) کہ بعض ایسے قلوب ہیں جن میں اس قدر جلد اثر ہوتا ہے ۔

واقعہ : ایک صاحب نے (جو بیعت بھی تھے) حضرت کی خدمتؒ میں چند خطوط بھیجے تھے ۔ ان میں بعض معاملات کے متعلق اعتراض بھی کئے تھے اور سخت باتیں بھی لکھی تھیں ۔ پھر وہ فتح پور میں آئے وہ خط ان کے سامنے پیش کئے جارہے تھے اور وہ ان میں تاویلیں کرتے تھے اس پر فرمایا ۔

پیر کی غلطی پر اعتراض نہ کرے اور نصیحت کا طریقہ ایک صاحب نے کچھ گستاخیاں حضرت کی شان میں کی تھیں

ارشاد: اگر غلطی بھی ہو پیر سے تو مرید کو اعتراض نہ کرنا چاہئے ہاں باادب متنبہ کردے جب دیکھے کہ خود متنبہ نہ ہوگا ۔ اور اگر یہ امید ہو کہ متنبہ ہو جائیگا تو پھر سکوت کرے اور اگر دیکھے کہ بار بار غلطی کرتا ہے تو ادب کے ساتھ تحریراً یا تقریراً متنبہ کرے ۔ باقی اعتراض یہ بے جا حرکت ہے اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کرے ۔ دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو کس طرح خطاب کررہے ہیں ۔ خطاب دیکھ لیجئے ۔ یوں کہہ رہے ہیں ۔

اے میرے ابا ۔ اے مرے ابا ۔ کافر باپ کے ساتھ یہ خطاب کررہے ہیں پھر پیر تو کافر بھی نہیں ۔ میں اپنی تعظیم نہیں چاہتا اگر تعظیم کا طالب ہوتا تو ہر جگہ اس کا خیال کرتا ۔ میں آپ

کو طریق کا طریقہ بتلا رہا ہوں کہ یہ ادب ہے طریق کا۔ اگر آدمی کسی سے اپنا کام نکالنا چاہے تو اس کو اس کی ساری سختیاں اٹھانی چاہئیں اور خود اس کو اس محتاج الیہ سے کسی قسم کی باز پرس کرنیکا حق نہیں ہے یہ تعلیم کرتا ہوں باقی مجھ کو آپ سے کچھ کینہ نہیں ہے۔

کفراست درطریقت ماکینہ داشتن ☆ آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ہاں شکایت ہے اس بات کی کہ جس بات کا دعویٰ ہے (یعنی دعویٰ محبت) اس کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ آپ کسی اور سے مرید ہو جایئے۔ میرا دل اسی دن صاف ہو جائیگا۔ سو کسی اہل حق سے مرید ہو جانا چاہئے۔ مجھ سے آپ کو مناسبت نہ ہونے کے سبب نفع نہ ہوگا۔ اور پیر بدلنے کے متعلق کوئی وسوسہ نہ لایئے۔ کیونکہ پیر کا حق یہ نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے پیر کوئی نبی نہیں ہے جو یہ خیال ہو کہ نبی کو کیسے چھوڑ دیں۔ کسی طبیب سے علاج شروع کیا علاج موافق نہ آئے تو دوسرے سے علاج کراؤ۔ سچ جانئے ہم تو اس سے بالکل برا نہیں مانتے۔

سچے دل سے مشورہ دیتا ہوں جب میں پسند نہ آؤں تو دوسرے سے رجوع کرنا چاہئے۔ وہ صاحب عذر کرنے لگے کہ حضرت معاف کر دیجئے۔ اس پر فرمایا جب پیر کہہ رہا ہے کہ اور کسی سے بیعت ہو جاؤ تو اس کو قبول کرنا چاہئے۔ ہمارا کام دھوکا دینا نہیں کہ ہم اپنا ہی پابند بنا کر رکھیں گو دوسرے کا نقصان ہی ہو۔ مسلمان کی شان دھوکہ دینا نہیں۔

ہرقل نے حضرت عمرؓ کے متعلق ایلچی سے دریافت کیا تھا کہ تمہارے خلیفہ کیسے ہیں تو ایلچی نے یہ کہا تھا۔ لا یخدع ولا یخدع۔ یعنی نہ دھوکہ دیتے ہیں اور نہ دھوکہ کھاتے ہیں۔ اس پر ہرقل نے ارکان دولت سے کہا کہ دھوکہ نہ دینے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص اعلیٰ درجہ کا دیندار ہے اور دھوکہ نہ کھانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کا عاقل شخص ہے۔ اور جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ نہ دھوکا کھاتا ہو اور نہ دیتا ہو۔ ہاں مسلمان کبھی کرم کے سبب دھوکہ تو کھا جاتا ہے مگر دیتا کبھی نہیں۔ ہم تو صاف دل سے جو دل میں ہوتا ہے اس کو صاف کہہ دیتے ہیں اور یہ ساری خرابی بے مناسبتی کی اس سے ہے کہ لوگ دور، دور سے مرید ہوتے ہیں پاس نہیں آتے جو کہ خلاف اصول ہے اس لئے سبب پریشانی ہے کیونکہ دنیا کی راحت بھی اصول صحیحہ پر عمل کرنے سے ہوتی ہے (عصر کی نماز کا وقت آگیا وہ صاحب خیمہ سے باہر آگئے)۔

ہدیہ میں حضرت کا معمول

واقعہ : ایک صاحب نے ہدیۃً کچھ روپے پیش کئے جو معمول سے زیادہ تھے اس پر فرمایا۔

ارشاد: میرا معمول ہے کہ ایک دن کی آمدنی جس قدر ہو اس سے زیادہ نہ دیا جائے اور ایک ماہ میں دوبارہ ہدیہ نہ ہو مقصود دل کا خوش ہونا ہے تو اس میں کوئی مونت اور بار و مشقت نہ ہونا چاہئے اور جو گراں نذرانہ ہو تو اس میں میرا بھی تو نقصان ہے۔ کیونکہ دینے والے کم ہوں گے۔ (حضرت نے یہ کلمات بطور ظرافت فرمائے) ایک ڈاکٹر کہتے تھے کہ میں اپنی فیس کم کر رکھی تھی۔ اس میں مجھ کو پچاس پچاس روپے یومیہ مل جاتے تھے میں نے دل میں کہا کہ اگر سولہ روپے فیس رکھتا تو اتنی آمدنی نہ ہوتی۔ کیونکہ بلانے والے بہت کم ہوتے۔ پھر زیادہ مقدار کے ہدیہ میں بعض اوقات خلوص بھی نہیں ہوتا۔

ایک صاحب نے مجھ کو پچیس روپے دیئے میں نے ان میں دس لے لئے باقی واپس کر دیئے جب وہ صاحب چلے گئے تو انکے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ان صاحب نے پہلے دس ہی تجویز کئے تھے۔ پھر کہا یہ نہ میری لائق ہیں نہ ان کی لائق اس لئے پندرہ اور تجویز کئے۔ بعضے پیر زیادہ مقدار میں بھی راضی نہیں ہوتے اور زیادہ مانگتے ہیں۔ ایک پیر کا قصہ ہے کہ ڈھاکہ کے قریب ان کے ایک مرید نے دعوت کے بعد پچاس روپے ان کو دیئے پیر نے پھینک دیئے اور کہا کہ ہم اس قابل ہیں۔

چنانچہ اس نے دوسو روپے دیئے تب لئے علاج تو یہ تھا کہ وہ بالکل نہ دیتے۔ میرے والد نے ایک موقعہ میں ایسا ہی کیا۔ میرے والد کبھی رسوم تو کر لیتے تھے مگر جب بھی عقل سے کام لیتے تھے میری پھوپی کو ان کے فرزند کی تقریب ختنہ میں سو روپے نقد دیئے وہ رسوم کی سخت پابند تھیں۔ انہوں نے اٹھا کر پھینک دیئے اور یہ کہا کہ ایک چیتھڑا دھوتر کا مجھ کو دیتے میں لے لیتی۔ بس والد صاحب نے اٹھا کر رکھ لئے اور پھر نہیں دیئے اور ایک دفعہ بھی اصرار نہ کیا پھر پھوپھا صاحب نے دلوائے۔ اسی طرح اس مرید کو چاہئے تھا کہ ہرگز نہ دیتا۔

انگریزی دوا کا استعمال

واقعہ : میرے مونڈھے میں درد تھا حضرت سے عرض کیا کہ میں شفاخانہ جانا چاہتا ہوں اجازت مرحمت ہو۔ حضرت والا نے فرمایا کہ چلے جاؤ۔ پھر فرمایا۔

ارشاد: میں تو انگریزی دوا کا استعمال اہل احتیاط کیلئے جائز نہیں سمجھتا الا ایسی ضرورت میں کہ اس سے مفر ہی نہ ہو۔ جیسے میرے گھر میں علاج ہو رہا ہو۔ کہ صحت کی اور کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ ایک ڈاکٹر کہتے تھے کہ ان کی کوئی دوا شراب سے خالی نہیں۔ ایک ڈاکٹر ہیں کہ وہ خود اپنا علاج ڈاکٹری دوا سے نہیں کرتے۔ بعض فقہاء نے گو تداوی بالحرام کو ضرورت میں تو جائز لکھا ہے۔ مگر ضرورت بھی دیکھنا چاہئے یہ کیا کہ ذرا درد ہوا۔ اور انگریزی دوا کر لی۔ کیا جب تک ڈاکٹری نہ تھی کام ہی نہیں چلتا تھا۔ سرسوں کا تیل ملوا کر روڑے سے سینک دو۔ بس۔

ایک صاحب کا حضرت کے پاؤں دبانا

واقعہ: ایک صاحب حضرت کے پاؤں دبانے لگے ان کو منع فرما دیا اور فرمایا۔

ارشاد: جس سے بالکل دل کھلا ہوا نہ ہو اس کی خدمت کرنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے محبت کا ادب ہے محبوب کو راحت پہنچانا۔ میں بزرگوں کی تعظیم کو بعض وقت اس لئے نہیں کھڑا ہوتا۔ کہ ان کو تکلیف ہوگی۔ میں نے بزرگوں کے پاؤں کبھی نہیں دبائے اس وجہ سے کہ ان کو میرا لحاظ ہے ان کو اس میں تکلیف ہوگی۔ جس کو خدمت کرنا ہو تو پہلے بے تکلفی پیدا کرے اور بے تکلفی پیدا کرنے سے ہوتی ہے۔ ہمارے حاجی صاحبؒ بھی پورے مولوی سے پاؤں نہیں دبواتے تھے اس سے بے حد تکلیف ہوتی تھی۔

واقعہ: ذکر اس پر تھا کہ اگر انسان شریعت کی مطابق ہر جگہ عمل رکھے تو اس کو پریشانی کبھی نہ ہو۔

شریعت پر عمل کرنے سے تعلقات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ قانون شریعت بڑی دولت ہے

ارشاد: بڑی دولت ہے یہ قانون (یعنی شریعت) لوگ اس کی قدر نہیں کرتے حالانکہ ان ہی کی شفقت کے لئے بنایا گیا ہے۔ ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض ہو جائے اور طبیب کہے آلو مت کھاؤ۔ لوکی کھاؤ۔ مریض اس پر کہے کیا مصیبت میں پھنسا دیا۔ ایسی مزیدار چیز سے منع کر دیا۔ طبیب نے کہا کہ کھا کر دیکھو تو معلوم ہوگا۔ مریض نے کھا کر کہا کہ آلو کیا مزیدار تھے طبیب نے کہا کہ کل کو دیکھنا اس کا مزہ۔ کل ہونے پر سب جانتے ہیں کہ کیا گت خراب ہوگی۔

وہاں (آخرت) کی کل قریب ہے اس کو لوگ بعید سمجھتے ہیں۔ معاصی سے جو یہاں

لذت اٹھائی ہے وہاں کسر نکلے گی۔ وہاں کی کل کے متعلق قرآن شریف میں غدٗا کا لفظ آیا ہے (یعنی قیامت کے لئے)۔

چنانچہ ایک بڑی پریشانی انسان کو قرضہ کی وجہ سے ہوتی ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ حصہ قرضہ کا فضولیات کے سبب ہوتا ہے کہ بلاضرورت لوگ قرض لیتے ہیں۔ سو اگر شریعت کے موافق عمل ہو تو فضولیات ہی کیوں کرے۔ جو قرض لینے کی نوبت آئے اور جو قرض ضرورت سے کیا جاتا ہے اس کے لئے وعدہ ہے ادا کا کہ ہم ادا کریں گے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ادا کریں گے۔ خواہ دنیا میں یا آخرت میں جب یہ ہے تو پھر پریشانی کیسی۔ ایک رئیس تھے ان کے ذمہ قرضہ ہوا۔ بیلوں کی بدولت آج سو روپے کے بیل آرہے ہیں کل دو سو کے آرہے ہیں یہی شغل رہتا تھا آخر کثیر مقدار میں قرض ہو گیا۔

عرب خوب ہیں حاجت میں قرض لیتے ہیں اور جب کچھ نہ رہا۔ قالین بھی بیچ دیا اور قرض ادا کردیا۔ پھر کہیں سے آیا دوبارہ سامان جمع کرلیا۔ ان کو عادت ہے اس کی۔ جو آدمی آبرو بھی رکھنا چاہے اور قرض کو بھی ادا کرنا چاہے یہ نہیں ہوسکتا عرب کو فکر نہیں اور یہاں تو بڑا حجاب یہ ہے کہ سبکی ہوگی۔ اگر چیزیں بیچیں گے اور سبکی تو واقعات کے معلوم ہونے سے بھی ہو جاتی ہے اور واقعہ معلوم ہو ہی جاتا ہے حال کھل ہی جاتا ہے خواہ بیچیں خواہ نہ بیچیں۔ میرے گھر میں عادت ہے کہ قرض ہوا زیور بیچ دیا پھر سامان ہوا پھر بنوالیا۔

حالانکہ ہمارے یہاں (وطن کے لوگوں میں) کانوں کی بالیاں بیچنا بہت عیب ہے مگر وہ (میرے گھر میں) اگر کسی تقریب میں جاتی ہیں تب بھی یہ نہیں کہ کسی سے مانگ کر پہنیں خدا نے جتنی عزت دی ہے اس حال میں بھی ہوگی۔ ہمارے یہاں ایک رئیس کی بی بی تھیں تباہ ہوگئیں تھی۔ پھر بعد میں وسعت بھی ہوگئی اس بندی خدا نے پھر زیور نہ پہنا۔ مگر باوجود اس کے بڑی عزت تھی۔ ان کے نہ ہاتھ میں نہ کان میں کہیں بھی زیور نہ ہوتا تھا۔ مگر جہاں جاتی تھیں سرا ہنے بٹھائی جاتی تھیں۔ کپڑے زیور سے عزت تھوڑا ہی ہے۔ دیکھئے کیمیا گر لنگوٹ باندھے ہوتا ہے مگر نواب اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔ اصل میں کمال کی عزت ہے خواہ دنیا کا کمال ہو یا دینی کمال ہو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بچائے سخت عذاب ہے دَین کا۔ حدیث میں ہے کہ دَین سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ دَین سے بہت پناہ مانگتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب آدمی پر دَین ہوتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے بدعہدی کرتا ہے۔

حضرت والا کا ایک بددین کے پاس جانا اور اس کا ذلیل ہونا حضرت کے جواب دینے پر

ارشاد: کانپور میں ایک امیر شخص تھے وجیہہ مونچھیں بڑھی ہوئی۔ غرض ایسی وضع تھی ان کی کہ آدمی ان کی وجاہت سے مرعوب ہو جاتا تھا عقائد ان کے اچھے نہ تھے لوگوں کے سامنے شبہات پیش کرتے تھے لوگ ان کی ظاہری وجاہت سے مرعوب ہو جاتے تھے۔ مجھ کو ایک قاضی صاحب ان کے پاس لے گئے اس غرض سے کہ اچھا ہے ان کو ہدایت ہو جائے۔

چنانچہ میں وہاں گیا وہاں مجمع تھا۔ ایک انگریزی خواں ہندو بھی تھا۔ قاضی صاحب نے ان سے کہا کہ میں مولوی صاحب کو شبہات دفع کرنے کی غرض سے لایا ہوں وہ بولے کہ میرے شبہات کون دفع کر سکتا ہے وہ تو تاریخی واقعات ہیں۔ ہاں تاریخ کا انکار کرو تو خیر۔ پھر کہا کہ میں اس وقت ایک شبہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ امیر معاویہ حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتے تھے اس کا ثبوت تاریخ سے دے سکتا ہوں اور حدیث میں ہے من سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ تو اس وعید میں امیر معاویہ بھی داخل ہوئے۔ میں نے کہا کہ گو یہ الفاظ تو نہیں حدیث کے مگر ہاں اس قسم کا مضمون ہے مگر اس کا مصداق غیر صحابہ ہیں۔ صحابہ اس سے مراد ہی نہیں اور میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں وہ یہ کہ کوئی شخص یوں کہے کہ جو میری اولاد کو نگاہ بھر کر دیکھے گا تو اس کی آنکھ نکال لونگا ظاہر ہے کہ اس خطاب میں غیر اولاد مراد ہیں۔ اس لڑکے کے بھائی ہرگز مراد نہیں اگر وہ اپنے آپس میں شرارت کریں تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں۔ خواہ اور دوسرا کوئی ضابطہ ان کے لئے ہو وہ دوسری بات ہے مگر یہ سزا (یعنی آنکھ نکالنا) ان کے لئے تجویز نہ ہوگا۔ وہ صاحب یہ سن کر چپ ہی تو رہ گئے اور کوئی جواب تو بن نہ پڑا۔ بس اس بابو سے کہنے لگے کہ دیکھئے جناب یہ ذہانت کی باتیں ہیں علماء کی۔ میں نے کہا کیا آپ غباوت کی بات کہلانا چاہتے ہیں۔ اور جواب بالکل صحیح ہے کیونکہ واقعی ایسا خطاب غیروں کے لئے کیا کرتے ہیں۔ اپنوں کیلئے نہیں کیا کرتے اس سے ظاہر ہے کہ غیر صحابہ ہی مراد ہیں۔ وہ شخص عامل بھی تھے۔ عمل سے بھی لوگوں کو دبا لیتے تھے اور مسمریزم سے بھی اثر ڈالتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص مجمع میں اس وقت بہت خیف ہوئے ہیں۔

ان کی خفت دھونے کی غرض سے میں نے ان سے کہا کہ میرے جسم میں خون کم ہے اس سے نیند کم آتی ہے مجھے بھی آپ پانی پڑھ دیا کریں تا کہ میں بھی آپ کے فیض سے حصہ حاصل

کروں۔ میری غرض اس سے ان کی شرمندگی دھوناتھی۔ چنانچہ چند روز پانی پیا بھی۔

واقعہ: اس کا ذکر تھا کہ جدید خیال کے لوگ علماء کو بلاتے ہیں جلسے کرتے ہیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اغراض میں علماء ہمارے تابع ہو جائیں جو ہم کہیں علماء صرف ہماری تائید کردیں۔ باقی ان میں عمل وٹل کچھ بھی نہیں صرف باتیں بنانے کے ہیں جو طریقہ بتلایا جاتا ہے اس پر بھی عمل نہیں کرتے خالی باتیں بھتیری اس پر۔

تعلیم جدید والے علماء کے کہنے پر عمل نہیں کرتے اوران کی صرف باتیں ہی باتیں ہیں

ارشاد: فرمایا کہ ایک جنٹلمین صاحب نے مجھ کو کہا کہ اسلام پر جو اعتراض ہیں ان کے جوابات کے لئے علماء علم کلام جدید تیار کریں۔ اس کی بہت ضرورت ہے اوراس کے لئے علماء کو انگریزی پڑھنے کی بھی بہت ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ اسلام پر جو اعتراض ہوتے ہیں ان کے جوابات کے لئے علم کلام جدید کی ضرورت مسلم مگر اس کیلئے علماء کے انگریزی پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ روپے کی ضرورت ہے۔ پس اس کام کیلئے بڑی بڑی تنخواہ والوں کی طرف سے دوامی چندہ ہونا چاہئے۔

ہر شخص اپنی آمدنی کا دسواں یا بیسواں حصہ اس کام کیلئے مقرر کرے اول اس سرمایہ سے مخالفین کی کتابیں خریدنی چاہئیں اس کے بعد اسی سرمایہ سے چند لائق انگریزی خوانوں کو نوکری پر رکھا جائے۔ سوسو پچاس پچاس روپیہ ان کی تنخواہ ہو وہ ان اعتراضوں کا اردو ترجمہ کریں جو فوراً ممکن ہے اور یہ کہنا کہ مولوی انگریزی پڑھیں یہ تو تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود کا مضمون ہے۔ جب دوسری صورت آسان ہوسکتی ہے تو دشوار کو کیوں اختیار کیا جائے۔ اس ترجمہ کے بعد کچھ مولوی نوکر رکھئے ان سے کہیے کہ ان اعتراضوں کے جواب لکھیں پھر انگریزی خوانوں سے کہیے کہ وہ ان کے لکھے ہوئے جواب انگریزی میں کردیں پھر چھپوائیے یہ ہے طریقہ اس کے لئے چندہ کیجئے اوراس چندہ کی تحریک یہ علماء کا کام نہیں ان کو ذلیل کرنا غیرت کی بات ہے وہ صاحب اس کو سن کر چپ ہوئے۔ پھر اس میں کلام نہیں کیا مجھ سے۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ بولنے میں تو یہ لوگ سب سے آگے ہوتے ہیں اور جب عمل کا وقت آئے تو سب سے پیچھے، چکنے چپڑے الفاظ۔ شاندار الفاظ ان کے ہوتے ہیں عمل کچھ بھی نہیں۔ کیا جی چاہے ان لوگوں سے ملنے

کو اور بات کرنے کو کہتے ہیں کہ پست خیال ہیں علماء۔ اچھا بھائی پست خیال ہی سہی تم بڑے ہست خیال ہو۔

ایک صاحب کے مبہم الفاظ بولنے پر تہدید

واقعہ : ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو بھی غلامی میں داخل فرمالیجئے۔ مجھ کو ہدایت فرمادیجئے۔ اور غرض ان کی بیعت ہونا تھا اس پر فرمایا۔

ارشاد: غریب لوگوں کو کیا تکلف پڑا یہ امرا اور متکبرین کے الفاظ ہیں ایسے تکلف کے الفاظ بولنا شریعت کے خلاف ہیں کسی کو غلام بنانا حرام ہے ان الفاظ سے قلب میں رعونت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے غلام ہیں یہ محاورہ متکبر بادشاہوں کے ہیں اس کو اختیار کرلیا ہے لوگوں نے صاف لفظ بیعت ہے۔ ہم لوگ غریب ہیں ہمیں تو غریبوں کے الفاظ اختیار کرنے چاہئیں اور ان میں (ایسے الفاظ میں) خاصیت ہے کہ مخاطب کے دل میں رعونت پیدا ہوتی ہے کہ او ہو لوگ ہمارے غلام ہیں۔

لوگ مجنون کو پہنچا ہوا سمجھتے ہیں

واقعہ : مجنونوں کا ذکر ہو رہا تھا جن کو لوگ ان کا کشف دیکھ کر آج کل بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں

ارشاد: جنون میں بھی کشف ہوتا ہے طبی مسئلہ ہے شرح اسباب میں لکھا ہے چنانچہ ہمارے یہاں ایک عورت تھی مجنونہ اس کو کشف ہوتا تھا۔ اس کے بہت سے واقعات میرے چشم دید ہیں۔ پھر اس کو مسہل دیا گیا تو مسہل کے ساتھ ہی سارا کشف ختم ہوگیا۔ میں نے حاضرین سے کہا کہ یہ حقیقت ہے کشف کی۔ شرح اسباب میں مالیخولیا کی بحث میں لکھا ہے کہ مجنون کو کشف ہوتا ہے بعض نحویوں اور صرفیوں کو جنون ہوا ہے وہ اس میں اسی کی باتیں کہتے تھے بات یہ ہے کہ جو جس خیال میں ہوتا ہے اس کے متعلق باتیں کرتا ہے۔

عارف کا ہذیان بھی عرفان ہے

اسی واسطے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ عارف کا ہذیان بھی عرفان ہوتا ہے۔ اس کی اصل بھی وہی ہے کہ جو جس خیال میں ہوتا ہے وہی ہذیان میں بھی خیالات آتے ہیں اس لئے اہل طریق کوشش کرتے ہیں کہ دوسری چیز اپنے اوپر غالب کرلیں۔ (یعنی خدا تعالیٰ کی یاد

تا کہ موت کے وقت وہی خیال رہے)۔

کسی کی تکلیف دیکھ کر دل کا کڑھنا طبعی امر ہے

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جب تک کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کی تکلیف سے دل کڑھتا ہے اور جب مر جاتا ہے تو کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔

ارشاد: یہ امر طبعی ہے یعنی تکلیف دیکھ کر دل کڑھنا۔ اس میں انسان کی بے اختیاری اور عجز دکھانا ہے خدا تعالیٰ کو کہ تم ایسے عاجز و لاچار ہو کہ اس کو دفعہ تک نہیں کر سکتے ہو۔

واقعہ : ایک وکیل صاحب کے یہاں حضرت والا کی مع ہمراہیان کے دعوت ہوئی جنہوں نے حضرت والا کو علاج وغیرہ میں مدد دی تھی۔ حضرت نے دعوت کو منظور فرمایا۔ اور ایک جاء نماز بھی مکلف انہوں نے جائے قیام پر نماز پڑھنے کیلئے بھیج رکھی تھی۔ دعوت کی ایک روز پیشتر اطلاع ہوگئی تھی۔ حضرت نے شب کے وقت اپنے احباب ہمراہیوں سے فرمایا۔

ارشاد: ان کے یہاں کھانے کو دل تو گوارا نہیں کرتا۔ مگر انہوں نے اعانت کی ہے ہماری۔ اس لئے میں نے دعوت قبول کر لی ورنہ قبول بھی نہ کرتا۔ بات یہ ہے کہ وکالت کی آمدنی میں خود فقہاء کو کلام ہے خواہ مقدمات سچے ہی آتے ہوں اور جھوٹے مقدمات میں تو کسی کو اس کے ناجائز ہونے میں کلام ہی نہیں مگر ہندوؤں سے آمدنی کا زیادہ حصہ آتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک کافر غیر ذمی سے اس کی رضا سے اس کا مال لینا درست ہے۔ اس لئے امام صاحب کے اس قول پر فتویٰ کی رو سے تو کھانا جائز ہے مگر میں احباب کو مطلع کرتا ہوں جن کا جی نہ چاہے وہ نہ جائیں۔ کیونکہ میں کیوں باعث بنوں ان کے مبتلا ہونے کا۔ میں آزادی دیتا ہوں کہ جن صاحب کا جی چاہے شریک ہوں اور جن کا جی نہ چاہے وہ نہ شریک ہوں میں اپنے اوپر سب کا بار کیوں لوں۔ چونکہ فتویٰ سے جائز ہے اور میں نے اپنی دعوت کے قبول کرنے کی وجہ بھی بتلا دی پھر یہ کہ میں سراپا گنہگار ہوں میں تو کھا لوں گا۔ اور جائے نماز کی بابت فرمایا کہ اس پر نماز پڑھتے ہوئے کدورت سی معلوم ہوتی ہے۔

دینی امور میں غرباء کیلئے دینے سے برکت ہوتی ہے

واقعہ : ذکر یہ تھا کہ جو غرباء مدارس دینیہ کی خدمت کرتے ہیں اس میں برکت ہوتی ہے اور ریاست وغیرہ کے وقف ہونے سے مدرسہ میں برکت نہیں ہوتی۔

ارشاد: غرباء کے دینے میں برکت ہے جاگیر وغیرہ جو مدارس میں وقف ہوتی ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ فلاں جگہ مدرسے کی حالت اچھی نہیں حالانکہ اس کے متعلق بڑی ریاست وقف ہے۔ مگر آج تک کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ بہت بڑی جائداد وقف ہے اس مدرسہ میں مگر آج تک کوئی طالب علم فارغ ہو کر نہیں نکلا مجھے بھی ایک جائداد کا متولی کرتے تھے جو مدرسہ تھانہ بھون کیلئے وقف تھی میرا نام متولی لکھوا دیا تھا۔ میں نے اپنا نام عدالت میں درخواست دیکر کٹوا دیا۔ میں اسی برکت اور بے برکتی کے سبب یہ رائے دیا کرتا ہوں کہ چندہ میں دو چار غریبوں کے پیسے بھی شامل کر لئے جائیں برکت ہوتی ہے۔

مسجد میں وعظ کیلئے کرسی بچھانے پر تہدید

واقعہ: حضرت والا فتح پور میں وعظ کے لئے تشریف لے گئے اور وعظ کا موقعہ مسجد میں تھا۔ بعض صاحبوں کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت کے بیٹھنے کیلئے کرسی بچھا دی جائے اس پر فرمایا۔

ارشاد: ہرگز مناسب نہیں آئندہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ لوگ میز وغیرہ لگانے لگیں گے۔ کیونکہ عادت یہ ہے کہ تھوڑے سے بہت ہو جاتا ہے۔

واقعہ: میرے سپرد علاوہ کام مواعظ اور ملفوظات کے خطوط تربیت کی نقل اور امداد الفتاویٰ وغیرہ کا کام بھی تھا۔ اور تھانہ بھون میں بھی عرصہ سے کرتا تھا۔ چنانچہ سفر میں بھی اس کا اہتمام رہا۔ جن کتابوں میں نقل ہوتی تھی وہ تو سفر میں بوجہ بوجھ کے نہ جا سکیں۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ کام ہونا بھی ضروری ہے اس کی سبیل کرنی چاہئے فرمایا۔

عمدہ تدبیر

ارشاد: تمہارے پاس پانچ مد اس کام کے ہیں۔ تربیت، امداد الفتاویٰ، حسن العزیز، مکتوبات، خبرت المخطے۔ یوں کرو کہ ہر مد کے لئے ایک ورق کاغذ کا لے لو۔ اور اس پیمانہ کا کاغذ لو جس پیمانہ کی اصل کتابیں ہیں ان پر خطوط کو نقل کرتے رہو۔ تھانہ بھون پہنچ کر ان اوراق کو ان کتابوں میں چسپاں کر دیں گے یا دوبارہ نقل ہو جائے گی جیسی مصلحت ہوگی ویسا کیا جائیگا۔

میری فاش غلطی اور حضرت کی شفقت کریمانہ

واقعہ: تربیت وغیرہ کے جو خطوط نقل ہوتے ہیں ہر خط کی نقل کے بعد ایک خط (لکیر)

دوسرے خط سے فاصلہ کیلئے کھینچا جاتا ہے۔ جس کا کھینچنا نہایت ضروری ہے اور میں تھانہ بھون میں برابر اسی طرح کرتا تھا۔ اتفاق سے اول ہی روز خط کھینچنا بھول گیا حضرت نے کام کا ملاحظہ کیا تو خط ندارد۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: جو قواعد جس کام کیلئے مقرر کئے گئے ہیں آپ کے نزدیک وہ فضول ہیں کہنے کو تو یہ ہے کہ ایک خط ہی تو نہیں کھینچا تھا۔ یہ کیا بڑی غلطی تھی۔ مگر بتلایئے کہ اس خط کے نہ ہونے سے کتنی قباحت ہے آپ اس قابل ہیں کہ ابھی واپس کر دیئے جائیں۔ جن صاحب نے اپنے صرفہ سے آپ کو بھیجا ہے کیا ان کا روپیہ حرام کا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہوں تو اسی قابل یہ غلطی تھوڑی نہیں۔ مگر اس دفعہ معاف فرما دیجئے۔ اس پر فرمایا۔

بات یہ ہے کہ کام کی فکر نہیں الٹا سیدھا کیا اور حوالہ کر دیا۔ انتظام نہیں طبائع نہیں۔ انتظام کے یہ معنی نہیں کہ کہیں التزام ہو اور کہیں نہ ہو۔ یہ بات تو ہر شخص میں موجود ہے۔ انتظام کے یہ معنی ہیں کہ ہر جگہ ہر کام میں پورا التزام ہو۔ بس جایئے بیٹھئے آپ کو خطوط نقل کیلئے نہیں دیئے جائیں گے۔ میں خاموش ہو گیا اور خیمہ سے باہر چلا آیا۔

پھر دوسرے وقت میں نے رقعہ پیش کیا کہ مجھ کو معافی دی جائے اور کام جاری رکھا جائے۔ اس پر فرمایا یہ تو اسی وقت کی بات تھی اب اس کا کیا خیال کرنا۔

پھر فاش غلطی اور حضرت کی شفقت

واقعہ: اتفاق سے اسی روز دوسرے وقت مجھ سے ایک اور غلطی ہو گئی وہ یہ کہ حضرت نے تو ہر مد کے لئے دو، دو ورق کی تصریح فرما دی تھی۔ میں نے تربیت کی مد میں چار چھ ورق لکھ لئے۔ ملاحظہ کے وقت ان پر نظر پڑی تو فرمایا۔

ارشاد: یہ اتنے ورق کیوں لگا لئے (میں نے ایک بے ہودہ عذر کیا وہ یہ کہ چونکہ اس مد میں زیادہ تحریر کی نوبت آتی ہے اس لئے زیادہ ورق لگا دیئے اس پر فرمایا۔ نص کے مقابلہ میں قیاس کیوں کیا۔ میں نے تو دو دو ورق کی نص کی تھی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میرا کلام لایعنی ہوتا ہے۔

حالانکہ میں کبھی فضول بات نہیں کہتا۔ بات یہ ہے کہ کان دھر کر بات نہیں سنتے کہ میں نے کیا کہا۔ اس وقت تو جی ہاں کر دیتے ہیں اور پھر خلاف کرتے ہیں اگر کوئی اشکال ہو میرے کہنے میں تو مجھ سے اول کہنا چاہئے اپنی رائے سے کیوں خلاف کیا جاتا ہے اور پھر صریح بات کے

خلاف صبح تو غلطی کی ہی تھی۔ اب پھر کر بیٹھے کہاں تک معاف کیا جائے مجھے خود کام کرنا آسان ہے۔ اس جھک جھک میں میرا بھی وقت ضائع ہوتا ہے اور آپ کا بھی (میں نے عرض کیا کہ اس دفعہ اور معاف فرما دیجئے اس پر فرمایا) بس جایئے آپ کو رنج ہی دینا آتا ہے۔ چنانچہ میں خیمہ سے باہر چلا آیا۔ اس کے بعد پھر کوئی غلطی بفضلہٖ تعالیٰ نہیں ہوئی۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ حضرت والا کبھی کسی پر بے وجہ ناراض نہیں ہوتے۔ بعض لوگ حضرت کو سخت مزاج کہتے ہیں۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ حضرت بہت متواضع ہیں ہمارے کہنے سے کیا ہوتا ہے کچھ عرصہ قیام کر کے دیکھ لیں میرے کہنے کی تصدیق ہو جائے گی تجربہ سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی۔

(ملفوظات فتح پور ختم ہوئے)

حضرت والا کی واپسی فتح پور سے کانپور کو

انتظام: جس روز واپسی کا ارادہ تھا۔ اس کی شب کو ان صاحبوں سے جن کے متعلق کھانے کا انتظام اور اس کا حساب تھا۔ اور مجھ سے بھی فرمایا کہ بعد نماز فجر فوراً حساب پیش کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ حساب میں کوئی غلطی نہیں نکلی۔

انتظام: جن صاحبوں کے یہاں سے جو چیزیں برتنے کی آئی تھیں پرچہ دیکھ کر پہنچا دی گئیں۔ بڑی پیرانی صاحبہ کو چونکہ شفاخانہ ہی میں ابھی قیام کی ضرورت تھی۔ اس لئے ان کی ضروریات وہاں پہنچا دیں اور خیمہ بھی اکھڑنا شروع ہو گیا۔ حضرت والا جملہ امور کا بندوبست بخوبی کر کے کانپور کو واپس ہوئے۔

نماز کے متعلق ریل میں آسان طریقہ

مغرب کی نماز کا وقت ریل میں ہوا۔ اور حضرت مع ہمراہیان ایک گاڑی میں سوار تھے۔ ریل میں تختہ کے نیچے صرف اتنا موقعہ تھا کہ امام صاحب کھڑے ہو جائیں اور ان کے پیچھے دو، دو مقتدیوں کی دو جماعتیں ہو جائیں چنانچہ حضرت والا آگے ہوئے اور دو، دو شخص پیچھے اور باقی ماندوں نے یہ کیا کہ جو تختہ بیٹھنے کا ہوتا ہے اس پر کھڑے ہوئے اور سجدہ اس طریقہ سے کرتے تھے کہ جس تختہ پر کھڑے تھے اسی پر گھٹنے ٹیکتے اور سجدہ اس تختہ پر کرتے جو مقابل میں تھا۔ چنانچہ اسی طرح نماز پڑھی۔ بعد میں حضرت والا نے تختہ پر کھڑے ہو کر اسی طرح سنتیں پڑھیں۔ بعض صاحبوں نے کہا کہ حضرت اس طرح نماز پڑھنے میں تو گرنے کا خوف ہے۔ اس پر حضرت نے

خود پڑھ کر دکھلا دی اور فرمایا کہ میں تو ریل میں ضرورت کے وقت یوں ہی پڑھا کرتا ہوں۔

میں نے حضرت والا کو دیکھا ہے کہ ضرورت کے وقت آسان صورت ہر کام میں اختیار فرماتے ہیں اس کا ماخذ وہی حدیث معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن دو امروں میں اختیار دیے جاتے تو سہل کا اختیار کرتے۔ اسی درمیان میں ایک صاحب نے کہا کہ خانہ کعبہ کی سمت گاڑی میں اس وقت پورے طریقہ سے نہیں ہوتی جگہ ہی اس قسم کی ہے۔ اس پر فرمایا۔ اگر تھوڑا سا فرق بھی ہو تو حرج نہیں بلکہ شریعت میں تو اس سے زیادہ کی گنجائش ہے میں نے پوچھا کہ اس کی کوئی حد ہے تو فرمایا۔ ہاں حد ہے اس حد کے اندر اندر جائز ہے اور اس سے باہر جائز نہیں۔ وہ یہ ہے کہ جو خط کعبہ پر کو ہوتا ہوا جنوباً شمالاً گزرتا ہے اور ایک خط نمازی کی وجہ سے شرقاً غرباً خانہ کعبہ پر سے اس پہلے خط کو تقاطع کرتا ہوا گزرتا ہے شرط یہ ہے کہ اس تقاطع سے زاویہ قائمہ پیدا ہو۔ خواہ وسط وجہ سے ہو۔ خواہ جانبین وجہ سے ہو۔ بس یہ حد ہے اس حد سے نکلنے کی صورت میں جائز نہیں۔

ملفوظات کانپور بعد واپسی ازفتح پور

مسجد میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانیکی عمدہ ترکیب

ارشاد: مسجد میں یا مثل اس کے اور کسی جگہ میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانے کیلئے جو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ایک شخص کو پہلے پڑھاتے ہیں کہ ہم تجھ کو اس کا مالک بناتے ہیں تو اپنی طرف سے اس کام میں لگا دینا تو یہ حیلہ ہی حیلہ ہے اور مہمل سی بات ہے کیونکہ اس میں حقیقی تملیک نہیں۔ میں نے جو صورت تجویز کی ہے وہ اچھی صورت ہے کہ اس میں حقیقی ملک ہے گو بے علم کے نزدیک تو وہ صورت بھی مثل اول ہی کے ہے لیکن اہل علم البتہ اس کو سمجھ سکتے ہیں وہ یہ کہ میں کسی غریب سے کہہ دیتا ہوں کہ اگر تو ثواب لینا چاہئے تو اتنا روپیہ فلاں موقعہ پر صرف کر دے یا تیرے پاس ہو یا کسی سے قرض لے کر اور پھر بعد صرف کر چکنے کے میں اس کو اپنے پاس سے دیدیتا ہوں یہ اچھی صورت ہے اس میں زکوٰۃ کا روپیہ اس موقعہ پر لگتا ہی نہیں اور زکوٰۃ اس کو دینے سے ادا ہو جاتی ہے اور پہلی صورت میں زکوٰۃ ہی کا روپیہ اس محل میں صرف ہوتا ہے اور تبدیل ملک برائے نام ہی ہے۔

متانت عرفی اور شرعی پہچاننے کا معیار

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ متانت عرفی اور متانت شرعی میں کیا فرق ہے۔ اور فرق

کا معیار کیا ہے۔ جس سے پہچانیں کہ اس شخص میں متانت عرفی ہے جو کہ مذموم ہے اور اس میں متانت شرعی جو کہ محمود ہے۔

ارشاد: معیار وجدان ہے اور کچھ نہیں۔ شیخ اس کو پہچانتا ہے کہ اس شخص میں یہ ہے اور اس شخص میں یہ دو شخصوں کی حالت بظاہر ایک سی ہوتی ہے۔ مگر شیخ ایک کو سمجھتا ہے کہ متواضع ہے اور ایک کو متکبر اس لئے ایک کے لئے کچھ تجویز کرتا ہے اور دوسرے کیلئے کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس کو کچھ بتلایا اور اس کو کچھ۔ حالانکہ دونوں کی حالت یکساں تھی۔ جیسے طبیب کے پاس دو شخص جائیں کہ ظاہری حالت دونوں کی یکساں ہو مگر طبیب نبض دیکھ کر ایک کیلئے کچھ اور دوسرے کیلئے کچھ تجویز کرتا ہے۔

یہی حال شیخ کا ہے (میں نے سوال کیا کہ وجدان مکتسب ہے یا غیر مکتسب اس پر فرمایا) وجدان تو مکتسب نہیں مگر جن اعمال سے وجدان صحیح ہو جاتا ہے وہ مکتسب ہیں۔ اعمال خاصہ کے کرنے سے وجدان صحیح ہو جاتا ہے۔ جیسے اس قسم کی کتابوں کا دیکھنا، تقویٰ طہارت اختیار کرنا۔ صحبت میں ایسے شیخ کی رہنا جو محقق ہو لوگوں کی اصلاح کرتا ہو۔

بچہ یا ملازم کو الو کا پٹھا کہنا

ارشاد: جو کہا کرتے ہیں کسی بچہ یا ملازم کو کہ تو الو کا پٹھا ہے یا سور کا بچہ ہے تو اس میں بظاہر باپ کو الو یا سور بنانا لازم آتا ہے مگر اس کے متعلق میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس میں سور سے تشبیہ دینا مقصود نہیں بلکہ بچہ یا ملازم کو الو کے پٹھے یا سور کے بچہ سے تشبیہ دینا مقصود ہے معنی یہ ہیں کہ الو کا بچہ جیسا ہوا کرتا ہے تو ایسا ہے۔ باپ سے قطع نظر ہے خلاصہ یہ ہے کہ ایک تشبیہ مقصود ہے اس ملازم کی سور کے بچہ سے دو نہیں کہ ملازم کے باپ کی سور سے اور ملازم کی اس سور کے بچہ سے۔

دعوت میں معمول

ارشاد: میں نے ایک معمول دعوت کے متعلق اپنے اصول میں سے قرار دیا ہے کہ جس کی دعوت میری ساتھ کرنا ہو تو پہلے مجھ سے پوچھ لیں۔ کیونکہ جس سے دل کھلا ہوا نہیں ہوتا تو اس کے ساتھ کھانے میں بے لطفی ہو جاتی ہے حظ نہیں آتا۔ میں نے جو معمولات اپنے یہاں قرار دیئے ہیں مجھ کو بعد میں معلوم ہوا کہ اہل یورپ کے یہاں اکثر وہی معمول ہیں پہلے سے مجھ کو خبر بھی نہیں ہوتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحمد اللہ مسلمانوں میں سب کچھ ہے اگر دماغ سے کام لیں

مگر مسلمان کام نہیں لیتے خود اہل یورپ نے ہمیں سے سیکھا ہے۔

چار انگل گوٹ ریشم کی کس صورت میں جائز ہے

ارشاد: چار انگل گوٹ ریشم کی جب جائز ہے کہ دوسرے کپڑے کے تابع ہو مگر مستقل چار انگل ریشم کا استعمال جائز نہیں جیسے کمر بند ریشمین یا پتلی ٹوپی۔

واقعہ : ایک صاحب کے یہاں سے کھانا کھا کر چلے گاڑی میں سب کے لئے جگہ نہ تھی حضرت والا نے فرمایا کہ باقی ماندہ سب پیادہ پا چلے جائیں گے سب سپاہی ہیں۔ پھر فرمایا۔

اکابر کی مسکنت

ارشاد: حضرت ہم تو کچھ بھی نہیں۔ ہمارے اکابر تھے جفا کش۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی یہ حالت تھی کہ لاٹھی کندھے پر اور کپڑے کی پوٹلی لکڑی میں۔ رستہ میں راجبھوں کو پھاندتے ہوئے جاتے تھے کپڑے بھی ادنیٰ درجہ کے۔

ایک دفعہ اسی طرح جا رہے تھے ایک شخص نے جلاہہ سمجھ کر کہا میاں جی بازار میں سوت کا کیا بھاؤ ہے۔ مولانا خفا نہیں ہوئے کہا کہ بھائی میں آج بازار نہیں گیا۔ (پھر حضرت والا نے بعض اکابر کی مسکنت کے حالات سنائے)۔

ہم لوگ تو ان کے سامنے آدھے بھی نہیں بڑے ہی بے نفس لوگ تھے۔ فقیر ایسے شخص کو کہتے ہیں۔ یوں کیا ہوتا ہے نام کرنے سے یہ حالت تھی کہ ایک وقت شاہانہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور ایک وقت پیوند لگے ہوئے ہیں۔ جیسے مل گئے پہن لئے دونوں برابر تھے نہ اس میں خوش نہ اس میں خفا۔ مدح وذم ان کے نزدیک یکساں تھی۔ یہ ہے فنائے نفس۔ آپس میں یار دوست ہو کر رہتے تھے شاگردوں کو جو خطوط لکھے ہیں دیکھنے میں آیا کہ ان کو مخدوم لکھتے تھے۔

واقعہ : ایک غریب شخص حضرت سے ملنے آئے جو پہلے کے واقف کار تھے۔ حضرت نے پوچھا کہ کہاں ہو کہاں تعلق ہے۔ کہا کہ حضرت کئی سال سے بے کار ہوں۔ مگر لڑکوں کو قرآن شریف پڑھاتا ہوں۔ اسی میں اللہ میاں کچھ دیدیتے ہیں۔ اس پر فرمایا۔

جس کو ذرا بھی علم دین ہوتا ہے پریشان نہیں ہوتا

ارشاد: جس کو ذرا بھی علم دین ہوتا ہے وہ پریشان نہیں پھرتا۔ اور بے کار نہیں رہتا۔ بخلاف

علوم دنیا کے کہ جب تک اس کا اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو۔ حاصل شدہ مقدار کا کوئی نتیجہ نہیں مثلاً کسی کو اذان یاد ہو تو گاؤں میں جا بیٹھے اذان کہے دو چار دن کے بعد تو روٹی ملنے ہی لگے گی۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علاقہ رکھنے والے کو پریشانی نہیں ہوتی۔ ہم نے تو دیکھا نہیں کہ کوئی پریشان ہو۔ ثروت نہ ہو۔ تمول نہ ہو مگر مطمئن ہوتا ہے۔ جتنا علاقہ اللہ تعالیٰ سے کم ہوتا ہے۔ اسی قدر پریشان رہتا ہے مقصود معیشت کا یہ ہے کہ قلب کو راحت ہو۔ سو تعلق مع اللہ سے یہ حاصل ہو ہی جاتی ہے۔

واقعہ : آخر الاعمال جو حضرت والا کا عظ ہے طبع ہو چکا ہے اس کا ذکر تھا۔ اس وعظ میں تصوف کا بیان ہے۔

تصوف حقیقی وہ ہے جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہو علماء حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس کیوں جاتے تھے

ارشاد: فرمایا کہ مجھے تو تصوف سارے قرآن وحدیث میں پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے تصوف تو حقیقی وہی ہے جو قرآن وحدیث کا مدلول ہو ورنہ وہ تو تصرف ہے تصوف ہے کہاں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا وجود اس وقت میں غنیمت تھا۔ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر ان کی خدمت میں رہنے سے تمام قرآن شریف سمجھ میں آتا تھا۔ حضرت کے چھوٹے چھوٹے جملے بطور متن کے ہوتے تھے ایسا محقق اس وقت میں نہیں ہے مناسبت جس چیز کا نام ہے فن سے وہ حضرت کی خدمت میں رہنے سے اور باتیں سننے سے ہوتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے حقیقت معلوم ہوتی تھی فن کی۔ ایک شخص نے دیوبند میں پوچھا تھا کہ تم مولوی لوگ ہو تم میں کون حالت منتظرہ باقی تھی کون سی بات ہے جو کتاب میں نہیں پھر مولوی لوگ حاجی صاحب کے یہاں کیوں جاتے ہیں ان کے پاس کیا تھا۔

میں نے کہا دو چیزیں ہیں الفاظ اور معانی۔ سو الفاظ تو محتاج ہوتے ہیں معانی کے اور معانی محتاج نہیں ہوتے الفاظ کے جیسے ایک شخص کو لڈو کا نام معلوم ہو اور اس کے پاس لڈو نہ ہو تو اس کو لڈو حاصل کرنے کی حاجت ہے۔ اور ایک شخص کے پاس لڈو ہے مگر اس کا نام نہیں جانتا اس کو مقصود حاصل ہے نام نہ جاننے سے۔ مقصود میں کچھ خلل نہیں۔ سو ہم لوگ اہل الفاظ ہیں اور حاجی صاحب اہل معانی ہیں اسلئے ہمیں حاجی صاحبؒ کی حاجت ہے اور حاجی صاحبؒ کو ہماری حاجت نہیں ہے سو اس کو سن کر بہت خوش ہوئے وہ شخص۔ اور کہا کہ اچھی بات کہی آپ نے سمجھ میں آ گئی۔

ایک مصلح قوم کا عجیب قصہ

ارشاد: فلاں مصلح قوم میں قومی ہمدردی ضرور تھی مگر برے طریقہ سے ظاہر ہوئی۔ ایک شخص نے ایک انگریز حاکم کے پاس جا کر یہ ظاہر کیا کہ میں ان صاحب کا داماد ہوں مجھے کوئی عہدہ ملنا چاہئے اس نے خفیہ طور سے ان صاحب کو تار دیا کہ ایک شخص نے میرے پاس آکر ایسا ظاہر کیا ہے آیا یہ صحیح ہے ان صاحب نے جواب بھیجا کہ ہاں وہ میرا داماد ہے چنانچہ ملازمت مل گئی۔ عرصہ کے بعد اس شخص کو واقعہ معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس گئے اور بہت ممنون ہوئے اور اپنی اس حرکت سے معافی چاہی ان صاحب نے جواب دیا کہ شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں داماد ہونے کے دو معنی ہیں۔

ایک تو یہ کہ میری بیٹی کے تم شوہر بنو دوسری صورت یہ ہے کہ تمہاری بیوی میری بیٹی بن جائے تو تم اس دوسرے معنی کر داماد ہوسکتے ہو۔ آج سے میں تمہاری بیوی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں۔ اور اس کے بعد پھر ہمیشہ وہی برتاؤ کیا جو بیٹی کے ساتھ رکھتے ہیں لینا اور دینا۔ اگر یہ شخص دین میں دست درازی نہ کرتا تو اچھا آدمی تھا۔

نکاح کے قصہ سے امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے مشاجرات کی حقیقت سمجھ میں آنا

ارشاد: مجھ کو اپنے دوسرے نکاح کے قصہ سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مشاجرات کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ حضرت والا نے دوسرا نکاح کیا تھا۔ اور ضرتین میں کچھ مناقشات پیش آئے تھے اور یہ کہ میں نے دیکھ لیا کہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں شخصوں کی حالت اچھی ہو دین کی۔ مگر پھر بھی مناقشے پیش آئیں اس کی صورت تو یہ ہے کہ ہوں تو دونوں دین میں کامل مگر پھر بھی اجتہاد میں اختلاف ہوتا ہے اس لئے مشاجرے پیش آجاتے ہیں۔

اور پھر دوسرے بیچ والے بھی غلطی میں ڈال دیتے ہیں اور یہ کہ اس سے بالکل تاثر نہ ہو تو یہ مشکل ہے بعض وقت کوئی بات ہوتی تو ہے حد شرعی کے اندر مگر سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے بعض صحیح خبر سناتے ہیں مگر اس کا منشا نہیں معلوم ہوتا کیا ہے اور کس موقعہ پر کہا تھا حالانکہ بدنفسی کسی میں نہیں ہوتی۔ مگر پھر اختلاف ہوتا ہے پھر فرمایا کہ تجربے سے معلوم ہوا کہ

سب سے زیادہ مشکل کام دنیا میں بیبیوں کے مابین عدل کرنا ہے ایسے شخصوں میں عدل کرنا جن پر صرف حکومت ہو وہ تو آسان ہے مگر جن کے ساتھ علاقہ محبت کا بھی ہو ان میں عدل مشکل ہے کیونکہ جن پر صرف حکومت ہے ان کے مقدمہ میں عدل اس لئے مشکل نہیں کہ وہاں اس سے بحث نہیں کہ کسی کا نقصان ہو یا نفع۔ مگر یہاں چونکہ ان کے مصالح کی بھی رعایت ہوتی ہے اس لئے مشکل ہے۔ مگر محال نہیں ہے جب آدمی قصد کرتا ہے تو حق تعالیٰ آسان فرما دیتے ہیں مگر ہاں تھوڑی سی مشقت پہلے اٹھانی پڑتی ہے اور اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضور ﷺ پر عدل واجب نہ تھا محققین کا یہی قول ہے اور یہ بھی فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں تبرعات میں عدل واجب ہے زوجین میں اور دوسرے علماء کے نزدیک صرف واجبات میں عدل واجب ہے حنفیہ کے یہاں اس میں تنگی ہے۔

انٹر وغیرہ میں متکبرین بیٹھتے ہیں اس لئے اثر پڑتا ہے

واقعہ : ذکر یہ تھا کہ انٹر اور جو درجہ اس کے اوپر کے ہیں ریل میں ان میں متکبرین بیٹھتے ہیں اور اس کا اثر پڑتا ہے قلب پر۔

ارشاد: جب کبھی تیسرے درجہ میں بڑا آدمی بیٹھ جاتا ہے تو اس کا مزاج بھی نرم ہو جاتا ہے چنانچہ چار پائی پر بیٹھنے سے بہ نسبت کرسی کے مسکنت آ جاتی ہے۔ ایک شخص ڈاکٹر بیان کرتے تھے کہ میں مکہ شریف سے آیا اور ایک بیمار کے تیمار دار کے اصرار سے فٹن میں بیٹھا تو جو بات مکہ سے لیکر آیا تھا وہ فوراً جاتی رہی وجہ یہ ہے کہ وہ متکبرین کا شعار ہے اس کا اثر پڑتا ہے جس پر گزرتی ہے وہ جانتا ہے کہ نقصان ہو گیا ناواقف کیا جانے ہر چیز کا اثر پڑتا ہے قلب پر اکابر نے بیحد اس کا اہتمام کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کرتا پہنا جمعہ میں پھر مقراض منگا کر اس کی آستین کاٹ ڈالیں لوگوں نے پوچھا یہ کیا کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے اس کو پہنا تو میں اپنی نظر میں اچھا معلوم ہوا۔ اس لئے میں نے ایسا کیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس ہرقل کا ایلچی آیا۔ اور اس نے آپ کے عدل کی تعریف کی۔ آپ فوراً مشک لیکر مسلمانوں کے گھروں میں پانی بھرنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا آپ نے فرمایا کہ ایسا قصہ ہوا تھا کہ اس سے میرا نفس پھول گیا اس کو پامال کر رہا ہوں غرض سلف بڑا اہتمام کرتے تھے اس کو۔

(ملفوظات کانپور ختم ہوئے)

حضرت والا کی روانگی کانپور سے گورکھپور کی طرف

تاریخ رسید گورکھپور ۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

حضرت والا کے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب ریاست مجھولی کے منیجر ہیں اور گورکھپور میں ریاست کی طرف سے ایک کوٹھی نہایت شاندار ملی ہوئی ہے اس کوٹھی پر پہنچے۔ منشی اکبر علی صاحب وہاں نہ ملے دورہ میں تھے وجہ یہ ہوئی کہ حضرت کی طرف سے جو اطلاعی خط گیا تھا اس کے پہنچنے میں دیر ہوئی۔ چنانچہ دوسرے روز تشریف لے آئے۔ حضرت والا کے بھتیجے کوٹھی پر موجود تھے دس بجے دن کے وہاں پہنچے تھے حضرت نے کھانا جو ساتھ تھا منگایا اور سب چیزیں دیکھیں اس میں شامی کباب اور آلو گوشت پکا ہوا تھا۔ اور روٹی روغنی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ کباب آلو گوشت ملا کر تھوڑا سا پانی ڈال کر پکا لیا جائے ایسا ہی کیا گیا نہایت مزیدار ہو گیا۔ حضرت نے تھوڑی دیر اپنے بھتیجوں سے باتیں کر کے مجھ سے فرمایا کہ ذرا زنبیل اٹھا لاؤ۔ دیکھیں سامان گڑبڑ تو نہیں ہو گیا چنانچہ سب چیزیں دیکھی گئیں۔ (اس میں تعلیم تھی اس کی کہ پہنچنے پر خود اسباب دیکھ لینا چاہیئے)

ملفوظات گورکھپور

ارشاد: لوگ تو کوشش کرتے ہیں کہ اتفاق ہو اور میں تواضع کی تعلیم کرتا ہوں اس سے خود اتفاق ہو جائیگا۔ تکبر جو جڑ ہے نا اتفاقی کی اس کو مٹایا جائے اور پستی اختیار کی جائے بس اتفاق ہو جائیگا۔ ورنہ جو اتفاق کے اسباب ہیں جب تک وہ نہ ہوں تو کیسے اتفاق ہو سکتا ہے۔ یہ بات حضرت حاجی صاحب کی بتلائی ہوئی ہے فرماتے تھے کہ آجکل عقلاء اتفاق کی تو کوشش کر رہے ہیں مگر اس کے اصول ان کے ذہن میں نہیں آئے اسی لئے جو لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں خود ان میں تواضع نہیں تکبر ہے۔ پھر کیسے اتفاق ہو۔ واقعی لیڈر یہ لوگ ہیں (یعنی اہل اللہ) کیا اچھا سمجھے ہیں۔

گنے میں تفریح ہے

واقعہ: حضرت پونڈا چوس رہے تھے فرمایا کہ مجھے بہت مرغوب ہے۔ پھر فرمایا۔

ارشاد: گنے میں تفریح زیادہ ہے پھر اس میں جو زیادہ شیریں ہوتا ہے اس میں تفریح کم ہوتی ہے جو اوپر کا حصہ ہے اس میں تفریح زیادہ ہوتی ہے اس لئے میں اوپر کا حصہ بھی سب کھالیتا ہوں لوگ اسے توڑ توڑ کر پھینک دیتے ہیں۔

مشن کے شفاخانوں میں عجیب جعل ہے

ارشاد: یہ جو مشن کے متعلق زنانہ شفاخانے ہیں یہ بھی لوگوں کو اپنے مذہب میں لانے کی تدابیر میں سے ہے۔

چنانچہ ایک شفاخانے میں ایک پردہ نشین علاج کو آئی تھی۔ بعد آرام ہو جانے کے اس نے اپنے خاندان والوں سے کہہ دیا کہ میں یہیں رہوں گی۔ یعنی شفاخانے میں۔ ان لوگوں نے بہت سی لڑکیاں جمع کر رکھی ہیں۔ دیہات وغیرہ میں جو لاوارث بچے ہوتے ہیں ان کو لے کر پالتی ہیں۔ یہ احسان پرورش ایک تدبیر ہے۔ اور پھر دوسری ترکیب یہ کر رکھی ہے کہ جب کوئی بیمار آتا ہے اور اس کا علاج ہوتا ہے تو وقتاً فوقتاً اس کے پاس بیٹھ کر دعا کرتی ہیں اور اس میں یہ بھی کہتی ہیں کہ اے خداوند یسوع مسیح ان کو اچھا کر دے۔

اس کا اثر بھی پڑتا ہے یوں دل کو لبھاتی ہے یوں تدبیر کرتی ہیں اپنے مذہب میں لانے کی (پھر حضرت نے فرمایا) جس قدر یہ لوگ کوشش کرتے ہیں اس قدر کامیابی نہیں ہوتی۔ اور مسلمانوں کے یہاں کوئی کوشش بھی نہیں ہے ترقی مذہب کی۔ صرف خدا کے حوالہ کر دیتے ہیں اس بنا پر کہ یہ خدا کا دین ہے وہی اس کا حامی ہے وہی حمایت کریگا ہم کریں یا نہ کریں۔ اور عیسائیوں کے دل میں یہ خیال ہے کہ ہم کوشش کریں گے تو ہوگا ورنہ نہیں۔ یہاں تو جو کچھ بھی ہے سب خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر ہے۔

انگریزی تعلیم والوں کو عجیب نصیحت

ارشاد: علم دین نہیں مسلمانوں میں اس لئے اس تعلیم (انگریزی) کا اثر یہ ہے کہ عقائد وغیرہ خراب ہو جاتے ہیں دین کی وقعت نہیں رہتی قلب میں۔ میں تو ان کو علم دین حاصل کرنے کی تدبیر کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ جو وقت تم کو اسکولوں کی تعطیل وغیرہ میں ملتا ہے اس کے اجزاء کرلیں ایک حصہ میں آرام کریں اور ایک حصہ اس لئے رکھیں کہ کسی اہل اللہ کی صحبت میں جا کر رہیں اس لئے اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ کم از کم اپنا مذہب تو نہ بگڑے گا۔

واقعہ : شہر میں کوئی انجمن ہے اس میں جلسہ ہونیوالا تھا۔ اس میں ہر قسم کے لوگ بیان کرنے والے حتیٰ کہ ہندو نما مسلمان بلائے گئے تھے۔ اور اہل انجمن کا حضرت والا سے بھی جلسہ میں وعظ کہلانے کا قصد تھا۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: بھلا کیا جی خوش ہو ایسے جلسہ میں شریک ہونے سے جہاں ہر قسم کے لوگ موجود ہوں مجھ کو بہت سے لوگ ایسے موقعہ پر بلاتے ہیں مگر میں نہیں جاتا۔ ایسے موقعہ دو مشکلیں پیش آتی ہیں اگر حق نہ کہے تو مداہن بنے اور اگر حق کہے تو شورش پیدا ہو۔ اکثر لوگوں کو مداہنت کرنی پڑتی ہے۔ پھر جانے کیوں ایسی جگہ بلاتے ہیں بعض جگہ فتنہ وفساد کی نوبت آجاتی ہے (واقعی یہ اصول حضرت کا نہایت ہی اچھا ہے)۔

لوگ خوش گلو واعظ کو تلاش کرتے ہیں

ارشاد: لوگ آجکل ایسے واعظین کو تلاش کر کے بلاتے ہیں جن کا گلا اچھا ہو۔ الہ آباد میں میں نے وعظ کہا بعد وعظ ایک صاحب دوسرے صاحب سے کہنے لگے کہ بیان تو اچھا ہے مگر گلا کچھ نہیں۔ مجھ سے نقل کیا گیا تو میں نے کہا کہ ان سے کہہ دیجئے گا کہ نہ میری ماں ڈومنی تھی نہ میرے باپ ڈوم تھے (پھر حضرت نے فرمایا) کوئی سمجھدار حکیم محمود خاں سے نسخہ لکھائے تو وہ اس کے اجزاء کو دیکھے گا۔ یہ کبھی نہیں کہے گا کہ حکیم صاحب کی آواز کیسی ہے۔

واقعہ : ذکر یہ تھا کہ مدرسہ کے مدرسین کو جلسہ وغیرہ کے موقعہ پر پوچھتے بھی نہیں بیچارے یوں ہی کھانے وغیرہ کے انتظام میں پھرا کرتے ہیں۔

مدرس مدرسہ کو جلسہ میں کمیٹی کا ممبر کرنا چاہئے نہ کہ کھانے کا مہتمم

ارشاد: میری رائے یہ ہے کہ مدرس کو مدرسہ کے ہر کام کا ایک ممبر قرار دیا جائے بلکہ ممتاز ممبر نہ یہ کہ اس کو ایک خانساماں سمجھ لیا جائے۔

واقعہ : مشن کے شفاخانوں کی میموں کا ذکر تھا۔

ارشاد: ان کی تو غرض ایسا کام جاری کرنے سے یہ ہے کہ اپنے مذہب کی ترغیب کے لئے لوگوں کی تالیف قلب کریں چنانچہ مریضوں کے سامنے دعا کرتی ہیں۔ اس میں عیسیٰ کو خطاب کرتی ہیں (کہ اے خداوند یسوع مسیح ان کو اچھا کر دے) جو شخص اپنے دین و مذہب سے بے خبر ہو اس پر کیا اثر ہو۔ ادھر دوائیں زود اثر ہیں فائدہ تو ہوگا۔ بحکم الٰہی دوا سے اس کا عقیدہ یہ ہو جائیگا کہ اس

دعا سے اچھا ہوا۔ پھر دعا کے مخاطب کو متصرف سمجھے گا اسی طرح دین بگڑ جائے گا۔ وہاں کا قصہ سنا تھا کہ کوئی عورت نوجوان آئی تھی بعد اچھا ہونے کے اس کا بھائی لینے آیا اس نے صاف کہا کہ میں نہیں جاتی۔ انہی میں مل گئی۔ واقعی زہر ہے۔ وہاں میں ایک کمرہ میں گیا تھا وہاں ایک تختی انگریزی میں لکھی ہوئی لٹکی ہے ایک شخص نے اس کو پڑھا۔ اس میں یہ لکھا تھا عیسیٰ سردار ہیں اس مکان میں حاضر ہیں۔ اس دسترخوان پر مہمان ہیں حاضر و ناظر ہیں۔

واقعہ : بڑی پیرانی صاحبہ کا آپریشن ہوا تھا۔ اس میں غشی ہوئی تھی۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ موت کی غشی بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ اس پر فرمایا۔

موت کی غشی

ارشاد: موت کی غشی میں کرب ہوتا ہے۔ اس میں تو کرب بھی نہیں ہوتا۔ مگر تعجب ہے کہ باوجود شعور نہ ہونے کے بدن کو حرکت ہوتی ہے آخر جان تو ہے مگر پھر بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ چنانچہ مذبوح جانور کو دیکھا ہے کہ بعد ذبح کے بوٹی اچھلتی ہے۔ ان کو بھی جب داغ دیا ہے تو تمام بدن کانپتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حالت میں بعض آدمی زبان سے بھی کچھ کہتے ہیں ایک عزیز کہتے تھے کہ جب میرا آپریشن ہوا تھا تو میرے منہ سے آہ آہ نکلتا تھا۔ اور معلوم ہوا کہ میرے گھر میں بحالت غشی اللہ اللہ نکلتا تھا میں نے ان سے کہا کہ تھوڑے دنوں سے تم نے ذکر شروع کیا ہے یہ اس کی برکت ہے اگر زیادہ مشغولی ہوتب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں سوا تنا اثر بے ہوشی میں یہی ہوتا ہے مگر اس وقت ادراک و شعور نہیں ہوتا۔

واقعہ : خواجہ عزیز الحسن صاحب حضرت والا کے پاس کوٹھی میں بیٹھے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ وعظ فتح پور میں بہت یاد آئے (خواجہ صاحب صرف قیام گورکھپور اور اس کے بعد تھے۔ اس کے بعد حضرت نے کچھ وعظ کا خلاصہ بیان فرمایا جو ذیل میں درج ہے۔

وعظ فتح پور کا خلاصہ

ارشاد: قرآن شریف کے ترجمہ کے مطالعہ کا کافی نہ ہونا اس کو میں نے دلائل سے ثابت کیا ہے میں نے کہا کہ قرآن کریم میں جس قدر فہم کی ضرورت ہے اس کے لئے کتنے ہی آلات کی ضرورت ہے جیسے صرف ونحو منطق، حدیث، تفسیر، ادب، فقہ، معانی وغیرہ وغیرہ میں نے ان سب کے نمونے بیان کئے تھے۔

میں نے کہا تھا کہ اصل تو اتنی ہے اگر یہ نہ ہو تو مجبوری میں ان سب کے قائم مقام یہ ہے کہ کسی عالم محقق سے پڑھ لیں یہ بھی نہ ہو تو سوائے گمراہی کچھ نہیں مجھے پہلے سے اہتمام نہ تھا اس کے بیان کرنے کا۔ مگر ایک صاحب وکیل ہیں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک مسئلہ ہم میں در پیش ہوا کرتا ہے وہ یہ کہ کس چیز کی کمی ہے مسلمانوں میں۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ قرآن شریف کے ترجمہ کا مطالعہ کیا کریں۔ میں نے کہا کہ میں متفق ہوں اس میں۔ مگر میں آپ کے ساتھ تھوڑا سا اختلاف کروں گا۔

چنانچہ میں نے وعظ میں اس اختلاف کو بیان کیا اور چونکہ میں نے سب دعاوی پر دلائل پیش کئے تھے۔ اس لئے سب کو ماننا ہی پڑا۔ میں نے بیان کیا کہ کسی سے ترجمہ نہ پڑھنے اور خود دیکھنے میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں۔ رہا بینات وغیرہ جو الفاظ آئے ہیں قرآن مجید میں سو میں نے کہا کہ اول تو وہ مبادی حاصل کرنے والے کی نسبت ہے۔ دوسرے علوم قرآن کی نصیحت کے دو جز و ہیں ایک ترغیب ترہیب دوسرا تحقیقات۔ سو ترغیب وترہیب کا جز و تو مشکل نہیں۔ مثلاً قیامت کے لئے تیاری کرو، دوزخ سے بچنے کی سبیل کرو جنت حاصل کرنے کی فکر کرو۔ غیرہ وغیرہ یہ تو دقیق نہیں اس کے اعتبار سے مطلقاً بینات ہے باقی تحقیقات کا جز و سو وہ مشکل ہے اور میں نے واقعات سے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ صحابہ تک کو غلطی واقع ہوتی تھی تو آپ سے پوچھتے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ سے زیادہ فہیم کون ہوگا خود آپ کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں ثم ان علینا بیانہ کہ ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان کرنا سو جب آپ کو بھی ضرورت تھی بیان کی تو اوروں کی تو کیا حقیقت ہے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ قرآن شریف کے کوئی دوسری چیز بھی ہے جس سے اس کی تبیین وتوضیح ہوتی ہے۔

کیا کہوں مخاطبین عوام تھے اگر عالم ہی عالم ہوتے تو اس مضمون کو زیادہ مفصل بیان کرتا۔ میرا ارادہ دو گھنٹہ بیان کا تھا۔ مگر ساڑھے چار گھنٹہ بیان ہوا۔ میں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا تھا کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز خاص بھی دی آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ مگر ایک فہم جو کسی شخص کو قرآن میں نصیب ہوتی ہے سو اگر یہ فہم مشترک ہے تو تخصیص کی کیا وجہ ہے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے متعلق کوئی خاص درجہ ہے فہم کا۔ اور میں نے نئے ترجمے (ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے) کا ناکافی ہونا بھی بیان کیا تھا اور اس کی غلطیاں بیان کی تھیں۔ مگر پھر بھی یہ بات ہے کہ ان مضامین کے دماغ میں آنے کے واسطے بھی ضرورت ہے فہم کی۔

خواجہ عزیز الحسن کی فال

واقعہ : خواجہ عزیز الحسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرا ارادہ ہے کہ شعر کہنے سے بالکل توبہ کرلوں اور میں نے اس کے متعلق فال دیکھی تھی تو یہ شعر نکلا تھا ۔

چند گوئی نظم ونثر رازفاش ☆ خواجہ یک روز امتحاں کن گنگ باش

اس پر فرمایا:

ارشاد: یہ قصہ لکھ دیجئے اخیر میں اس رسالہ کے (یعنی الامداد کے جس میں خواجہ صاحب کے اشعار طبع ہوئے تھے یہ لکھ دینا) اچھا ہے دوسروں کو نفع ہوگا۔ مگر کہیں آپ فن نہ بھول جائیں یہ شاعری بھی ایک کمال ہے۔ جس کا بھولنا ٹھیک نہیں (پھر خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میرا تو ارادہ ہے کہ پڑھنے سے بھی توبہ کروں گا اس پر فرمایا) نہیں ایسا نہیں۔ شعر پڑھنے سے جوش وخروش ہوتا ہے البتہ تصنیف میں شعر کے دماغ بہت صرف ہوتا ہے اگر اتنا دماغ اور کسی بات میں صرف ہو تو اچھا ہے۔

بعض کا خیال کہ آجکل کی ایجادیں معجزہ ہیں اس کا رد

ارشاد: آجکل ایجادوں کی نسبت ایک شخص یوں کہتے تھے کہ معجزے ہو رہے ہیں یہ ان کی جہالت تھی معجزہ وہ ہے جو اسباب طبعیہ سے خارج ہو اور وہ نبی کے ساتھ خاص ہے کسب کو اس میں دخل نہیں ہے۔

واقعہ : روشنائی بھرنے کا قلم حضرت نے ہاتھ میں اٹھا دیا اور

ارشاد: فرمایا کہ اس کی قیمت بارہ روپے ہے اس میں تو بارہ روپے کے برابر وزن بھی نہیں ہے۔ لوگ چاندی سونا وغیرہ بناتے ہیں اور کیمیا کی دھن میں رہتے ہیں یہ کیوں نہ بنائیں۔

واقعہ: ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص کو کیمیا کی بہت لت ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اگر روپیہ ہوگیا تو علماء کی خدمت کریں گے۔

ارشاد: یہ جب ہی تک ہے کہ کیمیا بنانی نہیں آتی۔ جب بنانی آجائے گی تو پھر اس راستہ کو بھی نہ چلیں گے۔

واقعہ : ایک جگہ کی نسبت ایک شخص نے بیان کیا کہ یہاں کی جامع مسجد میں ایک امام تھے کہ وہ قرآن بھی اچھی طرح پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ مگر تنخواہ ان کی مبلغ ساٹھ روپیہ ماہوار تھی وجہ اس کی یہ

معلوم ہوئی کہ جو مسجد کے منتظم ہیں وہ با اختیار ہیں اور امام صاحب ان کے رشتہ دار ہیں اس لئے اتنی تنخواہ ہے۔

حضرت عمرؓ کا اپنے عزیزوں کو عہدہ نہ دینا

ارشاد: حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اپنے عزیزوں کو نوکر رکھنا نہ چاہئے۔ چنانچہ ایام خلافت میں آپ نے کسی عزیز کو عہدہ نہیں دیا۔

واقعہ: ایک صاحب تشریف لائے جو ترکی ٹوپی اور پتلون پہنے ہوئے تھے اور حضرت لیٹے ہوئے تھے اور دو صاحب پاؤں دبا رہے تھے حضرت اٹھ بیٹھے وہ صاحب مصر ہوئے لیٹے رہنے پر۔ حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: میں محبت سے اٹھا ہوں تعظیم کی وجہ سے نہیں اٹھا۔ جیسا حضرت فاطمہؓ جب تشریف لاتی تھیں تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور میں تو اگر تعظیم کی غرض سے بھی اٹھوں تب بھی کیا حرج ہے (بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خوش عقیدہ شخص تھے خاص کر بزرگوں سے انکو عقیدت تھی۔

واقعہ: جس کوٹھی میں حضرت والا مقیم تھے اس سے قدرے فاصلہ پر ایک مسجد تھی وہاں نماز پڑھنے جاتے تھے اول روز جو گئے تو وہاں کوئی انتظام نہ تھا حتیٰ کہ چٹائی کی بھی کمی تھی اور لوٹے بھی صرف دو تھے تیسرے روز جو حضرت تشریف لے گئے تو وہاں نئی چٹائی بھی آ گئی اور لوٹے بھی متعدد موجود تھے۔

ارشاد: دیکھئے مسجد میں جماعت کے لئے آنے سے یہ فائدہ ہے کہ لوگ آئے تو ان کی نظر پڑی کہ یہاں فلاں چیز نہیں چنانچہ اس کی فکر ہوئی اور چیز آ گئی۔ میں تو کہا کرتا ہوں امراء سے کہ مسجد میں جاؤ تو معلوم ہوا کہ کس چیز کی ضرورت ہے۔ امراء جاتے نہیں اس لئے انتظام خراب رہتا ہے۔ حالانکہ جانا بہت آسان ہے۔ میں ایک مسجد میں گیا تو وہاں ایک ڈبیہ مٹی کے تیل کی جل رہی تھی جس سے مسجد کالی ہو گئی تھی۔ میں نے محلہ کے رئیس صاحب سے شکایت کی تو انہوں نے بجائے تیل مٹی کے کڑوا تیل معین کر دیا۔ یہ فائدہ ہے مسجد میں جانے سے کہ حال معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی وصیت اور چند واقعات

ارشاد: حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک بزرگ سے چند نصیحتیں نقل فرمائی ہیں منجملہ ان کے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ کسی کی دعوت مت کرنا۔ مجھ کو تعجب ہوا کیونکہ اس وقت حضرت کے یہاں

میری دعوت تھی اور میں وہی کھانا کھا رہا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تم مت خیال کرنا کہ میری تو دعوت ہے۔ دعوت وہ ہے جس میں تکلف کیا جائے وقت ضائع ہو میزبان بھی پریشان اور مہمان بھی۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے دیا سب نے مل کر کھایا یہ دعوت تھوڑا ہی ہے۔ مولانا ظفر حسین صاحب کاندھلہ میں ایک بزرگ تھے درویش بھی تھے زمیندار بھی تھے۔ طرز ایسا تھا کہ کوئی ان کو عالم نہ سمجھتا ان کے عجیب وغریب معمولات ہیں کھانے کے متعلق۔ ان کے قرابت دار مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی دہلی کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ دہلی سے نانوتہ کا یہی راستہ تھا جس پر چھوٹی لین گئی ہے۔ کاندھلہ راستہ میں واقع ہوتا ہے۔ مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے ان سے شکایت کی کہ جب کبھی آپ آتے ہیں تو بلا ملے چلے جاتے ہیں۔

مولانا مملوک علی صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر اصرار نہ کیا جائے ٹھہرنے کا تو میں آ جایا کروں۔ اس وقت بہلی میں سفر ہوتا تھا۔ اس روز سے معمول ہوگیا کہ کاندھلہ پہنچ کر جنگل میں بہلی چھوڑ کر مولانا مظفر حسین صاحب سے ملنے آتے پھر وہ ان کو پہنچانے آتے ایک دفعہ جب وہاں پہنچے تو اول سوال یہ تھا کہ کھانا کھاؤ گے یا کھا کر آئے ہو۔ اور اگر کھاؤ گے تو رکھا ہوا کھاؤ گے یا تازہ پکوا دیا جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ رکھا ہوا کھاؤں گا۔ بس ایک برتن میں کھچڑی کی کھرچن لا کر رکھ دی کہ رکھا ہوا تو یہ ہے انہوں نے وہی کھا لی۔

شریعت کی عجیب تعلیم ہے

ارشاد: عجیب تعلیم ہے شریعت کی حکم ہے کہ جو کوئی مریض کی عیادت کو جائے تو تھوڑے دیر کو بیٹھے تا کہ اس کو کلفت نہ ہو۔ ہم لوگوں کو یہ خبر ہی نہیں کہ ہمارے یہاں کیا کیا ہے اور حکم ہے کہ اگر کسی جگہ تین آدمی ہوں تو دو شخص باہم سرگوشی نہ کریں۔ البتہ تیسرا چلا جائے تو اس وقت سرگوشی کر لیں تا کہ اس کا دل برا نہ ہو کہ مجھ کو اجنبی سمجھ کر مجھ سے اخفا کیا گیا یونان کے بڑے بڑے حکماء گزرے ہیں کسی کے دل میں ایسی بات ہی نہ گزری ہوگی۔

میں ایک موقعہ پر بہت شرمندہ ہوا۔ ایک صاحب نائب تحصیلدار میرے پاس آئے اور مجھ سے ایک عربی مدرس کی تجویز کے لئے فرمائش کی میرے پاس اس وقت ایک منتہی طالب علم عربی سبق پڑھتے تھے ان کو بھی تلاش تھی نوکری کی میں ان طالب علم سے استفسار کیلئے عربی میں گفتگو کرنے لگا مجھ کو یہ خبر نہیں تھی کہ وہ نائب تحصیلدار صاحب عربی سمجھتے ہیں۔

وہ صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ غالباً آپ اس مضمون کو مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں سو میں عربی سمجھتا ہوں۔ اس لئے آپ اجازت دیں کہ میں دور جا بیٹھوں۔ پھر پاس آ بیٹھوں گا۔ میں اپنی نادانی پر بے حد شرمندہ ہوا۔ بعد میں سمجھ میں آیا کہ میں نے اس حدیث کو چھوڑا تھا (جس میں یہ مضمون ہے کہ تین شخص ہوں تو تیسرے کی موجودگی میں دو آدمی سرگوشی نہ کریں اس لئے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ سبحان اللہ ایسی عجیب غریب تعلیم ہے شریعت کی اور جو تعلیم بھی ہے ایسی ہی ہے۔

ایک صاحب کی دعوت کا عجیب طرز

ارشاد: دعوت کا طرز ایک جگہ مجھے بہت پسند آیا۔ میزبان نے مجھ سے پوچھا کہ بے تکلف بتلا دو کیا کھاؤ گے گھی کیسا کھاؤ گے مرچ کیسی کھاتے ہو۔ اور کوئی چیز پکانے کی بتلا دیجئے وہی سالن پکایا جائے۔ اس طرز کو دیکھ کر اتنا میرا جی خوش ہوا کہ کہیں خوش نہ ہوا تھا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دادا کے یہاں سے یہی معمول ہے مہمان کے کہنے پر رہتے ہیں۔ مگر مہمان بھی تو مخلص ہو ورنہ عام لوگ تو ایسے استفسار پر یوں کہنے لگیں کہ کیا ہم بے حیا ہیں جو خود کہیں۔

ایک غیر مقلد کا قول کہ ہم ابوحنیفہ کی کیوں تقلید کریں صحابہ کی کیوں نہ کریں

واقعہ: ایک صاحب نے کہا کہ ایک غیر مقلد یوں کہتے تھے کہ ہم ابوحنیفہ کی تقلید کیوں کریں ہم صحابہ کی تقلید کیوں نہ کریں کیونکہ اختلاف دونوں جگہ موجود ہے صحابہ میں بھی اختلاف تھا۔ یہاں صاحبین نے اختلاف کیا ہے۔ قاضی خاں میں کچھ ہے عالمگیری میں کچھ ہے۔ غرض اختلاف دونوں جگہ پر موجود ہے پھر ہم صحابہ ہی کی تقلید کیوں نہ کریں۔ کیا صاحبین نے امام صاحب کے خلاف نہیں کیا ہے۔ کیا باوجود اس کے تم صاحبین کی تو تقلید کرتے ہی ہو مگر شافعی کی کیوں نہیں کرتے۔

ارشاد: اصل یہ ہے کہ مصالح دینیہ سے اس کی ضرورت ثابت ہو چکی ہے کہ کل یا اکثر فروع تقلید کسی معین مجتہد کی ہونا چاہئے تو اس کے لئے اس مجتہد کے مذہب کا مدون منضبط ہونا بھی ضروری ہے۔ اور صحابہ میں سے کسی کا مذہب اس طرح اصولاً و فروعاً مدون ہی نہیں۔

تو اگر صحابہ کی تقلید کی جائے گی تو ایک صحابی کی نہ ہو گی اور ائمہ اربعہ کا مذہب مدون ہے رہا یہ کہ صاحبین کی تقلید امام صاحب کی ترک تقلید ہے سو اصل تقلید اصول میں ہے اور صاحبین

اصول میں امام صاحب کے خلاف نہیں اور امام شافعیؒ کے ساتھ اختلاف ہے اصول میں۔ پس صاحبین میں سے جس کی بھی تقلید کریں گے وہ امام صاحب ہی کی تقلید ہے۔ جیسے ججوں میں اختلاف ہوتا ہے تو قانون نہیں بدلتا محض تفریعات میں اختلاف ہوتا ہے قانون کے اندر اختلاف نہیں۔ باقی یہ بات کہ اب جو مسائل استنباط کرتے ہیں اس میں امام صاحب کی تقلید کہاں ہے تو یہ ان ہی اصول پر فروع کا استنباط ہے اس کو اجتہاد نہیں کہتے کہ اصل اجتہاد اصول کی تدوین تھی اور اس لئے شاہ ولی اللہ صاحب کو صاحب ہدایہ کے بعض کلیات میں کلام ہے۔ ان کے اغراض کا ماحصل یہی ہے کہ یہ کلیات صاحب ہدایہ نے خود سمجھے ہیں جس کا ان کو منصب نہیں اور مجتہد سے منقول نہیں ترک تقلید فی نفسہٖ مذموم نہیں بعض عارض کی وجہ سے تقلید ضروری ہے وجہ یہ کہ بدون اس کے نفس میں اطلاق ہوجاتا ہے۔ ترک تقلید کا یہ خاصہ ہے اور پہلے جو ترک تقلید کا طریق تھا سو اس کا حاصل تھا۔ احوط کا اختیار کرنا۔ پس اس زمانہ میں تدین سبب تھا ترک تقلید کا اور اب تو نفس پرستی سبب ہے ترک تقلید کا۔ پہلے بنا اس کی دین تھا اور اب محض نفس ہے اب تو ائمہ کی شان میں گستاخی تک کرتے ہیں۔

جماعت کے کھڑے ہونے پر درود شریف کا ترک اور میلاد شریف میں قیام کی تحقیق

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ کوئی شخص سنتوں کے اخیر قعدہ میں ہے اور جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ التحیات پر سلام پھیر دے یا درود شریف بھی پڑھے اس پر فرمایا۔

ارشاد: جزئیہ تو کتب میں دیکھا جائے باقی جب تک صریح دلیل نہ ملے درود شریف کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا کیا درود ہی پر مشق کی جائے کمی کی یہ خلاف ادب ہے (پھر حضرت نے ہمیں لوگ کہتے ہیں کہ ان کو محبت رسول نہیں۔ ظلم ہے ایسا کون نالائق ہوگا۔ جسے محبت نہ ہو۔ حضور ﷺ کی پھر درود شریف کی مناسبت سے میلاد کے متعلق ذکر ہونے لگا۔

فرمایا قیام کو صرف اس لئے منع کرتے ہیں کہ عقیدہ کا ضرر ہے عوام الناس کے ہاں حضور ﷺ کا خاص جلسہ میں ذکر ہوا ہو۔ اور اس میں کسی کو وجد ہوجائے۔ تو وہ کھڑا ہوجائے عوام الناس کے سامنے کھڑا ہونے سے یہ ہوگا کہ وہ اس کو واجبات میں سے سمجھیں گے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کے متعلق بڑی اچھی بات فرمائی تھی کہ یہ قیام

ایک وجد ہے کسی بزرگ کو سن کر وجد ہوا وہ کھڑے ہو گئے اور وجد کے آداب میں سے ہے کہ اور اہل مجلس بھی کھڑے ہو جائیں ۔ پھر لوگوں کو پسند آیا اس کی عادت کر لی ۔ ایک قصہ سے اس کی تائید بھی ہوگئی ۔ ایک ڈاکٹر ترکی ہندوستان آئے تھے علی گڑھ بھی آئے تھے ان کے لئے جلسہ ہوا سلطان کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا گیا ۔

جس وقت سلطان کا نام پڑھا گیا بس مجنون کی طرح کرسی پر سے سب کھڑے ہو گئے یہ قصہ علی گڑھ کالج کے ایک ملازم نے بیان کیا ۔ بس یہ وجد تھا ان کا میں نے دیکھا ہے مکہ میں جس وقت خطبہ عید کی دعا میں سلطان کا نام آیا قلعہ میں جھنڈیوں کے ذریعہ اطلاع کی گئی اور توپیں سر ہونا شروع ہوئیں ۔ اس وقت ترک دھاریں مار مار کر رو رہے تھے بڑے زور، زور سے سو محبت میں وجد ہوتا ہی ہے پھر اس کی مختلف صورتیں ہو جاتی ہیں ۔ بس واقعی صورت تو اتنی ہے (قیام کی) آگے اس کو رسم کر لینا یہ فضول ہے ۔ اگر اس میں مفسدہ نہ ہوتا تو کچھ حرج نہ تھا مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کے مفسدے ہونے لگے ہیں کیا یہ مفسدہ نہیں ہے کہ جو شخص قیام نہ کرے وہ منقص شمار ہوتا ہے اس کو ایذا پہنچاتے ہیں ۔ کبھی زبان سے کبھی ہاتھ سے ۔ سو ایک امر مستحسن کو دور تک پہنچانا ظاہر ہے کہ برا ہے ۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب مستحسن میں مفسدہ پیدا ہونے لگے تو نفس فعل ہی کو ترک کر دیں گے ۔ بشرطیکہ مطلوب فی الشرع نہ ہو ۔ اگر کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تو سب کا اتفاق ہو جاتا (مانعین اور غیر مانعین کا) لیکن اب تو یہ حال ہے کہ آسمان ٹل جائے زمین ٹل جائے مگر یہ نہ ٹلے اس کے کیا معنی ۔ البتہ یہ صورۃ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجلس میں موجود ہو اور نہ کرے اس سے تو آدمی جائے نہیں اور اگر جائے اور پھر نہ کرے یہ صورت اچھی نہیں ۔ ایسے موقعہ پر کرے غرض یہ ترک بھی دلیل ہے اس بات کی کہ نہ کرنے والے پر جو الزام ہے کہ اس کو محبت نہیں ہے یہ الزام غلط ہے کیونکہ حکم شرعی سے ترک کرنا کتنی بڑی محبت کی دلیل ہے کہ خلاف طبیعت فتویٰ شرعی کا اتباع کرتا ہے جب اس کے کان میں آواز پڑتی ہے تو کیا ذوق وشوق کا اثر نہیں ہوتا ۔ ضرور ہوتا ہے مگر حکم شرع کو یہ مقدم سمجھتا ہے طبیعت پر ۔ اس لئے نہیں کرتا ۔ یہ تو بڑی دلیل ہے محبت کی ۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت جمعہ پڑھنے کا کہاں قصد ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا ۔

جو قصر کرتا ہے اسے جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت ہے

ارشاد: شریعت سے اجازت ہے جو قصر کرتا ہو تو وہ جمعہ نہ پڑھے مگر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔

واقعہ : ایک گلاس کانچ کا دستر خوان پر رکھا تھا جس پر قل ھو اللہ لکھی ہوئی تھی اس کو حضرت نے اٹھوا دیا اور فرمایا۔

آیت قرآنی لکھے ہوئے برتن کے استعمال کا حکم

ارشاد: جب قصد ہو برکت کا تو پانی پینا اس میں جائز ہے اور ویسے استعمال جائز نہیں۔ کھانے وغیرہ میں یہ تو اس قابل ہے کہ پانی پڑھوانا ہو تو اس میں پڑھوالیں برکت کیلئے۔ نیز بے وضو اس کا چھونا بھی ناجائز ہے البتہ رومال وغیرہ کندھے پر پڑا ہو اس سے چھو لے۔

مچھلی اور دودھ کا طرز استعمال

واقعہ : شب کے وقت اور دن کے وقت دستر خوان پر مچھلی آئی۔ حضرت نے شب میں مچھلی کھائی فیرنی نہیں اور دن کو برعکس کیا۔

ارشاد: میں مچھلی کے ساتھ دودھ اور جو چیزیں اس سے بنی ہوں نہیں کھایا کرتا۔ گو نقصان لازمی نہ ہو مگر احتیاط کے خلاف ہے۔

واقعہ : ایک صاحب حضرت سے مرید تھے ان کی حالت معلوم ہوئی کہ پہلے بدعتی ہوئے پھر اور کچھ بنے یوں ہی رنگ بدلتے رہے اور نام ان کا تھا قمر الدین۔ اس پر بطور لطیفہ فرمایا۔

ارشاد: قمر میں فی نفسہٖ تو نور ہے نہیں جیسی چیز اس کے سامنے آتی ہے ویسا ہو جاتا ہے اگر زمین آگئی تو ظلمت ہوگئی اور اگر آفتاب آگیا نور ہو گیا۔

استخارہ : ایک صاحب نے استخارہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا طریقہ ہے۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: دعا پڑھ کر قلب کی طرف رجوع کرے سونے کی ضرورت نہیں اور ایک دفعہ بھی پڑھنا کافی ہے۔ حدیث میں تو ایک دفعہ آیا ہے اور پہلے سے اگر کسی طرف اپنی رائے کو رجحان ہو تو اس کو فنا کر دے خالی ذہن کے بعد استخارہ کرنے سے جب طبیعت یکسو ہو جائے تو اس کے موافق عمل کرے اور استخارہ میں یوں عرض کرے کہ اے اللہ جو میرے لئے بہتر ہو وہ دل میں

آجائے۔ اور استخارہ اردو میں بھی جائز تو ہے مگر حضور ﷺ کے الفاظ بہتر ہیں سلام پھیر کر دعا کرے۔

واقعہ : ایک صاحب نے دریافت کیا کہ نماز کے اندر اردو میں دعا کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں۔

جس دعا عربی میں نماز فاسد نہیں اردو میں بھی نہیں

ارشاد: جس دعا سے عربی میں نماز فاسد نہیں ہوتی اس سے اردو میں بھی فاسد نہ ہوگی۔ مگر یہ فعل مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی ۔ اور قاعدہ فساد وعدم کا ہے کہ جس بات میں انسان سے استعانت کر سکے اس کی دعا نماز میں مفسد نماز ہے۔

جیسے یوں کہے کہ یا اللہ میرا نکاح کردے یہاں تک کہ اگر کسی نے اللھم ارحمنی کہا اور نیت یہ تھی کہ مقدمہ فتح ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر یہ نیت کرے ہاں تصور آجائے ویسے ہی بلا قصد تو مفسد نہیں (ایک صاحب نے کہا کہ اگر کوئی روئے نماز میں تو کیا حکم ہے۔ اس پر فرمایا) چلا کر رونا مشابہ کلام ہے صیاح کو کلام کے ساتھ ملحق کیا ہے فقہاء نے۔ البتہ اضطرار میں عفو ہے اور بلا اضطرار نہیں۔

کیا بے نمازی جنت میں جائیگا اور بنیئے کا عجب قصہ

ارشاد: بے نمازی جنت میں جائیگا (جبکہ ایمان ہو) کبھی بلا عذاب اور کبھی بعذاب۔ بے عذاب تو اس صورت میں کہ کوئی عمل نہایت مقبول کرلیا۔ خدا کو پسند آگیا۔ خدا کی رحمت کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سے میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ نے ایک بنیئے کو خواب میں دیکھا کہ لالہ جی جنت میں پھر رہے ہیں پوچھا کہ یہ کیا تو اس نے کہا کہ میں نے مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا مقبول ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے ہدایت کی دل سے پڑھ لیا ہوگا مقبول ہو گیا۔

نکاح میں چھوارے

واقعہ : ایک نکاح میں چھوارے تقسیم ہوئے تھے اس پر فرمایا۔

ارشاد: خرما کی تخصیص سنت مقصودہ نہیں ہے اگر کشمش ہوتی تو وہ تقسیم ہو جاتی یہاں چونکہ یہی تھے اس لئے تقسیم ہو گئے۔

انتظام: ایک جگہ وعظ میں جانے کو تھے۔ داعی کی بھیجی ہوئی گاڑی ایک ہی تھی اور باقی کرائے کے یکے تھے۔ اس پر فرمایا کہ کرایہ یکوں کا سب پر تقسیم کردیا جائے۔ خواہ کوئی گاڑی میں بیٹھے یا یکہ میں تاکہ کسی کو شکایت نہ ہو کہ اگر ہم گاڑی میں بیٹھتے تو کرائے سے بچ جاتے۔

واقعہ: شہر میں انجمن ہے وہاں جلسہ ہونیوالا تھا۔ جس میں مختلف العقیدہ لوگ تقریریں کرنے کے لئے بلائے گئے تھے۔ حتی کہ بعض ہندو نما مسلمانوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ اور حضرت والا سے بھی درخواست کی تھی اہل انجمن نے کہ آپ بھی جلسہ کے موقعہ پر بیان فرمائیں۔ حضرت نے ان کی درخواست کو منظور نہیں فرمایا تھا۔ کیونکہ حضرت والا مختلف العقیدہ لوگوں کے جلسہ میں بیان نہیں فرمایا کرتے (اس میں بہت سے مصالح ہیں) حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ اول تو میں اس قدر یہاں ٹھہر نہیں سکتا کیونکہ انجمن کے جلسہ کے زیادہ روز باقی ہیں دوسرے میری عادت نہیں کہ جس موقعہ پر مختلف العقیدہ لوگ جمع ہوں وہاں میں بیان کروں۔

اگر آپ میرا بیان چاہتے تو جلسہ انجمن سے قبل بیان کرسکتا ہوں جونسا بھی موقعہ آپ تجویز کریں چنانچہ ان لوگوں نے انجمن ہی کے جلسہ والا موقعہ تجویز کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں آکر اطلاع کی حضرت نے فرمایا کہ میں اس موقعہ کو دیکھ لوں چنانچہ حضرت والا ان کی ہمراہ تشریف لے گئے اور ملاحظہ کرکے فرمایا کہ مناسب ہے اور پھر کوٹھی پر واپس تشریف لے آئے۔ بعض منتظمین نے اعلان کردیا۔ یہ بات قرار پا گئی کہ پرسوں آٹھ بجے صبح کے وعظ ہوگا دوسرے روز بوقت دس بجے دن کے وہ صاحب کوٹھی پر تشریف لائے اور کہا انجمن کا موقعہ تو وعظ کیلئے کچھ اچھا نہیں اور بہت خرابیاں ظاہر کیں اور کہا کہ مسجد میں وعظ ہوجائے تو بہتر ہو۔ مگر اصلی بات ظاہر نہ کی۔ منشی اکبر علی صاحب نے کہا کہ قاضی صاحب گستاخی معاف آپ جو اصل بات ہے وہ کیوں ظاہر نہیں کرتے صاف صاف بتلا دیجئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ بعض لوگ انجمن کے موقعہ پر وعظ کہنے کے مخالف ہیں اور تکرار کے لئے آمادہ ہیں یہ اہل بدعت کے لوگ تھے حضرت نے اس پر یہ فرمایا:

ارشاد: یہ آپ نے اس وقت کیوں نہیں کہا تھا۔ جبکہ میں موقعہ دیکھنے گیا تھا۔ ہمارا وعظ ایسا سستا ہے کہ ذلت کے موقعہ پر کہیں۔ اعلان تک ہوگیا اب خبر دی ہے۔ اب تو دوسری جگہ مسجد میں وعظ کہنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ یوں کہیں گے کہ یہاں اپنی ہوس نہ نکل سکی تو دوسری جگہ ہوس نکالنے کو وعظ کہا اس میں دین اور اہل دین کی ذلت ہے۔ اس لئے اب شہر میں کہیں میرا وعظ

نہ ہوگا۔ اور اب تو کہیں وعظ کہنا گویا ان کا مد مقابل بننا ہے۔ اگر ایسا ہی شوق ہے تو مجھ کو دوبارہ وطن سے ... میں بلا لیجئے میں آ جاؤنگا۔

قاضی صاحب نے کہا کہ کل جس وقت آپ وہاں تھے موقعہ نہیں تھا عرض کرنے کا اس سے عرض نہیں کیا تھا اس پر فرمایا۔ آپ مجھ کو علیحدہ بلا کر کہہ سکتے تھے یہ بھی نہیں تو کسی کی معرفت کہلا دیتے۔ مگر قبل اعلان۔ اب جبکہ اعلان تک ہوگیا۔ اب آپ اطلاع کرنے بیٹھے ہیں میں ذلت کے موقع پر وعظ نہیں کہا کرتا۔ اب میں کسی جگہ نہ کہوں گا (حضرت والا کا وعظ غرضیکہ ملتوی ہوگیا) البتہ شہر کی آبادی سے باہر ایک صاحب کی کوٹھی پر دوسرے روز بعد مغرب مستورات میں وعظ ہوا۔ جس میں مرد بھی شریک تھے۔ اور چونکہ وہ موقعہ شہر سے جدا تھا۔ اور ایک خاص مجلس تھی اس لئے وہاں وعظ کہنے میں کوئی قباحت نہ تھی۔ اس لئے وہاں فرمایا۔ حضرت والا کا یہی طریقہ ہے کہ جس موقعہ پر دین یا اہل دین کی ذلت ہوتی ہو وہاں قدم بھی نہیں رکھتے علماء کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

ایک بچہ کا چندہ دینا امداد المجلس میں

واقعہ: حضرت والا کی ہمراہ جو احباب تھے خواجہ عزیز الحسن صاحب نے ان سے چندہ امداد المجلس میرٹھ کیلئے وصول کیا جو نہایت مسرت سے لوگوں نے دیا۔ عطا کنندوں میں ایک بچہ بھی تھا ایک آنہ اس نے بھی دیا۔ اس کا ذکر خواجہ صاحب نے حضرت سے کیا تو حضرت نے فرمایا کہ خبر ہے کہ بچہ کی رضا کہیں معتبر بھی ہے خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ ان کے والد تو یہاں ہیں یہ ان کے پیسے ہوں گے اور وہ راضی ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ ان سے پوچھتے تو سہی چنانچہ پوچھا گیا تو اس کے والد نے کہا کہ اسکی والدہ نے پیسے دیئے تھے۔ بس وہ ایک آنہ واپس کیا گیا (یہ احتیاط ہے حضرت والا کی یہاں۔ از جامع)

واقعہ: ایک وقت میں یہ رائے ہوئی تھی کہ مختلف کتابوں میں سے عمدہ عمدہ اشعار منتخب کر کے طبع کرائے جائیں۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب اشعار کا انتخاب کر رہے تھے۔ غالباً اس وقت بوستان تھی اور پورے پورے اشعار لکھ رہے تھے اس پر فرمایا۔

ایک سہل طریقہ

ارشاد: سہل طریقہ یہ ہے کہ جو کتاب ہو اس کے منتخب کردہ شعر کا صرف سرا لکھ لیا جائے جیسے

بوستان سے آپ انتخاب کر رہے ہیں۔ بس شروع کا سرا لکھ لیجئے۔ بوستان ہر جگہ میسر ہوتی ہے جب طبع کے لئے لکھا جائے گا تو بوستان لے کر پورا شعر لکھ دیا جائے گا۔ (پھر فرمایا) میں سہولت پسند ہوں جو صورت سہل ہو اور جس میں وقت کم لگے وہ تجویز کرتا ہوں۔

حضرت والا کی روانگی گورکھپور سے

موضع پوکھر بٹوا

ضلع بستی کو اور اسٹیشن نوگڈھ پر ورود

انتظام: موضع پوکھر بٹوا کے جانے کو اسی اسٹیشن پر اترتے ہیں جو صاحب موضع مذکور سے گورکھپور میں حضرت والا کو لینے آئے تھے انہوں نے اسٹیشن پر گاڑیوں کا بندوبست پہلے سے کرا دیا تھا چنانچہ گاڑیوں تیار ملیں۔ اسٹیشن پر ظہر کے وقت اترے۔ متفرق گاڑیوں میں لوگوں نے اسباب رکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسباب سب ایک جگہ ایک گاڑی میں رہنا چاہیے تاکہ حفاظت اور انضباط آسان ہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ملفوظات نوگڈھ پوکھر بٹوا

ایک مسجد کا واقعہ قابل توجہ

واقعہ : اسٹیشن کے متصل ایک مسجد تھی جس کی تعمیر کچھ باقی رہ گئی تھی۔ اور صحن خام تھا۔ اس میں لوگ جوتہ پہن کر جاتے آتے تھے اور ایک جانب بیٹھ کر اسی پر وضو کرتے تھے اس پر بعد تحقیق کے۔

ارشاد: فرمایا یہ داخل مسجد معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کا ادب چاہئے۔ چنانچہ لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ جوتہ دروازہ سے باہر اتار کر صحن میں آئیں اور جس جگہ وضو کرتے ہیں اگر مسجد میں اس جگہ کے داخل کرنے کی نیت کر لی ہے تو اس پر وضو بھی نہ کریں۔

ارشاد: بعد نماز ان صاحب سے جو لینے آئے تھے۔ فرمایا کہ بٹھلانے کا انتظام کیجئے۔ چنانچہ انتظام کیا گیا۔ اور حضرت اس وقت بیٹھے جب کہ سب ہمراہی سوار ہو لئے۔

انتظام: قیام گاہ پر پہنچے اور فرمایا کہ سب اپنا اپنا اسباب دیکھ لیں اور کمترین سے فرمایا کہ میرا

اسباب دیکھ لو دو چیزیں ہیں ایک زنبیل اور ایک بستر۔

ارشاد: بعد عصر فرمایا کہ چلو گاؤں کی سیر کر آئیں شام تک وقت اس میں صرف ہوا (چنانچہ مع ہمراہیان تشریف لے گئے گاؤں سے باہر ان صاحب کے کھیت بھی تھے جو حضرت کو اپنے مکان پر لائے تھے۔ حضرت والا نے دعائے برکت فرمائی۔

زکوٰۃ اس روپیہ پر ہوگی جو نوٹ سے حاصل ہوگا

واقعہ: راستہ میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کسی کے پاس مبلغ پانچ سو روپے کے نوٹ ہوں تو اس پر زکوۃ ہوگی یا نہیں۔

ارشاد: زکوۃ ہوگی کیونکہ نوٹ جس مال کی سند ہے وہ اس کا حق ہے اور وہ محل زکوۃ ہے اور یہ ایک مسئلہ بیان فرمایا:

گنی کا نوٹ سے تبادلہ

مسئلہ: اگر کسی نے گنی کے جس کی قیمت عرف میں پندرہ روپیہ ہو سولہ روپے مثلاً یداً بید دست بدست لئے تو یہ جائز ہے اور اگر اس حالت میں سولہ روپے کے نوٹ سے تبادلہ ہوا تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ نوٹ تو مال نہیں اور جو مال ہے وہ حاضر نہیں۔ پس معاملہ یداً بید نہ ہوا۔ اور حوالہ برابر ہوتا ہے۔

خطبہ جمعہ کو اردو میں پڑھنا

ارشاد: خطبہ جمعہ کا اردو میں پڑھنے کے لئے لوگ مصر ہوتے ہیں کہ اشعار اردو میں پڑھ دینے چاہئیں کیونکہ اس میں تذکیر ہے میں کہتا ہوں کہ قرآن بھی تو سمجھانے کو اترا ہے اس کو بھی نماز کے اندر اردو میں پڑھا کریں۔ قرآن کریم بھی تو تذکیر کے لئے اترا ہے خطبہ کو ہی اردو میں پڑھنے پر کیوں مصر ہیں۔

بیعت کی درخواست بواسطہ بیعت میں تاخیر کرے پہلے کام مناسب ہے

ارشاد: فرمایا کہ مجھ سے خود گفتگو کریں اس میں واسطہ سے کام نہیں چلتا۔ کیونکہ کسی کی حالت کا اندازہ دوسرے شخص کے کہنے سے نہیں ہو سکتا ہے خود اس کی گفتگو سے ہو سکتا ہے۔

واقعہ: ایک صاحب پہلے کہیں بیعت تھے پھر ان کی طبیعت اس طرف سے پھر گئی حضرت سے

درخواست بیعت کی کی اس پر فرمایا۔

ارشاد: آپ نے میری کتابیں دیکھی ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ بہشتی زیور، اصلاح الرسوم دیکھی ہیں اور میں مدرس ہوں ایک شخص کے یہاں قرآن شریف پڑھاتا ہوں۔ فرمایا قصد السبیل منگا کر جو شغل اس میں سے اپنی حالت کے مناسب معلوم ہوتا ہے تو اس پر عمل کیجئے پھر حال سے اطلاع دیجئے۔ میرا طریقہ ہے کہ جب دیکھ لیتا ہوں کہ طلب ہے مرید کرتا ہوں۔ پہلے آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ نتیجہ تعجیل بیعت کا کہ دوسری طرف رجوع کرنا پڑا۔ خواہ آپ پانچ ہی برس میں بیعت ہوں اس کا کوئی حرج نہیں۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ آپ میرا اندازہ کرلیں اور میں آپ کا اس لئے تعجیل مناسب نہیں ہے۔

انتظام: جب کھانے کو بیٹھے تو ہمراہی حضرت والا متفرقاً بیٹھے تھے حضرت نے فرمایا جو ہمراہی ہیں سب پاس بیٹھیں۔ اس میں منتظم کو انتظام میں آسانی ہوتی ہے۔

گاڑیوں کے جلد آنیکی ترکیب

سواریوں کے جلد بلانے کی ترکیب

واپسی کے وقت گاؤں سے گاڑیوں کے اسٹیشن پر لانے سے لوگ دیر کررہے تھے حالانکہ اسباب سب رکھا جاچکا تھا۔ حضرت والا خود پیادہ چل دیئے پھر ہمراہی کیسے بیٹھ سکتے تھے۔ وہ بھی پیادہ چل دیئے۔ تھوڑی دور چل کر دیکھا تو گاڑی والے خوب بھگائے ہوئے لارہے ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اگر پیادہ نہ آتے تو یہ فٹن نہ دوڑتی۔ یہ بھی ایک ترکیب ہے سواری کے جلد آنے کی۔

تعویذ کن باتوں کیلئے ہے تعویذ سے خود پڑھنا بہتر ہے

واقعہ : اسٹیشن نوگڈہ پر حضرت ریل کے انتظار میں ایک فرش پر بیٹھے تھے۔ وہاں ایک صاحب نے تعویذ مانگا جو کہ بیمار تھے۔

ارشاد: اصل میں تعویذ ان باتوں کے لئے ہے جن کی دوا نہیں ہے جیسے آسیب ونظر بد اور جن کا علاج ہے ان کا علاج کرانا چاہیے۔ جب ان صاحب نے اصرار کیا تو فرمایا۔ الحمدللہ پڑھ کر پانی پر دم کرلیا کرو۔ اور پی لیا کرو۔ کیونکہ پڑھنے میں زیادہ اثر ہے۔

مگر یوں کہئے کہ ہیچ ہے کون محنت کرے۔ حدیث سے بھی تعویذ چھوٹے بچوں کے لئے ثابت ہے جو پڑھ ہی نہیں سکتے۔ بڑوں کے لئے کہیں ثابت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی عادت تھی کہ جو بچے یاد کرنے کے قابل ہوتے تھے ان کو یہ دعا سکھا دیتے تھے۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات الخ۔ اور جو پڑھنے پر قادر نہ تھے ان کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔ مگر عام عادت تعویذ ہی مانگنے کی ہوگئی ہے اور راز اس کا (کہ لوگ تعویذ ہی لینے کے سر ہوتے ہیں اگر پڑھنے کو بتا دیا جائے تو اس پر کفایت نہیں ہوتی) یہ ہے کہ پڑھنے سے بچتے ہیں جھگڑا معلوم ہوتا ہے محنت نہیں ہوتی۔

اور اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ اللہ میاں کا کلام تعویذ گنڈوں کے لئے تھوڑا ہی ہے عمل کرنے کیلئے ہے۔ گو تعویذ گنڈے میں بھی اثر ہوتا ہے مگر وہ ایسا ہے جیسے دوشالے سے کوئی کھانا پکالے سو کام تو چل جائیگا۔ مگر اس کے لئے وہ ہے نہیں اور ایسا کرنا دوشالے کی بے قدری ہے ایسے ہی یہاں۔ ہاں کبھی کسی وقت اس کا بھی مضائقہ نہیں یہ نہیں کہ مشغلہ ہی کرلے کہ سب چیز کا تعویذ ہی ہو۔

ایک عجیب لطیفہ جس کو سن کر بے اختیار ہنسی آتی ہے

ارشاد: عجیب لطیفہ اور واقعہ ہے حضرت والا کا دیکھا ہوا۔ ایک عورت ریل میں سوار تھی اس کے ساتھ ایک بچہ تھا اور ایک بکری بھی ساتھ تھی بکری کا محصول نہیں دیا تھا جب اسٹیشن ہوتا تو اس کو تختہ کے نیچے چھپا دیتی اور جب کوئی اسٹیشن والا اس گاڑی میں آتا۔ اور اتفاق سے وہ بکری بولتی تو وہ اپنے بچے کے دھپ لگاتی اور کہتی کہ دور ہو نگڑی بکرے کی بولی سیکھی ہے اسی طرح دور تک کرتی رہی پھر ہم تو اتر گئے نہیں معلوم کہ ریل سے اتر کر اس نے کیا کیا ہوگا۔

حضرت کو چلتی ریل میں نماز پسند ہے

ارشاد: ہمیں تو چلتی ریل میں نماز پڑھنا پسند ہے اطمینان پورا ہوتا ہے اور اتر کر پڑھنے میں ایک تو ریل کے چھوٹنے کا خیال دوسرے اکثر اس درجہ میں مسافر آگھستے ہیں دقت ہوتی ہے بیٹھنے میں اور چلتے میں تو جو حالت ہے بس وہ ہے۔ گو مسافر زیادہ ہوں اطمینان تو ہے۔

بعض معاصی پر سخت وعید اور پھر صغیرہ ہیں

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ بعض معاصی پر سخت وعید آئی ہے مگر وہ شمار صغیرہ میں ہیں جیسے بدنگاہی کہ اس پر آنکھوں میں سیسہ ڈالے جانے کی وعید آئی ہے۔

ارشاد: مفسدہ اس کا عظیم ہے اس لئے اس پر وعید سخت ہے مگر چونکہ یہ مقدمہ دوسرے اس سے زیادہ سخت گناہ کا ہے اس لئے یہ اس کے اعتبار سے صغیرہ ہے یعنی زنا۔ باقی فی نفسہ اثر کے اعتبار سے تو مثل کبیرہ ہی کے ہے۔ اور خیر صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو کچھ بھی ہو مگر قلب تو اس سے بہت ہی گندہ ہو جاتا ہے۔ حتی کہ اتفاقی نظر پڑنے سے بھی قلب پریشان ہو جاتا ہے۔ اور بے نکاح کا تقویٰ تو رہ ہی نہیں سکتا۔ ہاں کسی میں بدنی قوت ہی نہ ہو۔ یا باطنی قوت ہو تو اور بات ہے۔

عورت کا دس حصہ شہوت ہونا غلط ہے

ارشاد: یہ جو مشہور ہے کہ عورت کو مرد سے دس حصہ زیادہ شہوت ہے یہ غلط ہے اول تو مشاہدہ دوسرے ان کا مزاج بارد ہے۔ رطوبت ان میں زیادہ ہے پھر زیادتی کے کیا معنی۔

ارشاد: جو مواعظ مستورات کے متعلق ہیں اور وہ اب تک طبع نہیں ہوئے بلکہ وہ انکے مسودے کی حالت میں ہیں ان کو اگر علیحدہ کر دیا جائے تو جمع ہو کر ایک جلد میں طبع ہو جائیں یہ خوب ہے اور جو طبع ہو چکے ہیں ان کی فہرست لکھ دی جائے کہ یہ عورتوں کے متعلق ہیں۔

زوجیت کے حقوق برابر ہیں

ارشاد: زوجیت کے جو حقوق ہیں ان میں قومیت کی وجہ سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ مثلاً ایک بی بی جولاہی ہو اور دوسری شریف تو بھی برابری ہوگی حقوق میں۔ جیسا اسے کھلائے پلائے ویسے ہی اسے وغیرہ وغیرہ۔

مستورات کو سیر کرانا

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ کسی اسٹیشن پر ٹھہرے ہوئے ہوں اور مستورات ساتھ ہوں تو ان کو کسی موقعہ کی سیر کرانا چیز دکھانا اس میں کچھ حرج ہے۔

ارشاد: ہرگز نہیں چاہئے اس سے آزادی پیدا ہوگی آئندہ گھروں کو قید خانہ خیال کرنے لگیں گی۔ اسی طرح کسی مسجد کا یا تاج بی بی کا روضہ وغیرہ دکھانا ہے بالکل مصلحت کے خلاف ہے۔

واقعہ : اسٹیشن نوگڈھ سے کانپور ریل میں آ رہے تھے۔ موضع پوکھر ہٹو اوالوں نے کھانا ساتھ رکھ دیا تھا۔ ریل میں کھانا کھانے کی تجویز ہوئی۔ جس کپڑے میں کھانا بندھا ہوا تھا۔ اس کو کھولا۔ اس کپڑے میں چکنائی کے وجہ دھبے لگ گئے تھے کھانا کھایا جس میں پراٹھے تھے اور گوشت باریک قند (جس کو بحری کہتے ہیں) میں نے کہا حضرت قند کس چیز سے کھائی جائے گی۔ فرمایا کہ بعض لوگ پراٹھے قند سے کھاتے ہیں (یعنی مٹھائی سے) جب کھانا کھا چکے اس کپڑے پر ٹکڑے گرے ہوئے رہ گئے جیسے عادتاً رہ جاتے ہیں مجھ سے حضرت نے فرمایا کہ ٹکڑے سب اٹھا کر کھالو اور ثابت پراٹھے علیحدہ کرو پھر ایک سفید کپڑا زنبیل سے نکلوا کر وہ اس میں باندھے معہ سالن اور قند کے اور فرمایا کہ یہ کپڑا بے ڈھنگا سا ہے چکنائی لگا ہوا سا۔ میری طبیعت اس سے پریشان ہوتی ہے اس کے بعد حضرت نے فرمایا۔

حضرت کی طبیعت نفاست پسند اور تناسب ہر چیز میں حتیٰ کہ استنجے میں

ارشاد: فطری طور پر میری طبیعت نفاست پسند ہے اور تناسب کو ہر چیز میں چاہتی ہے۔ چنانچہ میں پاخانہ میں ڈھیلے کا استعمال اس طرح کرتا ہوں کہ عادتاً ڈھیلے جو چھوٹے بڑے ہوتے ہی ہیں پہلے بڑے ڈھیلے کا استعمال پھر اس سے چھوٹے کا۔ پھر اس سے چھوٹے کا اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے بڑا ڈھیلا لے کر پہلے چھوٹے استنجے میں استعمال کرتا ہوں۔ یہ اس لئے کہ قطرات پیشاب کے کم ہوتے ہوتے اتنے رہ جاتے ہیں کہ چھوٹا ڈھیلا تر نہ ہو جائے۔

فائدہ : یہ ملفوظ اس لئے لکھا تا کہ معلوم ہو کہ جب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں حضرت والا کا یہ انتظام ہے تو دیگر امور میں کتنا انتظام ہوگا۔ از جامع ملفوظات

انتظام: اسٹیشن گونڈہ پر رات کے وقت پہنچے وہاں لین بدل جاتی ہے۔ دوسری گاڑی کے آنے میں چار گھنٹہ کا فصل تھا۔ مسافر خانے میں فرش بچھا کر سونے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بغرض حفاظت اسباب کے پہرہ ہونا چاہئے علاوہ حضرت کے پانچ اشخاص تھے ترتیب وار فی کس پون گھنٹہ پر قائم ہوا وہ بھی اس طرح کہ پہلے شخص کو گھڑی دی گئی اور کہہ دیا کہ جب اس کا وقت ہو چکے تو اپنے بعد والے کو جگا دے اور گھڑی دیدے علیٰ ہذا ابتداء میں حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ سب سور ہیں اور میں بیدار رہوں مگر اس کو کون منظور کر سکتا تھا۔

حضرت والا کا ورود کانپور میں

واقعہ : ذکر اس پر تھا کہ درسیات کے ساتھ کلام اللہ حفظ کرنا پڑا دشوار تھا۔

ارشاد: یہ تو تنہا ہی ٹھیک ہے یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے جیسے ان کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے کہ کوئی ان کے ساتھ شریک نہ ہوا ایسے ہی ان کا کلام ہے کوئی کام ہوتا ہی نہیں مگر مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کا جس میں کہ قوت فکریہ صرف کرنا پڑے اس کے ساتھ اجتماع مشکل ہے۔

واقعہ : خواجہ عزیز الحسن صاحب کیلئے حضرت نے چلہ خاموشی تجویز کیا تھا۔ ایک شخص اور بیٹھے تھے ان کی بابت خواجہ صاحب نے کہا کہ ان کا بھی یہ ارادہ ہے۔

سلوک میں ہر ایک کی تدبیر جدا ہے

ارشاد: جو خود ہی پہلے سے کم بولتا ہو اس کو اس کی ضرورت نہیں ہر ایک کیلئے ایک ہی دوا تھوڑا ہی ہے۔ پنساری کے ہاں دوائیں مختلف ہوتی ہیں کوئی کسی کیلئے کوئی کسی کیلئے اور اگر ایسے ہی مصلحت ہوئی تو آٹھ دس دن کے واسطے کر لیا جائیگا۔

واقعہ : خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ کیا میں کلام بہت کرتا ہوں اگر ایسا ہے تو میں ابھی سے کلام میں کمی کروں چلہ پر کیا موقوف ہے۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: مجھے اہتمام کرنا مشکل ہے ورنہ ایک دن گنوا دیتا کہ کتنی کثرت سے آپ کلام کرتے ہیں کمی کرنے کی صورت یہ ہے کہ ذکر و شغل کو اپنا اصل کام سمجھا جائے جیسے کسی نے قرآن شریف کی تلاوت کرنی شروع کی ہو تو وہ لایعنی کلام نہ کرے گا۔ ایسے جب ذکر و شغل کو مقصود سمجھ لیا جائے گا تو لایعنی کلام سے بچے گا اگر بغیر ذکر و شغل ایسا کیا تو جی گھبرائیگا خاموش رہنے سے۔

("سفر نامہ ختم ہوا بفضل اللہ وتوفیقہ")

تنبیہ

میں ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو کانپور میں حضرت والا سے رخصت ہو کر بجنور چلا آیا وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت والا فتح پور پیرانی صاحبہ کے دیکھنے کو تشریف لے گئے اور حضرت نے یہ فرمایا کہ میں آج فتح پور جا کر کل شام کو سیدھا روانہ تھانہ بھون ہو جاؤں گا۔ اور بظاہر وعظ ہونے کا خیال نہ تھا۔ اور خواجہ صاحب ہمراہ بھی تھے اس لئے مجھ کو ہمراہ جانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اس لئے

واپس چلا آیا اور خواجہ صاحب کو پنسل اور کاغذ دیدیا تھا کہ جو ملفوظات ہوں ان کو لکھ لیجئے گا وہ بھی اس میں ملحق کر دیں تو مناسب ہو اور پانی پت میں جو واقعات گزرے ہیں ان کو میرے بڑے بھائی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نے لکھا ہے وہ میری تحریر سے پہلے مجموعہ میں شامل ہے۔

ملفوظات تھانہ بھون

ایک صاحب کی ایک لڑکے پر فریفتگی اور حضرت کا علاج کرنا

واقعہ : ایک صاحب حضرت والا سے بیعت ہیں اور پیشہ خیاطی کا کرتے ہیں ان کا خط آیا تھا۔ لکھا تھا کہ میرے پاس ایک لڑکا کام سیکھنے دوپہر کو آیا کرتا ہے اس کی محبت میرے دل میں اس قدر ہوگئی کہ ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے حتی کہ خواب میں بھی نہیں بھولتا۔ شاید کسی وقت بھول جاتا ہوں اس پر حضرت نے لکھ دیا تھا کہ اس کو اپنے پاس سے علیحدہ کردو۔ چنانچہ انہوں نے علیحدہ کر دیا اس کے بعد لکھا کہ جب سے عجیب حالت ہے پریشانی بڑھ گئی ہے ہرگز نفس اس سے علیحدہ ہونا گوارا نہیں کرتا اور محبت پہلے سے زیادہ ہوگئی مطابق اس مضمون کے ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''۔ اور اس کے نہ دیکھنے سے گھبراہٹ اور پریشانی معلوم ہوتی ہے اور یہ شعر بھی لکھا ؎

درد اکہ طبیب صبرے فرماید ☆ ویں نفس حریص راشکری باید

اور لکھا کہ جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو آنکھیں نافرمان ہو جاتی ہیں۔ دیکھنے سے بہت رکنا چاہتا ہوں مگر طبیعت نہیں رکتی اور یہ شعر بھی لکھا کہ

زدیدنت نتوانم کہ دیدہ بربندم ☆ گراز مقابلہ بینم کہ تیری آید

حضور عالی نہ دیکھنے سے بہت گھبراتا ہوں۔ آگے جو حضور عالی فرمائیں دل و جان سے منظور ہے اس قسم کی باتیں جو لکھی تھیں۔ مثلاً دردا کہ طبیب صبری فرماید۔ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے اپنا غصہ ظاہر کیا۔ اور ناراضگی لکھی اس کے بعد خط آیا کہ میں نے احتراز کر لیا ہے اس کے دیکھنے وغیرہ سے حضرت نے لکھا کہ پہلا سا تو غصہ نہیں رہا۔ مگر دل پورا صاف اس وقت ہوگا جب آکر زبانی گفتگو کرو اور میری بات سن کر جواب دو۔ چنانچہ وہ صاحب تھانہ بھون آئے اور بعد ظہر حاضر ہوئے کہ وہ خط لاؤ جو مجھ کو لکھا تھا وہ ان کے پاس نہ نکلا تو حکم دیا کہ اس کا مضمون لکھواؤ اس میں جو اشعار تھے وہ بھی لکھو۔ چنانچہ وہ لکھ کر لائے حضرت والا شعر پڑھ کر مواخذہ فرماتے گئے مثلاً یہ شعر ؎

دردا کہ طبیب صبرے فرماید ☆ دیں نفس حریص راشکری باید

فرمایا کہ جو میں بتلاتا ہوں قرآن وحدیث کی بات بتلاتا ہوں۔ یہ اعتراض مجھ ہی تک محدود نہیں خدا اور رسول تک بات پہنچتی ہے کہ وہ تو یوں فرمائیں اور نفس کو یہ چاہئے گویا نفس کے موافق بتلاؤ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ نفس اگر شکر چاہے تو اس کو شکر دینی چاہئے گویا نفس کے تابع ہونا چاہئے جیسے وہ کہے ویسے کریں خدا اور رسول کا فرمانا کچھ بھی نہ ہوا۔ سبحان اللہ کیا وقعت کی خدا ورسول کی ۔ حضرت کے مواخذہ کرنے پر انہوں نے کہا کہ مجھ سے خطا ہوئی توبہ کرتا ہوں اور جو پرچہ لکھ کر لائے تھے انہوں نے اس کو ردی خطوط میں جو حضرت کے پاس رکھے ہوئے تھے دور سے اس میں ڈال دیا حضرت کے ہاتھ میں نہ دیا حضرت نے اس پر ملفوظات ذیل بیان فرمائے۔

اطاعت میں کمی ہونے پر دنیا کی عقل بھی مسخ ہو جاتی ہے

ارشاد: پرچہ ردی میں کیوں ڈالا ہاتھ میں کیوں نہیں دیا۔ یا علیحدہ سامنے کیوں نہ رکھا کیا یہ بے تمیزی نہیں دیکھو یاد رکھو طاعت میں کمی ہوتی ہے خدا رسول کی تو دنیا کی عقل بھی مسخ ہو جاتی ہے تمہارے قلب کا ستیاناس ہو گیا اتنی بڑی موٹی غلطی (کہ پرچہ ردی میں ڈالدیا) حالانکہ اس وقت یہ پرچہ ہی مطلوب ہے دیکھو خدا اور رسول کی مخالفت سے عقل جاتی رہتی ہے۔

ابن القیم کا رسالہ ہے اس میں انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ معصیت سے دنیا کی عقل بھی مسخ ہو جاتی ہے۔ واقعی بات ہے کہ نافرمانی کرنے والے بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہیں اور تم جو کہتے ہو کہ توبہ کرتا ہوں تو توبہ سے گناہ تو معاف ہو گیا مگر مادہ تو نہیں اکھڑا۔ جیسے کوئی گڑ کھائے اور مریض ہو کر طبیب کے پاس جا کر کہے کہ گڑ کھانے سے توبہ کرتا ہوں تو طبیب کہے گا کہ توبہ تو کر لی مگر جو کھایا ہے اس کا کیا ہو گا وہ مادہ تو موجود ہے۔ پھر حضرت نے ان پر بہت ہی ناراضگی ظاہر فرمائی۔ اور ان کے عاجزی اور انکساری کرنے پر فرمایا۔

تم ہی سوچ کر اپنا علاج لاؤ جہاں تک تمہاری نظر ہو۔ پھر ہم اس میں اصلاح کر دیں گے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے ان کے پس غیبت حضرت نے حاضرین سے فرمایا لوگ کہتے ہیں نرمی کرنی چاہئے مگر جب خدا رسول کے بارہ میں ایسے کلمات ہوں تو میں کیا کروں جب میں سمجھوں کہ اس مرض کا یہی علاج ہے (یعنی سختی) تو میں سختی کیسے نہ کروں ہر ایک کا علاج جدا ہے

ایک شخص کا خط اسی مرض کے متعلق آیا ہے۔ ان کو میں نے نرمی سے جواب دیا ہے کیونکہ اس کا عنوان ندامت کا ہے نہ کہ اعتراض کا۔ بس کسی کیلئے سختی ہے کسی کیلئے نرمی جیسا مناسب ہوتا ہے۔ ویسے کیا جاتا ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں ویسے کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ایک تو ہے بادشاہ لطیف دماغ اس کیلئے طبیب کی اور تجویز ہے اور ایک وہ شخص ہے کہ جب تک حقنہ نہ کرو کام نہیں چلتا کوئی کہے کہ بادشاہ کے بھی حقنہ کیا ہوتا۔ جس طرح اس کے حقنہ کیا ہے تو اسکی حماقت ہے اس کو تو طبیب ہی جانے کہ کہاں کیسا موقعہ ہے۔ کسی کو دوا چھڑک کر پنکھا جھلنے سے نفع ہوگا۔ کسی کو حقنہ سے نفع ہوگا۔

جس کو نرمی کا جواب دیا ہے اس کے قلب میں محبت الٰہی کا نشہ بھرا ہوا تھا بس میں نے اس کو چار جملے لکھے اتنے ہی جملوں نے اس کا سارا کام بنا دیا۔ جس موقعہ پر جیسے دل گواہی دیتا ہے ویسے کرتا ہوں (سختی یا نرمی) اس کا امتحان یہ ہے کہ اس کے برعکس کر کے دیکھ لو۔ بس معلوم ہو جائے گا کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے اس کو لوگ کہتے ہیں سختی ہے (پھر وہ صاحب خود اپنا علاج تجویز کر کے لائے جو عنقریب آتا ہے۔ حضرت نے ان کی تجویز کو پسند کر کے اس پر فرمایا)۔

صاحب علاج یہ ہے کہ خبیث مادہ نکالا جائے جس سے یہ گناہ ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ڈر نہیں خدا تعالیٰ کا دل میں جو ایسی باتیں لکھیں ورنہ ایسی بات کہیں نکل سکتی ہے قلم سے۔ میرٹھ میں بیٹھے بیٹھے چاہتے تھے کہ علاج ہو جائے یہ کیسے ممکن تھا اس لئے میں نے لکھا تھا کہ یہاں آؤ۔ پھر حاضرین سے فرمایا ان کی غیبت ہیں اب ان شاء اللہ التفات نہ ہوگا۔ دوسری طرف (یعنی لڑکے کی طرف) اس میں (سختی میں) ایک راز ہے وہ یہ کہ خدا کی محبت تو ہے عقلی اس کی ناراضی کی چنداں پروا نہیں ہوتی اور بندہ کی ناراضی ہے محسوس اگر نرمی کی جاتی تو یوں سمجھتے کہ خوب کام بنا ادھر تو وہ حظ (لڑکے کا) حاصل ہوا اور ادھر ناراضی بھی نہ ہوئی۔ اب میرے ناراض ہونے سے ان کو خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی دوسرے کی محبت اور میری رضا جمع نہیں کر سکتے اس کو چھوڑ دو یا اُس کو چھوڑو) جب تک ناراضی کا اظہار نہ کیا جائے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ گو دل میں نہ ہو میرے ناراضی۔ مگر یہ دکھانا ہے کہ دونوں رضا (رضائے محبوب مجازی اور ہماری رضا) مجتمع نہیں ہو سکتیں اگر ہم سے تعلق رکھنا ہے تو ایسے رہو جیسے ہم رکھیں (یعنی اس کو چھوڑ دو) اس کا سائنس یہ ہے کہ اجتماع نہیں ہو سکتا۔

بھائی اہل قلوب کی برابر کون سائنس داں ہوگا۔ وہ (حکماء) تو اجسام کے خواص جانتے

ہیں اور یہ (اہل قلوب) قلب کے خواص جانتے ہیں نفس کی اصلاح ٹھنڈے چولہے نہیں ہوتی جولوگ رائے دیتے ہیں کہ یوں ہونا چاہئے تو میں ان کے حوالہ کرتا ہوں وہ اصلاح کریں معلوم ہو جائے گی حقیقت بس مستی ہے۔ نفس کی شرارت ہے۔ مستی کا علاج جوتا ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ جوتا بڑی روشن دماغی پیدا کرنے والا ہے۔

اسی جلسہ میں حق کا اظہار ہونے لگتا ہے سب تاویلیں رخصت ہو جاتی ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو جاھد الکفار کیوں ہوتا۔ اللہ کی طرف سے شرارت کا علاج ہوتا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ لقطہ کے احکام بیان فرمارہے تھے ایک شخص نے پوچھا فضالۃ الابل چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا مالک ولہا معھا حذاء ھا وسقاء ھا الخ۔ حالانکہ اس نے تو مسئلہ پوچھا تھا بھلا آپ خفا کیوں ہوئے وجہ یہ تھی کہ وہ اتنی سی بات کو نہ سمجھا کہ ہر بات پوچھنے کی نہیں ہوا کرتی۔ اور غصہ کا نفع یہ ہوا کہ اگر آپ نرمی فرما دیتے کہ بھائی یوں ہے اس طرح اس کے ذہن نشین نہ ہوتا۔ ناراض ہونے سے یہ نفع ہوا کہ ذہن نشین ہو گیا۔ میں فعل پر کہ سہل ہے مواخذہ نہیں کیا کرتا۔ فعل کے منشاء پر مواخذہ کرتا ہوں اور وہ شدید ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان میں بیبا کی ہو گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی حدود پر قائم نہیں ہیں۔ وقعت نہیں احکام شرع کی ان کے قلب میں اگر یہی رہا تو آگے کیا ہوگا اس لئے ناراض ہوا۔

لوگ شکایت کرتے ہیں کہ کوئی بڑی بات تو نہ تھی (جو اتنے ناراض ہوئے) مگر ان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میں کس امر پر مواخذہ کرتا ہوں۔ مثلاً کسی نے سامان جمع کیا سلطنت کی مخالفت کا اور ابھی مخالفت نہیں کی تو سلطنت اس سے مواخذہ کرتی ہے وجہ کیا کہ وہ نیت کو دیکھتی ہے عزم تو ہے مخالفت کا گو ابھی مخالفت نہیں کی۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو اعتراض کرتے ہیں میری سختی پر وہ بجائے مجھ کو رائے دینے کے وہ میرے پاس آنے والوں کو رائے کیوں نہیں دیتے کہ تم کیسے بیوقوف ہو جو اس کے پاس جاتے ہو۔ میں کوئی بلاتا پھرتا ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ سے غلطی نہیں ہوتی۔ مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ جب نیت اچھی ہوتی ہے تو غلطی کم ہوتی ہے۔

چاہے مجھ سے قسم لے لو کہ میں انہیں (یعنی جن پر غصہ ہوتا ہے) اپنے سے زیادہ مقدس سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی طبیب بد پرہیز ہو۔ مگر جب اس سے کوئی رجوع کرے تو اس کو تو پرہیز ہی بتلانا چاہئے۔ خواہ خود نہ کرتا ہو۔ مریض کا یہ منصب نہیں کہ اس میں (طبیب میں) عیب نکالنے لگے کہ خود تو پرہیز کرتے نہیں اوروں کو بتلاتے ہیں۔ اسی طرح گو مجھ میں عیوب ہوں

مگر متعلمین کو مضر ہوگا میرے عیوب ظاہر کرنا۔ ایک صاحب مع چند مستورات کے یہاں آئے تھے مستورات نے ہمارے یہاں چند باتوں کی نکتہ چینی کی۔ میں نے کہا کہ جب تم اپنی اصلاح کی غرض سے یہاں آئی ہو تو تمہیں منصب نہیں یہاں اعتراض کا۔ ہاں اگر ہم تم سے اصلاح چاہیں تو تم ہمیں کہو ہم مانیں گے۔ جب تم اپنی اصلاح کو آئی ہو تو ہماری بد پرہیزی سے کیا بحث یہ تو ضد اضدی ٹھہری۔ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ میں تمہارا شیخ ہو تم میرے شیخ مجھ سے لوگ رجوع کرتے ہیں۔ اصلاح کیلئے اس واسطے ٹانگ اڑاتا ہوں ورنہ مجھے کیا غرض کسی سے کوئی رجوع نہ کرے میں کچھ بھی نہیں کہتا۔

کوئی داڑھی منڈا کر بیٹھے یا کسی طرح بیٹھے میں کچھ کہتا ہی نہیں۔ مگر بعض دفعہ خیال ہوتا ہے امر بالمعروف نہ کرنے پر کہیں تجھ سے مواخذہ نہ ہو باقی جب کوئی اپنے کو سپرد کردے تو ضرور کہوں گا۔ اس طریق کا سارا معاملہ صدق پر مبنی ہے۔ یہاں بھی آمیزش تکلف اور پالیسی کی ہو تو آگے کوئی صورت ہی نہیں یہ تو منتہی ہے اصلاح کا اس لئے صاف کہہ دیتا ہوں اس لئے کہ جو طالب ہیں ان کے بے راہ ہونے سے دل دکھتا ہے۔ باقی جو طالب بھی نہ ہو تو اتنا دل بھی نہیں دکھتا۔

اور صدق پر فرمایا کہ جب دونوں طرف سے صدق معاملہ ہوتا ہے تو پھر اس شخص پر بارش ہوتی ہے میزاب رحمت (یعنی شیخ) سے یہ شخص گو اس شخص سے افضل ہو۔ مگر پانی تو میزاب ہی سے ملے گا۔ اس لئے اس کو اعتراض کر کے مکدر نہ کرنا چاہئے اگر پانی صاف لینا چاہو تو پانی کو صاف رکھو گو کہ یہ آخذ افضل ہو مگر اس کے پاس آئیگا وہیں سے مثلاً بطخ کے انڈے مرغی کے نیچے رکھو تو بچے نکلتے ہی پانی میں تیرنے لگتے ہیں اور اماں جان (مرغی) کنارہ ہی پر ہیں پانی میں وہ نہیں تیر سکتیں۔ گو وہ اس سے بڑھے ہوئے نہیں۔ مگر یہ بات ان کو میسر ہوئی اماں جان ہی کی بدولت۔ اگر وہ آغوش میں نہ لیتی تو انڈے ہی گندے ہو جاتے اس لئے ہو سکتا ہے کہ مرید پیر سے افضل ہو۔ مگر محتاج اسی کا ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ سارے عالم سے افضل ہیں۔ مگر ظہور ناسوتی میں آپ کو بھی اپنے بڑوں کی حاجت تھی۔ اور ان کے حقوق کا آپ پر یہاں تک اثر ہے کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا لا تسبوا موا تنا فتو ذوا احیاء نا۔

اور میں اسی حدیث کی وجہ سے آپ کے آباؤ اجداد کے بارہ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ موٹی بات ہے کہ اگر حضور ﷺ کسی مجلس میں ہوں تو کسی کی ہمت ہے آپ کے روبرو کلام کرنے

کی۔ آپ کے اجداد کے بارہ میں (پھر حضرت نے ان صاحب کے بارہ میں حاضرین سے فرمایا)

اگر میں خود علاج تجویز کرتا تو اتنا فائدہ نہ ہوتا کیونکہ قدر نہ ہوتی خود سوچیں گے اپنا علاج اس میں محنت ہوگی تو قدر رہوگی۔ تو اس کی قدر رہوتی ہے پھر فرمایا حضرت والا نے تصوف سچا فلسفہ ہے جو عقل میں آتا ہے لوگوں نے اس کو ہاؤ بنا رکھا ہے (اور وہ صاحب جو خود علاج مطابق فرمودہ حضرت والا تجویز کر کے لائے تھے اور حضرت نے اس کو پسند فرمایا تھا وہ یہ ہے جس کو پھر اپنے لفظوں سے اس طرح فرمایا) کہ پانچوں نماز کے بعد لوگوں سے کہا کرو کہ دعا کریں کہ خدا نفس کی شرارت سے مجھ کو بچائے۔ تین ماہ تک یہ شغل رکھو نہیں معلوم جماعت میں کون خدا تعالیٰ کا مقبول بندہ ہو اور اس کی دعا قبول ہو جائے اور فرمایا ان سے ناراضی کا شبہ مت کرنا۔ اپنی اولاد سے کون ناراض ہوتا ہے اور جو کچھ ناراضی ہوتی ہے تو وہ اس لئے ہوتی ہے کہ اپنے دوستوں کو نہیں دیکھا جاتا ہے کہ بلا میں مبتلا ہوں اور جس موقعہ پر شبہ بھی ہو معصیت کا وہاں کھڑے بھی مت ہونا۔ جو کوئی رہزنی کرے اس کے پاس بھی مت کھڑے ہو۔ اتنے خوش اخلاق نہیں ہوا کرتے۔

امام محمد امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں آئے تو اول دفعہ تو نگاہ پڑی پھر آپ ان کو ستون کے پیچھے بٹھلا کر تعلیم کرتے تھے۔ اگر میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ ندامت ہے فعل پر تو میں اتنا غصہ نہیں کرتا۔ مجھے یہ برا معلوم ہوا کہ تم میں شریعت کا ادب نہیں نہ اللہ رسول کا ادب ہے۔ اس لئے میں نے کہا خوب سمجھ لو کہ ایک منٹ نفس سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

(پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا) خود تجویز نہ کرنے میں کتنا نفع ہوا۔ اور پھر میرا اس پر تصدیق کر دینا صرف میرے بتلا دینے سے کیا نفع ہوتا استاد کشتی لڑتا ہے کہیں ٹانگ توڑتا ہے کہیں ہاتھ موڑتا ہے کوئی کہے کہ یہ کیا کرتا ہے بات یہ ہے کہ وہ پہلوان بناتا ہے (اس کے بعد حضرت والا نے کمترین سے فرمایا) دعا کرانے میں عجب کا علاج ہے اس میں ان کا بڑا نفع ہے یوں سمجھیں گے میں خود کافی نہیں۔ میں اوروں کا محتاج ہوں۔ اور ہر قسم کے لوگ جماعت میں ہوتے ہیں۔ سمجھ گا کہ میں ادنیٰ ادنیٰ شخص کا محتاج ہوں یہ عمدہ تدبیر ہے عجب کی۔

چنانچہ ہر نماز کے بعد وہ صاحب بآواز بلند کہتے کہ صاحبو میرے لئے دعا کرنا کہ خدا تعالیٰ مجھ کو نفس کی شرارتوں سے محفوظ رکھیں۔ اور حضرت والا ذرا جہر سے آمین فرماتے اور دیگر حضرات بھی۔ فقط۔

ارشاد: اس حدیث کا ذکر تھا کہ **لایقص الا امیر اوماموراو مختال** یعنی وعظ یہ تین شخص

کہتے ہیں ایک امام یعنی حاکم کہ یہ اس کے ذمہ ہے یا ماموں کہ اس کو معین کیا ہوا امام نے یا مختال یعنی متکبر۔اس زمانہ کی حالت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ آجکل جو وعظ کہتے ہیں بظاہر ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں جس کو وعظ کہنا جائز ہو اس لئے کہ نہ تو کوئی امیر ہے نہ کوئی مامور ہے تو بس سب مختال ہی رہ گئے۔اس لئے کسی کو بھی وعظ کہنا درست نہ ہونا چاہئے اس کا جواب ایک تمہید پر موقوف ہے بڑے کام کی بات ہے۔قلب میں مضمون آیا ہے اس کے متعلق۔وہ مقدمہ یہ ہے کہ مامور کسے کہتے ہیں ماموراسے کہتے ہیں جسے امام نے اس کام کے واسطے مقرر کیا ہو۔

پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ امیر المومنین کی امارت مستفاد کہاں سے ہے ظاہر ہے کہ اس کی امارت عامہ مومنین سے مستفاد ہے جس کو عام مومنین تجویز کر دیں گے وہ حاکم ہو جائیگا تو اس کی حکومت مستفاد ہے عامہ مومنین سے اور جس کو عامہ مومنین حاکم مان لیں بس شریعت نے بھی اس کو ہی مانا ہے تو اصل یہ امر حکومت عامہ مومنین ہوئے اب امام جو کسی کو معین کرتا ہے تو وہ وکیل ہونے کی حیثیت سے مامور کرتا ہے۔تو جس کو امام نے مقرر کیا ہے تو واقع میں عامہ مومنین اس کو مامور بناتے ہیں لہذا ماموراسے بھی کہیں گے جو عامہ مومنین کی طرف سے ہو۔

اب عامہ مومنین کا اجتماع تو مشکل ہے اس لئے وہ لوگ ان کے قائم مقام ہوں گے جن کو عامہ مومنین سمجھیں گے کہ یہ ہمارے بڑے ہیں ان کو زبان حال سے مانتے ہوں گے خواہ ان کا دینی اثر ہو یا دنیاوی اثر وہ کون ہیں اتقیا داہل حل وعقد مال یہ نکلا کہ جسے یہ لوگ اجازت دیدیں وعظ کی وہ مامور میں داخل ہے۔اجازت کی صورت دو ہیں۔ایک یہ کہ وعظ کہنے والا ان سے اجازت طلب کرے۔اور وہ اجازت دیدیں۔دوسری جس سے دیندار لوگ استدعا کریں کہ یہ وعظ سنائے پس اہلیت والے واعظین سے مختال ہونے کو شبہ جاتا رہا۔

ایک وکیل صاحب نے حضرت کے پاس آکر داڑھی منڈانا بالکل چھوڑ دی

واقعہ : ایک وکیل صاحب کانپور میں حضرت والا کے پاس آکر چند یوم رہے تھے اور جہاں کے باشندے تھے وہاں حضرت کو لے بھی گئے تھے۔وعظ بھی ہوا تھا۔اور بہت سی مستورات بیعت بھی ہوئی تھیں۔وکیل صاحب داڑھی منڈاتے تھے مگر صلاحیت طبع میں بہت تھی۔علماء کے قدردان تھے۔حضرت سے انہوں نے میزان شروع کی تھی کانپور میں ان کا خط آیا کہ داڑھی منڈانی چھوڑ دی۔حضرت نے حاضرین سے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا۔

ارشاد: کیا خبر ہے بعض داڑھی منڈے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا قلب داڑھی والوں سے بہت اچھا ہے۔

حضرت کا معمول ہے کہ سوال کے جواب میں خود تشقیق کر کے جواب نہیں دیتے بلکہ سائل سے شق کو معین کراتے ہیں

واقعہ : ایک بڑے عہدیدار ہیں ان کا خط آیا کہ لڑکے کی ختنہ ہوئیں اس میں چمڑی کم کٹی ہے اگر پھر ضرورت ہو تو دوبارہ کرادی جائے۔ حضرت والا نے لکھا کہ چمڑی اتنی بھی کٹ گئی ہے کہ ہر وقت باہر سے وزن معلوم ہوتا ہے اور پیشاب اس میں نہ ٹھہرے یا ایسا نہیں ہوا یہ لکھئے۔ جامع کہتا ہے ایک صورت جواب کی یہ بھی تھی کہ حضرت یوں جواب دیتے کہ اگر ایسا ہو تو یوں مسئلہ ہے اور اگر ایسا ہے تو یہ حکم ہے۔ مگر حضرت والا نے اس طرح نہیں لکھا بلکہ انہی سے ایک شق کو معین کرایا۔ ایسے جواب کی بابت حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: میرا یہ معمول ہے کہ خود تشقیق نہیں کرتا۔ جہاں تشقیق ہوتی ہے اس سے (سائل سے) ہی پوچھتا ہوں تاکہ دونوں شقوں کا حکم دیکھ کر سائل مفید مدعا شق کا دعوی نہ کرنے لگے نیز بعض اوقات شقوق کا حکم باہم مختلط ہو جاتا ہے۔

واقعہ : بارہا حضرت والا نے جماعت میں صف سیدھی کرنے کو فرمایا۔ مگر کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ایک روز یوں فرمایا کہ کیا فائدہ ہے وظائف گھونٹے اور ضربیں لگانے سے۔ جب سنت کی وقعت نہیں انتہا یہ کہ اعلان لگایا گیا۔ اور موذن صاحب کو ارشاد فرمایا کہ تکبیر کہنے کے قبل اس کو پڑھ دیا کریں۔ پھر تکبیر کہا کریں چنانچہ پانچوں اوقات میں اعلان پڑھا جاتا۔ مدت تک یہی عمل رہا (تقریباً تین ماہ تک اس کا یہ فائدہ ہوا کہ صف موافق قاعدہ کے ہونے لگی۔

اعلان یہ تھا:

ضروری اعلان

۱۔ صف سیدھا کرنے کی اور خوب مل کر کھڑے ہونے کی حدیث میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ لہٰذا اس کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

۲۔ صف سیدھی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے پاس والے کے ٹخنے سے اپنے ٹخنے

کومقابل کرے یا بازو کو بازو سے مقابل کرے۔

۳۔ جو شخص عین امام کے پیچھے کھڑا ہے وہ صف میں اصل ہے اس کو دیکھ کر صف سیدھی کرنی چاہیے اس طرح سے کہ امام کی دائیں طرف والے تو اپنے اپنے بائیں طرف والوں کو دیکھ لیا کریں۔ اور بائیں طرف والے اپنے اپنے دائیں طرف والوں کو دیکھ لیا کریں۔ اسی طرح ہر صف میں۔ فقط۔

(حسب الارشاد حضرت مولانا اشرف علی صاحب نوشتہ شدہ)

جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ اگر میں اس قاعدہ کو دوسرے موقعوں پر بھی استعمال کیا جائے تو نہایت نافع ہے وہ یہ کہ جس امر شرعی کی طرف لوگوں کو توجہ کم ہو تو اس کو بار باران کے سامنے تکرار کیا جائے تو اس سے عمل کی خوب توفیق ہوگی۔ میرا مصمم ارادہ ہے کہ اپنے وطن میں اس کا انتظام کروں گا۔

واقعہ : ایک بی بی نے حضرت والا سے رجوع کیا اور پہلے وہ کسی بدعتی پیر سے بیعت تھیں حضرت نے ان کو لکھا کہ پہلے پیر سے اب عقیدت ہے یا نہیں اس پر انہوں نے لکھا کہ محبت تو ہے مگر عقیدت نہیں۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: محبت ہو عقیدت نہ ہو تو کیا حرج ہے کیا خرگوش وغیرہ سے محبت نہیں ہو جاتی۔ پیر کو اگر بصورت خرگوش سمجھیں تو کیا حرج ہے۔ تیتر یا بیٹر پال لیتے ہیں ان سے محبت ہوتی ہے عقیدت تو نہیں ہوتی۔ اگر بدعتی سے ایسا ہو تو کیا حرج ہے بیچاری نے سچی بات لکھ دی محبت تو ہے لیکن عقیدت نہیں ہے۔

بعض دفعہ اعتراض کرنے سے اور شہرت ہو جاتی ہے

واقعہ : ذکر اس کا تھا کہ جو لوگ حضرت کی مخالفت کر رہے ہیں بہشتی زیور وغیرہ پر اعتراض کر رہے ہیں اس سے تو اور بہشتی زیور کی اشاعت بڑھ گئی۔ اور حضرت والا کی اور شہرت ہو گئی ہے۔ حاضرین سے ایک صاحب یہ بات کہہ رہے تھے اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: روایات میں ہے کہ قبل ہجرت جب حضور ﷺ مکہ میں تشریف رکھتے تھے آپ سے بہت مخالفت بڑھی ہوئی تھی۔ کفار قریش حج میں اس وجہ سے کہ بہت لوگ آئیں گے کبھی کوئی پھنس نہ جائے یہ انتظام کرتے تھے کہ جتنے درے ہوتے تھے سب میں آدمی بٹھلا دیتے تھے۔ اعلان کے

لئے کہ حضور ﷺ کے اثر سے لوگوں کو بچائیں جتنے حجاج آتے تھے کثرت سے وہ تھے جو جانتے بھی نہ تھے حضور ﷺ کو۔ کیونکہ کوئی اشتہار نہ تھا مطبع نہ تھا۔ یہ مخالفین ان سے یوں کہتے کہ ایک شخص یہاں پیدا ہوئے ہیں ایسے ایسے ہیں ان سے بچنا لوگ نئی بات سن کر یوں کہتے کہ ان کو ضرور دیکھیں گے۔ اس طرح سے سینکڑوں آدمی ان مخالفوں نے مسلمان کردیئے حضور ﷺ جو کام کرنا چاہتے تھے وہ انہوں نے کردیا۔ اسی طرح جب میں بلند شہر گیا (پھر وہاں جانے کو جی نہ چاہا) مخالفین نے اعلان کردیا کہ ان کے وعظ میں کوئی نہ جائے وہ خدا تعالیٰ کو جھوٹا کہتے ہیں۔ مگر بہت لوگ آئے وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں کا خیال ہوا کہ ایسا شخص وعظ کیا کہے گا جو خدا کو جھوٹا کہتا ہے ایسے شخص کا وعظ تو ضرور سنا جائے۔ وعظ کے بعد جنہوں نے بہکایا تھا ان کو گالیاں دیتے ہوئے گئے۔

کتاب کا نام نرم رکھنا چاہئے چھیڑ چھاڑ کا نام اچھا نہیں

میں نے اپنی کتابوں کے نام نرم رکھے ہیں۔ چھیڑ چھاڑ کا نام اچھا نہیں نام نرم رکھنا چاہئے کتاب کا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ جس کتاب کو دیکھنا چاہو تو پہلے دیکھو کہ نام کیسا ہے اگر نام نامناسب ہے تو کتاب مت دیکھو۔ پھر تمہید دیکھو اگر تمہید اچھی نہ ہو تو پھر بھی اس کو چھوڑ دو سخت نام رکھنے میں شریعت پر خشونت کا حرف آتا ہے۔ حالانکہ شریعت بڑی شفقت و رحمت کی چیز ہے۔ جیسے بعض کتابوں کے نام ہیں۔ "شریعت کا لٹھ۔ شریعت کا آرہ۔

واقعہ: حضرت نے ایک صاحب کو بعض باتیں ایک کتاب میں اضافہ کرنے کو بتلائی تھیں۔ انہوں نے اس وقت درج نہیں کیں۔ بہت عرصہ کے بعد شاید ان کے دوبارہ پوچھنے پر ان سے فرمایا کہ میں نے تو ہدایات شروع ہی میں بتلادی تھیں تمہیں یاد نہیں رہا۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: کثیر المشاغل شخص کو ضرورت ہے کہ اس کے پاس یادداشت کیلئے کوئی کتاب ہونی چاہئے۔ میں تو راتوں کو لالٹین روشن کرکے لکھتا ہوں میری جیب میں کتاب اور پنسل پڑی رہتی ہے۔ جہاں کوئی بات یاد آئی اور لکھ لیا پھر لیٹ گیا پھر یاد آئی پھر اٹھ کر لکھ لیا اس سے کام میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ بعض روز اٹھا بیٹھی میں نیند بھی نہیں آتی اسی میں رہتا ہوں۔

آجکل کے مناظرے بے نتیجہ ہیں

ارشاد: آجکل کے مناظرے بے نتیجہ ہیں۔ ایک دفعہ آریوں نے مسلمانوں پر اعتراض کیا اور مسئلہ تقدیر کا چھیڑا۔ اعتراض تو صاف تھا عام فہم اور جواب اس کا تھا دقیق وہ عوام کی سمجھ میں نہ آیا

بہت سے مسلمان شبہ میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ علماء سے جواب ہی نہ بن پڑا آج کل کے مناظروں کی یہ حالت ہے جیسے اکھاڑوں کی کشتی اس نے چت کیا اس نے پٹ کیا تحقیق منظور نہیں اسی واسطے اہل تحقیق آجکل کے مناظرات سے نفور ہیں۔

مدرسین مدارس جو تنخواہ پاتے ہیں تو ان کو دینی تعلیم پر اجر ملے گا یا نہیں

واقعہ : ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ جو مدرسین مدارس عربیہ میں معین کئے جاتے ہیں اور ان سے معاملہ ہوتا ہے تو یہ عقد اجارہ ہے اس صورت میں ثواب سے محروم ہوں گے کیونکہ انہوں نے اپنے کام کا عوض پالیا اس کے متعلق حضرت نے تحقیق فرمائی ہے۔

ارشاد: صورتاً تو ضرور عقد اجارہ ہے مگر اس میں ایک تفصیل ہے جس کا ایک معیار ہے وہ یہ کہ دیکھنا چاہئے کہ اگر اس شخص کا گزر ہوتا ہو اوسط درجہ کا اور باوجود گزر اور راحت حاصل ہونے کے پھر کہیں سے پانچ دس روپیہ اضافہ کی نوکری آجائے تو اس پر یہ جاتا ہے یا نہیں۔ اگر چلا جائے تو عقد اجارہ ہے۔

(بلکہ خادم دین ہے تنخواہ بضرورت اور تبعاً لیتا ہے) یہ رزق قاضی کے طور پر ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس میں تو تعین نہیں ہوتا۔ اور یہاں تعین ہے تو اس کی بابت یہ ہے کہ یہاں تعین رفع نزاع کی غرض سے ہے عقد کا جزو نہیں ہے قطع نزاع کے لئے تعین کیا ہے ورنہ تعین نہ ہوتا۔ اب دیکھ لو اس معیار پر سو مدرسوں میں ایک ہوگا جو ثواب کا مستحق ہوگا۔

مجھ کو کانپور میں پچاس روپے ملتے تھے آگرہ سے خط آیا سو روپے کا میں نے لکھا ہے مجھے پچاس ملتے ہیں میرا گزارہ ہو جاتا ہے مجھے بلانا مناسب نہیں اور یہ بھی لکھ دیا کہ اگر میں چلا آؤں تو تمہیں میرا اعتبار بھی نہ ہونا چاہئے کیونکہ جب میں سو پر آ گیا تو اگر کہیں ایک سو پچاس ملنے لگیں تو میں وہاں چلا جاؤں گا۔ میں نے لکھ دیا کہ کسی کو نوکری چھوڑا کر بلانا مناسب نہیں۔

بیعت ہو کر اصلاح نہ کرے تو برکت بیعت کی حاصل ہو گی یا نہیں

واقعہ : ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر کوئی بیعت ہو جائے اور اصلاح نہ کرے تو اس کو برکت حاصل ہو گی بیعت کی یا نہیں۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: برکت اس جگہ ہو جائے گی کہ شیخ کو اس سے انقباض نہ ہو اور اس کو (یعنی مرید کو) محبت ہو جائے بیعت کا خاصہ ہے کہ اس سے بیعت کرنے والے کو محبت ہو جاتی ہے۔ پس اگر اس کی

محبت بڑھ گئی اور ادھر انقباض نہ ہو تو برکت حاصل ہوگی اگر شیخ کو انقباض ہو تو بیعت نہ ہونے کے اعتبار سے یہ زیادہ مضر ہوگا۔ اس سے ضرر پہنچے گا فقط۔

لوگ مشکل تدابیر کی دقعت کرتے ہیں سہل کی نہیں

واقعہ : ایک صاحب کے خطوط آتے تھے اور حضرت تحریر فرمادیتے تھے کہ تربیت السالک دیکھو پھر خط آیا۔ حضرت یہی تحریر فرمادیتے۔ ایک عرصہ کے بعد خط آیا کہ تربیت السالک کے دیکھنے سے نہایت نفع ہوا۔ اور لکھا تھا کہ یوں جی چاہتا ہے کہ آپ پر جان و مال فدا کردوں پہلے انہوں نے سراج السالکین وغیرہ دیکھی تھیں۔ اس پر فرمایا حضرت نے۔

ارشاد: لوگ مشکل تدابیر کی دقعت کرتے ہیں سہل تدبیر بتلائی جاتی ہے تو اس کو نہیں کرتے بڑی بڑی کتابیں دیکھتے ہیں اور ان کے مناسب نہیں ہوتی جیسے سراج السالکین وغیرہ۔ ہر زمانہ کی حالت جدا ہوتی ہے۔ جدا علاج ہوتا ہے۔ ان کتابوں کے (تربیۃ السالک وغیرہ) دیکھنے کے بعد وہ کتابیں (سراج السالکین وغیرہ) نافع ہوتی ہیں ابتداً نافع نہیں ہوتیں اور فرمایا کہ مواعظ کے دیکھنے سے کام کی حرکت ہوتی ہے اور کام کا طریقہ تربیت السالک سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر لوگ نادانی سے متوقع وظیفوں کے رہتے ہیں کہ کوئی وظیفہ بتلادو۔ فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ کفار کو کسی عمل سے نفع نہیں ہوتا اس پر فرمایا۔

کبر پر وہ جزا مرتب نہیں جو کفر پر ہے حالانکہ کبر کفر کی ہی اصل ہے

ارشاد: مطلب یہ ہے کہ آخرت میں نفع نہیں ہوتا۔ دنیا میں تو نفع ہوتا ہے (پھر ان صاحب نے عرض کیا کہ کفر پر جو جزا مرتب ہے یعنی خلود فی النار وہ کبر پر کیوں مرتب نہیں حالانکہ وہ کفر کی بھی جڑ ہے۔ اس پر فرمایا۔ شاخ کے جو آثار ہیں وہ شاخ کے ساتھ خاص ہیں۔ بعض چیزوں کی جڑ اتنی خطرناک نہیں ہوتی جتنی کہ شاخ ہوتی ہے چنانچہ دواؤں میں دیکھئے جڑ کے اور آثار ہیں اور شاخ کے اور باقی جڑ کا استیصال اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ یہ شاخ اس سے پیدا نہ ہو۔

واقعہ : ایک صاحب کے لئے حضرت نے سکوت کا چلہ تجویز فرمایا چنانچہ وہ صاحب چالیس روز کی رخصت لیکر خانقاہ امدادیہ میں مقیم ہوئے اور چلہ شروع کیا کسی سے ذرا سا کلام بھی نہ فرماتے تھے اگر کوئی ناواقف ان کو مخاطب بنانا چاہتا بھی تو ایک پرچہ کاغذ کا ان کے پاس تھا اس کو دکھادیتے بس وہ شخص سمجھ جاتا اور پھر ان سے کلام نہ کرتا۔ ایک روز ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ

اس سکوت میں صوم سکوت سے مشابہت نہ ہوگی۔ اور صوم سکوت سے ممانعت آئی ہے اس لئے کیا یہ ممنوع نہ ہوگا۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: ایسی تو مشابہت ہر سکوت میں ہے جتنی دیر تک بھی سکوت کرے اور صوم سے تو تعبد مقصود ہوتا ہے یہاں تعبد کہاں ہے پہلے شرائع میں نہ بولنا عبادت مقصودہ تھا۔ چنانچہ کلام اللہ میں ہے۔

انی نذرت للرحمن صوماً فلن اکلم الیوم انسیا.

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح پر قادر نہ ہو تو نکاح اس کا نہ کریں۔ اب کوئی کہنے لگے کہ اس میں تو مشابہت ہے رہبانیت کے ساتھ تو یہ کہا جائیگا کہ یہ تو ایک عارض کی وجہ سے ہے نکاح نہ کرنا مقصود تھوڑا ہی ہے۔ اسی طرح سکوت تعبد ہونے کی حیثیت سے منع ہے۔ جیسا پہلے سکوت تعبد ہونے کی حیثیت سے منع ہے۔ جیسا پہلے سکوت تعبد تھا۔ اس لئے اس پر ثواب بھی ملتا تھا اب ثواب نہ ملے گا۔ اور مقصود اس سکوت سے خطاب عن الخلوق کی تقلیل ہے نہ مطلق خطاب چنانچہ تحریراً بقدر ضرورت اجازت ہے اور یہ تو معالجہ ہے آخر بزرگوں نے اسی معالجہ کے طور پر ترک لذات کیا ہے۔ ہاں تعبداً وہ بھی بدعت ہے اور بزرگوں نے جو ترک لذات کیا ہے وہ تعبداً نہیں کیا۔ اب تو لوگ لذات ہی کو تعبد سمجھتے ہیں۔ اور بڑا ہی عظیم الشان خیال کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے اس درمیان میں عرض کیا کہ امام غزالیؒ نے ترک لذات کے منافع بہت لکھے ہیں اس پر فرمایا۔ یہ تو نہیں لکھا کہ عبادت ہے۔ ہاں منافع اس کے واقعی بہت ہیں بشرطیکہ کوئی مقتضی اس کے معارض کا نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی آدمی ضعیف القویٰ ہو تو اس کے لئے ترک لذات نافع نہ ہوگا۔ بلکہ مضر ہوگا اس کو کہا جائیگا کہ خوب کھائے پیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ضعیف القویٰ ہو کہ اگر وہ ترک لذات کرے تو انجام یہ ہوگا کہ ضعیف ہو کر کام سے بھی بیٹھ رہے اس کو اجازت نہیں ترک لذات کی چنانچہ اس زمانہ میں اکثر کی ایسی ہی حالت ہے کر کے دیکھ لیجئے کہ کیا حال ہوتا ہے فقط۔

حضرت میں ہر امر میں انتظامی مادہ عجیب ہے۔

واقعہ: کچھ مکتوبات حضرت مولانا محمد صاحبؒ کے حضرت کو نیا نگر ضلع اجمیر سے دستیاب ہوئے تھے وہ مجھ کو حضرت نے اجرت پر نقل کے لئے دیئے نقل ہو جانے پر حضرت نے اصل مالک

کو وہ مکتوبات ڈاک میں واپس کرنا چاہے اور لفافہ میں بند کر کے منتظم مدرسہ مجلس خیر کے پاس بھیجے اور چونکہ ان کا بوجہ کاروبار شادی کے فرصت نہیں تھی اس لئے حضرت نے مکتوبات کے ساتھ ان کو رقعہ لکھ دیا کہ آپ مولوی یوسف کو دیں کہ وہ اپنے پاس سے رجسٹری کا محصول دیکر ان کو ڈاک میں روانہ کریں۔ جب مجلس سے اجرت نقل کا حساب ہوگا۔ تو یہ خرچ محصول کا بھی ان کو مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور وہ خطوط میں نے اپنے پاس سے محصول دیکر روانہ کر دیئے اس پر حضرت والا نے مجھ سے فرمایا کہ جانتے ہو میں اتنا لوٹ پھیر کیوں کیا۔ سیدی بات تو یہ تھی کہ میں آپ کو دیدیتا کہ ان کو محصول دیکر روانہ کر دو منتظم مجلس کو درمیان میں کیوں ڈالا وجہ یہ ہے۔

ارشاد: اگر ایسا کرتا تو اس کا حساب کرنا میرے ذمہ رہتا۔ اب میں بے فکر ہو گیا یوں تو ذرا سی بات ہے مگر اس میں کتنا بڑا فائدہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام کا طریقہ ہے۔ اب آپ کے ذمہ لینا اور ان کے (یعنی منتظم مجلس کے) ذمہ دینا۔ میں الگ ہو گیا۔ تم جانو اور وہ جانیں۔ اور آدمی میں یہ بات جب پیدا ہوتی ہے کہ اس کو تعلقات سے نفرت ہو اور اگر نفرت نہ ہو تعلقات سے تو یہ سمجھے گا کہ جہاں اتنا پھنسے ہوئے ہیں اور بھی پھنس گئے تو کیا ہے میرے اس عمل کو نادان آدمی گدی کی طرف ہاتھ لا کر ناک پکڑنے کے ساتھ تشبیہ دیگا کہ یوں کیوں ناک پکڑی سیدھی کیوں نہ پکڑی۔ اور یوں کہے گا کہ سیدھی بات یہ تھی کہ مولوی یوسف سے خود کہہ دیتے منتظم مدرسہ کو درمیان میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک شخص نے میرے سارے افعال کا خلاصہ نکالا تھا کہ ان کی ساری باتوں میں انگریزوں کا سا انتظام ہے میں کہتا ہوں کہ مسلمان کو تو منتظم ہونا ہی چاہئے جس کی نظر قرآن وحدیث پر ہے وہ منتظم ہو ہی گا اہل یورپ نے خود مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے۔ (چنانچہ وہ خود بھی اس کے مقر ہیں)۔

لوگوں کے بزرگوں کو نذرانہ دینے میں فاسد اعتقادات

ارشاد: ایک تاجر ہیں گھوڑوں کے انہوں نے میری طرف بہت اعتقاد ظاہر کر کے لکھا کہ میں کچھ بھیجنا چاہتا ہوں مگر آپ کا معمول ہے کہ اول ملاقات میں آپ لیتے نہیں ہیں۔ لیکن میں نے نہایت اعتقاد اور خلوص سے بھیجا ہے لے لیجئے برکت ہوگی۔ میں نے انکار لکھ دیا آج ان کا خط آیا ہے۔ ان کا بہت خسارہ ہو گیا۔ (یعنی تجارت میں نقصان ہو گیا) خدا کا شکر ہے کہ میں نے نذر نہ لی تھی ورنہ خیال کرتے کہ چڑھاوا بھی چڑھایا۔ اور کچھ نفع بھی نہ ہوا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا

ہے کہ بعضے لوگ جو بزرگوں کو دیتے ہیں تو بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ نذر دینے سے برکت ہوگی اور نذر دینے کو اس میں دخل ہے (پھر حضرت نے فرمایا) میرا دل کھٹک جاتا ہے نامناسب امور سے یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

بس ایسے لوگ اس لئے دیتے ہیں کہ دنیا کے خسارہ سے بچ جائیں اور دینے کو دخیل سمجھتے ہیں خسارہ سے بچنے میں۔ یہ اعتقاد فاسد ہے۔ اسی طرح یہاں کے لوگ جو اول پھل کھیت میں پیدا ہوتا ہے۔ میرے پاس بطور نذر لاتے ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا لینے کو مگر دل شکنی کے خیال سے لے لیتا ہوں وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اعتقاد یہ ہو گیا ہے کہ وہ اس کا دخل سمجھتے ہیں برکت میں کہ اس سے پیداوار خوب ہوگی۔ فقط۔

واقعہ : حضرت والا دہلی مولوی عبدالرب صاحب کے مدرسہ میں بلائے گئے تھے وہاں وعظ ہوا تھا۔ میرے یہاں چونکہ بیماری بہت تھی اس لئے وعظ لکھنے کیلئے ہمراہ نہ جا سکا۔ دہلی میں کوئی وعظ لکھنے والا نہ تھا وعظ ہو گیا۔ وہاں سے واپس ہو کر مولوی ظفر احمد صاحب سے کسی موقعہ پر حضرت نے اس وعظ کا ایک مضمون نقل فرمایا تھا اور وہ انہوں نے ضبط کر کے حضرت والا کو دیدیا حضرت والا نے مجھ کو دیا اور فرمایا کہ اس کو ملفوظات میں درج کر لینا۔ چنانچہ ذیل میں درج کر دیا ہے۔

ملفوظ ضبط کردہ مولوی ظفر احمد صاحب

(۱۷ شعبان ۱۳۳۷ھ) فرمایا اس مرتبہ دہلی میں جو وعظ ہوا اس میں بعض مضامین بہت عجیب تھے مگر افسوس کہ لکھنے والا کوئی نہ تھا اس آیت کا وعظ تھا **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** میں نے بیان کیا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں ایک ایسا قانون بیان فرمایا ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کی غایت رحمت معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر تم کو (کوئی بات) معلوم نہ ہو تو اہل ذکر سے دریافت کر لیا کرو۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس میں کیا رحمت ہوئی جو بات معلوم نہ ہوگی وہ تو جاننے والوں سے دریافت ہی کی جائے گی۔ بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقدمہ اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر کسی کو کوئی بات معلوم نہ ہو اور وہ کسی عالم سے دریافت کرے اور عالم غلط مسئلہ بتلائے تو نہ جاننے والے سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے :

من افتی بغیر علم فاثمه علی من افتاه

اب غور کیجئے کہ دنیا میں کسی سلطنت کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اگر کسی کو قانون نہ معلوم ہو۔

اور وہ کسی وکیل سے قانون دریافت کرے اور وہ غلط بتلادے تو اس جاہل کو معذور سمجھا جائے اور وکیل سے مواخذہ کیا جائے بلکہ تمام سلاطین رعایا کو اس کا مکلف کرتے ہیں صحیح قانون دریافت کر کے اس پر عمل کریں اگر دریافت کیا اور اس کو غلط قانون بتلایا گیا تو کوئی اس کو معذور نہیں سمجھتا۔

مگر حق تعالیٰ کی یہ غایت رحمت ہے کہ جاہلوں کو صحیح قانون معلوم کرنے کا مکلف نہیں بنایا بلکہ ان کے ذمہ صرف ایسے شخص سے دریافت کرنا ضروری ہے جس کو اس کا اہل سمجھا پھر دریافت کرنے کے بعد اگر ان کو غلط مسئلہ بتلایا جائے تو اس کا مواخذہ غلط بتلانے والے سے ہوگا۔ بتلائیے کہ اگر قیامت میں یہ سوال کیا جائے کہ تم نے فلاں کام خلاف شرع کیوں کیا اور وہاں یہ جواب دیا جائے کہ ہم نے فلاں عالم سے دریافت کیا تھا اس نے یہی بتلایا تھا اس پر کہا جائے کہ اس نے غلط بتلایا تم کو پوری تحقیق کرنی ضروری تھی تو کیا حال ہوتا۔ اب یہ کس قدر رحمت ہے کہ تحقیق کامل کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ صرف دریافت کرنے کا مکلف بنایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنا نہایت سہل ہے اگر کسی کو تحقیق نہ ہو تو کسی محقق سے دریافت کر لے بس یہ بری الذمہ ہو گیا۔ بتلائیے کہ یہ غایت رحمت ہے یا نہیں۔ اس کے بعد بمناسبت وقت کچھ رمضان کا ذکر کیا گیا تھا۔ گو اس کو آیت سے ربط نہ تھا مگر وقت سے ارتباط تھا۔ کیونکہ رمضان کا زمانہ قریب تھا اور وہ مضمون یہ تھا کہ شعبان کا مہینہ احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مقدمہ ہے۔ شعبان کا اول حصہ بھی رمضان کا مقدمہ ہے اور وسط بھی اور آخیر بھی۔

اول حصہ شعبان کا رمضان کیلئے مقدمہ ہونا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں ہے۔ احصوا ھلال شعبان لرمضان یعنی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان کے چاند کا اہتمام شعبان کے چاند کی تحقیق سے شروع کرو تو شعبان کا شروع حصہ رمضان کے لئے مقدمہ ہو گیا وسط شعبان اس لئے مقدمہ رمضان ہے کہ وسط شعبان میں ۱۵ تاریخ کا روزہ مسنون ہے اور اسی رات قیام اللیل بھی مسنون ہے۔ اس میں بڑی حکمت یہ ہے کہ چونکہ رمضان کے متصل ہے دونوں ایک ہی موسم میں آئے ہیں تو وسط شعبان میں ایک روزہ رکھ لینے سے اور ایک رات قیام کر لینے سے روزہ کی اور تراویح کی سہولت کا اندازہ ہو جائیگا۔ ایک روزہ ہے کچھ دشوار بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس ایک روزہ کی اور رات کے قیام کے پورا ہو جانے کے بعد ہمت بندھ جائے گی کہ بس رمضان کے روزے بھی اور تراویح بھی ایسے ہی ہوں گے۔ جیسا یہ روزہ تھا تو اس سے بہت ہمت بڑھ جائے گی اخیر شعبان کا رمضان کیلئے مقدمہ ہونا اس سے ثابت ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے اذا

انتصف شعبان فلاصوم الاعن رمضان کہ جب شعبان آدھا گزر جائے تو رمضان کے سوا دوسرا کسی قسم کا روزہ نہ رکھا جائے شاید کوئی کہے کہ روزہ نہ رکھنا رمضان کے روزہ کیلئے مقدمہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو مجاہدات شروع فرمائے ہیں ان میں دو باتوں کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک ہمت کا دوسرے قوت کا۔ اور یہ بات صرف حضور ﷺ ہی کی تعلیم میں پائی جاتی ہے۔ دیگر حکماء یا محض ہمت بڑھاتے رہتے ہیں جس سے قوت میں خلل پڑ جاتا ہے یا محض قوت کی رعایت کرتے ہیں جس سے ہمت پست ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ہمت اور قوت دونوں کا لحاظ فرمایا ہے۔ ہمت بڑھانے کا لحاظ تو اس طرح فرمایا کہ وسط شعبان میں روزہ مسنون فرمایا۔ اور قوت کا لحاظ اس طرح فرمایا کہ نصف شعبان کے بعد روزہ منع فرما دیا تا کہ رمضان کے لئے قوت محفوظ رہے اور رمضان کیلئے نشاط پیدا ہو جائے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ مشائخ کے لئے حاصل ہوا کہ وہ اپنے مریدین کی تعلیم میں ہمت اور قوت دونوں کا لحاظ کریں یہ بات میرے ذہن میں پہلے نہ آئی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس وعظ میں یہ علم عظیم عطا فرمایا۔ اس کے تحت میں پھر بہت سی جزئیات نکل سکتی ہیں۔ (والحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً) فقط۔

(ملفوظات مولوی ظفر احمد صاحب ختم ہوئے)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ میں موسیٰ کی طرف وعدہ خلافی کا شبہ ہوتا ہے

واقعہ: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا ذکر تھا اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ موسیٰ نے وعدہ خلافی کی یعنی حضرت خضر سے کہا تو یہ تھا کہ میں کسی امر میں آپ کے خلاف نہ کروں گا مگر پھر انہوں نے اعتراض کیا ان کے فعل پر۔

ارشاد: وعدہ خلافی اسے کہتے ہیں کہ قصداً کرے ان کے پاس عذر تھا انہوں نے خود بیان کر دیا۔ چنانچہ کلام اللہ میں ہے۔ **لا تواخذنی بمانسیت** اور موسیٰ کو خضر کا فعل دیکھ کر جوش ہوتا تھا کہ انہوں نے خلاف شرع کام کیا۔ اس جوش میں کہہ دیتے تھے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں اس قصہ سے کہ جائز نہیں ہے۔ اپنے مصلح کا روک ٹوک کرنا۔ چنانچہ دیکھو کہ موسیٰ نے روک ٹوک کی تو خضر علیہ السلام نے کیا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ روک ٹوک کرنا جائز نہیں۔

جواب یہ ہے کہ موسیٰ کو وحی سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ ہمارا ایک بندہ ہے جس کو ہم

نے خاص علم دیا ہے تو خضر کے افعال کا صواب ہونا نص قطعی سے معلوم ہو گیا تھا۔ اس لئے روک ٹوک نہ کرنا جائز تھا۔ دوسرے مربی کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وحی قطعی سے ان کے افعال کا صواب ہونا معلوم نہیں اس لئے ان کے افعال پر روک ٹوک ضروری ہے البتہ طریقہ اس کا یہ ہے کہ جیسے اپنے باپ کو نصیحت کرے ادب سے بے ادبی نہ کرے یہ صورت ہونی چاہئے دیکھئے آذر کافر تھے ابراہیم علیہ السلام نے احتساب کیا مگر کیسے نرم الفاظ میں "یا ابت یا ابت" بار بار کہنے کی ضرورت کیا تھی۔ ضابطہ کا کلام یہ تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ لوگوں نے اسی آیت سے نکالا ہے کہ ماں باپ کا ادب کرنا چاہئے چاہے وہ کافر ہوں ایسے ہی شیخ کا ادب ہونا چاہئے فقط۔

واقعہ : حضرت والا مسجد میں سے ظہر موافق عادت سہ دری میں تشریف لائے ایک نو وارد صاحب پنکھا کھینچ رہے تھے انہوں نے ہاتھ کو نہ روکا حتی کہ پنکھا حضرت والا کے سر میں لگنے سے بچ گیا اور ان سے کہا کہ چھوڑ دو۔ پھر اسکے بعد فرمایا۔

حضرت نئے آدمی سے خدمت نہیں لیتے

ارشاد: نئے آدمی کو ہرگز کوئی خدمت نہ کرنی چاہئے۔ ابھی میرے سر پر پنکھا لگنے سے بچ گیا۔ (پھر حاضرین سے فرمایا) تجربہ سے معلوم ہوا کہ زیادہ تربیت خدمت میں یہ ہوتی ہے کہ میں مقرب ہو جاؤں۔ میں اس کو رشوت طریقت کی سمجھتا ہوں میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔

پھر حاضرین سے فرمایا کہ اگر ایسی باتیں اور لوگ (جو یہاں کی حالت سے واقف ہیں) نئے آنے والوں کو بتلا دیا کریں تو اچھا ہو۔ اور بتلائیں نرمی سے میں اکیلا ساری باتیں کہاں تک بتلاؤں فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا حضرت والا سے کہ آپ نے کل وعظ میں بیان کیا تھا کہ کل یوم شک کے دن روزہ خواص کو جائز ہے عوام کو یا جائز ہے تو اگر وہ (عوام) خواص سے پوچھیں کہ تمہارا روزہ ہے تو کیا انکار کر دیں اس پر فرمایا کہ ہاں انکار کر دیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا یہ جھوٹ نہ ہوگا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

کذب لعینہ قبیح نہیں

ارشاد: یہ تو ان ہی کے نفع کے واسطے جھوٹ ہے کہ ان کا دین محفوظ رہے جھوٹ لعینہ قبیح نہیں ہے بوجہ اضرار قبیح ہے۔ اور جب کسی کا اضرار نہ ہو بلکہ فائدہ ہو تو قبیح تھوڑا ہی ہے۔ اسی وجہ سے

بعض کذب واجب میں مثلاً اگر کوئی مظلوم کسی کے پاس چھپ جائے اور ظالم پوچھے کہ فلاں شخص تمہارے پاس ہے اور وہ کہہ دے کہ نہیں ہے تو کچھ برا نہیں ہے۔ بلکہ واجب ہے جھوٹ بول دینا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جھوٹ قبیح لعینہ نہیں ہے اگر قبیح لعینہ ہوتا تو اس صورت میں کیسے جائز ہو گیا ورنہ جمع لازم آئیگا قبیح لعینہ اور جواز میں فقط۔

مسائل فقیہہ پوچھنے سے حضرت کی طبیعت رکتی ہے

واقعہ : لوگ حضرت والا سے مسائل فقیہہ پوچھ رہے تھے اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: اب مسائل فقیہہ میں طبیعت نہیں چلتی۔ پہلے کسی وقت میں تو چلتی تھی اس لئے میرا جی مسائل فقیہہ بتلانے کو نہیں چاہتا مناسب یہ ہے کہ اہل علم کتابوں میں خود دیکھ لیں۔ اور جو خود نہ دیکھ سکیں تو دوسری جگہ دریافت کر لیا کریں۔ عوارف میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ سے جو فقہی مسائل پوچھے جاتے ہیں وہ دوسروں پر حوالہ کر دیتے تھے۔ ان کے نام بھی لکھے ہیں وجہ یہ ہے کہ توجہ ایک ہی طرف ہو سکتی ہے دو طرف نہیں ہو سکتی ہے۔ میرے پاس استفتٰی کثرت سے آتے ہیں۔ باستثناء بعض اکثر کے جواب میں یہ لکھ دیتا ہوں کہ دیوبند سے دریافت کر لو۔ جب طبیعت نہ چلے اور تدبر نہ ہو تو غلطی کا احتمال ہوتے ہوئے جواب نہ دینا چاہئے۔ (اس کے بعد فرمایا) کہ مجھ سے وہ بات پوچھنی چاہئے جس کے جواب ملنے کی دوسری جگہ کم امید ہو (یعنی تربیت باطن کے متعلق)۔

مرید کو شیخ سے خط و کتابت چاہیئے

واقعہ: بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ حضرت کے یہاں سے جاتے ہیں۔ اور مدت دراز گزر جاتی ہے کہ خط تک نہیں بھیجتے۔ بعض کو چھ چھ سال بیعت ہوئے گزر گئے مگر ایک خط بھی نہیں بھیجا۔ حضرت کو اس کی شکایت ہوتی ہے۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: یہاں سے جا کر فوراً خط نہیں بھیجتے۔ مدت گزر جاتی ہے میں ان کو بھول جاتا ہوں چنانچہ یہ خط اسی قسم کا ہے (حضرت نے ایک خط حاضرین کے سامنے کیا) بعض باتیں مشورہ کی پوچھی ہیں وہ باتیں ہیں دین ہی کے متعلق۔ مگر میں نے لکھا ہے کہ نہ مجھے تمہاری پوری حالت یاد اور نہ صورت یاد۔ اور ان مشوروں میں پوری حالت معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں نے تمہارا جواب نہیں بھیجا۔ پورا پتہ لکھئے کہ جس سے آپ یاد آجائیں۔ میں اس لئے جاتے وقت تاکید کر دیتا ہوں کہ جلد جلد خط بھیجیں لوگ رہتے ہیں اس بھروسہ پر کہ مجھ کو یاد ہو گا۔ مگر کہاں تک

یادرکھوں یہ چاہئے کہ جانے کے بعد ہفتہ میں دو خط بھیجیں۔ جب خوب شناخت ہوجائے تو پھراس قدر ضرورت نہیں (اس کے بعد حاضرین سے فرمایا) بھلا مجھے ایک ہی کام ہے کہ میں ان ہی کو یاد رکھوں۔ اول تو حافظہ قوی نہیں اوراگر قوی بھی ہوتا تو کثرت مشاغل میں کہاں تک یاد رہے اور جگہ سے تو اتنا اس خط کا جواب بھی نہ جاتا جتنا میں نے لکھا ہے اور لوگ بیچ میں لٹکائے رکھتے ہیں میں بات کوایک طرف تو کردیتا ہوں فقط۔

آنے سے پہلے شیخ کے پاس خط بھیجنا چاہئے

واقعہ : ایک صاحب دور سے سفر کرکے بارادہ بیعت حضرت والا کی خدمت میں آئے اور رمضان شریف کا زمانہ تھا بیعت کرنے کے لئے پرچہ پیش کیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: اگر آنے سے پہلے بذریعہ خط کے دریافت کرلیتے تو اچھا تھا۔ ناحق صرف ہوا۔ خود پریشان ہوئے۔ میں بیعت تو فوراً اور دنوں میں بھی نہیں کرتا۔ ہاں طریقہ کام کا بتلا دیتا ہوں اور رمضان شریف میں بیعت تو کیا کرتا طریقہ بھی نہیں بتلاتا ہوں۔ ہاں اس وقت آپ سے ایک بات کہتا ہوں گو کہنے کی عادت نہیں مگر چونکہ آپ دور سے آئے ہیں اس لئے کہتا ہوں وہ یہ کہ دو چار دن یہاں رہو۔ اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے (پھران سے فرمایا) میں تو رمضان شریف میں یہ دونوں باتیں نہیں کرتا۔ (نہ طریقہ بتلاتا ہوں نہ مرید کرتا ہوں) باقی یہاں اور لوگ ہیں جنہیں اجازت ہے طریقہ بتلانے کی میں ان کے نام بتلائے دیتا ہوں اگر آپ چاہیں تو وہ طریقہ بتلادیں گے (پھر حاضرین سے فرمایا) میرے جتنے معمولات ہیں بعد تجربہ کے ہوئے ہیں جیسے جیسے تجربہ ہوتا گیا ویسے معمول مقرر کرتا گیا۔ مغرب سے عشاء تک چونکہ کسی اور کام کا وقت نہیں اس لئے اصلاح باطن کے متعلق تعلیم کا وقت رکھا تھا۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں اس وقت اس کا بھی موقعہ نہیں ہوتا۔

بعض آدمی کی اصلاح اس کے نکالنے میں ہوتی ہے

واقعہ : ایک صاحب عرصہ سے خانقاہ میں طالب علمی کرتے تھے اور کچھ خدمت بھی ان کے متعلق تھی اتفاق سے کسی امر پر حضرت نے ان کو نکال دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تھانہ بھون میں بھی نہ رہیں۔ کہیں اور چلے جائیں مجھ کو صورت بھی نہ دکھائیں ہاں مجھ سے خط وکتابت رکھیں جب دیکھوں گا کہ اصلاح ہوگئی ہے تو بلالوں گا۔ انہوں نے عذر بھی کہلا کر بھیجا مگر چونکہ اس کی اصلاح

اس میں تھی۔ اس لئے حضرت نے ان کو آنے کی اجازت نہیں دی بلکہ یہاں تک کہلا دیا کہ میں خرچ آپ کو دوں گا۔ وہ باہر ہی رہیں۔ ان کی اصلاح اسی میں ہے ان صاحب کو اس کا بڑا غم تھا۔ اس پر حضرت نے حاضرین سے فرمایا۔

ارشاد: یہ تربیت روحانی ہے۔ حضرت اس وقت سختی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو نفع ہوگا وہ یاد کر کے اس کی التجا کریں گے قرآن کریم میں خود موجود ہے **فاثابکم غمابغم لکیلا تحزنوا الایۃ**۔ بقول مشہور مفسرین یہاں لا زائد ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس لئے غم دیا کہ تم محزون ہو۔ سو حزن وغم علاج ہے نفس کا۔ اگر انسان پر غم نہ ہو تو فرعون ہو جائے بڑی نعمت ہے خدا تعالیٰ کی حزن وغم۔ تربیت میں بڑا دخل ہے حزن وغم کو فقط۔

بیعت میں جلدی نہ چاہئے

واقعہ: ایک صاحب کا خط آیا تھا لکھا تھا کہ میں آٹھ برس سے ایک صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہوں۔ مگر تعلیم کی درخواست ہے اور پہلے پیر کی نسبت یہ بھی لکھا تھا کہ میں ان کا معتقد تو ہوں کیونکہ ان کے افعال سنت کے موافق ہیں۔ مگر کوئی نفع مجھے نہیں ہوا۔ اس پر حضرت نے حاضرین سے فرمایا۔

ارشاد: جو لوگ جلدی کرتے ہیں بیعت میں ان کا یہ ہی نتیجہ ہوتا ہے میں جو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ تعجیل نہ چاہئے تو اس میں یہ مصلحت ہے مگر لوگ اس پر برا مانتے ہیں۔ لوگ اول اپنے نزدیک کسی قسم کا اعتقاد جما لیتے ہیں کہ بیعت سے یہ ہوگا اور یہ ہوگا بعد میں جو کچھ سمجھا تھا وہ نکلا نہیں۔ بس اس پر وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ کیا فائدہ اس بیعت سے۔

(پھر حضرت نے فرمایا کہ) یہ طالب علم ہیں ان سے کہا تھا کس نے طالب علمی کے زمانہ میں بیعت ہونے کو اور ذکر وشغل کرنے کو (پھر فرمایا) بیعت کا علاقہ زوجیت کے علاقہ سے بہت زیادہ ہے۔ مگر لوگ وہاں تو حسن وجمال کو دیکھتے ہیں اور یہاں فضل وکمال کو نہیں دیکھتے (مطلب یہ ہے کہ بیعت میں نہیں دیکھتے کہ مرشد میں کیا کیا باتیں ہونی چاہئیں) بس کوئی بات سن لی اور مرید ہو گئے۔ خیالات جما لئے۔ جو خیالات جما لئے تھے وہ پورے نہیں ہوئے بس وسوسے ہونے لگے۔ فقط۔

واقعہ: ایک صاحب حضرت والا کے احباب میں سے ہیں اور آسودہ حال ہیں۔ انہوں نے

حضرت سے کسی وقت میں عرض کیا تھا کہ رمضان شریف میں جو ذاکرین خدا کے طالب ہیں وہ خانقاہ میں قیام کریں گے ان کا کھانا اور سحری میری طرف سے ہو۔

چنانچہ حضرت نے اس کو منظور فرمالیا تھا۔ اس کے موافق حضرت نے رمضان سے کچھ انتظام فرمادیا۔ اب ذاکرین میں تین قسم کے حضرات تھے ایک وہ جنہوں نے اس دعوت کو منظور نہیں کیا اپنے ہی پاس سے خرچ کر کے رہنا چاہتے تھے اور ایک وہ جنہوں نے منظور کرلیا۔ اور ایک وہ جن کو حضرت نے منظور نہیں کیا اور وہ لوگ وہ تھے جو نئے نئے آئے تھے جن کا حال پورے طور سے واضح نہیں ہوا تھا کہ خدا ہی کے طالب ہیں۔ ممکن تھا کہ کھانے کی وجہ سے خانقاہ میں آگئے ہوں مگر کھانے کا انتظام سب کا تھا اس طرح کہ جنہوں نے دعوت کو منظور کرلیا تھا۔ ان کا خرچ تو ان صاحب کے ذمہ تھا۔ جنہوں نے دعوت کی تھی اور باقی دو قسم کے حضرات نے اپنے پاس سے خرچ داخل کردیا تھا۔

فی کس ایک ماہ کے مبلغ دس روپے مقرر ہوئے تھے اور کھانے کا انتظام حضرت نے اپنے دونوں گھروں میں فرمادیا تھا۔ شام کا کھانا تو بڑے گھر سے آتا تھا۔ اور سحری کا چھوٹے گھر سے۔ منجملہ اور انتظامات کے یہ بھی انتظام تھا کہ خاص پیمانے کے بہت سے برتن مہیا کر لئے گئے تھے اور فی کس دو برتنوں میں کھانا دیا جاتا تھا ایک میں سحری اور حکم تھا کہ شام کو برتنوں میں کھانا لیجائیں اور صبح کی نماز کے بعد ہر شخص برتنوں کو واپس کردے اور دھو کر ایک موقع پر رکھ دیئے تھے کہ برتنوں کو ان میں لاکر رکھ دیں۔ نہایت سہل صورت تھی مگر دو روز یہ قصہ ہوا کہ دو، دو برتن کم ہوئے حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی حضرت نے اس پر بہت ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ جو آسان سے آسان صورت تجویز کی جاتی ہے لوگ اس کو بھی اختیار نہیں کرتے اس کے بعد فرمایا۔

ارشاد: لوگوں میں تدین نہیں ہے یہ فعل تو بزرگوں کا ہے (کیونکہ خانقاہ میں مقدسین ہی جمع تھے) اس سے بحث نہیں کہ یہ بات جائز ہے یا ناجائز۔ بس تساہل ہے اور کچھ نہیں ہے۔ کتنی بڑی آزادی دی گئی تھی کہ رات بھر برتنوں کو اپنے پاس رکھیں اور صبح کو واپس کردیں۔ اس سے زیادہ آسان اور کون سی صورت ہوگی مگر پھر بھی انتظام نہیں۔ فی پیالہ ایک پیسہ قیمت کا ہوگا۔ مجھے اس کا خیال نہیں مجھے تو ایک اور بات سنانی ہے مجھے ان کے فعل سے منظر ناامیدی کا نظر آتا ہے اصلاح ہونے سے کتنی اصلاح کی جاتی ہے مگر امید نہیں۔ دل مرجاتا ہے۔ عزم ہوتا ہے قلب میں کہ یہ سلسلہ (اصلاح کا) چھوڑ دیا جائے۔

جب حلال وحرم کی تمیز نہیں اور جائز وناجائز کی پرواہ نہیں تو کیا فائدہ اصلاح سے جو شخص اپنی اصلاح خود چاہئے اس کا کیا علاج۔ یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کی تربیت کی طرف توجہ نہ کی جائے لوگ ان باتوں کو خفیف سمجھتے ہیں۔ بس وظیفے رٹنے کو سب کچھ خیال کرتے ہیں۔ شراب پینے اور زنا کو برا سمجھتے ہیں۔ مگر درستی معاملات ومعاشرات کو دین ہی نہیں سمجھتے۔ اگر کسی سے برتن ٹوٹ گیا تھا تو اطلاع کر دیتے یہ مان لیا کہ پیالہ ایک پیسہ کا ہے مگر حق تو ہے دوسرے کا برتن کے وقت پر نہ پہنچنے سے کتنی پریشانی ہوتی ہے۔ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے برتن میں کھانا بھیجے تو اس میں کھانا تک جائز نہیں اس میں نہ کھائے بلکہ اپنے برتن میں لیکر اس میں کھائے۔ معلوم ہوا کہاں تک نظر ہے شریعت کی۔ البتہ اگر کوئی کھانا ایسا ہو کہ دوسرے برتن میں بدل جانے سے خراب ہو جاتا ہو تو اس کے برتن میں کھانا جائز ہے کیونکہ یہ دلیل اس کی ہوگی کہ بھیجنے والا اجازت دیتا ہے اپنے برتن کے استعمال کی۔ پریشان کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے پاس جن کے روپے اس میں صرف کرنے کو آئے ہیں ان کو واپس کر دوں گا۔ اور جنہوں نے اپنا خرچ دیا ہے اور جنس آ گئی ہے ان کو جنس تول کر دیدی جائے گی۔

بس سلسلہ ختم ہوا۔ آجکل اگر کوئی کسی کی خدمت کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ اس حرکت کے کرنے والے فرد منتشر ہیں بالتعیین نہیں معلوم کون ہے ایک کے ساتھ بدنام سب ہوتے ہیں۔ مناسب ہے کہ وہ بتلادیں میں نے تو نہایت سہل انتظام کر دیا تھا۔ مگر میں کیا کروں۔ جب قصد ہی نہیں۔ پیالوں کا جاتے رہنا تو کوئی چیز نہیں مگر انتظام میں جو خلل پڑتا ہے اس کو کیا کیا جائے اگر ٹوٹ جائے تو کہہ دیں کہ ٹوٹنے میں کیا ہے مٹی کا برتن ٹوٹ ہی جاتا ہے۔

اس کا چھپانا تکلیف پہنچانا ہے۔ یہ خلوص کے خلاف ہے حضور اکرم ﷺ کی وضع کے کس قدر خلاف ہے۔ صحابہ کرام کو دیکھو اگر ان سے غلطی ہوتی تو عرض کر دیتے۔ اگر حضورؐ کے زمانے میں کسی سے زنا ہو گیا ہے تو کہہ دیا۔ جب عمرو بن العاصؓ یا عبداللہ بن عمرو گورنر تھے۔ مصر کے وہاں بعض لوگوں نے لشکر میں شراب پی، آپ نے حضرت عمرؓ کو لکھا وہاں سے مشورہ ہو کر فتویٰ گیا کہ جس نے شراب پی ہو۔ اسی دروں کی حد اس پر جاری کرنی چاہئے۔ ارض عدو میں لشکر تھا آپ نے یہ خیال نہ کیا کہ شاید لوگ اس فتویٰ سے مرتد ہو کر دشمن سے مل جائیں۔ آپ نے فوراً اعلان دیدیا کہ جس نے شراب پی ہو خود آ کر حد جاری کرالے۔

چنانچہ لوگوں نے خود آ کر حد جاری کرائی۔ آج یہ حالت ہے کہ لوگ چھپاتے ہیں۔ شرابی اس زمانے کے ایسے تھے اور اب مقدسین ایسے ہیں۔ کیا توقع ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح ہوگی۔ اصلاح تو خود کرنے سے ہوتی ہے۔ بس خیال نہیں اخیر رائے یہ ہے کہ میں تعلقات سے خود گھبراتا ہوں۔ مجھے تعلقات چھوڑنے کیلئے ذرا سا بہانہ چاہئے جی چاہتا ہے کہ اس سلسلہ ہی کو موقوف کردوں۔ جب تم سے اتنا انتظام نہ ہوسکا تو بس جایئے۔ بڑا ہی رنج ہوتا ہے اس بات سے۔ اے اللہ کیسی آسان صورت تجویز کی مگر نہیں کرتے۔ اس سے عاقل استدلال کرسکتا ہے کہ ہم لوگوں میں ذرا سلیقہ نہیں کسی بات کا۔ کیا ایسی قوم سلطنت کے قابل ہے کہ جس سے مٹی کے پیالوں کا انتظام نہ ہوسکا۔ جتنی سزا ہمیں خدا کی طرف سے دی جائے تھوڑی ہے۔

خدا کا گناہ کرنا اتنا برا نہیں مگر ایسے فعل سے بہت بچنا چاہئے جس سے دوسرے کا ضرر ہو۔ لوگ نوافل و وظائف کا اہتمام خوب کرتے ہیں مگر اس کا اہتمام نہیں کہ دوسرے کو ضرر نہ پہنچے اور گرانی نہ ہو۔ مطلق توجہ نہیں اس طرف وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کو ہلکی بات سمجھتے ہیں حالانکہ بڑی بات ہے۔ **تحسبونہ ھیناً وھو عند اللہ عظیم** بعض لوگ مسجد کا پنکھا حجرہ میں لے جاتے ہیں۔ اور خیال کر لیتے ہیں کہ کیا چیز ہے ذرا سا پنکھا ہی تو ہے خفیف سی بات خیال کرتے ہیں حالانکہ بڑی بات ہے یہ حرکت طالب علموں میں بہت ہے بتلاؤ ایسے پڑھنے سے کیا نفع۔ اور یہاں تو وہ لوگ ہیں جو طالب علمی سے فارغ ہوگئے ہیں ان کی حالت پر اور تعجب ہے۔ (اسی درمیان میں حضرت والا کے مکان سے کہلا کر بھیجا کہ جو انتظام ہے وہی رہنے دیجئے اگر برتن کھو لئے جائیں گے تو صبر کریں گے اس پر فرمایا۔

مجھے صبر آسان نہیں کیونکہ میرے متعلق تربیت ہے۔ جس میانجی کی نیت یہ ہو کہ بچوں کو سبق یاد ہو جائے تو وہ تو پیٹے گا بھی اور جس کی نیت صرف وقت کا پورا کرنا ہو۔ خواہ سبق یاد ہو یا نہ ہو تو اسے اس سے کچھ مطلب نہ ہوگا کہ بچے درست ہوں یا نہ ہوں پڑھیں یا نہ پڑھیں مجھے خیر خواہی بھی تو منظور ہے کہ اخلاق درست ہوں اس لئے میں کیسے صبر کرسکتا ہوں۔

ایک شخص کی بے پروائی سے کتنی پریشانی پھیلی ہے کیا وہ اس جلسہ میں موجود نہ ہوں گے اپنی زبان سے کہہ دیں کہ مجھ سے خطا ہوئی۔ اس میں کیا حرج ہے۔ یہاں تو اپنی اصلاح ہی کے لئے آئے ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ فضیحت ہوں گے۔ بھائی اگر اصلاح میں فضیحت بھی ہو تو کیا حرج ہے لوگوں نے تو اصلاح میں جانیں تک دیدی ہیں انسان سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے مگر

اس کا تدارک بھی تو ہے۔ میں تو آسانی کا اہتمام کرتا ہوں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو مگر دوسرے کو بالکل پرواہ نہیں اور تو کچھ نہیں کم بخت مجھے اپنا اہتمام یاد آتا ہے تو طبیعت پریشان ہوتی ہے خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنا اہتمام بھی کیا وقت صرف کیا مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں۔ جیسے بعض مدرس خیال سے پڑھاتے ہیں مگر جب طلباء ناکام ہوتے ہیں امتحان میں تو ان کو کتنا غم ہوتا ہے خیال ہوتا ہے کہ اتنے دنوں دردسری بھی کی اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہ ساری خرابی اساتذہ کے ذمہ ہے۔ اول ماں باپ کے ذمہ اور پھر اساتذہ کے ذمے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اساتذہ کے پاس سے آدمی نکلتے۔ مگر جانور ہو کر نکلتے ہیں۔

ایک بڑے مستند عالم کی حکایت ہے کہ وہ یہاں آ کر مطالعہ کے لئے کتابیں عاریت لے لیتے ہیں اور جب جاتے تھے وہیں چھوڑ کر چل دیتے تھے بہت بڑے عالم صاحب فتوی صاحب نسبت و اجازت تھے۔ لوگوں کو اس طرف بالکل التفات بھی نہیں۔ فقط۔

فائدہ: حضرت والا نے اس کے بعد فرمایا کہ اب تو سمجھ میں سب کی آ گیا ہوگا۔ یقین ہے کہ بعد اتنی تنبیہ کے اب ایسی حرکت کوئی نہ کریگا اس لئے انتظام بحالہ رکھا جائے چنانچہ بدستور انتظام قائم رکھا گیا۔ از جامع

واقعہ: حضرت نے بعض مسائل نوٹ کے متعلق تحریر فرمائے تھے جو غالباً رسالہ الامداد میں طبع ہوئے تھے جن میں سے یہ بھی تھا کہ اگر نوٹ زکوۃ میں دیا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ اس پر ایک خط آیا تھا اس میں کچھ شبہات اس کے متعلق لکھے تھے حضرت نے ان کے جوابات مختصراً لکھے اور حاضرین کو سنائے اس کے بعد فرمایا کہ عالم ہی سمجھ سکتا ہے دلائل کو یہ بیچارہ کیا سمجھیں گے مگر خیر ان کے پوچھنے پر لکھ دیئے ہیں اس کے بعد یہ فرمایا۔

ارشاد: احکام تو آسان ہیں دلائل مشکل ہیں مقاصد آسان ہیں اور مقدمات میں بہت سے ابواب فقہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے اگر لوگ نہ سمجھیں تو اس میں مولویوں کی کیا خطا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی بتلاتے نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر اقلیدس کسی سائیس کے سامنے بیان کرنے لگو تو وہ کیا سمجھے گا اگر وہ کہنے لگے کہ مجھے سمجھایا نہیں تو یہی کہا جائے گا کہ تو اس قابل نہیں میں یہاں ایک دفعہ وعظ کہہ رہا تھا جولاہیاں کھڑی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ جانے کیا پھونک رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شخص اگر ان مسائل کے دلائل کسی مولوی سے بھی سمجھیں گے تب بھی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ ہاں احکام سمجھ میں آ جائیں گے کہ تم یوں کر لیا کرو۔ فقط۔

اشراف نفس کے متعلق عجیب تحقیق

ایک دفعہ ایک بڑے عالم کسی سفر میں ہمراہ تھے وہ اشراف نفس کے بارہ میں ایک بات پوچھنے لگے وہ یہ کہ ہم اپنے ملنے والے لوگوں میں جاتے ہیں اوران لوگوں کی عادت ہے کہ ہمیشہ ہماری خدمت کرتے ہیں اس لئے ہم کوانتظار ہوجاتا ہے کہ کچھ ملے گا آیا یہ اشراف ہے یا نہیں۔

ارشاد: میں نے کہا کہ مطلق وسوسہ اشراف نہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر نہ دیں تورنج ہوتا ہے یانہیں اگر رنج نہ ہوتو کچھ حرج نہیں اوراگر رنج ہونہ دینے سے تواشراف ہے یہ شخص عالم تھے مگراس کوابتداء نہ سمجھے اور میں سمجھ گیا۔ وہی بات ہوئی۔

گاہ باشد کہ کودکے نادان ☆ بہ غلط برہدف زندتیرے

وہ اس کوسن کر بہت خوش ہوئے۔ فقط۔

امام صاحب کا مسئلہ قابل قدر اور ایک انگریز کا مقولہ

واقعہ : جس زمانہ میں جنگ بہت کثرت سے تھی اورروپے کی کمی ہوگئی توسرکارانگریزی نے بہت کثرت سے نوٹ چلائے تھے ایک روپیہ کانوٹ بھی تھا ڈاک خانہ سے اکثرنوٹ ہی ملتے تھے۔ غرض بجائے روپے کے نوٹ چل پڑے تھے اس پرفرمایا۔

اگریہی رفتاررہی کہ روپیہ ملنا بند ہوگیا تو اس وقت قدرہوگی امام صاحب کے مذہب کی کیونکہ امام صاحب کے یہاں غیرجنس سے زکوٰۃ اداہوجاتی ہے۔ بہت سہولت ہے ان کے مذہب میں۔ غلہ خریدواوردیدو۔ کپڑاخریدواوردیدو۔ اوردوسرے ائمہ کے نزدیک غیرجنس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی توچاندی سونے کی زکوٰۃ دینے والے کوکیسے مشکل پیش آئے گی ایک انگریز نے لکھا ہے کہ فقہ حنفی کے سوا کسی مذہب پرسلطنت نہیں چل سکتی۔ کسی مذہب میں ایسی وسعت معاملات اورسیاسیات میں نہیں۔ فقط۔

فقہ حنفی کواس بارہ میں امتیاز ہے انگریزچونکہ فن سیاست میں خوب ماہر ہیں اس لئے ان کوقدرہوئی۔ میں توسچ کہتا ہوں کہ حضرت فقہاء کے دماغ کے سامنے سلاطین اوروزراء کادماغ کچھ بھی نہیں فقط۔

خواص کے جس فعل سے عوام پر اثر پڑ جائے اس کو نہ کرنا چاہئے

واقعہ : ذکر اس پر تھا کہ خواص کے جس فعل سے عوام پر اثر پڑتا ہے خواہ وہ ان کے لئے جائز ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس کو نہ کرنا چاہئے حضرت نے اس پر ایک حکایت بیان فرمائی۔

ارشاد: ایک بزرگ تھے ان کو ایک ظالم بادشاہ کے دربار میں بلا کر سور کا گوشت کھلانے پر مجبور کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا۔ پھر بکری کا گوشت کھلانا چاہا اور یقین دلا دیا کہ یہ بکری کا گوشت ہے مگر انہوں نے اس کو بھی نہ کھایا اور کہا کہ شہر میں شہرت ہو چکی ہے سور کے گوشت کھانے پر مجبور کرنے کی لہٰذا اب میں کچھ بھی کھاؤں گا تو یہی مشہور ہو گا کہ سور کا گوشت کھایا ہے۔ اس کا اثر عوام پر ہو گا اور برا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا دین میں فہم یہ بڑی چیز ہے فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ زکوٰۃ میں کسی نے نوٹ دیا تو زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: یہ دیکھنا چاہئے کہ نوٹ کی حقیقت کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سند مال ہے جب مال نہیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ صورت ادا کی یہ ہے کہ نوٹ کے روپے لے کر وہ زکوٰۃ میں دیدیئے یا غلہ وغیرہ لے کر وہ دیدیئے اسی درمیان میں ایک صاحب نے کہا کہ گورنمنٹ تو اس کو مال مانتی ہے مثلاً سو روپے کا نوٹ ہو تو وہ سو ہی روپے میں دیا جاتا ہے اس پر حضرت نے فرمایا۔ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ بھی نوٹ اور روپے میں فرق سمجھتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ کسی معاملہ میں گورنمنٹ سے کسی کو ہزار روپے وصول ہوئے اور وہ جاتے رہے تو دوبارہ وصول کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ بھی اس کو روپیہ نہیں سمجھتی۔ فقط۔

واقعہ : رمضان شریف میں ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں گرمی کی شدت کا تذکرہ تھا جیسے اکثر کی عادت ہوتی ہے کہ روزہ میں واویلا گرمی کی کیا کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا۔

روزہ میں واویلا کرنے سے روزہ لگتا ہے

ارشاد: واویلا کرنے سے روزہ اور بھی لگتا ہے میں تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ رمضان شریف میں دو دن لو ایک میں تو مطلق تذکرہ مت کرو۔ گرمی وغیرہ کا اور ایک دن وہ لو جس میں تذکرہ کرو پھر دونوں دن کی صعوبتوں کا اندازہ کر لو۔ جس دن تذکرہ کرو گے اس دن صعوبت

زیادہ محسوس ہوگی اور جس دن نہ کرو گے صعوبت کم محسوس ہوگی۔ چرچا کرنے سے صعوبت اور بڑھ جاتی ہے۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ تو ثابت ہے کہ رمضان شریف میں شیطان مقید کر لئے جاتے ہیں جب یہ ہے تو پھر برے خیالات اور بعض وقت خواب ہو کر غسل کی حاجت کیوں ہو جاتی ہے۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: اول تو حدیث میں مردۃ کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بڑے بڑے شیاطین مقید کر لئے جاتے ہیں اس سے چھوٹے چھوٹے شیاطین کا مقید ہونا لازم نہیں ۔ دوسرے قوت متخیلہ سے دماغ میں صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ دماغ بھی تو اشکال کو پیدا کرتا ہے اس لئے فاسد خیالات آتے ہیں اور بڑے بڑے شیاطین کے مقید ہونے سے یہ فائدہ ہوا کہ جب تک وہ موجود تھے تو شر سے بچنا بہت مشکل تھا۔ اب ایسا مشکل نہ رہے گا۔

رہ گئے چھوٹے تو ان کی مقاومت زیادہ مشکل نہیں۔ ضعیف بھی ان کی مقاومت کر سکتا ہے بس ان کے مقید ہونے سے لوگوں کی اعانت ہوگئی شر سے بچنے میں اور چھوٹوں کے دفعہ کرنے کو ہمارا سرسری قصد کافی ہے اسی واسطے رمضان شریف میں گناہوں کے چھوڑنے کا قصد کرنے پر آسانی سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔

واقعہ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جو یہ عرض کیا تھا کہ انی یکون لی غلام اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا ہونے کو بعید سمجھتے تھے اور ان کی یہ شان کے خلاف ہے کیا انکو خدا کی قدرت میں شک تھا جو ایسا فرمایا۔

ارشاد: ان کو شک نہیں تھا لڑکا ہونے میں مگر چونکہ لڑکا ہونے کی صورتیں مختلف تھیں۔ یا تو یہ کہ اسی کبر سنی میں اولاد ہو یا یہ کہ جوان ہو جائیں یا کسی اور طریقہ سے لڑکا آئے۔ مختلف طریق میں سے ایک طریقہ کا تعیین چاہتے تھے پس وہ کیفیت پوچھتے تھے کہ کس طرح اولاد ہوگی انی استعباد کے لئے نہیں بلکہ سوال عن الکیفیۃ کے لئے ہے جیسے کوئی حاکم کسی سے نوکری کا وعدہ کرے اور ہوں نوکری ملنے کی مختلف صورتیں اور کوئی یہ پوچھے کہ کس طرح ملے گی پرانی آسامی ہوگی یا نئی ہوگی کس طرح آپ نوکر رکھیں گے جب حاکم کا وعدہ ہے تو نوکری ملنے میں تو شبہ نہیں مگر اس صورت میں سوال تعیین طریق سے ہوگا اور انی بمعنی بکثرت آتا ہے فقط۔

السلام علیک یا ایہا النبی سے غائب کی ندا پر استدلال ٹھیک نہیں ہے

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ التحیات میں ہے السلام علیک یا ایہا النبی اس میں غائب کو ندا ہے۔ اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں جائز ہے تو اوروں کے بارہ میں بھی جائز ہوگی۔ کیونکہ جیسے یہاں ندا غائب کی ہے اسی طرح اور جگہ بھی ہے لہٰذا اور انبیاء کو اور اولیاء کو ندا کرنا جائز ہے بس یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للہ وغیرہ کہنا جائز ہوگا۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: اس سے ندائے غائب پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں ہے کہ کچھ ملائکہ اس خدمت میں معین ہیں کہ جب کوئی آپ پر سلام بھیجتا ہے تو وہ آپ کو پہنچادیتے ہیں اس صورت میں ندا غائب کی کہاں رہی اور دوسرے انبیاءؑ اور اولیاء کی نسبت تو یہ بھی نہیں آیا اس لئے ان کو ندا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور عوام الناس تو اس بارہ میں بہت ہی حد سے بڑھ گئے ہیں وہ تو حاجتیں مانگتے ہیں یہ کہاں ثابت ہے۔ حضرت اب تو درویشی ان ہی چند چیزوں کا نام رہ گیا ہے۔ کچھ رسوم ہیں۔

وہ جس شخص کے یہاں موجو ہوں بس وہ درویش ہے ورنہ خشک۔ عجیب فتنہ کا وقت ہے خدا بچائے۔ فقط۔

اللہ ورسول کے مقابلہ میں کسی کی بھی وقعت نہ چاہئے

واقعہ : میں نے کسی تذکرہ میں حضرت والا سے عرض کیا کہ میرے گھر میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ اس نے کوئی کلمہ اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کا زبان سے نکالا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ میں تمہاری مدارات بقدر امکان ہر طرح سے کروں گا۔ مگر اللہ اور رسول کے معاملہ میں کسی قسم کی رعایت مجھ سے نہ ہوسکے گی نہ مجھ سے خاموش رہا جائیگا۔ گو مجھ کو تم سے بہت محبت ہے۔ مگر اللہ ورسول کے سامنے میں کسی کی وقعت نہیں سمجھتا۔ حضرت والا نے اس پر ایک حکایت بیان فرمائی۔

ارشاد: جہانگیر بیچارہ دنیا دار آدمی تھا۔ نور جہاں اس کی بی بی اس کو شیعہ بنانا چاہتی تھی۔ یہ بیچارہ عمل میں تو آزاد تھا۔ مگر تھا سنی۔ نور جہاں ہمیشہ مذہب شیعہ میں لانے کے درپے رہتی تھی۔ اخیر بات یہ ٹھہری کہ سنی اور شیعہ میں مناظرہ ہوجائے۔

ایران سے مجتہد بلائے گئے۔ اور مناظرہ ہوا۔ ان کو بڑی ذلت اٹھانی پڑی۔ نور جہاں نے جہانگیر سے شکایت کی کہ مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ ہمارے علماء سے ایسا معاملہ کیا جائیگا۔

باوجودیکہ جہانگیر اس پر اس قدر مفتون تھا مگر اس نے جواب میں یہ کہا ۔

جاناں بتو جاں دادم نہ کہ ایماں

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ مسلمان کی شان یہ ہی ہونی چاہئے کہ اللہ ورسول کے مقابلہ میں کسی کو بھی نہ سمجھے۔

ارشاد: بعض جگہ ابتداء سے اس کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ اہل حق کو برا کہا کریں۔ اور اہل حق کے القاب تجویز کر رکھے ہیں چنانچہ بھائی۔ الٰہ آباد میں میرے پاس آئے تھے اور وعظ میں بھی شریک ہوئے تھے انہوں نے بعد میں میری نسبت لوگوں سے کہا کہ فلاں جگہ کی تعلیم سے میں اس کے ساتھ سوء ظن رکھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ سب غلط تہمت تھی میں اس سوء ظنی سے توبہ کرتا ہوں۔ فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا یہ جو بعض واعظین وعظوں میں اہل حق کی طرف سے عوام کو بھڑکاتے ہیں اور عوام ان کو برا کہنے لگتے ہیں تو گناہ عوام کو ہوگا یا نہیں۔

ارشاد: حدیث میں ہے من افتٰی بغیر علم فانما اثمہ علی من افتٰی ۔ عوام تو معذور ہیں ہاں اہل علم کی قیامت کے دن ضرور گردن ناپی جائے گی۔

واقعہ : ناچ کرانے کا ذکر ہو رہا تھا اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا ناچ وغیرہ دیکھنا گناہ کبیرہ ہے اس پر غیر عورت پر نگاہ ہوتی ہے وہ کبیرہ تو ہے نہیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: ساری باتیں ملا کر دیکھو تو معلوم ہو اس کے مفاسد پر نظر کرو۔ ایک جواب تو اس کا یہ ہے جو آپ کے مناسب ہے وہ یہ کہ بعض صغیرہ گناہ سے ایسا مفسدہ پیدا ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہ سے اتنا نہیں ہوتا مثلاً کسی امرد کو دیکھنا، عورت کو دیکھنا کہ فی نفسہٖ تو صغیرہ ہے مگر قلب کے اندر اس سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ کبیرہ سے بھی نہیں ہوتی۔ اس سے ایک بڑی ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ مدتوں اس کا اثر رہتا ہے جانے کہاں کہاں تک اس کی نوبت پہنچتی ہے۔ نگاہ کرنا مفسدہ کے لحاظ سے بہت بڑی چیز ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے اصلی گناہ ہے تعلق مع غیر اللہ اور اس سے تعلق مع غیر اللہ ہو جاتا ہے اور ایسا بعد ہوتا ہے کہ ایک دفعہ شراب پینے سے بھی اتنا نہیں ہوتا۔ اس سے دل میں ایک بڑا مرض پیدا ہو جاتا ہے جو ساری عمر نہیں نکلتا۔ یہ ضابطہ کا تو صغیرہ ہے کبیرہ نہیں مگر مفاسد کے لحاظ سے بڑی چیز ہے۔ واقعی یہ ہے کہ نگاہ کا سخت گناہ ہے اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے۔ النظر سھم من سھام

ابلیس۔ قلب کو بیمار کر دیتا ہے۔ فی ذاتہ تو صغیرہ ہے مگر مفضی بواسطہ کبیرہ کی طرف ہوا ہے۔ جیسے ایک چنگاری کہ محل اس کا خشک پھونس ہوتو وہ ہےتو ذراسی مگراس سے کہاں تک نوبت پہنچتی ہے۔ کیسے گل کھلتے ہیں اسی طرح محل گناہ کا ہے قلب اور وہ ہے خشک پھونس کی مثل ظاہر بات ہے کہ گناہ کرنے سے کیا کچھ نوبت ہوگی یہ خصوصیت قلب کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ صغیرہ صغیرہ بھی رہا۔ اور مفسدہ میں کبیرہ سے بڑھ گیا۔ فقط۔

واقعہ: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ جو حدیث میں ہے العینان تزنیان کیا آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔ کیوں اس پر کیا اشکال ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آگے حدیث میں ہے والفرج یصدقہ او یکذبہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دیکھنے پر زنا واقع ہو جائے تو آنکھوں کا بھی زنا ہوگا۔ اور اگر زنا واقع نہ ہوتو پھر آنکھوں کا زنا بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا صرف دیکھ لینا زنا نہیں ورنہ والفرج یصدقہ او یکذبہ کے کیا معنی ہوں گے اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: عموماً لوگ اسی کو تفسیر سمجھ رہے ہیں مگر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مطلق دیکھنا زنا نہ ہوتا حالانکہ دیکھنا بھی آنکھوں کا زنا ہے خواہ اصل زنا واقع نہ ہو۔ اس کی اس سے اچھی تفسیر وہ ہے جو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے منقول ہے اور نہایت لطیف تفسیر ہے اور یاد رکھنے کے قابل۔ وہ یہ کہ ہر نظر زنا نہیں بلکہ جو علاقہ فرج سے ہو یعنی جس نظر کا باعث شہوت ہو وہ زنا ہے۔

یوں تو ماں اور بہن وغیرہ پر بھی نظر کرتے ہیں مگر چونکہ وہ شہوت سے نہیں ہوتی اس لئے زنا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آنکھوں کی زنا کا تحقق کب ہوگا جبکہ فرج اس کی تصدیق کرے اور اگر فرج اس کی تصدیق نہ کرے تو آنکھوں کی زنا کا تحقق نہ ہوگا۔ یہاں پر فرج کے معنی شہوت کے ہیں اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ بس ہر وہ نظر زنا ہوگی جس کا باعث شہوت ہو۔ اب اگر کسی نے شہوت سے نگاہ کی تو تحقق زنا کا نہ ہوا مگر العینان تزنیان صادق ہوگا معنی یہ ہیں کہ محقق کرتی ہیں آنکھوں کے زنا ہونے کو شہوت اس کے بعد حضرت نے مولانا محمد یعقوبؒ کی شان میں فرمایا کہ یہ ہیں قرآن وحدیث کے سمجھنے والے۔

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کی زنا کا تحقق جب ہوگا جب شہوت سے ہو۔ یوں تو طبیب وغیرہ بھی دیکھتے ہیں۔ باقی یہ دوسری بات ہے کہ دیکھا تو تھا اور وجہ سے مگر شہوت کا تحقق ہوگیا۔ قصد تو نہیں ہوتا اس کا گو شہوت اس کے مقارن ہو جائے مگر دیکھنا مبنی اس پر نہیں فرج کے معنی شہوت یہ مجازی معنیٰ ہیں۔ (پھر فرمایا) اور جو شہوت سے دیکھتا ہے تو اس کا اثر فوراً فرج تک پہنچتا ہے اور اس

کو وہی سمجھ سکتا ہے جو غیر عنین ہو اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات اثر ہوتا ہے مگر وہ اثر محسوس نہیں ہوتا جیسے کوئی لذیذ کھانا کھائے مگر پیٹ بھرا ہو تو اس کی لذت کا احساس نہیں ہوتا۔ حالانکہ تحقق لذت کا ہوتا ہے۔ گو محسوس نہ ہو۔

داڑھی منڈانے والوں کی شہادت چاند میں معتبر ہے یا نہیں ہے

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کچھ لوگ داڑھی منڈاتے ہوں اور وہ چاند کی شہادت دیں تو ان کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔

ارشاد: یہ مفتی کی رائے پر ہے اگر اس کی قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے تو معتبر ہے ان کی خبر فی نفسہٖ معتبر نہیں اگر تحری منضم ہو جائے تو معتبر ہے۔ اسی درمیان میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا داڑھی منڈانا گناہ کبیرہ ہے اس پر فرمایا۔ نہیں۔ ہاں اگر دوام ہو گیا تو گناہ میں شدت بڑھ جائے گی۔

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ جو بعض لوگ لنگی باندھتے ہیں اور پیچھے کو اڑس لیتے ہیں کیا اس میں تشبہ بالکفار ہے اس پر فرمایا۔

تشبہ بالکفار کا معیار

ارشاد: اس کا معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی بات کسی کی وضع ہو اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جاتا ہو تو تشبہ بالکفار ہو گا ورنہ نہیں۔

ہمارے یہاں عموماً لوگ اس کو (یعنی اس طرح لنگی باندھنے کو) ہندوؤں کا لباس سمجھتے ہیں اس لئے تشبہ بالکفار ہو گا۔ اسی درمیان میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ جو شخص لندن میں مسلمان ہوا۔ اور وہ کوٹ پتلون پہنے تو تشبہ ہو گا یا نہیں۔ اس پر فرمایا۔ تشبہ وہاں نہ ہو گا کیونکہ وہاں یہ نہیں سمجھا جاتا ہے کہ یہ غیر قوم کا لباس ہے۔ وہاں تو سب کا لباس یہی ہے کوئی امتیاز نہیں۔ اگر یہاں پر بھی کوٹ پتلون عام ہو جائے کہ ذہن میں خصوصیت جاتی رہے تو ممنوع نہ ہو گا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ شیروانی پہننا کیسا ہے۔ اس پر فرمایا۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں عموم ہے یا نہیں۔ یہ دیکھ لیجئے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ اصل میں تو حیدر آباد کا لباس ہے اور سب سے اول علی گڑھ والوں نے لیا ہے اب وہ علی گڑھ والوں کا لباس سمجھا جاتا ہے اس لئے تشبہ نیچریوں کے ساتھ ہو گا۔

واقعہ: حضرت والا نے ایک خط کھول کر حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنایا اور جواب بھی اس کا سب کے سامنے پڑھا خط کا مضمون یہ تھا:

عرصہ ایک ماہ کا ہوا کہ فدوی کی بہو کا (لڑکے کی بیوی) انتقال ہو گیا جس کی عمر ۱۶ یا ۱۷ برس کی تھی۔ اور نہایت نیک بخت اور میری فرمانبردار تھی اس کے انتقال کا مجھ کو صدمہ ہوا۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ دنیاوی محبت کسی قدر بھی مجھے نہیں ہے۔ لیکن یہ غلط نکلا ہزار کوشش کرتا تھا کہ نہ روؤں لیکن قلب پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ آنسو روکے نہیں رکتے تھے۔ اور ایک ہفتہ تک بیحد تکلیف رہی۔ لیکن پھر حضور والا کی خواب میں زیارت ہوئی اور حضور نے تسکین فرمادی۔ اس روز سے واقعی تسکین ہو گئی اور خیال تکلیف دہ جاتا رہا۔ جو جواب حضرت والا نے تحریر فرمایا وہ یہ ہے:

بیوی یا اولاد کی محبت میں یہ حالت ہوتی تو مضائقہ نہ تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بہو سے ایسا علاقہ ایں چہ معنی۔ مجھ کو تو سخت ہی ناگوار ہوا۔ اس کا جو ضرر دین پر پہنچنے والا ہے ذرا اس سے بچو۔ اور فکر کرو۔ لا الہ الا اللہ کیا واہیات ہے۔ نفس میں ضرور چور چھپا ہے نکالو۔ جلد نکالو۔ ورنہ یہ رنگ لاویگا گو دوسرے ہی موقعہ پر سہی۔ افسوس یہ ثقاہت اور یہ خیانت فقط۔

جب حضرت والا اس خط کو سنا چکے تو ایک صاحب نے ذاکرین میں سے کہا کہ شاید ان کو محبت اس وجہ سے ہو گی کہ وہ بہت لائق ہو گی شاید اس میں ہنر ایسے ہوں کہ ان کے فوت ہونے پر زیادہ غم ہو۔ اور خیال ہو کہ شاید پھر ایسی بہو نہ ملے۔ حضرت والا کو ان کے اس کہنے پر غصہ آیا اور بات بھی غصہ کی تھی کیونکہ حضرت نے تو کاتب میں ایک مرض قلبی تشخیص کیا اور یہ اس میں احتمالات نکالتے ہیں کہ شاید اس وجہ سے محبت ہو اور وہ بات نہ ہو جو حضرت نے تجویز کی۔ حضرت کی تشخیص میں تو مبنے محبت کا نفس کی شرارت اور نفس کا حظ تھا۔ اور یہ اس میں احتمال نکالتے تھے کہ شاید محبت کا مبنی ہو اور وہ نہ ہو یہ تو اچھی خاصی حضرت کے صحیح جواب کی تردید تھی اس لئے رد حق پر غصہ کیا اور ملفوظ ذیل فرمایا۔ (یہ صاحب فارغ التحصیل مدرس ہیں اور اسی قسم کے احتمالات نکالنے کے بہت عادی ہیں۔ ۱۲ جامع)

ارشاد: میرے جواب کی قدر نہیں اس لئے اس پر یہ شبہ نکالا۔ معلوم ہوا تمہارے اندر بھی شرارت ہے ہزاروں آدمی دنیا میں ہیں کیا ان صاحب کو بہو ہی سے محبت رہ گئی تھی۔ آپ خوب احتمال نکالتے ہیں۔ طالب علمی چھوڑ دو حقیقت طلب کرو۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا دل مسخ ہو رہا ہے اس لئے بیہودہ و ناپاک شبہات اس میں پیدا ہوتے ہیں تمہارا دین بھی برباد ہونے والا ہے

دیکھو اپنے احتمالات اور شبہات کو کیسے ہیں۔

خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر دل کو ٹٹولو کہ آیا یہی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو یا نفس کو ایسے تعلق سے کچھ حظ ہے اور اس سے دل میں یہ خباثت ہے اور جب تمہارے دل میں خباثت ہے تو کیا تمہارا دل لگے گا میرے مضمون پر یہ محض بوجھ ڈالنا ہے مخاطب پر یہ طالب علمی کا رنگ ہے اگر ایسے ہی احتمالات معتبر ہوں تو کسی کی دنیا میں تربیت ہی نہ ہو۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی مریض کو حرارت غریبہ بتلائے اور ایک شخص کہے کہ جس کو تم نے حرارت غریبہ سمجھی ہے ممکن ہے کہ وہ حرارت غریزیہ ہو۔ احتمال کو ہر جگہ نکل سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ یہ مجلس اصلاح کی ہے احتمالات کی نہیں اگر احتمالات نکالنے ہوں تو مدرسوں میں جاؤ۔ یہ خانقاہ ہے ایک فقیر کی جس کا نام امداد اللہ تھا جس کو اس سے مناسبت ہو وہ یہاں بیٹھے اور جس کو مناسبت نہ ہو چاہے وہ جنید و شبلی ہو مگر اس میں اس کا رنگ نہ ہو وہ نہ بیٹھے۔ تم مہمل احتمالات نکال کر اللہ کے راستہ سے دوسروں کو بھی روکتے ہو۔ اور یصدون عن سبیل اللہ کا مصداق بنتے ہو۔

تمہارے احتمالات نکالنے سے اوروں کو بھی شبہات پیدا ہوتے ہیں دوسروں کا مذاق بھی خراب ہوتا ہے۔ اسی مجلس میں ایک اور صاحب تھے عالم مدرس جو کئی دن سے حضرت کی بعض بعض علمی باتوں میں احتمالات نکالتے تھے ان کی طرف بھی حضرت والا مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ میں ان کو بھی کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ طالب علمی احتمالات نکالتے ہیں ہر بات میں۔ پھر دونوں کو مخاطب بنا کر فرمایا۔

کہ تم میں شہوت کا چور ہے (ایک کی طرف اشارہ کیا) اور تم میں جاہ کا چور ہے (دوسرے کی طرف اشارہ کیا) خلوت میں جا کر اپنے دل سے پوچھ لو کہ یہ میری تشخیص صحیح ہے یا نہیں۔ عجیب حال ہے ہر بات میں شبہات نکالنا۔ یہ تحقیق علمی کی مجلس نہیں اصلاح حال کی مجلس ہے میں تو اصلاح کے متعلق امور بتلاتا ہوں جس کا دل قبول نہ کرے مت عمل کرو۔ اگر علمی شبہات پیش کرتا ہوں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں مگر اس کے لئے دوسری مجلس ہونی چاہئے۔ میں خلط نہیں کرنا چاہتا ہوں اس مجلس میں اور اس مجلس میں میری تو عدم خلط میں یہاں تک عادت ہے کہ اگر ایک خط میں دو قسم کے سوال ہوں ایک علمی اور دوسرا اصلاح باطن کے متعلق تو میں لکھ دیتا ہوں کہ دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ خط بھیجو ایک میں ہی خلط نہ کرو یہ اور فن ہے اور وہ اور فن ہے۔

آپ لوگ گندہ کرتے ہیں مجلس کو معلوم ہوا مس نہیں ہوا اس مجلس کے آداب سے اور ذکر کا اثر نہیں ہوا۔ خدائے تعالیٰ کی قسم اگر ذکر کا اثر ہو جائے تو رنگ ہی دوسرا ہو جائے جب اثر ہو جاتا ہے تو ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کوئی کام کی بات مل جائے۔ اگر فضولیات بھی کام کی باتوں میں ملے ہوئے ہوں تب بھی فضولیات سے قطع نظر کر کے کام کی باتیں لے لینی چاہئیں اگر کنکروں میں جواہرات ملے ہوئے ہوں تو ان کنکروں کو پھینک نہ دینا چاہئے۔ کہ ہائے میں بوجھل مرا۔ مجھے کیوں لادے چلے جا رہے ہو پھینکو کہاں کا یہ فضول بوجھ ہے۔

اچھی بات ہے اگر ان کنکروں کو پھینک دیگا تو ان کے ساتھ جواہرات بھی پھینک دیئے جائیں گے۔ ارے ان کنکروں ہی میں جواہرات بھی تو ملے ہوئے ہیں پھینک دینے میں جلدی نہ کرو۔ گھر جا کر فرصت میں بیٹھ کر چھانٹو انہیں کنکروں میں جواہرات بھی ملیں گے۔ تو نے سرسری طور سے نگاہ ڈالی ہے اس لئے سب کنکر ہی کنکر معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے نزدیک میری مجلس میں فضولیات بھی ہوتی ہیں تو کچھ کام کی باتیں بھی تو ہوتی ہیں۔ پھر بے سوچے سب کو فضولیات ہی سمجھ لیا ہے اور رد کرنے بیٹھ گئے تو ان کام کی باتوں سے بھی محرومی رہے گی۔ صبر کے ساتھ سب باتوں کو سنتے رہنا چاہئے پھر بعد کو خالی الذہن ہو کر سوچئے گا تو انہیں میں بہت سی کام کی باتیں بھی نکل آئیں گی (پھر اس خط کے جواب کے متعلق فرمایا)۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ جو میری زبان سے نکلتا ہے وہ وحی ہوتا ہے اس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ غلطی بھی ہوتی ہو مگر اس میں کام کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ میں صاف کہتا ہوں کہ جو کام کی بات ہو وہ لے لو باقی چھوڑ دو احتمالات نکالنے کیسے آپ نے اس مجلس کو طالب علموں کی مجلس بنائی ہے اگر مجھ کو طالب علموں کی مجلس سے دلچسپی ہوتی تو میں کانپور کیوں چھوڑتا ایک صاحب کو تو اظہار علم مقصود ہے۔

مدرس بن کر دماغ سڑ گیا ہے۔ لونڈوں پر عملداری کرو۔ دوسرے صاحب کے اندر چور ہے شہوت کا۔ چور کی داڑھی میں تنکا ہوتا ہے۔ چونکہ چور موجود ہے اسلئے ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں سمجھنے کی بات ہے کہ ان صاحب کو (جن کا خط آیا تھا) اور کسی کا صدمہ نہ ہوا اور سولہ سترہ برس کی لڑکی کا صدمہ ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا لہجہ نرم ہوگا۔ نو عمر تھی اس کی طرف میلان ہوتا ہوگا اس سے حظ ہوتا ہوگا۔ یہ چور تھا ان کے دل میں۔ (پھر ان دونوں صاحبوں کو خطاب کر کے فرمایا)۔

شہوت و جاہ میں خوب ڈوبے ہیں اس کا پتہ لگانے سے لگتا ہے ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر تو دیکھئے ہاں جسے پرواہ نہ ہو تو اس کے خندق بھی سامنے آئے تو کچھ نہیں۔ طالب علموں میں یہ

دونوں مرض ہیں جاہ اور شہوت۔ اس سے بہت کم خالی ہیں اور یہ ہی دونوں چیزیں دین کی برباد کرنے والی ہیں۔

(اس کے بعد حضرت نے فرمایا) ارے بھائی یہاں تو اس لئے آئے کہ اپنی اصلاح کرو نہ اس لئے کہ احتمالات نکالو خدا تعالیٰ کی قسم میرا مقصود تو صرف یہ ہے کہ کام کی باتیں تمہارے کان میں پہنچاؤں میری غرض اس وقت خط سنانے سے یہ تھی کہ یہ امور پیش آتے ہیں اس لئے خط سنا دیا تاکہ یاد رہے کہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے مگر ایسے مہمل لوگوں کو کیا کروں جو سننا نہیں چاہتے۔ احتمالات نکالنے کو تیار ہیں۔ میں تو مثال عرض کر چکا ہوں حرارت غریبہ اور حرارت غریزیہ کی۔ کوئی شخص طبیب سے کہنے لگے کہ جس کو آپ نے حرارت غریبہ تجویز کی ہے ممکن ہے کہ حرارت غریزیہ ہو۔ اگر ایسے احتمالات نکالے جائیں تو کسی حکیم اور ڈاکٹر کا حکم ہی صحیح نہ ہو۔ اسی بنا پر فقہ کو بھی مٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ وہ بھی تو ظنی ہی ہے۔ اس میں بھی بہت سے احتمالات ہر موقعہ پر نکل سکتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کا قصہ ہے کہ آپ طلباء کی جماعت پر املاء فرما رہے تھے اور ہر شخص ان میں سے حسب موقعہ باتیں آپ سے پوچھتا مگر ایک طالب علم کبھی کچھ بولتا ہی نہ تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ بھائی تم بھی کچھ پوچھا کرو۔ اتفاق سے ایک روز آپ نے یہ بیان فرمایا کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیئے تو وہ طالب علم کہتے ہیں کہ اگر کسی دن آفتاب غروب ہی نہ ہو تو کیا کرے۔

اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ بس تم چپکے ہی اچھے۔ اب دیکھئے کہ اس نے کیا بیجا بات کہی تھی کیا خدا کی قدرت میں نہ تھا کہ سورج نہ چھپے کیا یہ احتمال نہ تھا مگر دیکھ لو یہ کہنا کیسا تھا۔ بھائی احتمالات تو ہر امر میں نکل سکتے ہیں۔ دیکھنا اصلاح میں یہ ہوتا ہے کہ ایسا بھی واقع ہوتا ہے یا نہیں خواہ دوسرا احتمال بھی ہو۔ اگر ہوتا ہے تو بس اس سے ہوشیار رہنا چاہئے میں نے تشخیص غلط کی ہو مگر سنانے سے غرض یہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے تربیت تو طب ہے ایک قسم کی۔

خلاصہ یہ کہ سنانے سے غرض یہ ہے کہ اگر کبھی ایسا ہو تو یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن کا یہ واقعہ ہے ان کے پاس بے تکلف اور بے ساختہ جائیے اور ان سے پوچھئے کہ بھائی آیا یہ تشخیص صحیح ہے یا نہیں۔ اس وقت حال معلوم ہو۔ طب واقعی ظنی ہے مگر خدائے تعالیٰ کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے۔ اس میں اکثر اس کی تشخیص صحیح ہوتی ہے اور جن کے پاس

خطوط جاتے ہیں ان سے پوچھنا چاہئے کہ جو تشخیص کیا جاتا ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔

پھر میں اپنی تحقیق کو قطعی تو نہیں سمجھتا ہوں میں تو کہتا ہوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے اگر ایسا ہو تو خیال کرنا چاہئے نفس کی بدمعاشی بڑے بڑوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جس کی سمجھ میں آ جائے تو خدائے تعالیٰ کا فضل سمجھنا چاہئے اکثر ثقات میں آجکل یہ خرابی ہے کہ اپنے متعلقین بی بی بچے سے تو تعلقات کم کرتے چلے جاتے ہیں۔ انما اموالکم واولادکم کا مصداق سمجھتے ہیں اور دوسروں سے تعلق بڑھا لیتے ہیں اور اس کو شفقت خیال کرتے ہیں حالانکہ باعث اس کا حظ نفس ہے (پھر دوسرے صاحب کے بارہ میں فرمایا) یہ سارا مرض (جاہ کا) مدرسی کی بدولت ہوا ہے یہاں رہنا نہ چاہئے ایسے شخص کو جو شبہات نکالے۔ یہاں تو ایسے شخص کو رہنا چاہئے کہ اگر میں ایک بات صحیح کہوں اور پچاس غلط تو اس سے ایک ہی سے نفع حاصل کرے تاکہ میرا دل بڑھے اور حوصلہ ہو اور سمجھوں کہ یہ لوگ اصلاح چاہتے ہیں اور اس قسم کے احتمالات نکالیں گے تو میں یہ کہوں گا۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ☆ بگذار تا بمیر د در رنج وخود پرستی

جب ہر بات میں شبہ پیدا ہوگا تو میں یہی کہوں گا کہ بس ان سے مت کہو میرا کیا حوصلہ ہوگا۔ کسی بات کے کہنے کا تو میں طالب علمی کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ جو بات غلط ہو اس کو دل میں غلط سمجھو اور مشائخ کے یہاں تو یہ بات بھی نہیں ان کے یہاں تو یہ ہے کہ جو وہ کہیں سب کو صحیح سمجھو۔ یہ بات تو میں ہی کہتا ہوں مگر جو صحیح معلوم ہو اس کو تو مانو تاکہ میرا دل تو بڑھے اور آئندہ کہنے کا حوصلہ ہو۔

عالمگیرؒ کا قصہ ہے یہ قرآن لکھتے تھے اور اس کی اجرت سے گزر اوقات کرتے تھے بیت المال سے نہیں لیتے تھے۔ ایک دفعہ قرآن لکھ رہے تھے ایک شخص نے کہا کہ یہاں غلطی ہے حالانکہ غلطی نہ تھی بلکہ عالمگیر نے جو کچھ لکھا تھا وہی صحیح تھا۔ مگر اس کے کہنے سے اسی کے موافق بنا دیا جب وہ شخص چلا گیا تو انہوں نے وہ ورق بدل دیا۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا اتنی مشقت کیوں اٹھائی۔ اس پر عالمگیر نے کہا کہ میں نے یہ خیال کیا کہ اگر اس کا کہنا نہ مانوں گا تو اس کا دل بجھ جائے گا آئندہ اگر واقعی غلطی بھی ہوگی تو اس پر بھی متنبہ نہ کریگا اس لئے میں نے اس کے کہنے کو مان لیا۔ میں نے متنبہ کرنے والوں کے میدان کو اس لئے وسیع کیا ہے آپ لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ ہر بات پر اعتراض۔ آجکل اصلاح کا ادب متروک ہو گیا ہے۔ ادب یہ ہے کہ شیخ کی صحبت میں رہ کر گوش محض ہو جائے۔ مدت تک گوش بن کر اہلیت پیدا ہوتی ہے سوال کرنے کی۔

سنا کر بولو نہیں تب امید ہوگی کہ سوال کرنے کے قابل ہو گئے۔اس کے بعد حضرت نے کاتب خط کی نسبت حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

میں نے جوان کو ڈانٹا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے ان کے مرض کا ازالہ ہو جائیگا ان کی آنکھیں کھل جائیں گی مجھ کو اور کچھ مقصود نہیں صرف اصلاح مقصود ہے لوگ تجویز کرتے ہیں کہ نرمی کرنی چاہئے۔مگر دل میں ٹٹول کر دیکھنا چاہئے کہ نرمی سے یہ کام ہو سکتا ہے نرمی سے تو صرف اطلاع ہی ہوتی یا تھوڑا ہی رہتا۔حضرت میرے پاس مرد و عورت دونوں کا خط آتا ہے تو میں اپنے نفس کے اندر دونوں میں تفاوت پاتا ہوں خط میں (اس کے بعد کاتب خط کی نسبت فرمایا) کہ انہوں نے جو اس کی عمر لکھی ہے اس عمر کے لکھنے میں حظ شیطانی ہے۔عمر لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس عمر کے لکھنے میں نفس کو مزہ آیا ۱۶، ۱۷ برس کے لکھنے کا کیوں تقاضا ہو حظ نفس اس کا مقتضی ہو۔ بڑی بڑی شرارتیں ہیں نفس کی۔میں چونکہ خود مبتلا ہوں اس لئے مجھے احساس ہوتا ہے دوسروں کی حالت کا۔ممکن ہے کہ خود گنجا ہونے کی وجہ سے دوسروں کو بھی گنجا سمجھوں۔ہاں مجھ میں اوروں میں یہ فرق ضرور ہے کہ میں تاویل نہیں کرتا استغفار کرتا ہوں یہ تو انسان کا طبعی میلان ہے اگر اتنا میلان نہ ہوتا تو شریعت اس قدر انتظام کیوں کرتی۔حضرت ہر وقت نفس کی فکر میں رہنا چاہئے۔کسی وقت بھی اس سے غافل نہ رہنا چاہئے اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو یوں تو کہتے رہو کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے اندر یہ مرض ہے۔آپ اس کی اصلاح کر دیجئے رحمت فرمائے اس کا ازالہ کیجئے۔

ایک یہ ہونا چاہئے کہ جب ایسا خیال ہو تو اس کا دفع کرے دوسری طرف مشغول ہونے سے دفع ہو جاتا ہے یہ تو میلان کا علاج ہے۔

اور ایک ہے قصداً ابقا۔اس کی تدبیر یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو ایک وقت فاقہ کرے اور نفس سے کہہ دے کہ جب تم ایسا کرو گے تو ہم ایسا کریں گے مگر یہ ایسی باتیں ہیں کہ ساری عمر ہونی چاہئیں اس سے فارغ نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ اصل میں طبعی امور ہیں اگر مجاہدہ ریاضت سے چلے بھی جاتے ہیں تو پھر لوٹتے ہیں مبتدی اور منتہی دونوں کو پیش آتے ہیں اتنا فرق ہے کہ منتہی مزاحمت کو جلد دفع کر سکتا ہے۔اور مبتدی کو سخت دقت اٹھانی پڑتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو شائستہ گھوڑا ہو کہ اگر وہ شوخی کرے تو ذرا سے اشارہ میں درستی کا کام چل جاتا ہے۔اور ایک گھوڑا ہو غیر شائستہ کہ اس کے موڑنے میں سخت دقت ہوتی ہے۔اور یہ بات تو بڑھاپے تک بھی نہیں جاتی۔ایک دفعہ کانپور میں عورتوں میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ فلاں بزرگ سے بھی پردہ ہے یا نہیں

کیونکہ وہ تو بہت بوڑھے ہیں ان بزرگ کی عمر اس وقت میں سو برس کی قریب ہوگی میں نے کہا کہ میں ایک واقعہ مولانا کا بیان کرتا ہوں اس سے اندازہ کر لیناوہ یہ کہ ایک دفعہ ان بزرگ کی آنکھ شب کے وقت کھلی تو آپ نے خادم کو آواز دی کہ بھائی غسل خانہ میں پانی رکھ دینا کچھ مجھے شبہ ہے لاؤ نہا ہی ڈالوں۔

چنانچہ آپ نے غسل کیا۔اس سے سمجھ لو کہ پردہ چاہئے یا نہیں عورتوں نے اتفاق کیا کہ واقعی پردہ چاہئے۔ بڑھاپے میں ان امور کا احساس نہیں ہوتا۔ چونکہ ضعف کا وقت ہوتا ہے اور جوانی میں ہیجان ہوتا ہے۔اس لئے احساس ہوتا ہے باقی مبتلا اس میں بوڑھے بھی ہیں۔ بلکہ بوڑھوں سے اور بھی بچاؤ چاہئے کیونکہ جوان کو ہیجان ہونے پر احساس ہوگا تو وہ سمجھ جائیگا خود بھی اس سے احتراز کریگا۔ اور دوسرے بھی اس کو جوان سمجھ کر احتراز کریں گے اور بوڑھے کو نہ خود احساس ہوتا ہے نہ دوسروں کو شبہ ہوتا ہے اس لئے اس کا ابتلاء بہت قریب ہے۔

اور فقہاء نے جو بعض محارم سے پردہ کرنا لکھا ہے لکھتے ہیں کہ رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی جائز نہیں۔اس قدر انتظام کیا ہے فقہاء نے یہی دو فرقے ہیں مصلحین ایک فقہاء دوسرے صوفیہ انہوں نے خوب ہی سمجھا ہے اس بات کو۔فقط۔

فائدہ: اس کے بعد ان دونوں صاحبوں کو فرمایا کہ یہاں سے اٹھ جایئے چنانچہ دونوں صاحب اس مجلس سے اٹھ گئے۔ بعد میں کمترین سے اور خواجہ صاحب سے فرمایا کہ میں نے اس لئے اٹھا دیا اور اتنی سختی کی کہ بات یاد خوب رہتی ہے اور مجھے کوئی ان سے دشمنی تھوڑا ہی ہے اصلاح اسی صورت سے ہوتی ہے مگر وہ دونوں صاحب تو مخلصین میں سے تھے۔حضرت کو چھوڑ کر کہاں جاتے عذر کر کے پھر مجلس میں آنے لگے۔

بلکہ تنہائی میں اس کمترین سے اس تنبیہ پر اظہار مسرت کرتے تھے میں سچ عرض کرتا ہوں کہ حضرت کے بعض احباب ایسے ہیں جن کی یہ شان ہے جیسے صحابہؓ کی تھی حضور ﷺ تھوکتے تو اپنے منہ پر ملتے ایسا ہی ان کا بھی حال ہے یہ بات رہ کر تجربہ سے معلوم ہوسکتی ہے فقط از جامع۔

واقعہ : ایک صاحب نے مبلغ ایک ہزار روپے زکوۃ کے ایک یتیم خانہ میں داخل کئے غرض یہ تھی کہ یتامی کے کھانے وغیرہ میں صرف کئے جائیں اس کا ذکر کر کے حضرت والا سے ایک صاحب نے عرض کیا کیا کہ اس صورت میں دینے والے کی زکوۃ ادا ہوگی اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: زکوۃ میں تملیک شرط ہے اور وہ یہاں ہے نہیں اس لئے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور کھانا جو یتامی کو کھلایا جاتا ہے وہ اباحت ہے تملیک نہیں۔ صرف ایک صورت ہے ادائیگی زکوۃ اگر مہتمان یتیم خانہ اس کو گوارا کریں وہ یہ ہے کہ جیسے یتامی کو کھانا دیا جاتا ہے بجائے اس کے باستثناء بنی ہاشم کے ان کو نقد روپیہ تقسیم کیا جائے جب ان کی ملک ہوگیا پھر ان سے خوراکی کے طور پر لے کر سب کو شریک کر کے کھانا پکوایا جائے۔ اس طور پر دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ مگر اس میں مہتمم کو ایک بات کیلئے آمادہ ہونا پڑیگا۔ وہ یہ کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روپیہ ان کو نقد تقسیم کرنے سے ان کی ملک ہوگیا۔ اور پھر ان سے بطور خوراکی لے لیا گیا ہے۔ سو اس کے بعد اگر اگلے دن ان میں سے کوئی جانے لگا تو اس صورت میں مہتمم کو بقیہ روپیہ اس کا جو کہ اس کے کام میں نہیں آیا واپس کرنا ہوگا۔ اگر بھاگ جائیں تو مہتمم کے ذمہ واجب ہے کہ ان کا پتہ لگائیں اور پہنچائیں اگر نہ لیں تو زبردستی ان کو دیں۔ اس میں مہتمم کو ظاہر ہے کہ کس قدر دقت ہوگی۔

سو اگر اس کو گوارا کرلیں تو بس یہ صورت ہے زکوۃ والے کی زکوۃ ادا ہو جانے کی۔ آجکل ان باتوں کا کون خیال رکھتا ہے مگر یہ ضروری شرعا ہے سید زادے ان کی دوسری مد سے پرورش کی جائے جو مد زکوۃ نہ ہو۔ فقط۔

میرے اور میرے گھر میں کے متعلق مناقشہ کا بیان

واقعہ: ایک مولوی صاحب کا بیان ہے کہ رمضان شریف میں میرے اور میرے گھر میں کے درمیان سخت مناقشہ پیش آیا اس میں مجھ کو ایسی ایسی کلفتیں پیش آئیں کہ ایسی کبھی پیش نہ آئی تھیں ان کا لکھنا تو باعث طول ہے مگر سب کا مبنی یہ تھا کہ میرے گھر میں کی ہمشیرہ وطن میں عرصہ تین ماہ سے بیمار تھیں گرمی خشکی کی شکایت تھی اور میرے استاد سلمہ نے حرارت خفیہ بھی تجویز فرمائی تھی اس لئے میری سسرال سے تقاضا میرے اور میرے گھر میں کے بلانے کا چند بار آیا میں اس وجہ سے نہیں گیا کہ حضرت مولانا مدظلہ کے یہاں رمضان شریف میں ملفوظات عجیب عجیب ہوتے ہیں ان کے ترک کرنے کو میری طبیعت نے کسی طرح گوارا نہیں کیا اور رمضان شریف میں اطراف و جوانب سے بکثرت لوگ حضرت کی خدمت میں آکر قیام بھی کرتے ہیں۔

غرض رمضان شریف میں خانقاہ کے اندر عجیب وغریب منظر ہوتا ہے جو دیکھنے سے متعلق ہے اور جبکہ میرے استاد سلمہ وہاں موجود تھے علاج کے لئے اس لئے میرا جانا چنداں

ضروری بھی نہیں تھا کہ ایسی برکات کو چھوڑ کر چلا جاؤں نہ کوئی عاقل بشرطیکہ اس کے قلب میں دین کی الفت ہو کبھی ایسے موقعہ پر غیر حاضری کو پسند کر سکتا ہے میرے گھر میں بے طرح میرے سر تھیں۔ ان کے ورد زبان یہی تھا کہ بس چلو دن رات یہی وظیفہ تھا۔

''چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد''

میں چونکہ انکار کرتا تھا اس لئے مجھ پر زبان خوب کشادہ رہتی تھی اور مجھ کو اور بھی تکالیف پہنچاتیں حتی کہ حضرت والا کی خدمت میں میری بیجا شکایتوں کا پرچہ بھی بھیجا کہ شاید اسی طرح کام نکلے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ شریعت کی رو سے جبر کرنا میرے اوپر لازم نہیں اس لئے میں جبر نہیں کر سکتا۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ ہم دونوں میں بہت ہی بدمزگی ایک عرصہ تک رہی کہ ایسی کبھی پیش نہ آئی تھی اور میں حق تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ اے اللہ آپ ایسی صورت نکال دیجئے کہ رمضان شریف میں جانا نہ ہو۔

گو بظاہر میں نے اپنے گھر میں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ان شاء اللہ جلدی چلیں گے یہاں تک کہ میرے خسر صاحب کا خط آیا کہ اب مریضہ کی طبیعت اچھی ہے اس خط کے آنے سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ چونکہ میرے گھر میں مجھ کو بیجا طریقہ سے دق کیا تھا۔ اور حضرت والا کو بھی وقتاً فوقتاً کچھ واقعات کی خبر پہنچتی رہتی تھی اس لئے حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: اس رشتہ میں سختی بھی نہیں ہو سکتی وہ بھی ٹھیک نہیں اس واسطے چشم پوشی کرنی چاہئے (اس کے بعد بزرگوں کی بیویوں کے واقعات بیان کئے کہ میاں تو ایسے ہیں اور ان کی بیویاں ایسی۔ چنانچہ ایک بزرگ کی نسبت فرمایا کہ وہ اس قدر نازک طبع تھے کہ ایک بار آپ کی دولائی میں نگندے ٹیڑھے پڑ گئے تھے تو آپ کو شب میں نیند نہیں آئی مگر بیوی ایسی ملیں کہ بے نقط سنایا کرتی تھیں۔

ایک روز ایک بزرگ جنہوں نے ایک دوسرا نکاح بھی کر لیا تھا ان کی پہلی بی بی جو تھیں وہ ان کی باری میں جب ان کے یہاں جاتے تو وہ کواڑ بند کر لیتی گھر میں گھسنے نہ دیتیں۔ مولوی صاحب دہلیز میں ساری رات بیٹھے رہتے صبح کو کہتے کہ بی بی میں حاضری دے چلا ہوں یہ کہہ کر چلے آتے۔ ایک دفعہ ان ہی بی بی نے مولوی صاحب کی کمر میں دو ہتڑ بڑے زور سے مارا تو مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہاں بھائی میں ایسا ہی ہوں۔ (اس کے بعد حضرت نے کمترین سے فرمایا) کہ یہ سنت تو قدیم سے ہے۔ اسی طرح بہت سے بزرگوں کے ساتھ ہوا ہے آپ کا تو اس

میں اچھا خاصا مجاہدہ ہو رہا ہے۔ فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس سے پہلے جمعہ کو حضرت نے مشاہدہ موجودہ کے متعلق بیان کیا تھا کہ مجاہدہ پر آخرت میں یہ ثمرہ مرتب ہوگا کہ مشاہدہ ہوگا حق تعالیٰ کا اور اس جمعہ میں مشاہدہ موجودہ کے متعلق وعظ میں بیان فرمایا یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ مشاہدہ موجودہ سے کیا مراد ہے رویت باری تعالیٰ تو یہاں ممکن نہیں اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: اصطلاح صوفیہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف توجہ ہونا یہ مشاہدہ کہلاتا ہے اور ذات کی طرف توجہ ہونا اس کی معائنہ کہتے ہیں یہی مشاہدہ و معائنہ تجلی بھی کہلاتا ہے یہ تجلی تجلی رویت نہیں ہے اور اسی کو ظہور بھی کہتے ہیں۔ اس معنی کر کے دنیا کے اندر مشاہدہ واقع ہے مشاہدہ موجودہ سے یہی مراد ہے (ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر توجہ ذات یا صفات باری تعالیٰ کے ساتھ حدیث نفس وغیر اللہ کا خیال بھی آئے تو مشاہدہ رہے گا یا نہیں اس پر فرمایا اگر قصداً غیر اللہ کا خیال توجہ ذات یا صفات کے ساتھ لائے گا اور وہ بھی باقی رہے گا تو مشاہدہ ناقص ہوگا اور اگر خود نہیں لایا بلکہ مقصود توجہ الی صفات یا ذات اللہ ہو مگر اس کی ساتھ دوسری چیزیں بھی بلا قصد آ گئیں تو وہ مشاہدہ کاملہ ہوگا۔

اس کی مثال بڑی اچھی سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ قاعدہ ہے ابصار ظاہری میں کہ ابصار جس چیز کے ساتھ متعلق ہوتی ہے تو ابصار میں صرف وہی چیز نظر نہیں آتی بلکہ آس پاس کی چیزیں بھی نظر آتی ہیں اور وہ تمام ابصار کے لئے مانع نہیں ہیں اور دوسری چیزوں کے نظر آنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شعائیں جب مبصر کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں تو پھیلی ہوئی نکلتی ہیں اور اس کو تو محیط ہوتی ہی ہیں مگر ادھر ادھر بھی پڑتی ہیں اور دوسری چیزیں بھی نظر میں آتی ہیں گو قصد تو مبصر کا کیا ہے مگر تبعاً بلا قصد اور چیزیں بھی آ گئیں۔ اسی طرح جب ذہن کسی طرف توجہ کرتا ہے تو قصداً تو توجہ ایک طرف ہوتی ہے مگر جو چیزیں گرد و پیش کی ذہن میں ہوتی ہیں وہ بھی منکشف ہو جاتی ہیں اس پر شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ غیر کی طرف التفات ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہاں یکسوئی ہے اور وہ التفات بلا قصد ہے جو کہ مضر نہیں جیسے ابصار حسی میں دوسری چیزیں بلا قصد آ جائیں گی اور تمام ابصار میں مضر نہیں۔ اسی طرح سے ذہن میں بھی یہی حالت ہے یوں نہ کہیں گے کہ یہ چیزیں تمام توجہ کو مضر ہوئیں۔

یہ اثر میں ایسا ہی ہوگا کہ جیسے دوسری چیزیں منکشف ہی نہ ہوتیں۔ بس دوسری چیزوں کا اس طرح منکشف ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

دوسری مثال اس سے بھی زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ کوئی محبوب کرسی پر بیٹھا ہوا اور محب اس کو دیکھنا چاہے تو وہ قصد تو اسی کے دیکھنے کا کریگا مگر کرسی وغیرہ بھی نظر آئے گی۔ پوری توجہ تو محبوب کی طرف ہوگی مگر بلاقصد دوسری چیزیں بھی نظر آئیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث النفس اور غیر اللہ کا خیال جو بلاقصد ہو مشاہدہ تام کیلئے مانع نہیں۔ ہاں حدیث النفس اور غیر اللہ کا خیال قصداً لانا یہ بیشک مانع ہے آمدن اور چیز ہے اور آوردن دوسری چیز۔ آمدن تو مانع نہیں مشاہدہ تام کو آوردن مانع ہے اسکو۔ فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ قرآن میں تدبر کرنے کا حکم ہے اور ادھر تکثیر تلاوت بھی ہونی چاہئے۔ اگر تدبر کرتے ہیں تو تلاوت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اور اگر تلاوت زیادہ کرتے ہیں تو تدبر نہیں ہوتا۔ اس کے بارہ میں کیا جائے اس پر فرمایا۔

ارشاد: میرا اس میں ایک مشورہ ہے جو بعض احباب کو بتلایا کرتا ہوں وہ یہ کہ کلام اللہ کی تلاوت کیلئے دو جلسے مقرر کئے جائیں ایک جلسہ میں تو تدبر کے ساتھ تلاوت ہو۔ خواہ اس میں کتنی ہی قلیل مقدار ہو قرآن کی اور ایک جلسہ میں بلاتدبر تلاوت ہو۔

ایک شخص اسی قصہ میں بہت پریشان تھے بریلی میں وہ مجھ سے ملے اور یہی سوال کیا۔ میں نے ان کو یہ طریقہ بتلادیا۔ اس کو سن کر بہت ہی محظوظ ہوئے پھر انہوں نے یہی معمول قرار دے لیا۔ خلاصہ یہ۔ ہے کہ دو وقت کلام اللہ کے لئے معین کرے ایک میں تدبر ہو اور ایک میں بلا تدبر۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک بزرگ کے فرمانے پر قرآن شریف کو ایک دفعہ پورے تدبر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے مگر اسمیں کئی مہینہ خرچ ہوئے تھے۔ جو باتیں اس وقت یاد تھیں وہ یاد تو رہی نہیں۔ مگر ہاں قرآن سے مناسبت ہوگئی کہ مختلف آیات کے دیکھنے سے اشکال دفع ہوجاتے ہیں تجربہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطالعہ میں صرف ایک آیت کا دیکھنا اور تدبر کرنا کافی نہیں جب تک سیاق سباق کو نہ دیکھے۔ سیاق وسباق کے دیکھنے سے مدلول قرآن کا متعین ہوتا ہے بدون اس کے کلام اللہ حل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک موقع پر ہے **ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا**۔ کہ اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی غلبہ نہیں دیں گے۔ صرف اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو اگر کوئی شخص صرف اسی کو دیکھے گا اس کو شبہ واقع ہوگا مگر یہ شبہ سیاق میں دیکھنے سے حل ہوتا ہے اس سے پہلے ہے:

ان اللہ جامع المنفقین والکافرین فی جھنم جمیعاً الذین یتربصون بکم فان کان لکم فتح من اللہ قالوا الم نکن معکم وان کان للکفرین نصیب قالوا الم نستحوذ علیکم ونمنعکم من المومنین .

اس میں منافقین اور کفار کا ذکر ہے اس کے بعد ہے فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ ۔ کہ اللہ قیامت کو تمہارے درمیان حکم کریگا اس کے بعد ہے ۔ ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً ۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت کے متعلق ہے دنیا کے متعلق نہیں ۔ اب مطلب ظاہر ہے کوئی اشکال بھی نہیں مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جو اللہ فیصلہ کریگا اس میں کفار کی ڈگری نہ ہوگی مسلمان ہی غالب رہیں گے انہیں کی ڈگری ہوگی اور کفار ہاریں گے ۔ واقعی قیامت کو ایسا ہی ہوگا کہ کفار کو کسی صورت سے مسلمانوں پر غلبہ نہ ہوگا ۔

اسی طرح قرآن میں سینکڑوں مقامات ہیں کہ بدون سیاق وسباق کے مطلب معین نہیں ہوتا ۔ آیات کلام اللہ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے قطع بند اشعار ہوتے ہیں صرف ایک شعر کے دیکھنے سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا تاوقتیکہ دونوں شعروں کو ملا کر نہ دیکھا جائے ۔ فقط ۔

ہماری غرض اخلاق کی درستی سے اور ہے اور نیچریوں کی اور ہے

ارشاد: اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے ۔ اخلاق پر نیچری بھی زور دیتے ہیں ۔ اور علماء بھی زور دیتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ اس حیثیت سے زور دیتے ہیں کہ اخلاق کا اثر قومیت پر پڑے اور علماء اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ راضی ہوں ۔ بڑا فرق ہے دونوں میں ۔

محبت طبعی اور عقلی میں کون زیادہ ہے

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ محبت طبعی بڑھی ہوئی چیز ہے یا عقلی ۔ اس پر حضرت نے فرمایا ۔

ارشاد: محبت طبعی کو دوام نہیں ہوتا اور عقلی کو استحکام اور دوام ہوتا ہے ۔ اگرچہ طبعی میں اس وقت قوت زیادہ ہوتی ہے مگر اس کو دوام نہیں ہوتا ۔ اس واسطے محبت عقلی بڑھی ہوتی ہے ۔ فقط ۔

واقعہ: حضرت والا کسی موقعہ پر سو رہے تھے گھڑی پاس رکھی تھی حضرت کے ایک رشتہ دار جن کی عمر تقریباً ۱۳ سال کی ہوگی آئے اور گھڑی اٹھا کر لے گئے کیونکہ دوسری گھڑی کو اس سے ملانا

تھا۔ خیر اس کا مضائقہ نہ تھا مگر پھر اسی وقت واپس نہ لائے۔ حضرت کی آنکھ کھلی تو گھڑی ندارد۔ حضرت کو تشویش ہوئی کہ گھڑی کہاں گئی۔ آس پاس تلاش کیا بھی مگر نہ ملی بہت خیالات دوڑائے مگر کچھ خیال میں نہ آیا بہت دیر کے بعد ان عزیز کی طرف خیال کیا ان کو بلایا تو گھڑی ملی حضرت کو اس میں بڑی پریشانی ہوئی اور تلاش میں بہت وقت صرف ہوا۔ حضرت نے ان کو ۱۵ منٹ تک کان پکڑوائے اور ان سے فرمایا کہ بڑا اہتمام چاہئے اس کا تمہارے قول و فعل سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ یہ بہت بری حرکت ہے اور بعد ظہر حاضرین سے حضرت نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ ارشاد فرمایا۔

ایسا فعل کرنا جو سبب ہو ایذا کا خواہ قصد ایذا کا نہ ہو وہ بھی بڑا برا ہے

ارشاد: اگر قصداً کسی کو ایذا پہنچائے وہ بھی برا ہے اور اگر قصد تو ایذا کا نہ ہو مگر ایسا فعل کرے جو سبب ہو ایذا کا یہ بھی برا ہے۔ جیسا آج اس نے کیا حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں کا ذکر ہوا۔ ایک کی بابت تو یہ ذکر ہوا کہ ایک عورت ہے کہ وہ نماز روزہ تو خوب کرتی ہے۔ یعنی فرائض کے علاوہ مگر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی اس پر آپ نے فرمایا ھی فی النار کہ وہ جہنم میں جائے گی۔

اور دوسری کی بابت یہ ذکر ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک عورت ہے کہ نماز وغیرہ تو بہت نہیں پڑھتی یعنی فرائض کے علاوہ مگر پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا ھی فی الجنۃ۔ کہ وہ جنت میں جائے گی۔ دیکھ لیجئے ایذا پہنچانا ایسا ہے۔ اس کا اہتمام نماز روزہ سے بھی زیادہ کرنا چاہئے وجہ یہ ہے کہ جتنی چیزیں حقوق اللہ کہلاتی ہیں وہ حقیقت میں حقوق نفس ہی ہیں۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ کیونکہ ان کے ضائع کرنے سے اپنے ہی نفس کو ضرر ہے خدا کا تو کوئی ضرر نہیں اور ایذا دینا کسی کو یہ حقوق غیر سے ہے اور حقوق غیر کا اہتمام اپنے نفس کے حقوق سے ظاہر بات ہے کہ زیادہ ہونا چاہئے۔

اس لئے اس کا اہتمام روزہ و نماز سے بھی زیادہ ہونا چاہئے نہ اس وجہ سے کہ یہ امور ارکان اسلام ہیں ارکان اسلام تو نماز روزہ ہی ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یہ حقوق غیر ہیں ان کے اخلال سے دوسروں کے مواخذہ کا ڈر ہے جو کہ کریم نہیں۔ اس لئے ان کا اہتمام زیادہ سے زیادہ

چاہئے افسوس یہ ہے کہ بعض علماء تک اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور رؤسا کو تو اس کی طرف بالکل ہی التفات نہیں۔ کسی سے خوب بیگاریں لیتے ہیں اور کسی کو خوب ہی مارتے پیٹتے ہیں۔ غرضیکہ مختلف طریقوں سے ایذا پہنچاتے رہتے ہیں آجکل اس طرف لوگوں کو توجہ نہیں۔ فقط۔

ارشاد: لوگ اس کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ ذکر و شغل میں جیسا پہلے لطف آتا تھا جوش وخروش ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ سے کسی نے یہی شکایت کی تھی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی جانتے ہو خبر بھی ہے کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔ اس پر ایک حکایت ظرافت آمیز یاد آئی۔

ایک ولایتی تھے رئیس ہندوستان میں رہتے تھے ان کی بی بی کا انتقال ہو گیا۔ صاحب کلکٹر ان کے یہاں عیادت کو گئے اور اظہار افسوس کیا تو وہ رئیس صاحب کہتے ہیں کہ صاحب وہ ہمارا بی بی نہیں تھا وہ ہمارا اماں تھا ہمیں ہوا کرتا تھا ہمارا کھانا پکاتا تھا۔ ہماری خدمت کرتا تھا۔

کلکٹر صاحب یہ سن کر ہنسنے لگے ذکر و شغل میں واقعی ابتداء کا سا جوش وخروش نہیں رہتا نہ ویسی لذت رہتی ہے مگر اس کی طرف التفات نہ چاہئے کیونکہ احوال مقصود نہیں اعمال مقصود ہیں خواہ وہ بہ تکلف ہوں۔ اسی واسطے تربیت السالک میں ان سب امور کا فیصلہ کر دیا ہے اس کو ذہن میں حاضر رکھنے والا کبھی خلجان میں نہ پڑیگا مایوس نہ ہوگا۔ اس طرف التفات ہی نہ چاہئے کہ پہلا سا ذوق شوق نہیں رہا کام کئے جاؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز غیر اختیاری ہے وہ مضر نہیں خواہ کتنی ہی بری ہو۔ یہاں تک کہ کفر سے بڑھ کر تو کوئی چیز بری نہیں۔ اگر بلا اختیار اس کا وسوسہ بھی آئے تب بھی مضر نہیں۔ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ ہمارے قلب میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ یوں جی چاہتا ہے کہ ہم کو جل کر کوئلہ ہو جانا گوارا ہے مگر ان کو زبان پر لانا گوارا نہیں ہے۔ آپ نے اس پر فرمایا۔

ذالک صریح الایمان کہ یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حالت اس کے گمان میں بری ہو تو وہ واقع میں بھی بری ہو۔ اسی لئے سالک کو جو حالت بھی بلا اختیار پیش آئے اس کو خیر ہی سمجھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ صاحب فرماتے ہیں شعر ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست ☆ بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

ہر چہ میں سب ہی حالتیں داخل ہیں کہ جو کچھ بھی پیش آئے اس میں خیر ہی ہے مگر آید ہونا چاہیے آوردنہ ہو بس جس پر آید صادق ہو گا وہ خیر ہی ہو گا (مطلب یہ کہ جو حالت بلا اختیار پیش آئے اس میں خیریت ہی ہے اور وہ مذموم نہیں اور جو خود دلادے اس میں مذموم بھی ہے) ریا ہو عجب ہو کفر ہو مگر ہو غیر اختیاری تو وہ مضر نہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ وہ صورت کفر وغیرہ ہے حقیقت اس کی نہیں۔ پہچان اور کھلی علامت اس کی یہ ہے کہ ایک تو اس کے مقتضا پر عمل نہ ہو۔ اور دوسرے اس کو قبیح سمجھے۔ مثلاً ہمارے قلب میں کسی دوسرے سے اپنے افضل ہونے کا وسوسہ آتا ہو۔ مگر ہم اس کے ساتھ اس کے مطابق برتاؤ نہ کریں۔ بلکہ اس کی تعظیم وتکریم کریں زبان سے اس کی ثنا کریں اور اس وسوسہ کو برا بھی سمجھیں اور دل سے چاہیں کہ دفع ہو جائے تو بس یہ صورت کبر ہے حقیقت کبر نہ ہو گی اور کون ایسا ہے جسے وسوسہ نہیں آتا۔ اسی واسطے ان امور کی طرف التفات سے منع کیا ہے اہل تحقیق نے بس کام کئے جاؤ نہ مزوں میں پڑو کہ ذکر میں لذات کے طالب ہو نہ احوال کے پیچھے پڑو نہ وساوس کے درپے ہو اگر ان خیالات میں مشغول ہو گے تو کوئی کام ہی نہ ہو گا۔ ہر امر میں اس قدر شبہات پیدا ہوں گے کہ سلسلہ ہی ختم نہ ہو گا۔

نفس کو بعض وقت ایک اور بات ستاتی ہے کہ بعض باتیں ہوتی تو ہیں غیر اختیاری مگر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں اختیاری نہ ہوں۔ اور ہم غیر اختیاری سمجھ رہے ہوں۔ یہ بھی حالت پیش آتی ہے اور اس وجہ سے سالک نہایت مغموم ہوتا ہے۔ میں نے اس کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ بس ایسے وقت میں اس طرف کچھ التفات نہ کرے بس حق تعالیٰ سے عرض کرے کہ اے اللہ اگر ایسا ہو تو معاف کر دیجئے۔ بس یہ کرے اور کام میں لگے ماضی اور مستقبل کی فکر دونوں حجاب ہیں (مطلب یہ ہے کہ ماضی کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ایسا ہوا تھا اور ویسا ہوا تھا نہیں معلوم ہم مردود ہو گئے ہوں گے اور اسی کے پیچھے پڑے رہنا اور غم میں مبتلا رہنا یہ بھی حجاب ہے۔ اور مستقبل کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آئندہ جانے کیا حالت ہو اور اسی فکر اور سوچ میں رہنا یہ بھی حجاب ہے۔

بس پہلے کیلئے تو اللھم اغفرلی کہے اور آگے کیلئے اللھم احفظنی اور کام میں لگے اور سوچ میں نہ پڑے۔ مرض کا علاج سوچنا نہیں مرض کا علاج تو دوا ہے۔ اگر اسی سوچ میں رہ

جائے کہ یہ مرض کیوں ہوا۔ تو اس سے کیا نتیجہ نکلا بلکہ علاج کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر اس سوچ میں پڑ جائے کہ اب تو علاج کر لیا لیکن مرض پھر ہو گیا تو کیا کروں گا۔ بس اسی فکر میں لگا رہے اور علاج نہ کرے یہ بھی نہ چاہیئے اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی بیمار ہو۔ اور اس وقت کے مناسب علاج کر سکتا ہو۔ مگر اس نے یہ خیال کیا کہ اس وقت تو علاج کر لوں گا۔ مگر یہ مرض پار سال کو پھر نہ ہو جائے اس لئے علاج نہیں کرتا اس کو چاہیئے کہ اب جو حالت ہے اس کا علاج کرے پھر ہو گا پھر علاج ہو جائے گا۔ اس فکر میں کیوں پڑے کہ آئندہ یہ مرض ہو جائیگا تو کیا کرونگا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ع

ماضی و مستقبلت پردہ خداست

بڑے بڑے بزرگ مبتلا ہیں اس میں۔ عمل میں تو لوگ کوتاہیاں کرتے ہیں اور احوال ومواجید کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ اعمال کے سامنے احوال کوئی چیز نہیں۔ دیکھئے سب سے بڑھ کر حالت استغراق کی ہے تصریح اکابر ذکر لسانی اس سے افضل ہے سو عمل اتنی بڑی تو چیز ہے مگر اس سے جان نکلتی ہے لوگوں کی بس یہی کہتے ہیں کہ مزہ تو آتا نہیں ہے۔ میں نے اس پر کہا تھا کہ مزہ تو مذی نکلنے میں آتا ہے لوہے کے چنے چبانے میں مزہ کہاں۔ اور یوں کسی ذکر و شغل میں مزہ آجائے وہ اور بات ہے مگر اس کا وعدہ نہیں نماز سے زیادہ کونسی چیز ہوگی۔ جس کے بارہ میں ہے جعلت قرة عيني في الصلوٰة ۔ مگر وعدہ نہیں کہ ٹھنڈک ہوگی بھی۔

یہ اتنا بڑا مغالطہ ہے سالکین کو کہ اس سے بہتوں کا راستہ مارا گیا جب ان کو مزہ نہیں آتا حالات پیش نہیں آتے۔ وسواس دفع نہیں ہوتے تو چھوڑ بیٹھے ہیں ذکر و شغل کو مایوس ہو جاتے ہیں کہ کچھ ہوتا تو ہے ہی نہیں۔ پھر کیا کرینگے ذکر و شغل کر کے اور لیجئے کتنی بڑی حالت رفیع ہے۔ کرامت مگر اس کو بھی ذکر لسانی سے مؤخر کیا ہے۔ سبحان اللہ ایک دفعہ کہنا تمام عمر کی کرامت سے افضل ہے اور خود ان اولیاء کا ہم سے افضل ہونا بوجہ کرامت کے نہیں۔ بلکہ ان کا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا ہماری تمام عمر کے سبحان اللہ کہنے سے بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے ان کو فضیلت ہے۔

بعض اولیاء اللہ نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے ایک کرامت بھی صادر نہ ہوتی۔ اس میں دو مضرتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کرامت کے بعد عجب ہو جانا بعید نہیں دوسرے یہ کہ نعمت آجلہ اتنی زیادہ ہوتی۔ جس قدر کرامت کم صادر ہوتی ہے۔

یعنی اگر وہ کرامت نہ ہوتی تو اس کا عوض بھی ان کو وہاں ملتا۔ اب وہ نہ ملے گا۔ باقی

عمل کا اجر وہ جدا ہے۔ جیسا حدیث میں ہے کہ اگر کوئی غزوہ میں جائے اور وہاں سے ناکام آئے تو اس کو پورا اجر ملتا ہے ورنہ اجر کم ہو جاتا ہے یعنی ناکامی کا اجر جو ملتا ہے وہ نہ ملا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ایک دفعہ مکان تعمیر کرانا چاہتے تھے کچھ روپیوں کی ضرورت تھی۔ اسی درمیان میں خواب دیکھا کہ ایک مکان ہے نہایت عمدہ مگر ایک کنگورہ اس کا ٹوٹا ہوا ہے آپ نے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے تو کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ محمد یعقوب کا مکان ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کنگورہ کیسا ٹوٹا ہوا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اتنا حصہ دنیا میں لے چکے ہیں اس لئے یہاں کمی ہوئی ہے۔

ایک یہ بھی خرابی ہے کہ صاحب کرامت کو بعض اوقات اپنے کامل ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ اسی لئے ان امور کو بزرگوں نے پسند نہیں فرمایا۔

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مہمان آئے کھانا کم تھا وہاں اخلاق تھے وسیع۔ حضرت کو فکر ہوئی آپ نے اپنا رومال گھر میں بھیج دیا آپ کے بھاوج تھیں ان کا اہتمام تھا ان سے کہلا دیا کہ جس وقت کھانا اتارو تو کھانے پر اس کو ڈھک دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سب نے کھانا کھا بھی لیا اور بچ بھی گیا۔

مریدین کو اس پر ناز ہوا کہ ہمارے پیر ایسے ہیں۔ حافظ محمد ضامن صاحب وہاں آئے اور کہا اسلام علیکم حافظ صاحب بیباک بہت تھے۔ کہنے لگے کہ حضرت آپ کا رومال سلامت رہے اب قحط تو کیوں ہوا کریگا اور قحط میں جو حکمت اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کے ظہور کی ہے وہ اب کاہے کو ظاہر ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ رومال ڈھک دیا اور بے تعداد لوگوں نے کھانا کھا لیا کمی تو ہوہی گی نہیں پھر قحط کے کیا معنی اور دنیا میں سختی یا نرمی جو بھی ہوتی ہے یہ خدائے تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہے۔ یعنی کبھی صفت قہر کا ظہور ہوا تو تنگی ہوگئی اور صفت رحم کا ظہور ہوا تو فراخی ہوگئی یہ بھی نہ ہوا کریگا۔

حافظ صاحب سے یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ میں آئندہ کیلئے توبہ کرتا ہوں۔ سو اگر چہ یہ معصیت نہیں تھی مگر اپنے درجہ کے مناسب حضرت حاجی صاحب معصیت سمجھے۔ ع

مقربان رابیش بود حیرانی

بعض محققین کا قول ہے کہ عارف راہمت نباشد یعنی عارف میں ہمت نہیں ہوتی۔ یعنی وہ تصرف کرنے کو بے ادبی سمجھتا ہے۔ انبیاء سے زیادہ کس کے دل کو قوت ہوگی۔ پتھر کھائے سب ہی کچھ مصائب اٹھائے مگر تصرف نہیں کیا ہاں دعا کرتے تھے۔ ہدایت کی توجہ نہیں ڈالی۔ اگر توجہ ڈالتے تو کیا ابوجہل ایمان سے باز رہتا۔ ہرگز بھی نہیں۔

بس سمجھ لیجئے کہ عارف انبیاء کی روش پر ہوتا ہے۔ باقی تصرف تو اس کی لونڈی ہے اگر کرنا چاہیے تو کرسکتا ہے۔ مگر وہ اس کو بے ادبی سمجھتا ہے اس لئے نہیں کرتا وہ اس کو چھوڑ کر اسباب متعارفہ سے کام لیتا ہے ان چیزوں سے کام نہیں لیتا یعنی تصرفات نہیں کرتا اور وہ یہ نہیں کرتا کہ کھانے پر توجہ ڈالی اور کھانے کو پکا دیا گیا۔ بلکہ لکڑی لاتا ہے چولہا جھونکتا ہے سب کام کرتا ہے۔

ایک حکایت دیکھی ہے وہ یہ کہ حضرت غوث پاکؒ کچھ وعظ فرما رہے تھے اتنے ہی میں ساکت ہوگئے۔ یہاں تک کہ حاضرین پر ایک خاص برکت محسوس ہونے لگی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک شخص بیت المقدس سے ایک قدم رکھ کر میرے پاس آئے تھے۔ یعنی زمین سمٹ گئی اور ایک قدم میں اتنی مسافت طے ہوگئی یہ امر اور اولیاء کی کرامات میں بھی بکثرت آیا ہے اور میرے ہاتھ پر توبہ کرگئے ہیں کہ پھر اس طرح نہ چلوں گا۔

اس کرامت سے توبہ کرنے آئے تھے یہ برکت ان کی تھی۔ البتہ بعض اولیاء اللہ ماذون ہیں اظہار کرامات میں اور ان سے اظہار کرامت دوسروں کے نفع دینے کی غرض سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت غوث اعظمؒ کی نسبت کہا گیا ہے پھر استطر اداً فرمایا کہ بعض نے طی ارض کا انکار کیا ہے مگر ایسے واقعات بکثرت ہوئے ہیں۔ اس لئے انکار کی گنجائش نہیں۔ روض الریاحین میں اس قسم کی بہت سی کرامات لکھی ہیں۔

پھر فرمایا کہ کرامت ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات اس شخص کو بھی جس سے کرامت صادر ہوئی ہے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ کسی بادشاہ کے دربار میں تھے کسی بات پر بادشاہ نے ناراض ہوکر آواز دی کہ کوئی ہے۔ انہوں نے بھی کہا کہ کوئی ہے بس یہ کہتے ہی ایک شیر کسی کونے میں سے پیدا ہوا۔ اور بادشاہ کی طرف چلا۔ بادشاہ تو بھاگا ہی مگر یہ بھی اس سے ڈر کر بھاگے حالانکہ ان کی ہی کرامت سے یہ شیر پیدا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ میری کرامت سے شیر پیدا ہوا ہے ورنہ بھاگتے کیوں۔ قرآن شریف میں اس کی نظیر موجود ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ہے ولّٰی مدبراً۔ آپ ہی کا تو معجزہ ہے اور آپ ہی ڈر کر بھاگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوارق عادت صادر ہونا بزرگی کے لوازم سے نہیں اور یہ تو امر مشترک ہے کفار سے بھی خوارق صادر ہوتے ہیں کچھ مسلمان ہی کے ساتھ خاص نہیں تو جو امر مشترک ہو وہ کیا قابل فخر ہوگا۔ مگر لوگ آج کل کشف وکرامت کو بہت ہی کچھ سمجھتے ہیں۔ فقط۔

واقعہ : اوپر بھی ذکر آچکا ہے ان ہی مولوی صاحب کا بیان ہے کہ میرے گھر میں اور مجھ میں

مناقشہ سخت پیش آیا تھا جس کا ذکر قریب ہی اوپر آیا ہے۔ حضرت والا نے کمترین سے دریافت فرمایا کہ اب کچھ تمہارے گھر میں سیدھی بھی ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ آج تو انہوں نے اپنے کو بیمار ظاہر کیا ہے مگر نبض میں صرف تکان معلوم ہوتا ہے پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو میں نے اس معاملہ کو اللہ میاں کے حوالہ کر دیا ہے میں اب ان کو کچھ نہ کہوں گا بلکہ یہی دعا کروں گا کہ اللہ میاں اصلاح فرمائے۔ حضرت نے فرمایا کہ سختی سے کچھ ہوتا نہیں۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ کیا مطلق العنان چھوڑ دے۔ اس پر فرمایا:

بیوی پر سختی سے کام نہ چلے تو کیا مطلق العنان چھوڑ دے

ارشاد: نہیں نصیحت کرتا رہے جب سختی سے نفع نہ ہو تو سختی نہ کرے اصل میں سختی بالذات مقصود نہیں مقصود اصلاح ہے۔ جب معلوم ہو جائے کہ سختی سے نفع نہیں ہوتا تو نرمی سے ہی اصلاح کرتا رہے مگر اس میں ضبط کی ضرورت ہے جو مشکل ہے۔ کیونکہ یہ تو آسان ہے کہ بالکل نہ بولے اور یہ مشکل ہے کہ ناگواری میں نرمی سے بولے۔ خاص کر جب دوسرا ٹیڑھا ہوتا چلا جائے اور اصل بات یہ ہے کہ گھر والوں کا حال خود ہی ہر شخص خوب جانتا ہے کہ نرمی سے اصلاح ہو گی یا سختی سے فقط۔

واقعہ: ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں بذریعہ پارسل ریلوے کچھ کابلی چنے اور ایک جوڑا جوتا اور ایک کمر کھجلانے کا پنجہ بھیجا۔ اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا۔

ارشاد: جب کمر میں خارش اٹھتی تھی تو عرصہ سے یوں جی چاہتا تھا کہ کسی بڑھئی سے لکڑی کا پنجہ بنوالیا جائے کہ اس سے کمر کھجالیا کروں ہاتھ تو پہنچتا نہیں۔ عرصہ سے یہ خیال تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہاں سے (جہاں سے آیا ہے) پہنچا دیا۔ حالانکہ ان کو میرے خیال کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ (پھر فرمایا) اوف فو (کلمہ تعجب ہے) کیا ٹھکانا ہے ان کی رحمت کا کہ کمر کے کھجلانے تک کی رعایت کرتے ہیں (بہر طور انکساری کے ساتھ فرمایا) مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ گدھوں کو حلوہ دیتے ہیں یہ ایسا ہی تو ہے نہ مجھ میں کوئی کمال اور نہ لیاقت مگر وہ ناز اٹھاتے ہیں فقط۔

حضرت کا ہدیہ میں معمول

واقعہ: حضرت کے معمولات میں سے ہے کہ جو کوئی ہدیہ بھیجے اور ریلوے کا محصول خود نہ دے بلکہ حضرت کو دینا پڑے تو واپس فرما دیتے ہیں اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔

ارشاد: وہ ہدیہ کیا ہے جس میں کہ محصول دینا پڑے۔ میرے یہاں اصول ہے کہ جس ہدیہ میں میرا صرف ہو میں نہیں لیتا۔

واقعہ: حضرت کا معمول ہے کہ رمضان شریف کے مہینہ میں تربیت باطن کے متعلق خاص تعلیم نہیں فرماتے نہ کوئی پرچہ اس کے متعلق لیتے ہیں۔ ایک صاحب نے پرچہ پیش کیا اس پر فرمایا۔

ارشاد: میرے یہاں پالیسی نہیں ہے صاف صاف بات ہے میں اس کا راز بتلاتا ہوں کہ اس مہینہ میں یہ تعلیم کس لئے موقوف کردیجاتی ہے کہ مغرب سے عشاء تک کا وقت اس کے متعلق زبانی بات کرنے کا تھا۔ اور آجکل وہ وقت ہے نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں نے اس کا سامان کیا ہے کہ یہاں رمضان میں زیادہ ہجوم نہ ہو میرا جی ہجوم سے گھبراتا ہے اس کی تقلیل کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ تربیت کی تعلیم موقوف کرنے کی وجہ سے بہت لوگ نہ آئیں گے یوں خیال کرلیں گے کہ تعلیم تو ہوتی نہیں پھر ہم جاکر کیا کریں اگر میں آپ کا پرچہ لوں گا تو یہ مصالح باطل ہوجائیں گے کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہوگا پرچہ دینے کا۔ ایک تو یہ مصلحت تھی تعلیم کے ترک کرنے میں اور ایک راز اس میں اور ہے گو کہنے کے تو قابل نہیں ہے مگر خیر بتلائے دیتا ہوں وہ یہ کہ رمضان شریف کا مہینہ ایسا ہے کہ میں اس میں منقول عبادتوں کو جیسے قرآن ونوافل کو مہتم بالشان سمجھتا ہوں بہ نسبت غیر منقول عبادات جواذ کار واشغال مشائخ کے ہیں رمضان شریف میں منقول کے علاوہ کوئی نئی بات نہ زبان پر لانا چاہتا ہوں اور نہ کان میں ڈالنا چاہتا ہوں اس ماہ میں وہ عبادات اولیٰ ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہیں۔ اس لئے میں بھی تربیت مصطلحہ کے متعلق رمضان شریف میں شغل نہیں کرتا۔ فقط۔

ایک صاحب کی نفس کے قابو میں نہ آنے کی شکایت

واقعہ: ایک خادم نے نفس کے قابو میں نہ آنے کی شکایت لکھی اور لکھا کہ اس کی شرارتوں کی جو سزا تجویز کرتا ہوں تو اس کے جاری کرنے پر پوری قدرت نہیں ہوتی یہ صاحب مدت سے ایسی کم ہمتی کی باتیں لکھا کرتے ہیں حالانکہ ان کا عملی علاج بھی ہوچکا ہے مگر یہ اپنے آپ کو نگاہ بازی نہ کرنے میں عاجز سمجھتے ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

ارشاد: لوگوں سے رات کو جاگنا اور کم کھانا اور نوافل پڑھنا وغیرہ سب کچھ ہوسکتا ہے باقی

گناہ سے اپنے کو بچانا یہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ یہ اس سے سہل ہے۔ بات یہ ہے کہ قصد ہی نہیں گناہ کے چھوڑنے کا (اس کے بعد نگاہ کرنے کے متعلق فرمایا) کہ اگر آدمی نیچی نگاہ کر لے تو کیا کوئی زبردستی اونچی کردیگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نفس میں تقاضا ہوتا ہے کہ نگاہ اٹھائیں مگر یہ تو کرسکتا ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی کہے کہ نگاہ کا بچانا قدرت میں نہیں تو بالکل غلط ہے اگر کوئی حاکم یا پیر ہو جسے یہ بڑا سمجھتا ہو اور وہ سامنے ہو تو کیا ممکن ہے کہ اس کے دیکھتے ہوئے اس شخص کی نگاہ اوپر کو اٹھ سکے۔ ایک صاحب یہاں آئے تھے وہ بھی اس پر مصر تھے کہ نگاہ بچانا قدرت میں نہیں۔ میں کہتا تھا کہ ذرا سوچئے۔

اس کے بعد ان کا خط آیا تھا کہ واقعی میری غلطی تھی کہ میں قدرت سے خارج سمجھتا تھا موٹی سی بات ہے۔ صاحب علم اس کے اختیاری ہونے کو اتنی بات سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر قدرت نہ ہوتی تو قرآن شریف میں یہ حکم کیوں ہوتا **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم** کیونکہ ارشاد ہے **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا**۔ تو کیا یہ کلام کاذب ہے پھر حضرت نے افسوس سے فرمایا۔

بس جی لوگ یوں چاہتے ہیں کہ مزہ میں بھی خلل نہ ہو اور کام بھی بن جائے (اس کے بعد فرمایا) مجاہدہ خلاف نفس کرنے کو کہتے ہیں اور یہ (نگاہ نہ کرنا خیال نہ لانا) ہر وقت کا مجاہدہ ہے اس لئے اس سے دم نکلتا ہے۔ ہاں سو مت کھاؤ مت اس کے کرنے کو تیار ہیں۔ مگر گناہ نہیں چھوڑا جاتا ہے فقط۔

واقعہ: ایک صاحب کی عادت تھی کہ دوسروں کے واقعات کی تحقیق حضرت سے کیا کرتے اور ان کے واقعات کی تفتیش کرتے اور دوسروں کے دریافت کئے ہوئے مسائل کا اعادہ کراتے۔ دوسرے یہ عادت تھی کہ دو شخص باتیں کرتے ہوں تو اس طرف کان لگاتے۔ انہوں نے کسی شخص کا واقعہ پوچھا اس پر فرمایا۔

ارشاد: آپ کے اندر مادہ ہے کہ دوسروں کے واقعات کی تحقیق مجھ سے کرتے ہیں یہ مضر ہے فعل عبث ہے۔ ایک بات یہ بھی میں دیکھتا ہوں کہ دو آدمی بات کرتے ہوں تو آپ سنتے ہیں یہ شرعاً بھی ممنوع ہے اور اخلاقاً بھی اس سے تو تغافل چاہئے اور دوسروں کے واقعات کی تحقیق کرنا اور فکر میں پڑنا اس طرح کہ اگر نہ معلوم ہو تو اس کی تفتیش میں رہیں سخت بے ہودہ حرکت ہے آپ

اوروں کے پوچھے ہوئے مسائل کا مجھ سے کیوں اعادہ کراتے ہیں بعض اوقات مجھ پر یہ امر بار ہوتا ہے چونکہ سائل اپنی ضرورت سے سوال کرتا ہے اس لئے مجیب اس کی تطویل کو بھی گوارا کرتا ہے اور آپ اپنی ضرورت سے سوال کرتے نہیں ہیں۔ یہ ناگوار ہوتا ہے اور ایذا ہوتی ہے مسلمان کو بلاوجہ ایذا دینا حرام ہے اور یہاں کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ کو خود منصب ہے سوال کرنے کا۔ آپ اپنی طرف سے سوال کیجئے دوسرے کے سوال کو کیوں پوچھتے ہیں اور اس کا واقعہ کیوں تحقیق کرتے ہیں (اس کے بعد دوسرے کی طرف کان لگانے کے متعلق فرمایا کہ) ایسے وقت میں ضروری بات یہ ہے کہ ادھر سے تغافل کر لینا چاہیئے۔ یعنی بہ تکلف غافل بن جائیں کہ دوسرے بھی سمجھ لیں کہ اس کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہے غرض ادھر کان ہی نہ لگایئے راحت کی زندگی یہ ہے کہ اس طرح سے انسان زندہ رہے کہ کسی کے قلب پر اس کی طرف سے بار نہ ہو رائی برابر بھی۔ پھر واللہ ایسی زندگی ہوگی شعر:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ☆ کسے رابا کسے کارے نباشد

مجھے نہایت پسند آیا ایک دنیا دار کا فعل اور ایسی بات آجکل مشائخ میں بھی نہیں وہ یہ کہ میں جب کانپور میں تھا ایک نائب تحصیلدار تھے ہمیر پور کے وہ میرے پاس آئے ان کو اپنے لڑکے کیلئے ایک مدرس کی ضرورت تھی انہوں نے مجھ سے کہا میرے یہاں ایک طالب علم تھے۔ اور ان کو ملازمت کی ضرورت بھی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے پڑھ رہے تھے میں ان سے رائے پوچھنے کیلئے عربی میں کلام کرنے لگا۔ اس خیال سے کہ یہ تو سمجھتے نہ ہوں گے عربی زبان اور وہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے نہایت ادب سے کہا کہ میں عربی سمجھتا ہوں اگر کوئی بات علیحدہ کہنے کی ہو تو میں علیحدہ ہو جاؤں۔

بس میں ان کے اخلاق پر عاشق ہو گیا۔ اور ان سے کہا کہ تھی تو مخفی بات مگر آپ جیسے شخص سے اب مخفی کرنا نہیں چاہتا۔ پھر میں نے ان کے سامنے ہی اردو میں گفتگو شروع کر دی۔ بہر حال جہاں دو باتیں کرتے ہوں وہاں سے خود اٹھ جانا چاہیئے۔ اگر اٹھے بھی نہیں تو دوسری طرف متوجہ ہو جائے۔ تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص ہماری طرف خیال ہی نہیں کر رہا ہے اور بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ قصد ہو کہ معاملہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ صحیح رہے اسی وقت ساری باتیں درست ہو سکتی ہیں اسی بارہ میں دیکھئے کہ اگر اس نے دوسرے کے راز پر اطلاع ہونے کی کوشش کی۔ اور دوسرے کو اس قصد کی اطلاع نہ بھی ہوئی مگر خدائے تعالیٰ کو تو اطلاع ہوگی

اور اس کے ساتھ معاملہ درست نہ رہے گا اس لئے کبھی بھی کوشش نہ کرنا چاہیئے کہ کسی کے راز پر اطلاع ہو کیونکہ اول تو اس میں گناہ ہے دوسرے یہ کہ دوسروں کو ایذا ہوتی ہے۔ اور طریق میں اس کا بڑا اہتمام ہے کہ کسی کو کسی سے ایذا نہ ہو۔

مشائخ نے تو یہاں تک مبالغہ کیا ہے راحت رسانی میں کہ اپنے شیخ کے آداب سے لکھا ہے کہ جب وہ کسی طرف مشغول ہو تو اس کو سلام بھی نہ کرے کیونکہ سلام کرنے سے اس کی توجہ اس طرف منعطف ہو جائے گی اور شاید دوسری طرف سے اس طرف متوجہ ہونا اس کے دل پر بار ہو۔ اگر مشائخ کا قول شرعی حجت نہ ہو تو فقہاء کا قول تو شرعی حجت ہے۔

فقہا نے بھی لکھا ہے کہ جس وقت کوئی دوسری طرف مشغول ہو تو اس وقت سلام نہ کرے۔ اور مشغولی کی تین صورتیں لکھی ہیں۔ یا تو معصیت میں مشغول ہو یا اطاعت میں یا کسی حاجت طبعیہ میں۔ تینوں صورتوں میں منع کیا ہے۔ اول میں اہانت کیلئے ثانی ثالث میں حرج کے سبب بعض اوقات کھانا منہ میں ہوتا ہے اور یہ شخص اس کو اتارنا چاہتا ہے اتنے میں کسی نے کہا السلام علیکم اور طبعی بات ہے کہ جواب کا تقاضا سلام سننے کے ساتھ ہی فوراً ہوتا ہے۔

تو اگر ایسی حالت میں جواب دیا تو بعض اوقات لقمہ منہ میں اٹک جاتا ہے۔ بس خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مشغول ہو اس کو سلام نہ کرنا چاہئے چپکے جا کر بیٹھ جائے بس جو مصلحت صوفیا کا حاصل تھا وہی فقہاء کا حاصل ہے۔ فقہاء نے تجربہ سے کام لیا ہے۔ اگر کوئی صوفیاء کے قول پر عمل نہ کرے تو خیر فقہاء کے قول پر عمل کرے۔

بعض لوگ شیخ کے پاس جا کر دوسروں کے سلام ان کو پہنچایا کرتے ہیں۔ دوسروں کا سلام شیخ کو پہنچانا علاوہ مصلحت اخلال مشغل کے ایک اور وجہ سے بھی خلاف مصلحت ہے وہ یہ کہ طبیب کے پاس جا کر پڑوسیوں کے امراض پیش کرنا مناسب ہوتا ہے یا اپنے امراض سو وہاں تو جو وقت ملے اپنی اصلاح میں صرف کرنا چاہئے نہ کہ دوسروں کے پیاموں کے پہنچانے میں اور مراد وہ صورت ہے جب غالب شغل بھی ہو ورنہ احیاناً کسی کا سلام پہنچا دینا کچھ حرج نہیں ہے۔

واقعہ: ایک صاحب کا خط آیا لکھا تھا کہ ایک میرے ہم عمر ہیں ۲۰ سال کی عمر ہوگی ان سے مجھ کو محبت ہوگئی اور ان کو مجھ سے اور لکھا تھا کہ جانبین سے کسی طمع نفسانی کا خیال بھی نہیں اور یہ لکھا تھا کہ وہ کچھ پابند نماز وغیرہ کے نہ تھے میری نصیحت سے پابند ہوگئے اور لکھا تھا کہ قرآن شریف کا ترجمہ انہوں نے مجھ سے یاد کیا ہے اور یہ صاحب اس کو حب فی اللہ سمجھتے تھے۔

حضرت والا سے اس کے بارہ میں پوچھا تھا۔ حضرت نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک اس میں نفس کا کید مخفی ہے جلد اس کو چھوڑیں ورنہ بہت پچھتانا پڑے گا۔ جب دین بگڑنے لگے گا۔ اس کے بعد فرمایا۔

ارشاد: یہ صاحب دوسرے کی مصلحت بتلاتے ہیں (کہ نماز کے پابند ہو گئے اور یہ فائدہ ہوا اور یہ ہوا) چاہے اپنا دین برباد ہو جائے دوسرے کی مصلحت میں کیا اور ہزاروں آدمی نہیں ہیں صرف ان ہی سے تعلق رہ گیا تھا نصیحت وغیرہ کرنے کا۔ اگر کوئی آدمی بڈھا ہو اور اس کی آنکھ سے آنسو بہتے ہوں اور وہ ایسا ہو کہ نماز وغیرہ نہ پڑھتا ہو اور ان کے تعلق سے پڑھنے لگے) تو کیا اس سے ایسا تعلق رکھیں گے؟

یہ صرف نفس کا کید ہے اور کچھ نہیں نفس شیطان سے بھی بڑھ کر ہے نفس تو بادشاہ ہے اور شیطان اس کا معین ہے اور وزیر ہے مدبر بھی اتنا بڑا ہے کہ گناہ کرانے کی تدابیر ایسی سوچتا ہے کہ شیطان کی بھی سمجھ نہیں آتی۔ وہ دقائق نکالتا ہے کہ شیطان کو بھی نہیں سوجھتے۔ شیطان صرف داعی ہے چنانچہ قرآن میں شیطان کا مقولہ ہے **الا ان دعوتکم فاستجبتم لی** کہ میں نے تو صرف تم کو بلایا تھا تم نے میرا کہا مان لیا۔ میں نے کوئی زبردستی تھوڑا ہی کی تھی (یہ قیامت کو شیطان کہے گا) اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی ہے تو مہمل سی مگر اس کی عمدہ مثال ہے کہ شیطان کم ہے تدبیر میں نفس سے اور نفس زیادہ ہے وہ حکایت یہ ہے: کہ ایک شخص سفر میں اونٹنی پر سوار تھا شیطان نے بہکایا مستی سوار ہوئی کہ اونٹنی کا بوسہ لینا چاہیے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیونکر لوں گردن لمبی ہے منہ کیسے پہنچے شیطان نے بھی بہت سوچا کہ کیا تدبیر سوجھاؤں مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر اس نے خود ہی ایک بات نکالی وہ یہ کہ ایک ٹہنی ہری توڑی اور اونٹنی کے منہ کے قریب کی اس نے منہ اس کے کھانے کو اس طرف کیا اس نے ٹہنی کو پیچھے ہٹالیا اس نے اور گردن موڑی اس نے ٹہنی اور پیچھے کو کر لی یہاں تک کہ منہ قریب آ گیا اور اس نے وہ حرکت نامعقول کی۔ بعد میں پشیمان ہوا۔ اور شیطان پر لعنت کی۔

شیطان متمثل ہو کر سامنے آیا۔ اور کہا کہ واللہ یہ تدبیر تو میری سمجھ میں بھی نہ آئی تھی تو میرا بھی استاد نکلا تجھے شاباش ہے۔ اب کسی نے یہ حکایت گھڑی ہو یا واقعی ہو مگر مقصود ہے توضیح اس امر کی کہ نفس شیطان سے بڑھا ہوا ہے اور یہ اس کی مثال ہے پھر فرمایا کہ ایک باریک بات قابل سمجھنے اور یاد رکھنے کے بتلاتا ہوں۔

وہ یہ کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ فلاں بات نفس کی حرکت ہے اور فلاں بات شیطان کی حرکت ہے اس میں امتیاز کا کیا طریقہ ہے تو بعض اکابر نے لکھا ہے کہ شیطان کا بڑا مقصود تو صرف گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور نفس کا زیادہ مقصود لذت کا حاصل کرنا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ گناہ کا جو وسوسہ ہو اس کو دفع کر کے دیکھو اگر باوجود دفع کرنے کے بار بار اسی گناہ کا وسوسہ ہوتا ہے تب تو نفس کی طرف سے ہے کہ وہ اس میں لذت سمجھتا ہے اس لئے بار بار وہ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اگر ایک وسوسہ کے دفع کرنے سے خیال دوسرے گناہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے وجہ یہ کہ شیطان کا مقصود تو گناہ میں مبتلا کرنا ہے یہ نہ سہی اور سہی وہ نہ سہی اور سہی۔

اس کی غرض تو مارنا ہے خواہ تھپڑ سے مارے یا گھونسے سے، یا لاٹھی سے یا بندوق سے اور نفس کا مقصود لذت حاصل کرنا ہے اور وہ منحصر ہے اس وقت ایک خاص گناہ میں اس لئے دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا۔ ان باریکیوں کو عارف ہی سمجھتا ہے اسی واسطے تو حدیث میں ہے جس میں ایک کلمہ فان اور دوسرا متورعا بڑھا کر کسی نے اس کو نظم کیا ہے ۔

فان فقیهاً واحداً متورعاً اشد علی الشیطان من الف عابد

علوم یہ ہیں نہ کہ صرف معقول پڑھ لینا کہ ایجاب صغریٰ ہونا چاہئے اور کلیۃ کبرے۔ یہ باتیں تو جلاہا بھی سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ وہ علوم ہیں کہ سوائے عارف کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ فقط۔

واقعہ: ایک شخص کے شیر خوار بچے کا انتقال ہو گیا اس کے دادا کا خط حضرت کی خدمت میں آیا تھا کہ لڑکے کی دادی نہایت بے چین ہے اس کو یاد کر کے روتی ہے اس پر حضرت نے فرمایا:

ارشاد: جیسے خدائے تعالیٰ کا تعلق ذکر وفکر سے بڑھتا ہے ایسے ہی مخلوق کا تعلق بھی ذکر وفکر سے بڑھتا جاتا ہے۔ مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یاد کر کے اور خیال جما جما کر روتے ہیں تو اپنے ہاتھوں بلا خریدتے ہیں۔ بعض اولیاء اللہ تو ایسے گزرے ہیں جو اولاد کے مرنے پر ہنستے ہیں۔ گو محققین کا یہ حال نہیں اور یہ حالت کمال کی نہیں ہے کمال کی وہ حالت ہے کہ رونا ہو مگر ایک حد پر ختم ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ تھا تو آپ کے مشابہ جو حالت ہو۔ وہی مطلوب ہوگی۔ اب لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں کہ قصداً خیال لا لا کر روتے ہیں یہ حد سے بڑھی ہوئی بات ہے۔ فقط

واقعہ: پہلے ایک واقعہ بیان ہو چکا ہے اس بارہ میں کہ ایک صاحب نے رمضان شریف کے مہینے کا خرچ کھانے کا سب اہل خانقاہ کے لئے اپنے ذمہ لیا تھا اور حضرت والا نے کھانے کا انتظام فرما دیا تھا ان ہی صاحب کی یہ بھی رائے تھی کہ ان کے خرچ سے اہل خانقاہ کے لئے برف بھی

آیا کرے اور روزہ کے وقت شربت ٹھنڈا کر کے ان کو پلایا جائے حضرت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور اس کے متعلق فرمایا۔

ارشاد: ان کی رائے برف کی تھی۔ مگر مجھے اس طرح سے ان کے مال کا برباد کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ پھر یہ کہ یہ صورت اطمینان کی صورت نہیں برف میں ایک ہلڑ مچتا ہے کہ جلدی جلدی توڑو اور جلدی جلدی پلاؤ۔ یہ ایک طومار ہے جس کام میں مشغولی زیادہ ہو وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کہیں برف کے گلنے کا خیال۔ کہیں اس کا خیال کہ ٹھیک وقت پر کھولا جائے اور مسلمان کا بڑا سرمایہ اطمینان قلب ہے۔ (بطور ظرافت فرمایا) اس لئے برف سے پہلے تو یہ گھلے گا (مطلب یہ کہ اسی فکر میں رہیں گے کہ کہیں برف نہ گھل جائے۔ اسی طرح پلاتے وقت فکر ہوگی کہ جلدی جلدی پلائیں کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ ادھر پینے والوں کو کوشش ہوگی کہ ہر شخص چاہے گا کہ میں جلدی پی لوں کبھی برف نہ رہے) جو کام سکون کے ساتھ ہو اپنے قابو کا ہو وہ ٹھیک ہے۔

ہاں رونق کی صورت تو یہ تھی ضرور کہ ایک دیگ شربت کی گھول دی جاتی اور سب پی لیتے مگر اس میں ہلڑ بہت ہوتا ہے بس میں نے یہ تجویز کیا کہ جس دن شربت پلانا ہو اشکر بانٹ دی جائے خود شربت کریں اور پئیں۔ اور شربت کی دیگ رکھنے میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی تو چار چار کٹورے پی جاتا ہے اور کسی کو ملتا بھی نہیں۔ اور شکر دینے میں یہ بھی اختیار ہوگا کہ جس کا جی چاہے شربت بیئیں اور جس کا جی چاہے دودھ میں استعمال کریں۔ بس کام وہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جو اپنے قابو کا ہو چاہے اس میں رونق نہ ہو۔

تقریبات میں لوگ پریشانی کو پسند کرتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ رونق خوب ہوتی ہے۔ رونق پریشانی کے ساتھ ہوتی ہے اور جس کام میں سکون ہوگا اس میں رونق نہ ہوگی اور اس ہیئت میں (کہ دیگ میں شربت کیا جائے) حرص بھی بڑھتی ہے۔ بے اطمینانی ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کو یہی خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے جانے ہمیں شربت ملتا ہے یا نہیں۔

(چنانچہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے) استغناء کی شان نہیں رہتی تو کل کی شان نہیں رہتی کہ مل جائے مل جائے نہ ملے نہ ملے۔ اکثر ایسے موقعہ پر جو لوگ جری ہیں وہ تو لے اڑتے ہیں اور شرمیلے حضرات رہ جاتے ہیں۔ یہاں ایک شادی میں یہ ہوا کہ رئیس مدعو ہو کر آئے تھے اور ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے شادی کا کھانا ہوتا رہا بٹتا رہا۔ بھنگیوں تک نے کھایا اور لیا۔ اور وہ رئیس صاحب بھول میں رہ گئے ان کو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ صبح جب صاحب خانہ کو خبر ہوئی

تو بہت عذر کیا۔ اس پر انہوں نے تو مواخذہ نہیں کیا (کہ ایسا کیوں ہوا)۔

مگر خیال کیجئے کیسی بے لطفی ہوئی۔ اسی طرح ایک دوسری شادی میں ایک غریب بھی کھانے سے رہ گیا تھا۔ اس تقریب میں ان کی (یعنی جن کے یہاں شادی تھی) بڑی بدنامی ہوئی۔ تقریبات میں بہت سی اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں مگر لوگوں کو اس میں مزہ آتا ہے۔ اپنے جی کو یوں سمجھا رکھا ہے کہ تقریبات میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ محض ایک شیطانی تاویل ہے۔

یہاں ایک بارات آئی تھی اس میں بیلوں کو تو گھی وغیرہ دیا ہی گیا تھا۔ ایک شخص تھے جن کے پاس گھوڑا تھا۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کیلئے گھی اور چینی لیا۔ اور کہا کہ میرا گھوڑا گھی اور چینی کھاتا ہے۔ اسی طرح آج کل تقریبات میں سب ہی کچھ دقتیں اٹھاتے ہیں۔ مال جدا ضائع ہوتا ہے جان الگ ہلاک ہوتی ہے۔ شادی کیا بربادی ہے۔ لوگ الگ نخرے کرتے ہیں مگر پھر بھی لوگ نہیں سمجھتے اور پریشانیوں میں بلکہ ذلت تک میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس کو رونق سمجھتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ حس نہیں رہا۔ اس لئے ذلت کو بھی عزت سمجھتے ہیں اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک فارس کے دیہاتی ہندوستان میں آئے تھے حلوائی کے یہاں حلوہ رکھا دیکھا۔ طبیعت بہت للچائی مگر پاس کچھ تھا نہیں آپ نے کیا کیا کہ ہاتھ مار کر بھاگے حلوائی نے جا کر پکڑ لیا آپ نے کیا کیا کہ سارا حلوہ ایک دم سے منہ میں رکھ گئے اور کہا کہ جاؤ نہ تمہارا نہ ہمارا۔ حلوائی کو تو ملا ہی نہیں اس لئے اس کا نہ ہوا۔ اور خود چونکہ اطمینان سے نہ کھایا اس لئے اس لیے حظ نہ آیا۔ اس واسطے اپنا بھی نہ ہوا۔

حلوائی نے پولیس میں رپٹ کرادی کوتوال نے دیکھا اس کا چالان کہاں کیا جائے یہیں ایک سزا تجویز کر دی وہ یہ کہ لڑکوں کو بلا کر کہا کہ ایک گدھا پکڑ لاؤ۔ غرض گدھا لایا گیا۔ اس پر ان کو سوار کیا اور لڑکے ان کے پیچھے تالیاں بجاتے اور ڈگڈگی بجاتے شہر کے اندر پھرا کر شہر کے باہر نکال آئے۔ جب آغا اپنے ملک میں پہنچے تو وہاں لوگوں نے معلوم کیا کہ:

''آغا ہندوستان رفتہ بودی ہندوستان را بچہ طور یافتی''۔ آپ فرماتے ہیں:

''حلوہ خوردن مفت است۔ سواری خر مفت است فوج طفلان مفت است، ڈمڈم مفت۔ ہندوستان خوب ملک است۔ بس جیسے وہ دیہاتی اس حالت میں خوش تھا۔ ایسے ہی دنیا داروں کی حالت ہے کہ اسباب پریشانی کو اسباب راحت سمجھتے ہیں۔

ایک رئیس صاحب علی الاعلان کہتے تھے کہ جس رئیس کے ذمہ قرض نہ ہو وہ رئیس ہی نہیں ہے۔ یہی تو رونق کی بات ہے کہ کوئی ادھر سے آ رہا ہے تقاضے کو اور کوئی ادھر سے اس میں رونق رہتی ہے ورنہ یہ کیا کہ الو سے بیٹھے رہو۔ (پھر حضرت والا نے یہ آیت پڑھی: افمن زین له سوء عمله فراٰه حسناً ۔ یہ ہے ہماری حالت ۔ بس حس نہیں رہی برائی میں بھلائی نظر آتی ہے۔ فقط۔

ارشاد: دنیاداروں کا اعتقاد بالکل خیالی ہے اس کی ایک مثال حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا داروں کا یہ اعتقاد ایسا ہے جیسے گدھے کی فلاں چیز ۔ بڑھتا ہے تو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور جو گھٹتا ہے تو گھٹتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نر و مادہ میں بھی امتیاز نہیں رہتا۔ اس کے بعد حضرت نے والا نے فرمایا ہم نے اپنے اکابر کو نہیں دیکھا کہ وہ امراء کے ملنے سے خوش ہوتے ہوں بلکہ منقبض ہوتے تھے۔

آجکل علماء کی یہ حالت ہے کہ امراء میں گھستے ہیں دوڑ، دوڑ کر جاتے ہیں جہاں کوئی بیمار ہوا عیادت کو دوڑے کہیں ختم پڑھواتے ہیں۔ غرض ان کے خوشامدی بنتے ہیں حضرت مولانا رائے پوری فرمایا کرتے تھے کہ جو امیر خود رجوع ہو اس سے اخلاق سے پیش آئے۔ اور جو خود رجوع نہ کرے اس کی طرف نہ دوڑے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر کوئی امیر ان کے پاس آئے تو اس سے روکھا پن برتتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ اس کو پسند نہ فرماتے تھے کہ یہ تکبر کی بات ہے۔ فرماتے تھے کہ جب وہ تمہارے پاس آیا تو وہ نعم الامیر علی باب الفقیر میں داخل ہو گیا۔ اس کے امیر ہونے کی تعظیم نہیں بلکہ نعم ہونے کی تعظیم ہے وہ تمہارے پاس آ کر صرف امیر نہیں رہا بلکہ نعم الامیر ہو گیا۔ جب وہ باوجود دنیا دار ہونے کے تمہاری طرف متوجہ ہوا تو اس کی قدر کرو۔ فقط۔

ارشاد: بعض جہلاء کا خیال ہے کہ کوئی مرتبہ ایسا بھی ہے کہ جب انسان اس پر پہنچ جاتا ہے تو گناہ گناہ نہیں رہتا اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو اہل بدر کے بارہ میں ہے۔ اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم شیخ اکبر محی الدین عربیؒ نے اس کا رد کیا ہے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں غفر لکم فرمایا ابحت لکم نہیں فرمایا مطلب یہ ہے کہ گناہ گناہ تو رہے گا مگر محبوبیت کی وجہ سے معاف کر دیں یہ دوسری بات ہے۔ شیخ بہت بڑے شخص ہیں سب ان کو مانتے ہیں۔ وہ محدث بھی ہیں۔ فقط۔

واقعہ: ایک صاحب کا خط ڈاک میں آیا تھا۔ جس میں ایک اشتہار بھی نکلا۔ مشتہر دو شخص تھے اہل شہر میں سے کوئی واعظ صاحب ان کے شہر میں آئے ہوئے تھے ان کے وعظ کا اشتہار تھا۔ اسی اشتہار میں ایک تحریر واعظ صاحب کی طرف سے بھی تھی جس میں اپنا تلمذ بڑے بڑے حضرات سے ظاہر کیا تھا جیسے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ اس کے بعد لوگوں سے سوال بھی تھا کہ میرے ساتھ سلوک کریں میری خدمت کریں جو خوشامدی الفاظ بھی لکھے تھے۔ گویا وعظ کیساتھ سوال بھی تھا۔ اور جو کچھ ظاہر کیا تھا اس پر قسم بھی کھائی تھی۔ چونکہ ایسے حضرات سے تلمذ ظاہر کرنا اور پھر سوال بھی کرنا نہایت نازیبا بات ہے۔ اس لئے حضرت والا نے اس کے متعلق فرمایا:

ارشاد: بتلایئے کیا اثر ہوا ایسے لوگوں کا۔ لوگ اہل دنیا کی نظر میں علماء کو حقیر بناتے ہیں کوئی وقعت نہیں کرتا ایسی باتوں سے میں تو کہتا ہوں کہ اگر کمال ہے تو کمال کا خاصہ ہے غیرت۔ صاحب کمال اگر مر بھی جائے تو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے گا۔ اگر واقعہ ایسا ہی ہو جیسے لکھا ہے تو کبھی ایسا شخص ہاتھ نہیں پھیلائے گا۔ اور علمی کمال تو بڑی چیز ہے بڑھئی کا پیشہ لوہار کا پیشہ ہے اس میں بھی جسے کمال ہوتا ہے ان میں عزت کی شان ہوتی ہے۔ کمال والا تو اپنے کمال میں خود مست ہوتا ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بے مانگے بھی پیش کرتا ہے تو اس سے بھی شرماتا ہے۔ لے تو لیتا ہے مگر دل کھلا ہوا نہیں ہوتا ہے۔

دل کھل جانا لینے میں اور مانگنے میں بڑی بے غیرتی کی بات ہے اور جس سے دل کھلا ہوا نہیں ہوتا۔ اس سے سوال کرنے کا تحمل ہی نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا شخص کبھی جبراً قہراً سوال کرے اور اس میں اتفاق سے ہو جائے ناکامی تب تو ساری عمر بھی نہیں بھولتا۔ ایک جگہ دھوکہ اٹھانے پر اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ پھر زبان بھی نہیں کھلتی۔ اور ایسی ناکامی کا اثر خود اس شخص پر بھی بہت پڑتا ہے جس سے سوال کیا ہے۔ تو جس سے بالذات اثر ہو اس کا کیا حال ہوگا۔ غرض کہ جس کا دل کھلا ہوا نہ ہو تو اس کو ایک دفعہ کی ذلت ساری عمر زبان کو اٹھنے نہیں دیتی۔

(اس کے بعد حضرت نے فرمایا واعظ صاحب کے بارہ میں) اگر یہ خاص طور پر کسی کو خط لکھتے (اشتہار میں طبع نہ کراتے تو اس کا کچھ اثر بھی ہوتا۔ اشتہار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوال ان کا پیشہ ہے۔ اشتہار طبع کرانے میں تو ہر شخص کو یوں خیال ہوتا ہے کہ اشتہار ہزاروں کے ہاتھ میں پہنچا ہوگا۔ کسی نے تو دیدیا ہی ہوگا۔ پھر ہمیں دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے بعد حضرت

والا نے سوال کے بچنے کے بارہ میں اپنے یہاں کا طرز عمل بیان فرمایا۔ وہ یہ کہ میرے یہاں اتنا بچاؤ ہے سوال سے کہ مدرسہ کے بارے میں بھی سوال کی صورت تک اختیار نہیں کی جاتی۔ بلکہ میں تو یہ کہہ دیتا ہوں کہ یہ مدرسہ نہیں ہے اس کو خانقاہ کہتے ہیں۔

کیونکہ مدرسہ آج کل اسے کہتے ہیں جس کا باقاعدہ انتظام ہو چندہ کی تحریک کی جاتی ہے۔ باقاعدہ رسید دیجاتی ہو اور یہاں ان باتوں میں سے ایک بھی نہیں۔ اس لئے اس کو مدرسہ ہی کہنا ٹھیک نہیں۔ یہاں تو یہ حالت ہے استغناء کی کہ ایک دفعہ ایک شخص نے مدرسہ میں کچھ بھیجا اور طالب علموں سے دعا کرانی چاہی میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ یہاں دعا کی دوکان نہیں کہ روپیہ دیا اور اس کی عوض دعا کی درخواست کرو۔ میں تو لکھ دیتا ہوں کہ جب تم دیکر دعا کے طالب ہوئے تو تم نے خلوص سے نہیں دیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے **انما نطعمكم لوجه الله لانريد منكم جزاءً شكورًا** ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی فرمائش ہی نہیں چاہئے ہاں لینے والے کا کام ہے کہ وہ خود ہی دعا کریگا تمہاری طرف سے خواہش کیوں ہو۔ میرے لکھنے پر ان صاحب نے لکھا کہ رقم مدرسہ میں لے لو اب میں دعا کا طالب نہیں واقعی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے ارادہ جزاء و شکور کی۔ اور دعا بھی ایک قسم کی جزاء یا شکور ہے۔

کیونکہ دعا سے مکافات کرنا یہ عوض ہے پس یہ بھی جزا ہے حکما اور ولا شکوراً سے معلوم ہوتا ہے کہ شکریہ بھی نہیں چاہیئے۔ پس دینے والا اس کی بھی درخواست نہ کرے ہاں وہ (لینے والا) خود دعا کرے گا کیونکہ اس کو حکم ہے دعا کرنے کا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم صل** یعنی ادع۔

چنانچہ حضور ﷺ نے صدقہ لے کر فرمایا **اللهم صل على آل ابى اوفى** ۔ اور صیغہ صلوٰۃ کا قرآن شریف میں جس طرح امر تھا اسی کی حضور نے تعمیل فرمائی۔ پس ادب یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ دینے والا تو منتظر نہ رہے جزاء کا لیکن لینے والا خود شکریہ ادا کرے۔ سبحان اللہ کیا اچھا اثر ہے اس کا کیسی اچھی تعلیم ہے اس کو (یعنی دینے والے کو) تو منع کر دیا کہ جزاء کے طالب مت ہو اور اس کو (یعنی لینے والے کو) حکم کر دیا (کہ دینے والے کے حق میں دعا کرے۔ اور شکریہ ادا کرے مگر دعا تو عام ہے اور شکریہ خاص اسی وقت ہے جب کوئی اس کے ساتھ احسان کرے) اسی لئے میں نے تو مؤتمر الانصار کے جلسہ میں کہہ دیا تھا کہ جو لوگ چندہ

دیتے ہیں ہم ان کا شکریہ ادا نہ کریں گے جسے شکریہ کا انتظار ہو وہ نہ دے۔

اگر کوئی ہمارے ساتھ احسان کرے تو شکر کا منتظر نہ ہو تم ہمیں تھوڑا ہی دیتے ہو تم تو مدرسہ میں دے رہے ہو۔ ہمارے اوپر کیا احسان ہے بلکہ محسن تو ہم ہیں کہ ہم روپیہ کا حساب کتاب رکھتے ہیں دین کا کام تمہارے قائم مقام ہو کر کرتے ہیں سو دقتیں اٹھاتے ہیں دعا کرتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا کہ اگر شکریہ کے طالب ہو تو رکھو جیب میں ہم تم سے نہیں مانگتے۔

پس حضرت کے اس کہنے پر بہت روپیہ آیا۔ پھر بطور ظرافت کہا کہ جتنے مہتمم شکریہ ادا کرتے ہیں ان کو مت دو۔ یہ دلیل اس کی ہے کہ وہی کھاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں کیونکہ شکریہ مخصوص ہے اپنے ساتھ احسان کرنے والے کے ساتھ جب انہوں نے شکریہ ادا کیا تو گویا ان ہی کو دیا۔ (اس کے بعد حاضرین سے فرمایا)

ارشاد: دین کو بالکل مستغنیانہ شکل سے رکھنا چاہئے ایک دفعہ ریاست رامپور میں ایک مدرسہ کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی ایک بزرگ تحریک کرنے کھڑے ہوئے ایک سبک طریقہ سے حاجت بیان کی وہ اس طرح کہ اسلام کی مثال اس وقت میں ایک بیوہ عورت کی سی ہے جس کے والی وارث نہ ہوں اور وہ چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ کون اس کی دستگیری کرنے والا ہے اور ایسے ہی جو ذرا مدد کرے وہ اس کو غنیمت سمجھتی ہے پٹھانوں پر اس مضمون کا اثر کچھ بھی نہ ہوا۔ اس کے بعد میں کھڑا ہوا۔ اور میں نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ اسلام بیوہ ہو۔

اسلام اسی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے جیسے تھا۔ ہزار دفعہ غرض پڑے دو، ورنہ اپنے گھر میں رکھو۔ اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں ہے اگر تم اعراض کرو گے تو خدائے تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کریگا کہ وہ اس کی خدمت کرے گی۔

چنانچہ قرآن شریف میں ہے **وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم** میں نے کہہ دیا کہ ناک رگڑ کر دو گے تو لیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس پر پٹھانوں نے کہا جی ہاں اسلام کوئی محتاج ہے اور خوب دیا (پھر حاضرین سے حضرت نے فرمایا بس آن بان کے ساتھ رہنا چاہئے۔ (پھر حاضرین سے فرمایا) میں سہارنپور کے جلسہ میں جب اول بار گیا ہوں وہاں چندہ کی تحریک اس طرح کی۔ میں نے کہا یہ ظاہر ہے کہ دین کی اشاعت ہونی چاہئے باقی طریقہ کیا ہے سو اہل الرائے نے اس کا طریقہ یہ تجویز کیا ہے کہ ایک مجمع ہو طلباء کا اور مدرس ہوں اور ایک درسگاہ ہو اور اس میں یہ یہ باتیں ہوں یہ ایک آسان صورت تجربہ سے

ثابت ہوئی ہے اگر یہ صورت آسان ہے اور قابل اختیار کرنے کے ہے تو اس کو رکھو اور اگر کوئی دوسری صورت ہے تمہارے نزدیک تمہیں اختیار ہے اس کے بعد کوئی صاحب اس کے منتظر نہ رہیں گے کہ ان سے چندہ مانگا جائے گا۔ اور اگر یہی آسان صورت ہے جس کو اختیار کر رکھا ہے اور یہ ٹوٹ گئی تو مدرسہ ٹوٹنے کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

یہ تو آخرت کا ضرر اور دنیا کا ضرر یہ کہ اگر یہ صورت نہ رہی تو علماء فارغ نہ رہیں گے وہ کوئی اور شغل کر لیں گے۔ تعلیم دین کی نہ کر سکیں گے جس کا انجام تمہاری نسلوں کے لئے یہ ہوگا کہ وہ یہودی ہو جائیں گے یا نصرانی ہو جائیں گے۔

بس اپنی نسلوں کا نقصان دیکھ لو کہ کیا کچھ ہوگا اس کو دیکھ کر ہمیں تحریک کی ضرورت نہیں کیونکہ کام تو تمہارا۔ اور بھیک مانگیں ہم ہمیں کیا غرض پڑی ہے میں نے جو یہ کہا تو اس جلسہ میں ایک شخص نے جو منکر اور مخالف تھے علماء کے اور علماء کی طرف سے بدظن تھے وہ دس روپے مدرسہ میں دینے کو لائے تھے یہ سن کر انہوں نے چالیس روپے کسی سے قرض لے کر کل پچاس روپے دیئے۔ اور اس کے بعد باہر آ کر کہا کہ واللہ آج میرا وسوسہ دور ہوا میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا۔ کہ یہ سب باتیں علماء نے اپنے کھانے کمانے کو کر رکھی ہیں۔

اب میں سمجھا ہوں کہ یہ لوگ کام کر رہے ہیں (اس کے بعد حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا) چاپلوسی نے ناس کر دیا ہے دین کا۔ بس یوں جی چاہتا ہے کہ دین کی عزت میں فرق نہ ہو اس کے بعد حضرت نے فرمایا میں ڈھاکہ گیا تھا۔ اپنے خاص مدارس کے مہتمم صاحبوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہاں چندہ کی تحریک کرنا۔ میں نے دل میں کہا کہ میں ڈھاکہ جا کر کیا ڈھاک کے پتے مانگوں گا (یہ فقرہ مناسب حال بطور ظرافت فرمایا) میں نے جا کر نواب صاحب سے اس بارہ میں خود کچھ نہ کہا۔ انہوں نے ایک دفعہ خود ہی پوچھا کہ ہمارے یہاں مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور سے سالانہ روئیداد آتی ہے۔

یہ مدرسے کیسے ہیں میں نے ان سے کہا میں اور زیادہ نہیں کہنا چاہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ یہ مدرسے ایسے ہیں جیسا کہ مدارس دینیہ کو ہونا چاہئے۔ بس اس کہنے کا اثر ہو گیا۔ انہوں نے دوامی چندہ بھی دیا اور اس وقت بھی دیا۔ حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا۔

ارشاد: خدائے تعالیٰ حامی اور مددگار ہے کسی کی کیا پروا کرنا چاہئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ نواب صاحب مدرسہ سہارنپور دیوبند کے لئے مجھ کو دینے لگے مجھ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی عار

آئی نگران کے سمجھانے کو میں نے کہا کہ بڑی دور کا سفر ہے کبھی راستے میں ضائع ہو جائے اس لئے میں لینا نہیں چاہتا۔

میں نے اتنا بھی گوارا نہیں کیا کہ خود لیجاؤں۔ چنانچہ انہوں نے میرے سامنے بیمہ بنوایا اور بھیج دیا۔ دوامی چندہ اب تک ہے میں تو کہتا ہوں کہ جیسے امراء سے کہنے کیلئے موقعہ کے منتظر رہتے ہیں دیکھتے ہیں کہ میاں کا مزاج اس وقت کیسا ہے آیا کہنے کا موقعہ یا نہیں ان کا انتظار کیوں کرے اپنے محبوب حقیقی سے کیوں نہ کہے۔ کسی رئیس کا منہ کیوں دیکھے محبوب حقیقی کا منہ کیوں نہ دیکھے غیرت بھی کوئی چیز ہے۔ اگر کوئی ہماری تحریک سے اور دباؤ ڈالنے سے امداد کرے تو گویا اس کے مقصود ہم ہوئے پھر خلوص کہاں رہا۔ البتہ بعض لوگ ایسے مذاق کے بھی ہیں کہ اگر ان سے کہہ بھی دیں تو بھی حرج نہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون کی جامع مسجد کے چندہ کی تحریک کی گئی۔ قریب موضع ہے وہاں ایک رئیس ہیں وہ بھی تھے انہوں نے دیا بھی اور یہ بھی کہا کہ ایسے موقعوں پر ہمیں ضرور اطلاع دیدیا کیجئے پھر کہا کہ میں تاکید کرتا ہوں کہ ایسے موقعوں پر ہمیں بھول نہ جایئے ہمیں ضرور شریک کر لیا کیجئے تو ایسے مذاق کے لوگ بھی ہیں سو ایسی جگہ کہنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ ان کی تو خود درخواست ہے۔

ایک ہمارے ہم وطن ہیں بھوپال ہیں انہوں نے خود استدعا کی کہ مدرسہ کیلئے مجھ سے بھی کچھ لیا کیجئے بڑی آرزو ظاہر کی مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ میں کثیر التعلقات ہوں اگر خط سے یاددہانی کر دیا کیجئے تو اچھا ہو شاید ویسے بھول جاؤں میں نے کہا کہ اچھا مگر ایک وعدہ کیجئے کہ جب کبھی طبیعت پر گرانی ہو تو بے تکلف موقوف کر دیجئے۔ میں نے ان سے قسم لی۔ اور میں نے کہا کہ اب میں خط بھیج دیا کروں گا۔

چنانچہ میں خط بھیج دیا کرتا۔ پھر ایک دفعہ انہوں نے لکھا کہ اب ہمیں گرانی ہے اس لئے موقوف کرتا ہوں۔ بس موقوف کر دیا۔ انہوں نے بے تکلف لکھ دیا۔ جو ایسے مخلص شخص ہوں تو ان کو لکھنے میں اور ان سے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر دیکھ لیجئے کہ ایسے آدمی کتنے ہیں ہزاروں میں ایک دو نکلیں گے ایک اور قصہ یاد آیا۔ وہ کہ جامع مسجد کیرانہ کا مقدمہ تھا نالش کے لئے بڑے چندہ کی ضرورت تھی۔ چندہ جمع کرنے کو ایک عہدیدار ایک گاؤں میں پہنچے ان کے ساتھ اور بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔

چنانچہ گاؤں والوں سے کہا کہ ہم باہم مشورہ کرلیں۔انہوں نے سمجھا کہ اچھا ہے مشورہ کر کے بہت بڑی رقم دیں گے چناچنہ بعض گاؤں والوں نے تھوڑی رقم تجویز کی۔۔ایک ان میں سے بولا ارے بڑے بڑے لوگ مانگنے آئے ہیں۔بھلا پچاس روپے تو ہوں۔

خیر صاحب پچاس روپے جمع کر کے دیئے یہ بڑے خوش ہوئے مگر حضرت کو یہ معلوم نہیں کہ **لایحل مال امر امسلم الابطیب نفس منہ** کہ بدون خوشدلی کے کسی مسلمان کا مال لینا حلال نہیں یہ کیا خوشی کی بات تھی جبکہ ناجائز طریقہ سے ملا۔پھر مدرسہ تھانہ بھون کے متعلق تذکرہ فرمایا کہ) یہ مدرسہ یہاں نہایت آزادی کے ساتھ شروع ہوا تھا۔اس طرح سے ایک یادداشت لکھی اوراس کے لیجانے کیلئے تجویز کون ہوا۔ایک بھنگی کا لڑکا کہ مسلمان ہوگیا تھا مگر بعد مسلمان ہونے کے بھی لوگ اس کو ذلیل ہی سمجھتے تھےاور بھنگی کا سا برتاؤ کرتے تھے۔

غرض سب میں سب سے ادنیٰ آدمی کو تجویز کیا جس کی کوئی وجاہت ہی نہ ہو۔ایک کاغذ پر لکھ کر اس کو دیدیا کہ یہاں ایک مدرسہ ہوا ہے جن صاحبوں کو شریک ہونا ہو تو وہ اپنے قلم سے اپنا نام اس کاغذ پر لکھ دیں اور کوئی جبر ہے نہیں جو رقم صاحب کو خوشی سے دینا ہو وہ لکھ دیں اوراس لڑکے سے کہا کہ سب جگہ ہو آؤ جو جواب دیں ہم سے آکر مت کہنا اور کوئی بات بھی وہاں کی یہاں آکر نہ نقل کرنا نہ یہاں کی کوئی بات وہاں کہنا۔

چنانچہ وہ سب کے پاس جا کر کاغذ دکھلا کر چلا آیا۔شاید دوایک شخصوں نے کچھ لکھا تھا۔ غرض یہ مدرسہ اس طرح شروع ہوا۔پھر باہر سے خود بخود آمدنی ہونے لگی۔ایک شخص ایک دفعہ یہاں آئے یہاں کے قاری صاحب سے انہوں نے کلام اللہ سنا۔تنخواہ پوچھی۔تنخواہ بتلائی گئی کہ دس روپے ہیں وہ بولے کہ دس روپے تو بہت کم ہیں۔اور دوروپے نکال کر دیئےاور کہا کہ دوروپے میں دیدیا کرونگا۔

میں نے کہا کہ اس میں دوشرطیں ہیں ایک تو یہ کہ کوئی یاد نہ دلائے گا آپ خود ہی بدون یاد دلائے بھیجیں دوسرے یہ کہ جب آپ کی طبیعت چاہے موقوف کردیجئے۔جب آپ کا جی اترے فوراً موقوف کردیجئے اور میں نے قاری صاحب کو بلا کر کہا کہ لو یہ دوروپے مگر آئندہ توقع مت رکھو کہ وہ دوروپے اور ملا کریں گے تنخواہ تمہاری دس ہی روپے ہے مجھے حضرت مولانا گنگوہیؒ کا مذاق بہت پسند ہے۔

جب دیوبند میں مخالفت ہوئی اور اہل شہر اپنا ایک ممبر بڑھانا چاہتے تھے بڑا شوروغل مچا

تھا۔ میں نے مولانا کو لکھا کہ میں مشورہ کے تو قابل نہیں مگر خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ مناسب یہ ہے کہ ان کا ایک ممبر بڑھا دیا جائے۔ ورنہ مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا ڈر ہے۔ اس پر مولانا نے لکھا کہ یہ لوگ اہل نہیں ہیں اگر ہم نے نااہل کو اختیارات دیدیئے۔ گو مدرسہ رہے مگر اس کا مواخذہ ہم سے ہوگا اور اگر مخالفت میں مدرسہ ٹوٹ گیا تو مدرسہ کے ٹوٹنے کا وبال ان لوگوں کو ہوگا۔

میں اس کی وجہ اور گر بتلاتا ہوں (یعنی مولانا کے اس قسم کے جواب دینے کی وجہ) بات یہ ہے کہ اتنا پختہ وہ ہوسکتا ہے جو صرف رضائے حق کو مطلوب سمجھے خود مدرسہ کو ضروری نہ سمجھے اور آمادہ ہو جائے کہ اگر نہ چلے گا بلا سے نہ چلے۔ رہا یہ کہ مدرسہ نہ رہے گا تو مولوی کہاں سے کھائیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو تعلیم کا کام نہ ہوگا تو چاول بیچ لیں گے اور میں کہتا ہوں کہ مولوی یہ کام بھی اوروں سے اچھا کر سکتے ہیں۔

اور جب تک کوئی اس پر آمادہ نہ ہوگا کہ مدرسہ رہے رہے نہ رہے نہ رہے وہ ایسا جواب نہیں دے سکتا۔ بحمد اللہ یہاں بھی یہی نیت ہے حتیٰ کہ یہاں کے لئے جو لوگ تحریک کرنا چاہتے ہیں ان کو سخت ممانعت ہے تحریک کرنے کی بس خدائے تعالیٰ کو جب تک منظور ہوگا تو یہ مدرسہ چلے گا ورنہ نہ چلے گا۔

مَا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ

اور اکثر جگہ اب تو ہم لوگوں کو حرام و حلال کی بھی تمیز نہیں رہی مسلمان ذلت اپنے ہاتھوں خریدتے ہیں یہ حالت ہے کہ جہاں روپیہ ان کو دکھایا جو چاہے کام لے لو۔ اکثر مسلمان کا یہ حال ہے کہ خوف کا مقابلہ تو کر لیتے ہیں مگر طمع کے مقابلہ میں ذرا نہیں ٹھہرتے اور عوام تو عوام جو علماء کہلاتے وہ پھسل پڑتے ہیں جب ان کی یہ حالت ہے تو عوام الناس کو کیا کہا جائے جبکہ نام کے علماء ہزار تاویلیں کر کے حرام کو حلال کر لیتے ہیں۔ میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں۔

ضلع سہارنپور میں آبہ ایک گاؤں ہے وہاں ایک پٹھان مر گئے تھے ان کی بی بی تھیں اور نابالغ بچیاں تھیں کہ ان کا ترکہ تھا بی بی نے اس میں سے کپڑے نکال کر یہاں مدرسہ میں بھیجے میں نے واپس کر دیئے اور لکھ دیا کہ ترکہ میں حصہ لڑکیوں کا بھی ہے اس لئے قبل تقسیم ہم نہیں لیتے البتہ جتنا حصہ ان لڑکیوں کا ان کپڑوں میں ہو اس کے بدلہ میں اگر ان کو دوسری چیزیں دیدو تاکہ کپڑے تمہاری ملک ہو جائیں پھر تم مدرسہ میں دینا چاہو تو دے سکتی ہو۔

انہوں نے اس کو بکھیڑا سمجھ کر رکھ لیا۔ وہاں ایک مولانا آئے متبع سنت ان کے وہاں

مرید بھی تھے ان کے سامنے وہ چیزیں پیش کردیں اور یہ قصہ بھی ان سے بیان کردیا مگر انہوں نے بے تکلف ۔لے لئے اور یہ تاویل کی کہ آخر یہ اتنا تو یہ بیوہ لڑکیوں کی شادی میں ان کو دے ہی گی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ لکھنو کا ہے وہ یہ کہ ایک رنڈی کے پاس کچھ جائداد تھی اس نے ایک مولوی صاحب کو دینا چاہا۔ جن کو کسی جگہ سے کچھ مختصر آمدنی بھی تھی جو ان کے خرچ کو کافی بھی نہ ہوتی تھی ان کے یہاں فاقہ بھی ہوجاتا تھا انہوں نے انکار کردیا۔ پھر ایک اصلاح عام کے ذمہ دار مدرسہ میں پیش کی تو انہوں نے لے لی۔ اس پر بدمعاش یوں کہتے پھرتے کہ مولوی صاحب چونکہ تنہا تھے قیامت میں اتنے بوجھ کے متحمل نہ ہوسکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے نہ لی اور مدرسہ والے ہیں بہت سے انہوں نے بوجھ کو اپنے اوپر تقسیم کرلیا۔ اس لئے لے لی۔ خوب مذاق اڑایا اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ علماء تک نہیں ٹھہرتے طمع کے سامنے بس۔ جیسے بھی ملے۔ لینے سے غرض حلال ہو یا حرام۔ فقط۔

کیا مکاشفہ پر عمل ضروری ہے

واقعہ: ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا مکاشفہ پر عمل ضروری ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: مکاشفہ تو حجیت کے کسی درجہ میں بھی نہیں قیاس جو کہ حجج اربعہ سے ہے وہ بھی دوسرے حجج مافوق کے سامنے معتبر نہیں تو مکاشفہ بیچارہ تو کس شمار میں ہے بس اتنا ہے کہ اگر مکاشفہ شرع کے خلاف نہ ہو تو خود صاحب کشف یا جو صاحب کشف کے اتباع کا التزام کئے ہو اس کو عمل کرلینا جائز اور کسی قدر موکد ہے اور موکد ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر عمل نہ کریگا تو ضرور کسی ضرر دنیوی میں مبتلا ہوگا نہ کہ ضرر اخروی یعنی گناہ میں ایسے واقعات کثرت سے پیش آئے ہیں۔ ایک بزرگ تھے ان کا جی چاہا کسی بزرگ کی زیارت کو قلب میں الہام ہوا کہ مت جاؤ چنانچہ ٹھہر گئے پھر جی میں آیا چلو پھر الہام ہوا کہ مت جاؤ پھر ٹھہر گئے کئی مرتبہ کے بعد زور سے ممانعت ہوئی کہ مت جاؤ مگر یہ چلے راستہ میں ٹھوکر لگی پاؤں ٹوٹ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جس سے ملنے جاتے تھے وہ بدعتی شخص تھا۔ اس سے ملنے میں عوام کیلئے فتنہ تھا اس لئے ممانعت ہوتی تھی۔ پس الہام کی مخالفت سے بعض اوقات دنیوی ضرر پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسا ضرر ہوتا ہے کہ یہ جس کا متحمل نہیں ہوسکتا اور بعض دفعہ دنیوی ضرر بھی اس طرح ہوتا ہے کہ اولاً تو دنیوی ضرر ہو مگر وہ مفضی ہوجاتا ہے دینی ضرر کی طرف لیکن وہ افضاء اضطراری نہیں ہوتا اگر صاحب معاملہ ہمت کرتا تو اس افضاء سے بچ

بکتا تھا۔ ایک دنیوی ضرر کے متعلق اپنا ایک قصہ بیان کرتا ہوں میں کوئی صاحب کشف تو ہوں نہیں مگر ایک دفعہ وارد کے مشابہ ایک چیز قلب میں آئی تھی کہ اس کی مخالفت سے مجھے دنیوی ضرر پہنچا۔

ضلع بجنور میں ایک مقام ہے بجنیر وہاں کچھ لوگ ہیں وہ اپنے کو نومسلم کہتے ہیں مگر نام ہی کے مسلمان ہیں ان کی بابت سنا تھا کہ آریہ ہونے والے ہیں ہم ان کے سمجھانے کو گئے تھے اور وہ بھی علماء تھے وہاں ضرورت تھی قیام کی اس لئے کھانے پینے کے بندوبست کی حاجت تھی میں نے دو گنی نکالی تھی اس میں دینے کو۔

خیر پھر ایک رئیس نے سارے خرچ کا تحمل کر لیا تھا دیگ اور بکرا وغیرہ سب چیزیں بھیج دی تھیں۔ میں نے وہ دونوں گنی اٹھا کر رکھ لیں۔ کہ کیا ضرورت رہی اس کے بعد میں چلا بریلی بھائی سے ملنے کو میں نے وہاں پہنچ کر چمڑے کا بٹوا جس میں گنیاں تھیں اپنی بھاوج کے پاس رکھ دیا۔ انہوں نے قفل کے اندر رکھ دیا ایک روز جو اس کو منگا کر گنیاں شمار کیں تو دو کم تھیں حالانکہ کوئی صورت جانے کی نہیں تھی۔ میں تو سمجھ گیا کہ وصول کر لی گئی ہیں میں چپکا ہو گیا۔ میری بھاوج نے پوچھا کہ چپکے کیوں ہو گئے۔ میں نے کہا کہ ان میں دو گنی کم ہیں وہ کہنے لگیں خدا کی قسم میں نے بٹوا تو کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم فکر مت کرو مجھے معلوم ہے کہ جہاں وہ گئیں وہ عالم غیب میں گئیں۔ (میں نے حضرت سے عرض کیا کہ وہ کہاں اڑ گئی ہوں گی اس پر فرمایا۔

جو شخص خدائے تعالیٰ کا قائل ہو اس کو اس کے سوچنے کی ضرورت نہیں خدا کو قدرت ہے کہ وہ نکال لیں۔ خیر کوئی بات نہیں سمجھ میں آئی۔ یعنی طریقہ نہ معلوم ہوا جانے کا باقی سبب تو معلوم تھا۔ کسی کا واسطہ درمیان میں نہیں تھا جس سے خیال ہوتا کہ شاید اس نے نکال لی ہوں اور ہیں قفل میں۔ یہ احتمال تو بہت ہی بعید ہے کہ کسی کے پاس کنجی ہو اور اس نے قفل کھول کر نکال لی ہوں اور پھر اگر کوئی لیتا تو دو ہی کیوں لیتا سب ہی کیوں نہ لیتا اور اگر کسی نے لی ہی تب بھی دو کی تخصیص کا سبب وہی تھا غرض ہر حال میں یہ سزا اسی کی تھی کہ میں نے نکال کر پھر رکھ لی تھی۔ فقط۔

واقعہ: حضرت والا کے ایک ملازم گبرون کے تھانہ اپنے کپڑے بنانے کی غرض سے حضرت کو دکھانے لائے۔ خوبصورت خوبصورت تھان تھے۔ حضرت کو خوبصورتی کی وجہ سے گبرون پسند نہ تھا۔ فرمایا کہ مرد کے مناسب تو سفید کپڑا ہے اس کے بعد فرمایا۔

ارشاد: اچھے کپڑے میں یہ خاصہ ہے کہ اس کو پہن کر یوں جی چاہتا ہے کہ ہمیں کوئی دیکھے بھی۔

بس اچھا کپڑا پہنے ہی نہیں ہاں نظافت اچھی چیز ہے صاف ستھرا رہے۔ اس کے بعد حضرت نے ان ملازم کے پڑھنے کی شکایت فرمائی) کہ افسوس ہے انہوں نے یہاں رہ کر لکھا پڑھا نہیں اور اب بھی توجہ نہیں اگر توجہ کریں تو اب بھی نہ کچھ حاصل ہو۔

مگر حالت یہ ہے کہ پابندی نہیں اور بلا پابندی کچھ ہوتا نہیں پابندی کی یہ کیفیت ہے کہ دو چار دن تو خوب شوق کیا اس کے بعد بیٹھ رہے۔ (اس کے بعد حاضرین سے فرمایا) کوئی کام بلا پابندی نہیں ہوتا۔ مولانا مملوک علی صاحب کی پابندی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کبھی کسی وجہ سے ناغہ ہونے لگا تو تھوڑا ہی تھوڑا سب سبقوں میں سے پڑھا دیا۔ اس طرح سے کہ طلبا کی تمام جماعت کو بلا کر ایک ایک سطر پڑھا دی۔ بالکل ناغہ نہیں کیا اور فرمایا کہ گو ایک سطر ہوتی ہے مگر آگے ہی کو چلے گا چاہے تھوڑا ہی ہو۔ بعض لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے کہ کام ہو تو اعلیٰ درجہ کا ہو ورنہ بالکل نہ ہو۔

یہ خیال ہرگز نہ چاہئے جتنا ہو جائے غنیمت سمجھے میں اسی واسطے بعض لوگوں کو بتلا دیتا ہوں کہ بعد نماز سبحان اللہ سو سو بار پڑھ لیا کرو اگر کسل ہو تو دس ہی دفعہ سہی ناغہ تو نہ ہو۔ گو اعلیٰ درجہ پر نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا ہر کام میں اعتدال اچھی چیز ہے مبالغہ والے رہ جاتے ہیں جو چلتا ہوا کام رکھتے ہیں ان کا کام اکثر ہو جاتا ہے اور جو اس خیال میں رہتے ہیں کہ کام ہو تو اعلیٰ درجہ کا ہو ورنہ نہ ہو تو ان کا کام اکثر رہ جاتا ہے فقط۔

واقعہ: رمضان شریف میں اس دفعہ کچھ ایسی حالت ہو گئی تھی کہ انتہا درجہ کی کاہلی جسم میں پائی جاتی تھی۔ اور صبح کے وقت بدون سوئے ہوئے چارہ ہی نہ تھا حالانکہ میں روزمرہ پختہ ارادہ کرتا تھا کہ صبح کی نماز کے بعد ہرگز نہ سوؤں گا مگر نیند سے مجبور ہو جاتا تھا۔ بعض اور حضرات سے بھی اس کی شکایت سنی اس لئے میں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ نیند کی یہ حالت ہے میں نہایت مجبور ہوں کیا کروں نیند کے غلبہ کی وجہ سے کوئی کام بھی نہیں ہوتا۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: بس علاج یہ ہے کہ سو رہو خدائے تعالیٰ جس چیز کی اجازت دیں اس سے منتفع ہونا چاہئے۔ میں تو دین میں روح یہ سمجھتا ہوں کہ الدین یسر کہ دین آسان ہے مجھے تو دین ہر جگہ یسر نظر آتا ہے یاد رکھو کہ اپنے اوپر مشقت ڈال کر دین سے وحشت ہونے لگتی ہے باقی رہے۔ اوراد و نوافل تو وہ اور وقت پڑھ سکتے ہیں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وهو الذی جعل اللیل والنهار خلفة جو چیزیں نفع کیلئے بنائی ہیں ان سے

حاجت کے وقت منتفع ہونا چاہئے۔اس سے خدائے تعالیٰ کی نعمت کا مشاہدہ ہوتا ہےاور خواہ مخواہ مصیبت میں پڑنے سے عجب پیدا ہو جاتا ہے۔آدمی یوں سمجھنے لگتا ہے کہ ہم نے اتنا کچھ کیا اور اس کے مقابلہ میں ملا کچھ بھی نہیں ہم تو اس سے زیادہ کے مستحق تھے اور مصیبت میں نہ پڑنے سے آدمی یوں سمجھتا ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں کرتے اور یہ مل رہا ہے یہ مل رہا ہے (پھر فرمایا) اس وقت میں طاقت سے زیادہ کام کرنا اور مصیبت میں پڑنا اچھا نہیں ہے اور اب وہ قویٰ نہیں رہے۔ میں نے بعض دوستوں کو دیکھا ہے کہ مجاہدہ میں معدے میں یبس ہو گیا کھانا بند ہو گیا جو کبھی کھایا دست جاری ہو گئے آخر مر گئے اور ان کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ اے اللہ اگر اب کی بار اچھا ہو گیا تو پھر ایسا نہ کروں گا۔یعنی اتنی مشقت نہ کروں گا۔

البتہ جو مشقت واجب ہے اس کا کرنا تو ضروری ہے اس میں خدائے تعالیٰ کی مدد اور اعانت ہوتی ہے دیکھئے قتال میں جان دینے سے زیادہ دشوار کیا چیز ہوگئی۔مگر اللہ میاں اعانت کرتے ہیں دیکھئے تو کیسی خوشی سے جان دیتے ہیں۔بعض لوگ اس قدر جاگتے ہیں کہ جاگتے جاگتے دماغ میں یبوست ہوگئی۔حافظہ خراب ہو گیا۔بس کام سے جاتے رہے ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ بحالت طالب علمی سہولت سے کام کرتے تھے وہ پڑھ کر مدرس ہو گئے۔

اور جو اول سے مشقت میں پڑ گئے تھے وہ آئندہ کسی کام کے نہ رہے ان کا پڑھنا بھی رہ گیا۔بس اعتدال چاہئے چنانچہ حدیث میں ہے:

علیکم من الاعمال ماتطیقون۔کہ تم اتنے اعمال کرو جتنی کہ تم میں طاقت ہے

اس کے بعد فرمایا۔

ارشاد: لوگوں کو اس کا اہتمام تو زیادہ ہے کہ نوافل بہت سے پڑھیں وظائف بہت سے گھوٹیں مگر اس کا اہتمام نہیں کہ معصیت نہ ہو۔حالت یہ ہے کہ نہ صغیرہ سے پرہیز ہے نہ کبیرہ سے نہ ظاہر درست ہے نہ باطن حالانکہ حدیث میں ورع کی بڑی تاکید ہے۔ورع یہ ہے کہ معاصی سے بچے۔آج کل معاصی کے ترک کا اہتمام بالکل ہی نہیں۔کبر ہوگا تو اس کی پرواہ نہیں غیبت ہوگی اس کی پرواہ نہیں چندہ کی تحریک میں جبر ہوگا۔اس کی پرواہ نہیں علیٰ ہذا فقط اس کو دین سمجھتے ہیں کہ بس نفلیں پڑھ لیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ معاصی سے بچو یہ ہے بڑی چیز اور اس کی ایک وجہ ہے یعنی نفس جو ورع کی طرف نہیں آتا اور نوافل وغیرہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ

عبادات کی تو ایک صورت ہے اور نفس کو جاہ مرغوب ہے اور شہرت کو چاہتا ہے اور عبادات میں یہ بات خوب حاصل ہوتی ہے مثلاً کوئی چار رکعت پڑھے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ رات کو جاگتا ہے بڑا متقی ہے نفس کو اس سے حظ حاصل ہوتا ہے اور ورع کی کوئی صورت ہے نہیں وہ تو ترک ہے اور ترک کی کوئی شکل نہیں اس لئے اس کی خبر کسی کو ہوتی نہیں۔ پس جو مقصود تھا نفس کا شہرت اور جاہ وہ ورع میں حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس طرف آتا ہی نہیں فقط۔

واقعہ: ایک خط آیا کاتب نے اپنا نام ایسا لکھا تھا کہ باوجود سعی کرنے کے ٹھیک پڑھا ہی نہیں گیا۔ دق ہو کر حضرت نے یہ کیا کہ ایک موقعہ پر ان کا پتہ خط میں مل گیا اس میں صاف لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری جگہ نام جس طرح کا بھی تھا دونوں کو کاٹ کر لفافہ پر دونوں پرچے چسپاں کر کے ڈاک میں روانہ فرما دیا اس کے بعد فرمایا:

ارشاد: حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے لغت بولنے اور شکستہ لکھنے سے نفرت ہے کیونکہ مقصود تحریر اور تقریر سے افہام ہے اور اس میں ہے ابہام اس لئے پسند نہیں۔ فقط۔

واقعہ: ایک صاحب نے شکایت لکھی کہ معمولات فرمودہ حضرت والا کرتا ہوں مگر افسوس جمعیت دل میں نہیں ہوتی اور محبت ودرد زیادہ نہیں ہوتا بلکہ زیادہ کیا ہے ہی نہیں اس سے دل متفکر رہتا ہے نہ معلوم کس تباہی میں پڑ جاؤں حضرت نے جواب لکھا کہ مثنوی معنوی اور دیوان حافظ کے دو، دو صفحہ روزانہ مطالعہ کر لئے جائیں۔ اس کے بعد حاضرین سے فرمایا۔

ارشاد: ان کتابوں میں خاصہ ہے درد ومحبت پیدا ہو نیکا گو یہ موقوف علیہ کسی مقصود کا نہیں مگر معین ضرور ہے مقصود میں فقط۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ عام رواج اس وقت میں یہ ہے کہ ختم قرآن میں سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھتے ہیں اور مبنیٰ اس کا یہ قرار دے رکھا ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کریم کا ثواب ملتا ہے اس لئے تین دفعہ اس کو پڑھنے سے ایک قرآن کا ثواب اور ملے گا اس کے متعلق فرمایا۔

ارشاد: تراویح میں تین مرتبہ پڑھنے کی رسم بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک جواز بلا کراہت مگر اولویت کسی کے نزدیک بھی نہیں اس لئے مستحب اور اولیٰ سمجھنا تو سخت غلطی ہے۔ اور تراویح میں تکرار یہ محض رسم ہی رہ گئی ہے اور یہ جو ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملتا ہے یہ بھی ٹھیک نہیں اس لئے کہ حدیث کے الفاظ سے تو صرف یہ معلوم

ہوتا ہے کہ سورۂ اخلاص ثلث قرآن ہے نہ یہ کہ تین بار پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملے گا۔

شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کا اس کے متعلق عجیب جواب سنا ہے وہ یہ کہ حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے ثلث قرآن کا ثواب ملے گا۔ تو تین دفعہ پڑھنے سے تین ثلث قرآن کا ثلث ملے گا اور تین ثلث سے پورا قرآن ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ قل ہواللہ پڑھنے سے جو ثلث قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے ممکن ہے کہ وہ ثلث معین ہو تو جب تین بار پڑھا تو یہ سمجھا جاویگا کہ اس نے ایک ثلث معین کو تین بار پڑھا اس سے پورا قرآن کا ثواب کہاں ثابت ہوا۔

یہ تو ایسا ہوا جیسے کسی نے دس پارہ تین دفعہ پڑھے ظاہر ہے کہ اس طرح پڑھنے کو پورا قرآن نہیں کہتے۔ بس اسی طرح یہ سمجھئے کہ جس نے ایک بار سورۂ اخلاص پڑھی تو گویا ثلث قرآن پڑھا۔ اور ایک دفعہ پھر پڑھی تو گویا اسی ثلث قرآن کو پڑھا۔ پھر ایک دفعہ اور پڑھی تو پھر اسی ثلث قرآن کو پڑھا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تین دفعہ پڑھنے سے ایسا ہوا کہ ایک معین ثلث قرآن کو تین دفعہ پڑھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے پورے قرآن کا پڑھنا کہاں ثابت ہوا ہاں ایک ثلث کا مکرر پڑھنا اور اس جیسا ثواب ملنا ثابت ہوا نہ یہ کہ پورے قرآن کا پڑھنا اور اس جیسا ثواب ملنا ثابت ہوا) اور راز اس کا یہ ہوسکتا ہے کہ سارے قرآن مجید میں امہات مسائل تین ہیں۔ توحید، رسالت، معاد اور تمام قرآن ان ہی تین اجزا اور مضامین کی شرح ہے تو سورۂ اخلاص میں توحید کمال درجہ ہے اس لئے بوجہ ایک جزو توحید کے یہ سورت اس ثلث کے برابر ہوئی جو توحید پر مشتمل ہے اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: جن لوگوں نے اس کے تین بار پڑھنے کو ایک قرآن پڑھنے کے برابر کہا ہے انہوں نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ وہ قرآن جس میں قل ہواللہ نہ ہو اسی طرح لوگ سورۂ یٰسین میں تاویل کرتے ہیں کہ اس کے ایک بار پڑھنے سے ان دس قرآنوں کا ثواب ملتا ہے جس میں سورۂ یٰسین نہ ہو ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔

مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں کیونکہ جن دس قرآنوں کا ثواب ملتا ہے ان کی قرأت تو حکمیہ ہوئی اور قرأت حکمیہ کی یٰس کا تضاعف۔ ثواب وارد نہیں پھر تسلسل کیوں لازم آئے گا۔ اس پر ایک صاحب نے حوالہ دیا کہ ایسا ہی فلاں کتاب میں بھی لکھا ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی تک مجھ کو یہی خوشی تھی کہ اس وقت میرے ہی ذہن میں یہ مضمون آیا ہے مگر اب زیادہ خوشی ہے کہ سمجھدار لوگوں سے توافق ہوگیا۔ فقط۔

ارشاد: حق تعالیٰ نے جو عورتوں کی صفت (الغافلات) فرمائی ہے عجیب پیاری صفت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے مردوں کی صفت کہیں نہیں کہا گیا۔ معلوم ہوا کہ عورتوں کے مناسب یہی ہے کہ غلافات ہوں یعنی دنیا کی زیادہ تجربہ کار نہ ہوں۔ سیدھی سادی ہوں بھولی بھالی ہوں یہ ہی ان کی خوبی ہے اور خیریت کی بات ہے۔

ہمارے یہاں ایک بڑھیا کہتی تھی کہ بیٹا ہمارا زمانہ ایسا تھا کہ میں سولہ سترہ برس کی بیوہ ہوگئی تھی رات کو کبھی مصیبت کے مارے نکلتی اپنے عزیزوں کے یہاں جانے کو ہم نے سن لیا تھا کہ اگر کوئی عورت غیر مرد کا پیشاب پھاند جائے تو اس کو حمل رہ جاتا ہے اس لئے راستہ میں اگر ذرا سا پانی بھی پڑا ہوتا تو بچ کر چلتی اس خیال سے کہ کہیں غیر مرد کا پیشاب ہو۔ اور اس کے پھاندنے سے حمل نہ رہ جائے۔

حضرت والا نے فرمایا۔ عورتیں اتنی بھولی بھالی ہوتی تھیں جنہیں یہ بھی خبر نہ تھی اسلئے بری باتوں کا خوف بھی بہت تھا اب تو بڑی چالاک ہیں اسی سے بے حیائی بھی بڑھ گئی ہے بس ان کی صفت تو الغافلات ہی ہونا چاہئے۔

واقعہ: ایک صاحب حضرت کے دونوں گھروں کیلئے کپڑا بھیجنا چاہتے تھے مگر بھیجا نہیں پہلے حضرت والا سے دریافت کیا کہ میرا ارادہ یہ ہے۔ مگر یہ تحریر فرمادیجئے کہ کپڑے کی کیا وضع ہونی چاہیے پاجامہ کس رنگ کا اور کرتہ کس رنگ کا ہو اس پر حضرت نے فرمایا:

ارشاد: یہ سمجھ کی بات ہے ایسے فہیم لوگ بھی ہیں کہ پہلے پوچھ لیتے ہیں کہ میں اتنا احسان کرنا چاہتا ہوں تمہارے ساتھ اس کی اچھی صورت کیا ہے (فرمایا) یہ کیسا اچھا طریقہ ہے۔

تراویح کے متعلق بیان قابل عمل

عاجز محمد یوسف بجنوری جامع ملفوظات عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو ایک عرصہ سے تمنا ہے کہ تراویح کا جو طریقہ سلف میں تھا جس کا ذکر کتب فقہ میں ہے اس کو عمل کے اندر کہیں دیکھوں مگر کہیں اتفاق نہ ہوا تھا۔ جہاں کہیں بھی دیکھا حد سے متجاوز پایا۔ کہیں مارے جلدی کے یہ بھی لحاظ نہیں ہوتا کہ آیا نماز کا وقت بھی ہوا ہے یا نہیں۔ وقت سے پہلے ہی اذان کہہ دیتے ہیں۔

پھر کلام اللہ کی وہ گت بنتی ہے کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر بعض باتیں محض رسم و رواج کی بنا پر کی جاتی ہیں خواہ ان کی کوئی اصل ہو یا نہ ہو۔ مٹھائی کا اتنا

التزام کہ زور ڈال ڈال کر اس کے لئے چندہ جمع کیا جاتا ہے اور اسی واسطے روشنی اور سجاوٹ کی جاتی ہے حالانکہ حدیث میں ہے **لایحل مال امراء مسلم الابطیب نفسہ**۔ کہ مسلمان کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے لینا درست نہیں ہے۔

کہیں حفاظ اجرت لیکر پڑھتے ہیں غرض کہاں تک خرابیاں بیان کی جائیں جس کو تفصیل کا شوق ہو وہ ''اصلاح الرسوم'' مصنفہ حضرت والا کا مطالعہ کرے۔ امسال یعنی ۱۳۳۲ھ میں بندہ کا قیام تھانہ بھون میں رہا۔ اور ماہ رمضان میں من اولہ الیٰ آخرہ یہ عاجز تراویح میں شریک رہا حضرت والا نے قرآن شریف سنایا چونکہ حضرت والا ہر امر میں اتباع سنت کو بدرجہ اعلیٰ محفوظ رکھتے ہیں اس کو بھی طریقہ مسنون کے مطابق ادا فرمایا۔ ایک بات بھی ایسی نہ ہوئی کہ شرع کے خلاف ہو اس لئے بندہ کو مناسب معلوم ہوا کہ تراویح جس طریقہ سے حضرت ادا فرمائیں اس کو قلم بند کر دوں کیا اچھا ہو کہ جن حضرات کی نظر سے یہ مضمون گذرے وہ بھی اسی طرح عمل فرمائیں۔ واللہ اتباع سنت میں دین کی راحت تو ہے ہی دنیا کی بھی بڑی راحت ہے۔ تجربہ سے اس دعوی کا صادق ہونا معلوم ہو جائے گا۔ اب میں اس کے متعلق عرض کرتا ہوں وھو ہذا۔

رمضان شریف میں حضرت کے یہاں عشاء کی اذان کا وقت ۸ بجے یعنی غروب سے ایک گھنٹہ چالیس منٹ بعد تھا اور پونے نو بجے جماعت کھڑی ہوتی تھی۔ حضرت والا فرض بھی خود ہی پڑھاتے تھے۔ رمضان شریف میں بعد فاتحہ کے چھوٹی سورتیں پڑھتے جیسے الم ترکیف یا والتین وغیرہ اکثر تو یہی عادت تھی کبھی والشمس وغیرہ پڑھتے۔ غرض قرأت فرضوں میں طویل نہیں ہوتی تھی اس میں مقتدیوں کی رعایت مدنظر تھی چنانچہ حدیث میں موجود ہے ہی۔ تراویح میں قرأت نہ ہو تو اس قدر جلدی ہو جیسے اس زمانہ میں حفاظ کا طرز ہے کہ الفاظ بھی ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہوتے اور نہ اس قدر دیر میں جیسے فرضوں میں قرأت ہوتی ہے بلکہ فرضوں کی بہ نسبت ذرا کچھ رواں قرأت فرمائی۔ ہر حرف اچھی طرح سمجھ میں آتا تھا۔ اظہار و اخفاء کی بھی رعایت تھی۔ اول اول سوا پارہ پڑھا پھر کم کر دیا تھا۔ ستائیسویں شب کو ختم ہوا۔

کل وقت فرض اور سنت اور تراویح اور وتر میں ڈیڑھ گھنٹہ یا کبھی اس سے بھی کچھ کم صرف ہوتا تھا۔ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھے جس کو ترویحہ کہتے ہیں اس میں ۲۵ بار درود شریف پڑھتے اور پھر تراویح پڑھنے کھڑے ہو جاتے۔ درود شریف پڑھنے میں خفیف سا جہر ہوتا تھا۔ میں

ہے نہیں۔ باقی میں درود شریف پڑھ لیتا ہوں یہی مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اور ۲۵ کی تعداد اس لئے کہ اتنے عرصہ میں کسی کو پانی پینے یا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ فارغ ہو سکتا ہے۔

جب بیس تراویح ہو جاتی تو ترویحہ کر کے دعا مانگی جاتی اس کے بعد وتر پڑھے جاتے۔ اور جس موقعہ پر کلام اللہ میں سجدہ ہیں وہاں کبھی رکوع ہی سے سجدہ ادا فرماتے ہیں۔ اور کبھی سجدہ ہی فرما دیتے ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ سورۂ اخلاص سے پیشتر بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں حضرت والا نے ''اقراء'' سے پہلے جہر فرمایا۔ مسئلہ اس کا یہ ہے کہ تمام کلام اللہ میں ایک دفعہ بسم اللہ جہر سے پڑھنی چاہئے خواہ کسی صورت سے ہو پہلے مگر چونکہ اقراء اس کیلئے زیادہ مناسب ہے ایک تو وہ سب سے اول نازل ہوئی دوسرے اس کے شروع ہی میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے اس لئے حضرت نے اسی موقعہ پر جہر فرمایا ہوگا۔ ایک عام دستور یہ ہے کہ سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھتے ہیں حضرت والا نے اس کو ایک ہی بار پڑھا بلکہ ایک صاحب نے دوسرے دن اس کے متعلق دریافت کیا تو حضرت نے ایک تقریر مختصر فرمائی جو تراویح کے بیان سے دو ارشاد پہلے مذکور ہے جس میں شاہ محمد اسحاق صاحب کا قول بھی منقول ہے اس کے حاشیہ پر یہ سرخی لکھی ہے۔

رسم ہے کہ تراویح میں ختم کے دن سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھتے ہیں اس کی اصل کیا ہے

جس روز ختم ہوا نہ روشنی میں بہ نسبت دوسرے دنوں کے کچھ اضافہ تھا نہ مٹھائی منگائی گئی نہ کھٹائی لائی گئی جیسے اور روز پڑھ کر چلے جاتے تھے اس دن بھی چلے گئے۔ ختم ہونیکے بعد تین روز اور تراویح پڑھیں۔ پہلے دن سورۂ والضحیٰ سے آخر تک تراویح میں قرآن پڑھا۔ دوسرے دن الم ترکیف سے آخر تک پھر اسی کو لوٹا کر آخر تک پڑھا تیسرے دن عم یتساءلون کا پارہ نصف کے قریب تک پڑھا۔

ایک دستور یہ ہے کہ جس روز ختم ہوتا ہے تو حافظ کے سامنے پنساری کی دوکان لا کر رکھ دیتے ہیں یعنی اجوین کی پڑیاں لا کر رکھ دیتے ہیں اور پانی کا گھڑا بھر کر رکھ دیتے ہیں وہ اس ''چھو'' کر دیتا ہے یہاں کوئی قصہ نہ تھا بس مسنون طریقہ کے موافق عمل تھا۔ جو امور اس زمانہ میں رواج پا گئے ہیں وہ بظاہر تو اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر جو برائیاں مخفی ہیں اصلاح الرسوم سے ان کا پورا پتہ چلتا ہے۔ جو صاحب اس میں خلاف ہوں تو وہ اصلاح الرسوم کا ضرور مطالعہ فرمالیں مگر بہ نظر انصاف دیکھیں ان شاء اللہ رسومات مرّوجہ کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ شریعت مطہرہ نے سب کاموں میں آسانی رکھی ہے ہم لوگ خود دقتیں بڑھا لیتے ہیں۔ اگر اس طریقہ سے تراویح ہوا کریں تو کتنی آسانی ہے فقط۔

خلوت کی خوبی

ارشاد: یوں معلوم ہوتا ہے تجربہ سے کہ سب سے زیادہ نافع چیز خلوت ہے بس جہاں تک ہو تعلقات کم کرے آفات جلوت میں زیادہ ہوتے ہیں۔ خلوت میں تو آدمی کام ہی کرے گا۔ یہ بھی نہیں تو گناہ سے تو بچے گا۔ خلوت ہے تو ایسی چیز مگر لوگوں کی جان نکلتی ہے خلوت میں۔ اگر خلوت بھی اختیار کریں گے تو ایسی جگہ جہاں آتا جاتا معلوم ہوا پنی صورت نہیں دکھاتے مگر اوروں کی ہی دیکھتے ہیں۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ خلوت میں یہ خرابی ہوگی کہ حدیث النفس ہوگا مختلف قسم کے خیالات آئیں گے اس پر فرمایا جب ذکر کی طرف متوجہ ہوگا تو حدیث النفس کیوں ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ ہے النفس لاتتوجه الی شیئین فی آن واحد.

اور اگر حدیث النفس ہی ہو تو جلوت کی خرابی اس سے بڑھی ہوئی ہے اور جلوت میں گو حدیث النفس نہ ہو مگر اس کی خرابی اس سے بڑھی چڑھی ہوئی ہوگی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے سوئی چبھ گئی۔ اس کی تکلیف تھی دوسرے نے اسی جگہ چھری ماری بس سوئی کی تکلیف تو جاتی رہی مگر اس سے بڑھ کر ہوگئی۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بعض نادان معصیت کا علاج معصیت سے کرتے ہیں اسی طرح خلوت میں جو حدیث النفس تھا اس کا علاج جلوت سے کرنے لگے جس میں حدیث النفس سے بڑھ کر خرابی ہے۔ خلوت میں تو نرا حدیث النفس ہوگا۔ اور جلوت میں خبیث النفس ہوگا۔ فقط۔

ارشاد: ایک صاحب جو سکوت کے چلہ میں تھے انہوں نے عرض کیا کہ بعد عید گھر جا کر زیادہ خلوت کا قصد ہے دعائے توفیق کا خواہاں ہوں اس کے بعد پوچھا کہ اگر گھر میں بال بچوں کے سامنے بیٹھا ہوا ذکر میں اور کبھی کبھی باتوں میں مشغول رہے تو یہ جلوت تو مضر نہیں۔

اس پر فرمایا ان کے ساتھ باتوں میں اور دوستوں کے ساتھ باتوں میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے گناہ دوستوں کی رعایت سے ہو جاتے ہیں۔ اور بچے کیا کہتے ہیں کہ بس یہی ابا آم دیدو فلاں چیز دیدو تو اس سے کیا نقصان بخلاف دوستوں کے جو مختلف برائیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ فرق ہے بچوں میں اور دوستوں میں۔ دوسرے بچوں میں تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ اور دوستوں میں یہ بھی ہوتا ہے۔

میرے نزدیک گھر میں بیٹھے رہنا بی بچوں سے بات کرنا یہ بھی ایک درجہ کی خلوت ہی ہے یہ جو فضول مجالست ہوتی ہیں یہ نہایت ہی مضر ہے آج کل لوگوں نے اس کو مستقل مشغلہ بنایا ہے کہ اس سے مل آئے اُس سے مل آئے۔ اور مقصود تو اعتدال کی تعلیم ہے کہ معتدل درجہ کا کلام کرے نہ یہ کہ بالکل مہر سکوت لگائے۔ لوگوں کا چلہ خاموشی پر اعتراض ہے مگر کیا عجیب وغریب اعتراض ہے بس میں تو یہ کہتا ہوں شعر:

اے ترا خارے بپا نہ شکستہ کے دانی کہ چیست   حال شیر انے کہ شمشیر بلا برسر خورند

اس کی حس ہی نہیں رہی کہ زیادہ بولنے سے کیا مفسدہ ہوتا ہے اور کیا اس کی اصلاح ہے فقط۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ والدین کو ثواب پہنچانا کیا یہ حقوق میں سے ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا:

ارشاد: حقوق واجبہ میں سے نہیں حقوق مستحبہ میں سے ہے (ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا زندوں کو بھی ثواب پہنچتا ہے اس پر فرمایا) جیسے مُردوں کو پہنچتا ہے ویسے ہی زندوں کو بھی پہنچتا ہے۔ ماخذ اس کا یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص سے کہا تھا کہ مسجد عشاء میں دو رکعت پڑھ کر کہنا کہ ہذہ لابی ہریرہؓ کہ ان کا ثواب ابو ہریرہؓ کو پہنچے اور وہ زندہ تھے۔ فقط۔

ارشاد: یہ جو امام صاحب نے فرمایا کہ امر السلطان اکراہ کہ حاکم کا امر بھی اکراہ میں داخل ہے گو تخویف نہ ہو تو اس کی دلیل قرآن کریم میں ہے وہ یہ کہ ساحران نے کہا تھا **لیغفر لنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ من السحر**۔ حالانکہ اکراہ اصطلاحی نہیں تھا صرف اس نے حکم کیا تھا کہ مقابلہ کرو اس کو اکراہ سے تعبیر کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ امر بھی سلطان کا اکراہ ہے چاہے تخفیف نہ ہو فقط۔

واقعہ: ایک صاحب کے مشاعرہ وغیرہ میں زیادہ مشغول ہونے اور ہائے ہو زیادہ کرنے کا ذکر تھا اس پر حضرت نے فرمایا:

ارشاد: بات یہ ہے کہ زیادہ وقت عمل میں گزارنا چاہئے اور ہائے ہو کا مزہ بھی عمل والے ہی کو آتا ہے جیسے چٹنی کا مزہ بھی اسی کو آتا ہے جس کے سامنے مختلف کھانے ہوں اور جس کے سامنے چٹنی ہی چٹنی ہو تو اس کو کیا مزہ اسی طرح لہو ولعب کا مزہ بھی اس کو آتا ہے جس کے کام کے اوقات منضبط ہوں۔ چنانچہ انگریزوں کے یہاں بھی اوقات منضبط ہیں انہی کو لہو ولعب کا مزہ بھی ہے۔ ان کی یہ حالت ہے کہ جو کام کا وقت ہے اس میں اس قدر ڈٹ کر کام کرتے ہیں کہ حد سے زیادہ اور لہو

ولعب کے وقت لہو ولعب خوب کرتے ہیں راز اس کا یہ ہے کہ جو کام میں وقت پورا صرف کرے تو اس کو لہو ولعب ایک جدید چیز ہوگئی اس میں لطف آئے گا۔

نیز کام کی طرف سے تشویش قلب میں نہ ہوگی تفریح میں یکسوئی ہوگی اور جو ہر وقت لہو ولعب میں مشغول رہے تو اس کو لہو ولعب کا کیا مزہ بس اسی طرح ہنسنے بولنے کا لطف بھی اسی کو آتا ہے جو اکثر وقت عمل میں رہے مستی بھی وہ معتبر ہے جو پیٹ بھرے میں ہو۔ اس وقت لوگوں میں عمل کا اہتمام کم ہے اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تفریح میں بالکل مشغول نہ ہو یہ تو خشکی ہے۔ بس فیصلہ یہ ہے کہ زیادہ وقت تو ہو عمل میں اور تھوڑا سا اس میں بھی سہی۔ فقط۔

(ملفوظات تھانہ بھون ختم ہوئے)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیر الحضور فی الکانپور

یعنی

حضرت مولانا ومرشدنا حکیم الامت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ کا سفرنامہ اس میں اس سفر کے حالات اور ملفوظات ہیں جو کانپور کو ماہ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ میں ہوا۔ یہ ناچیز ۸ جمادی الاول ۳۷ھ کو کانپور خدمت والا میں پہنچا اور ملفوظات وغیرہ کے جمع کرنیکا اہتمام شروع کردیا۔ شروع تاریخ جمع کرنے کی ۸ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ اور ختم ۲۲ جمادی الاول ۳۷ھ ہے۔ کل پندرہ ایام ہوئے حضرت والا کا قیام کانپور ہی میں زیادہ رہا۔ البتہ صرف ایک روز کے لئے ہمیر پور تشریف لے گئے تھے وہاں وعظ ہوا تھا اور بہت سے حضرات بیعت بھی ہوئے جن میں مستورات بھی تھیں۔

(جامع سفرنامہ محمد یوسف بجنوری ولد مردان علی)

ملفوظات کانپور

واقعہ: میں اور چند احباب سہ پہر کے وقت خدمت والا میں بیٹھے تھے کمترین کو حضرت نے مخاطب بنا کر فرمایا:

ارشاد: آپ کے حکیم صاحب کا رسالہ ''الاقتصاد فی الضاد من اولہ الی آخرہ لفظاً لفظاً میں نے

دیکھا۔ منشی رفیق احمد صاحب نے دونسخہ مجھ کو ہدیہ دیئے تھے دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی عجیب تحقیق ہے۔ عامیانہ شبہات تک کو اس میں لے لیا ہے اور طرز نہایت ہی اچھا اختیار کیا ہے۔ میں نے صرف مسرت ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ دیکھ لوں اور پھر رکھ دوں بلکہ عمل سے بھی کام لیا وہ یہ کہ قاری محمد یامین صاحب کو مدرسہ سے بلا کر ان کو وہ رسالہ دیا۔ اور کہا کہ اس کو دیکھئے خوب غور سے اور آئندہ اسی کی مطابق مدرسہ میں عمل شروع کرائیے اور کسی کے طعن وتشنیع کی مطلق پروانہ کیجئے کوئی کچھ بھی کہے جب یہی حق ہے تو اس کے ماننے میں کیا تامل ہے چاہے ساری دنیا خلاف ہوجائے کچھ بھی پروانہ کیجئے کسی کی۔ اس کے بعد حضرت والا نے کمترین سے فرمایا۔ جو میں نے اس وقت کہا ہے اس کو حکیم صاحب سے کہہ دینا فقط۔

محمد یوسف بجنوری عرض کرتا ہے کہ میں نے استاد جناب حکیم محمد عبدالرحیم صاحب مصنف رسالہ مذکور سے حضرت کا فرمایا ہوا نقل کر دیا۔ اس رسالہ الاقتصاد فی الضاد میں ضاد معجمہ کی پوری تحقیق ہے۔ اس حرف کے غلط محض پڑھنے میں عوام تو عوام خواص بلکہ اخص الخواص تک مبتلا ہیں۔ حق وہی ہے جس کو حکیم صاحب موصوف نے لکھا ہے تمام کتب قرأت اور کتب فقہ میں اس پر شہادت ہے۔ اور جس طرح اس زمانہ میں رواج ہو گیا ہے اس کی کوئی روایت ضعیف سے ضعیف بھی مؤید نہیں۔ یہ رسالہ قابل دید اور قابل عمل ہے اس حرف کے متعلق عجیب وغریب تحقیق اس میں کی گئی ہے اور حق وباطل میں دلائل قویہ سے پورا امتیاز کر دیا گیا ہے۔ فقط۔

واقعہ : ایک صاحب ہرن کا گوشت پکا ہوا حضرت کی خدمت میں لائے حضرت نے اپنے ایک عزیز کو جو گھر میں آتے جاتے تھے مکان میں پہنچانے کیلئے بھیجا۔ وہ برتن بہت دیر تک واپس نہ لائے۔ لانے والے یہ کہہ کر کہ پھر برتن لے لوں گا چلے گئے۔ اس کے بعد عزیز مذکور برتن لائے۔

حضرت والا ان پر ناراض ہوئے کہ برتن لانے میں اتنی دیر اور فرمایا کہ وہ ابھی گئے ہیں جلدی جا کر ان کو دیدو لانے والے نہ ملے عزیز مذکور نے آ کر کہا کہ فلاں صاحب نے کہا ہے کہ میں پہنچادوں گا۔ اس وقت اس رواج پر کہ لوگ فوراً برتن خالی کر کے چیز لانے والے کو واپس نہیں دیتے ذکر تھا اور حضرت والا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص چیز لاتا ہے تو فوراً برتن واپس فرماتے ہیں۔

ارشاد: فقہاء نے لکھا ہے کہ جس برتن میں کسی نے کھانا بھیجا ہو اس میں کھانا جائز نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ خالی کرنے کے بعد گھر میں رکھتے ہیں اور خوب استعمال کرتے ہیں پرواہ ہی نہیں

برتن کھوئے جاتے ہیں۔ پھر عزیز مذکور سے فرمایا۔ ممکن ہے کہ وہ برتن لینے آئیں۔ اور یہ صاحب جنہوں نے پہنچانے کا وعدہ کیا ہے اس وقت نہ ہوں یا یہ ہوں اور وہ نہ آئیں۔ یہ ۔ ہے میرے معمولات کی وجہ اس لئے میں نے معمولات معین کرر کھے ہیں۔ کیا بتلایا جائے لوگوں میں حس نہیں تساہل اور بے پروائی اس قدر ہے کہ کیا کہا جائے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ بعد میں ہوگا جو بھی ہوگا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ برتن کی واپسی میں کبھی دیر ہوگئی چیز لانے والا آیا نہیں۔ اب وہ لحاظ کے مارے لیتا نہیں کبھی گھر والوں کو خیال نہیں رہتا یوں ہی گڈ مڈ ہو جاتا ہے پھر شکایت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے برتن رکھ لئے۔ ان برتنوں میں کھانا اصل میں حرام ہے کیونکہ لانے والے نے اجازت استعمال کی نہیں دی۔ اس نے کہاں کہا کہ اس میں کھاؤ بھی ہاں کسی سے خصوصیت ہو اور یہ پورا یقین ہو کہ وہ اپنے برتن کے استعمال سے ناخوش نہ ہوگا تو وہ مستثنیٰ ہے اس حکم سے ضابطہ تو یہ ہے عزیز مذکور نے جو یہ کہا تھا کہ فلاں صاحب نے کہا ہے کہ میں پہنچادوں گا اس پر فرمایا۔ میں اپنے اصول کے موافق اب بھی بے فکر نہیں مجھے بے فکری جب ہوتی ہے کہ جب پہنچانے کے بعد اطلاع ہو کہ پہنچ گیا۔ جب تک وہ صاحب اطلاع نہ کریں بے فکری نہیں ان باتوں پر لوگ مجھے کہتے ہیں کہ سخت ہے وہمی ہے جب واقعات ہوتے ہیں تو پھر سختی کیسی۔ برتن کے اسی وقت واپس کرنے میں تھوڑا سا اہتمام کرنا ہوتا ہے باقی بعد میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ بہت بڑی ہے لوگ راحت عاجلہ کو سمجھتے ہیں۔ میں راحت آجلہ کو۔ مجھ کو دن رات تجربہ ہوتا ہے کہ کسی بات میں بھی لوگوں کی حالت ٹھیک نہیں حالت یہ ہے ع

''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم''

واقعہ : اس پر ذکر تھا کہ حضرت والا کے یہاں خانقاہ میں یہ حالت ہے کہ کسی کو کسی سے غرض و مطلب نہیں سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: بفضلہٖ تعالیٰ خانقاہ کی یہ حالت ہے شعر

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ☆ کسے را با کسے کارے نباشد

اہل خانقاہ کی ہمدردی کا ثبوت

ایک صاحب نے یہاں کی حالت دیکھ کر کسی خط میں مذمت لکھی تھی کہ مجھے چائے کی عادت ہے مگر یہاں کوئی کسی کو پوچھتا ہی نہیں دیگچی بھی نہیں ملی چائے بنانے کو کسی میں ہمدردی نہیں

بات یہ ہے کہ لوگ ہنسنے بولنے مجالست کو ہمدردی سمجھتے ہیں۔ مگر ہمدردی کے محل پر ہمدردی ہوتی ہے۔

خانقاہ میں جب بیماری ہوئی ہے تو کیسی کیسی خدمت کی ہے وہاں رہنے والوں نے باقی عدم ضرورت کی حالت میں ہم جسے ہنر سمجھتے ہیں لوگ اسے عیب خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑا وقت ضائع ہوتا ہے ہنسنے بولنے مجالست میں کیا میرے پاس لوگ گھر چھوڑ کر اس لئے آئے ہوئے ہیں کہ فضول وقت ضائع کرتے پھریں۔ اصل تو اللہ اللہ کرنے کو آتے ہیں۔ خیر کسی وقت یہ ہنسا بولنا بھی سہی۔ باقی مستقل مشغلہ تو یہ ہونا چاہئے۔ یعنی اللہ اللہ کرنا۔ لوگ سفر کر کر کے جاتے ہیں تقریبات میں بڑا ہی وقت ضائع ہوتا ہے فلاں بزرگ کا انتقال ہوا۔ میرا ارادہ ہوا کہ چلو ان کے مقام وفات پر مگر پھر سوچا کہ کوئی نتیجہ نظر آئے تو چلیں بھی میں نہیں گیا خانقاہ میں قرآن شریف ختم کرا دیا وہ کام جس میں آرام ان کو پہنچے ہم بھی آرام سے رہے اور انہیں بھی آرام پہنچا اکثر تو وہ فقط رسم پوری کرنے کو جاتے ہیں۔

میں نے سنا کہ وہاں لوگ دور، دور سے گئے ہیں ثقہ بھی اور غیر ثقہ بھی ملاحظہ کیجئے وہاں گرانی نہ ہوئی ہوگی ان بزرگ کے عزیز کا خط آیا تھا کہ مولانا سخت بیمار ہیں مایوسی ہے اور یہ لکھا تھا کہ یہ خبر کسی پر ظاہر نہ ہونا چاہئے یہاں ہجوم ہو رہا ہے دیکھ لیجئے کہ جن کے راضی کرنے کو جاتے ہیں وہی لوگ تنگ ہوتے ہیں ان سے۔

میرے چھوٹے بھائی محمد اختر ہیں ان کی لڑکی میرے پاس رہتی تھی اس کے ساتھ مجھ کو اولاد کی سی محبت تھی اس کا انتقال ہو گیا۔ طاعون میں میں نے سمجھا کہ اعزہ ڈھلیں گے۔ میں نے سب کو کارڈ لکھ دیئے ممانعت کے عورتوں نے خیال کیا کہ (مکتوب الیہ) ناراض ہوئے ہوں گے مگر میں کیرانہ گیا تھا وہاں بعض اعزہ ہیں جو بڑے پابند رسم ہیں انہیں بھی کارڈ لکھا تھا میں ان سے بھی ملا حالانکہ وہ بہت ہی دنیا دار ہیں مگر انہوں نے بے تکلف کہا کہ تم نے ہم کو تکلیف سے بچا لیا ہم اگر آتے تو واقعی تمہارے ڈر کے مارے آتے جب تم ہی نے لکھ دیا تو ہم کیوں آتے اور کہا بڑی راحت ہوئی۔ جو سب میں زیادہ رسم پرست ہیں ان کا یہ حال ہے میں نے عورتوں سے آ کر کہا تو چپ رہ گئیں میری تو یہ رائے ہے کہ اگر کوئی مرے تو گھر والے کو چاہئے کہ اپنے ہی گھر سے کہیں چل دے اگر دس پندرہ جگہ ایسا ہو تو آنا موقوف کر دیں کیونکہ آنے والے خوب پریشان ہوں آ کر کوئی سرائے میں جائیں کوئی کہیں کوئی کہیں بس یہ طوفان بے تمیزی ختم ہو جائے (یعنی لوگوں کا

آنا جانا بند) تو پھر اپنے گھر آجائیں میں نے یہ غضب دیکھا ہے کہ ایک قصبہ میں چار بھائی تھے مختلف جگہ ان کے تعلقات ملازمت تھے۔

اتفاق سے چاروں بھائی جمع ہو گئے ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا۔ سب رخصت منگا کر مکان پر رہے اس لئے کہ اگر کوئی آئے گا تو کس کے پاس آئے گا۔ لوگ خود وقت میں پڑتے ہیں فلاں صاحب لکھنوی نے ہمت کی خود تقریب ختنہ کی کسی کو بھی نہیں بلایا۔ ان کے ایک عزیز کے یہاں تقریب تھی وہاں بھی نہیں گئے۔ یہ علی گڑھ کالج کے پڑھے ہوئے ہیں۔ مگر جب ہی سے نیک ہیں اور بیعت بھی پہلے ہی سے ہیں کالج کے زمانہ سے بیعت ہیں۔

یہ اصل میں ماں باپ کی برکت ہے جو نشو و نما دینداری کی حالت میں ہوتی ہے یہ اس کا نتیجہ ہے ان کی باپ سے اچھی حالت ہے یہ بڑے فہیم آدمی ہیں محبت کے آدمی ہیں کل آئے تھے مجھے دس روپیہ دینے لگے میں نے کہا انہیں کہ ابھی تو آپ نے دیئے ہی تھے (حضرت والا کو پہلے سفر میں دیئے تھے جس کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا) یہ تو ٹیکس ہو گیا۔ (کہ جب آؤں جب ہی لوں) فہیم ہیں میرا عذر قبول کر لیا۔ اور دینے پر اصرار نہیں کیا فقط۔

بیرنگ خط کی باتوں کا جواب نہ دینا

واقعہ : ایک خط بیرنگ آیا اور اس میں جواب کے لئے ٹکٹ بھی تھا۔ ایک صاحب نے ایک آنہ دیکر وہ خط لے لیا مگر حضرت نہ لیتے۔ انہوں نے جو باتیں دریافت کی تھیں ان کا جواب بھی نہیں دیا گیا۔ مگر چونکہ اس میں ٹکٹ بھی تھا اس لئے کچھ تو جواب دینا ضروری تھا۔ حضرت نے اتنا لکھ دیا کہ بیرنگ خط سے کلفت ہوئی اس لئے آپ کی باتوں کا جواب نہیں دیا گیا۔ پھر فرمایا:

ارشاد: یہ تعلیم ہے تاکہ آئندہ احتیاط رکھیں وہ پھر لکھیں گے تو ایک آنہ صرف ہو گا۔ اس سے خوب یاد رہے گا۔ گو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی آدمی کو خط ڈالنے کیلئے دیا ہو اس نے حماقت کی ہو کہ ٹکٹ نہ لگایا ہو اور اس طرح اس میں ان کا قصور نہ ہو گا مگر اس کا بھی انسداد ہو سکتا تھا کیوں نہیں خیال کیا یعنی ایسے غیر معتمد کو کیوں دیا جائے۔ پھر حضرت نے فرمایا یہ سب تعلیمات ہیں۔ فقط۔

ہر کام طریقہ سے ہونا چاہئے

واقعہ : ایک بڑے میاں بیعت ہونے کو آئے ایک پرچہ دیا بیعت تو نہیں کیا۔ مگر اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور دیکھنے کو فرمایا اور بیعت کے بارہ میں فرمایا۔

ارشاد: یہ تو خدمت ہے دین کی اس سے عذر نہیں مگر ہر کام طریقہ سے ہوتا ہے ایسا کیجئے کہ جو بتلایا جائے اس پر عمل رکھئے اور خط و کتابت رکھئے اس کے بعد جو رائے ہوگی اس کی رعایت کی جائے گی۔ آپ اول خط بھیجئے اور اس خط میں یہ پرچہ رکھ دیجئے۔ بیعت اس وقت مناسب ہے جب پوری مناسبت ہو جائے بیعت میں تعجیل مناسب نہیں بعض حضرات جوش وخروش میں بیعت ہو جاتے ہیں بعد میں اپنے حالات کے متعلق نہ خط نہ ہی کتابت نہ کچھ اس لئے میں تاوقتیکہ اچھی طرح کام میں لگا ہوا نہ دیکھ لوں بیعت نہیں کرتا۔ اور اس توقف میں میرا تو کوئی نفع نہیں بلکہ میرے تو بیعت کرنے میں ذرائع بڑھتے ہیں آمدنی کے۔ مگر وہ کام کرنا چاہئے جس میں دوسرے کی مصلحت ہو۔

ایک خواب کی عجیب تعبیر

ارشاد: مجھ کو مناسبت نہیں خواب سے لیکن حقیقت میں جو خواب ہوتا ہے اس کی تعبیر اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈال دیتے ہیں۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ تشریف رکھتے ہیں اور جو اسلام سے قبل حالت تھی اس حالت میں ہیں اور اسلام کی خوبی پر تقریر فرما رہے ہیں حیرانی ہوئی کہ کہاں یہ حالت اور کہاں یہ تقریر مگر سمجھ میں آ گئے۔ اس خواب کے معنی یہ ظاہر بات ہے کہ صدیق اکبرؓ ہر حال میں جاں نثار تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قبل اسلام بھی دوستی تھی آپ سے اور بعد اسلام بھی مگر فرق اتنا تھا کہ قبل اسلام جان نثار تھے طبعاً اور بعد اسلام جان نثار ہوئے ہیں دیناً اس خواب میں اشارہ اس طرف ہے کہ بہت سے لوگ جن پر گمان صدیق ہونے کا ہے وہ اسلام کی حمایت ونصرت کر رہے ہیں مگر وہ ایسی نصرت ہے جیسے حضرت صدیقؓ کی اسلام سے قبل یعنی طبعی طور پر اور دین کے اصول پر منطبق نہیں وہ صاحب پھڑک گئے اس کو سن کر کیونکہ وہ خود اس میں مبتلا تھے۔ خدائے تعالیٰ نے ذہن میں بات ڈال دی۔ میں ہمیشہ سے کہا کرتا تھا کہ لوگوں میں جوش بہت ہے بڑی بڑی کارروائیاں کرتے ہیں۔ مگر نیت نہیں دین کی اگر ان کا مبنی دین ہوتا تو دین کے اور بھی تو اجزا ہیں وہ کہاں گئے ان کو کیوں عمل میں نہیں لایا جاتا۔

واقعہ: ایک عورت کو وسواس بہت پیش آتے تھے بلکہ بوجہ مرض کے جب بے ہوشی ہوتی تھی تو ایسے کلمات زبان سے نکلتے تھے جو ہندوؤں کی زبان سے نکلتے ہیں ان کے شوہر غمگین تھے اور حضرت والا سے آ کر اس حالت کو عرض کیا اس پر فرمایا۔

ارشاد: شیطان سے ڈرنا نہ چاہئے اگر اس کو معلوم ہوگا کہ ڈرتا ہے تو وہ زیادہ دلیر ہو جائے گا اگر کسی شخص کا اس حالت میں انتقال ہوگیا۔ تو یہ چونکہ غیر اختیاری حالت ہے اس سے حرج کیا ہوا۔ ایک شخص شاہجہانپور میں کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے۔ مگر رات کو خواب میں پیشاب پاخانہ دیکھتے۔ مجھ سے یہ حال کہا میں نے کہا کہ بدمعاش شیطان اس طرح شرارت کرتا ہے۔ تاکہ درود شریف چھوڑ دیں تم اس سے یہ کہو کہ اگر تو اس سے زیادہ گندی چیزیں بھی دکھائے گا تب بھی میں نہ چھوڑوں گا۔ اور پڑھوں گا پھر وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ رات خوب اچھے اچھے خواب دیکھے۔ بات یہ ہے کہ اگر شیطان کو اطلاع ہو کہ یہ میرے وسواس سے حزیں ہوتا ہے تو اور دق کرتا ہے اور جو جانتا ہے کہ اس کو فرحت ہوتی ہے تو چھوڑ دیتا ہے یہ لکھا ہے بزرگوں نے تصریحاً کہ وسواس سے خوش ہونا چاہئے مگر اس قصد سے خوش نہ ہو کہ یہ وسوسے کے دفعہ کی تدبیر ہے بلکہ التفات ہی نہ کرے اس دفعہ کرنے کی طرف بس پھر بالکل نجات ہو جائے گی ان صاحب کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ قریب تھا کہ درود شریف چھوڑ دیں یوں سمجھتے تھے کہ مجھ میں درود شریف پڑھنے کی قابلیت نہیں۔ یہ شیطان ہر وقت پیچھے پڑا رہتا ہے۔ حدیث میں ایک خواب کی قسم تحزین من الشیطن آئی ہے کہ شیطان رنجیدہ کرتا ہے فقط۔

ارشاد: واقعی یہ ہے کہ مثنوی بلا کلید مثنوی کے (حضرت نے مثنوی کی شرح لکھی ہے اس کا نام کلید مثنوی ہے)۔ اب تک پوری حل نہیں ہوئی تھی۔ اگر چہ یہ دعویٰ تو بڑا ہے پہلے شارحین کے سامنے مگر ہر زمانہ کی حالت کا ایک اقتضا ہوتا ہے۔ انہوں نے زیادہ توضیح کی حاجت نہیں سمجھی تھی ہمارے زمانہ میں اہل فہم ہیں بہت کم اب ضرورت تھی۔ بہت صاف شرح کی۔

واقعہ : مرزا قادیانی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: اہل باطل چالاکی سے کام چلاتے ہیں معلوم ہوا کہ ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ ان کے یہاں مذہب کی اشاعت میں صرف ہوتا ہے اسی سے یہ ترقی ہے ورنہ خود مرزا ہی بیچارہ کیا چیز تھا۔ ایک خواندہ جاہل آدمی تھا حدیث میں جو ہے **یقتله بباب لدّ** لد کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں لدھیانہ جو لوگ قرآن شریف کی تحریف کرتے ہیں (تعلیم جدید والے) وہ لوگ زیادہ مائل ہو گئے ان کی طرف کیونکہ **الجنس الی الجنس یمیل**) قادیانی کی پیشین گوئیاں جھوٹی ہیں اس کے پیرو تاویلیں کرتے ہیں جب قادیانی کی پیشنگوئیاں غلط ہوئیں تو اخیر تاویل اس نے یہ کی کہ رسول کی پیشینگوئی بھی تو غلط ہوئی غضب ہی کیا۔

واقعہ : دیوبند کے مدرسہ کا ذکر تھا اس پر فرمایا۔

ارشاد: تہذیب وہاں کے رہنے والے طلبہ کا حصہ ہے میں نے کہیں کے طلبہ ایسے موؤب نہیں دیکھے گو اس کی وہاں عملی تعلیم نہیں ہوتی۔ مگر وہاں کا یہ اثر ہے جو وہاں کے بزرگوں کا طرز ہے وہ موروث سا ہو گیا ہے برکت چلی آتی ہے وہاں کے تعلیم یافتوں کے انداز سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہاں کے تعلیم یافتہ ہیں عرفی نے کہا ہے۔

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآمد ☆ اگر مرغ کباب ست کہ بابال وپر آید

وہاں کی خاصیت ہی ہے مجھے اگر حضرت حاجیؒ کا حکم تھانہ بھون رہنے کا نہ ہوتا تو میں دیوبند رہتا مگر یہ ضرور ہے کہ وہاں تنہائی میسر نہ ہوتی قصبہ (تھانہ بھون) کے لوگ معتقد تو نہیں محب ہیں اس لئے لوگ مجھ کو لپٹتے نہیں دیوبند میں یہ میسر نہ ہوتا۔

واقعہ : ایک اجازت یافتہ کے زاہد محنتی مخلص ہونے کا ذکر تھا اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: وہ تو دوا نہیں کرتے نعمتیں نہیں کھاتے مگر ہمارا مسلک یہ ہے کہ انڈا کھاؤ مرغی کھاؤ مرغن کھانے کھاؤ اور کام کرو۔ شرارت کے قصد سے مت کھاؤ۔ خدا کی نعمت کو برتو اگر سامان دے استعمال کرو۔ خدائے تعالیٰ کی نعمت برتنے سے منعم کی محبت بڑھتی ہے۔ ہمیں راحت پہنچتی ہے تو محبت ہوتی ہے۔ اگر راحت برت کر محبت ہو۔ اور اس کے بعد کلفت بھی ہو تو اس میں بھی راحت ہوتی ہے۔

خوب کھاؤ پیو جتنا خدائے تعالیٰ دے مگر کھانے پینے کے بندے نہ بنو اس فکر میں مت رہو کہ پشاور سے چاول آنے چاہئیں۔ فلاں جگہ سے یہ چیز آنی چاہئے لیکن اگر خدائے تعالیٰ دے تو کیوں نہ استعمال کرے کیوں احتراز کرے میں نے ان سے کہا کہ آپ کم کھا کر ضعیف ہو جائے گا ویسے تندرست ہیں مگر ان کی صحت اچھی نہیں ہے مگر ہیں بڑے مستعد برکت بھی ہے ان کے وقت میں محنتی ہیں کسی کام سے انکار ہی نہیں ہے اچھے آدمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ مجھ پر انعام ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے وہ نعمت یہ ہے کہ میرے سب احباب مجھ سے افضل ہیں۔

ورنہ مستفیدین کم درجہ میں ہوتے ہیں مستفاد منہ سے میرے یہاں مستفیدین بڑھے ہوئے ہیں افضل ہو کر پھر اتباع کرتے ہیں یہ بڑی بات ہے جیسا حضرت مرزا جان جاناںؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر مجھ سے قیامت میں سوال ہوا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کو پیش کر دوں گا۔ میں کہتا ہوں کہ میں اپنے مستفیدین کو پیش کر دونگا۔ فقط۔

بے فائدہ سوال سے کیا نتیجہ

واقعہ : ایک شخص کا خط آیا تھا کہ حضورﷺ کے والدین مومن تھے یا کافر اور جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں اس پر جواب فرمایا۔

ارشاد: اس کی تحقیق سے تمہیں کیا فائدہ (پھر حضرت نے فرمایا) اس پر لوگ مجھے بداخلاق کہتے ہیں پھر میرے جواب بھیجنے کے بعد خطوط آتے ہیں کہ صاحب آپ نے جواب نہیں دیا بہت خط آتے ہیں ایسے (جن میں فضول باتیں دریافت کی جاتی ہیں) میں سب کا یہی جواب دیتا ہوں۔

واقعہ : ایک طالب علم کا خط آیا کہ مدرسہ میں جو چندہ آتا ہے اس سے خوراک دینا اور مدرسین کی تنخواہ دینا کیسا ہے۔ اس پر حضرت والا نے یہ جواب لکھا۔

ارشاد: مہتممین سے کہئے کہ یہ مسئلہ وہ پوچھیں تم طالب علم ہو تم کیوں پوچھتے ہو (اس کے بعد حضرت نے حاضرین سے فرمایا) کہ ایسے جواب پر بعض کے نہایت شکریہ کے خط آتے ہیں کہ ہمیں غلطی سے بچا دیا۔ اور بعض گالیاں اور برا بھلا لکھتے ہیں (کہ جواب بھی نہ دیا) فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے لکھا تھا کہ جب نماز پڑھتا ہوں آپ کی صورت سامنے آ جاتی ہے یہاں تک کہ آپ کی آواز تک محسوس ہوتی ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: آج کل کے مشائخ تو اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ کمال نہیں اور خط کا جواب یہ لکھا کہ قابل التفات نہیں ہے کام میں لگے رہئے ہرگز التفات نہ کیجئے۔ رہزن ہے یہ خیال۔ فقط۔

واقعہ : ایک شخص نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا تھا۔ حضرت نے اس کا جواب یہ لکھا اور حاضرین کو سنایا۔

ارشاد: خواب کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے انسان کو بیداری کی حالت کی طرف توجہ نہیں رہتی جب خواب کے پیچھے پڑتا ہے۔ فقط۔

ارشاد: محض تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھنا محض غلط ہے رزق کے متعلق محض تدابیر کافی نہیں ہیں جتنے لوگوں کو ترقی ہوئی ہے۔ اگر ان کے اسباب ترقی کو تحقیق کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان سب اسباب سے ترقی کیسے ہوگئی۔ اور اس کا امتحان بہت آسان ہے ایک ترقی یافتہ شخص کو لے لیجئے جس نے مختلف اسباب ترقی بہم پہنچائے ہوں اور پھر دوسرا وہی اسباب جمع کر کے دیکھ لے کہ اس کو ترقی نہیں ہوتی۔

اور یہ شخص ویسا نہیں ہو سکتا تو وہ تاثیر تدبیر کی یہاں کہاں گئی بلکہ اکثر مسببات کی یہی حالت ہے کہ خدائے تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں کبھی ایسی صورت سے سبب پیدا ہو جاتا ہے کہ گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ غدر کے زمانہ میں ایک شخص کی کنپٹی پہ ایسی حالت میں گولی لگی کہ اس کا زور گھٹ چکا تھا اس لئے پار نہ ہو سکی۔ دماغ میں بیٹھ گئی نور کی آمد بند ہو گئی وہ شخص اندھا ہو گیا۔ ایک یہ مصیبت یہ کہ گولی بیٹھ گئی دوسرے اندھا ہو گیا۔ عقلا حیران تھے کہ کونسا اوزار ہے جس سے گولی نکالیں کسی کی سمجھ میں نہیں آیا سخت تکلیف تھی اس شخص کو کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تھوڑی دیر میں ایک گولی اور آئی اور اسی جگہ لگی مگر زور میں آئی اور اس کو لے کر دوسری طرف نکل گئی۔ اب صرف زخم ہی زخم رہ گیا۔ اس کا علاج ہو گیا۔ کوئی یہ تدبیر نہ سوچ سکتا تھا کہ لاؤ اس کے ایک گولی اور ماریں حق تعالیٰ کی شان ہے اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں۔ بلکہ زیادہ واقعات دنیا میں عجیب ہی ہیں۔

دعائے قنوت کا مسئلہ

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ رمضان شریف میں وتر کی جماعت میں ایک شخص تیسری رکعت میں شریک ہوا اور امام کے ساتھ دعائے قنوت بھی پڑھی۔ پھر وہ جو اپنی رکعات پوری کرے گا تو اس میں دعائے قنوت پڑھے یا نہیں شبہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ جو دعائے قنوت پڑھی ہے اس پر ارشاد فرمایا۔

ارشاد: مسئلہ یہ ہے کہ پھر نہ پڑھے یعنی جب اپنی نماز پوری کرے تو اس میں نہ پڑھے فقط۔

ارشاد: ایک جنٹ صاحب کے ساتھ ایک بیرسٹر صاحب ملنے آئے اور مذہب میں گفتگو کرنے لگے میں نے کہا کہ اگر آپ کو شبہات دور کرنے ہیں تو آپ کسی شخص کے پاس برائے چندے رہئے اس کی صحبت سے شبہات دور ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس پر یہ شبہ کیا کہ اگر اس سے بھی کامیابی نہ ہوئی تو کیا ہوگا۔ میں نے کہا کہ آپ نے بیرسٹری پاس کرنے کی کوشش میں یہ خیال نہ کیا تھا کہ کامیابی نہ ہوئی تو کیا ہوگا پھر میں نے کہا کہ ناکامی ہوگی تو ہم اور تدبیر بتلائیں گے وہ جنٹ صاحب بولے کہ ان کو میں جواب دوں گا۔

پھر اس نے کہا کہ جواب سنو وہ جواب یہ ہے کہ اگر کامیابی نہ ہو تو یوں سمجھیں گے کہ تمہاری قسمت پھوٹی ہوئی ہے ابوجہل کو کامیابی نہ ہوئی تو اس کی قسمت پھوٹی ہوئی تھی میں نے کہا

کہ ایسا نہ کیجئے یہ صاحب نہایت سلیم الطبع ہیں باوجود اس کے کہ نئے تعلیم یافتہ ہیں مگر وہ مذہب کے بارہ میں کہا کرتے ہیں کہ ہم مذہب، کے ماہر نہیں ہیں جو کچھ علماء کہیں اتباع کرنا چاہئے وہ اپنے عزیز اور دوستوں کو ہمیشہ روکتے ہیں گفتگو کرنے سے مذہب میں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہی نہیں۔ اس لئے جو علماء بتلائیں اس پر عمل کریں ہاں ان امور میں ہم کہہ سکتے ہیں جن کو ہم جانتے ہیں فقط

مسئلہ : جس شخص کے ذمہ سجدہ سہو ہو اور وہ سلام پھیر دے اور بعد میں یاد آئے کہ مجھ پر سجدہ بھی ہے تو اس سلام سے صلوٰۃ قطع نہیں ہوئی جب سجدہ یاد آئے کر لے۔ فقط۔

مسئلہ : کوئی شخص سجدہ سہو کر چکا پھر اس کے بعد اور سہو ہو گیا تو پھر کیا کرے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سجدہ کافی ہے جو قبل اس سہو کے کر چکا۔ فقہاء کو حق تعالیٰ جزائے خیر دے انہوں نے کس قدر تحقیق کی ہے سوچ سوچ کر مسائل لکھے ظلم کرتے ہیں وہ لوگ جو ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے سجدہ سہو مقدم سہو کے لئے کافی ہے اسی طرح موخر سہو کے لئے بھی کافی ہے فقط۔

ارشاد: سہو سے نماز میں بولنا مفسد صلوٰۃ ہے اور روزہ میں سہواً کھالینا مفسد صوم نہیں۔ فقہاء نے کس قدر تحقیق سے فرق دونوں میں سمجھا ہے واقعی یہ ہے کہ اسرار فہمی انہی کا کام تھا وہ فرق یہ کہ روزہ میں کوئی بات مذکر نہیں کہ میرا روزہ ہے اس لئے معذور ہوگا بخلاف نماز کے کہ اس کی ہیئت بتلا رہی ہے کہ میں یہ کر رہا ہوں فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے بعد ظہر رقعہ پیش کیا جس میں بیعت کی درخواست کی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ کل صبح کی نماز کے بعد آنا میرے پاس انہوں نے کہا کہ میرے پاس لڑکی سوتی ہے اس وقت میں نہیں آ سکتا اس پر حضرت نے فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے طلب کامل نہیں بیعت کی پھر وہ صاحب کہنے لگے کہ صبح ہی کو آؤں گا۔ اس پر فرمایا بس معلوم ہو گیا کہ چاہت نہیں خواہش نہیں بچی اب تک عذر کیسے جاتا رہا۔

ارشاد: معلوم ہوا کہ مقدم دنیا ہی ہے تو میں ایسا سبق کیوں پڑھاتا میرے یہاں تو قدر اس کا نام ہے کہتے ہیں کہ سلطنت ایک طرف ہو اور یہ ایک طرف پھر سلطنت کی پروانہ کرے تب تو وہ خدائے تعالیٰ کا چاہنے والا ہے ورنہ نہیں۔

کسی کی سواشرفیاں کھوئی جائیں اور وہ ڈھونڈ پھرے ایک شخص کہے کہ ہم تم کو بتلادیں گے آدھی رات کو آنا تو سارے عذر جاتے رہیں چولہے میں جائے لڑکی اور لڑکی کا سونا چار آدمیوں

سے انصاف کرا لیجئے کہ خواہش کی یہی علامت ہے یا نہیں۔ جسے بیکلی کہتے ہیں وہ اور ہی چیز ہے جب تک یہ نہ ہو بیکار ہے یوں تو کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے دیکھو اور عمل کرو۔ جو تم چاہتے ہو وہ تو جب ہی مل سکتا ہے کہ سلطنت کی بھی پروا نہ ہو (جب وہ صاحب چلے گئے تو حضرت نے حاضرین سے فرمایا) یہ ایسا عذر ہے کہ یہ اس کو خود بھی قوی نہیں سمجھتے اگر قوی عذر تھا تو اب کیسے ضعیف ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ وقعت نہیں مطلوب کی مجھے لوگ بدنام کرتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایسا کرتے ہیں۔ واقعہ جب ہو تو اس کی حقیقت دیکھنا چاہئے لوگ صرف صورت دیکھتے ہیں اور دیکھنا چاہئے حقیقت فقط۔

واقعہ : ایک صاحب نے چار آنہ کے ٹکٹ بھیجے خدمت والا میں اس پر فرمایا۔

ارشاد: یہ ہدیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ بار دینے میں نہ لینے میں یہ خلوص کی بات ہے متکبر ہو تو یوں کہے کہ چار آنہ کیا بھیجیں۔

واقعہ : ایک صاحب حضرت کی خدمت میں آئے اور تھے وہ طالب علم مگر معلوم نہیں ہوا۔ حضرت ان کو دیہاتی سمجھے۔ اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ کیوں بیعت ہوتے ہو انہوں نے کہا تا کہ خیالات ٹھیک ہو جائیں اس پر فرمایا۔

بیعت سے غلط اغراض

ارشاد: بیعت سے خیالات ٹھیک نہیں ہوتے۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے بیعت میں کوئی اثر نہیں اس کے متعلق لوگ بیعت کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے بعض لوگ اس خیال میں ہیں کہ بیعت ہو جائیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے ان کے نزدیک بیعت ہونا ہی کافی ہے اسی طرح کے بہت غلط عقیدے ہو رہے ہیں بیعت کے متعلق بعض لوگ پیر کی توجہ پر بس کرتے ہیں کہ پیر کی توجہ سے سب کچھ ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ ابو طالب کی طرف توجہ فرماتے تھے یا نہیں۔ حضور ﷺ ان کے مرنیکے وقت کوشش میں رہے ہیں یہاں تک فرمایا کہ کلمہ میرے کان ہی میں پڑھ لو پھر رسول سے زیادہ کس کی توجہ ہو گی پھر اثر کیوں نہیں ہوتا۔

اب بتلایئے توجہ سے کچھ ہوتا ہے یہ پیرزادوں کی خرابی ہے۔ یہ پیرزادہ سب کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ایسے غلط خیالات پھیلا دیئے کہ سب کا ان ہی پر مدار ہے۔ (پھر ان سے حضرت نے فرمایا) بھائی جب تک طریق کے فائدہ کا فیصلہ نہ ہو میں آگے نہیں چلوں

گا۔ پھر ان صاحب نے فرمایا کہ قلب صاف ہو جائے اس پر فرمایا۔

یہ لوگوں کو عمدہ عمدہ الفاظ یاد ہیں (پھر حضرت نے فرمایا کہ قلب کا صاف ہونا کسے کہتے ہیں وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا) تمہیں ضرورت ہے کہ ایک مہینہ میرے پاس رہو۔ خطاب کے قابل اس وقت ہو گے تم نے تو میری ایک بات بھی نہیں سمجھی اور جب کوئی سمجھانا چاہتا ہے تو سمجھنے کا قصد کرتے نہیں۔ ترمذی پڑھ کر یہ حالت ہے مجھے اس کی کیا خبر تھی کہ آپ طالب علم ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ درسی کتابیں ختم کر کے آپ اس طرف توجہ کریں دو کام نہیں ہو سکتے میں تو آپ کو گاؤں کا شخص سمجھا تھا اس سے تو ہماری طرف کے دیہاتی لوگ ہی فہیم ہیں بات یہ ہے کہ وہ اپنے کو سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ جانتے نہیں اور یہ طلبہ سمجھتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں اس لئے سمجھنے کا قصد ہی نہیں کرتے بعضے لوگ دوسری غلطی میں ہیں کہ وہ اس کے درپے ہوتے ہیں کہ کام کر کے کچھ معلوم بھی ہوا۔

ایک بزرگ شیخ نے ایک میرے دوست سے پوچھا کہ تم اتنے زور سے کام کرتے ہو کچھ نظر بھی آتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ بڑی ضرورت پاس رہنے کی ہے بدون پاس رہے حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بعضے لوگ پیروں کی نظر کو کافی سمجھتے ہیں اور سب کچھ ان کے قبضے میں سمجھتے ہیں۔ خود کوئی پیروں ہی سے پوچھے کہ ان کو کیسے حاصل ہوا کیا صرف نگاہ سے حاصل ہوا۔ یا چکی پینے سے ایسے لوگ مقصود سے کوسوں دور ہیں۔

کوئی وظیفوں کے درپے ہو گیا۔ بعض خاندانوں میں درویشی اسی کا نام ہے کہ حزب البحر پڑھ لے۔ بعض کیفیات کو اصلی مقصود سمجھتے ہیں بعض اشغال کو اصلی مقصود سمجھتے ہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ یہ چیزیں ماہیت میں داخل ہیں۔ درویشی کی یا عوارض میں سے ہیں۔ میں ان کا انکار نہیں کرتا۔ مگر گفتگو اس میں ہے کہ جزو ماہیت ہیں یا نہیں توجہ و خیال رکھنے پر ایک اپنی حکایت یاد آئی کہ میں نے ایک درویش سے کہا تھا کہ ذرا خیال رکھئے گا تو جواب دیا کہ میرے خیال سے تم کو کوئی نفع نہیں ہے تم خیال رکھو گے تو کچھ ہو گا۔ یہ جو خواہش کی جاتی ہے کہ فلانے کا خیال رکھیں تو گویا وہ ٹکٹکی لگائے سب کو دیکھتے رہا کریں عجیب وغریب مذاق کے لوگ ہیں بعضے لوگ تمام بار پیر ہی پر سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب نے میرے پاس لکھا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ ہم خط نہ بھیجیں تو آپ بھی نہ بھیجیں آپ کو ہمارا خیال نہیں ہے میں نے جواب میں لکھا:

مہربانی سے آپ مجھ کو چھوڑ دیئے دوسرا پیر تلاش کیجئے جو آپ کی خوشامد کرتا پھرے بعد

میں انہوں نے عذر لکھا میں نے جواب میں لکھا کہ اس سے مرض تو رفع نہ ہوا۔ آ کر رہئے اس لئے میں رائے دیا کرتا ہوں کہ آ کر رہو اور میں یہ نہیں کہتا کہ پاس رہنے میں بزرگ ہو جاؤ گے بھائی بزرگ تو اللہ تعالیٰ کے بنانے سے ہوتا ہے مگر غلطی تو رفع ہو جائے گی ایک شخص ایک ہزار سے تعلق رکھے تو سب کی طرف ایک آدمی کیسے توجہ کرے یہ توجہ تو مرید کے اختیار میں ہے حالات کی اطلاع کرتا رہے پھر تعلیم کا اتباع کرے اس کی طرف توجہ خواہ مخواہ ہو جاتی ہے حالت یہ ہے کہ برسوں تک تو اطلاع نہیں دیتے پھر توجہ کا حکم فرماتے ہیں۔

میں نے ایک صاحب سے جو کسی معاملہ میں پریشان تھے پوچھا کہ پریشانی دور ہوئی تو جواب دیا کہ کیسے دور ہوتی جب آپ متوجہ نہیں بس الفاظ یاد کر لئے ہیں لوگوں کا عقیدہ شرک تک پہنچ گیا ہے (یوں سمجھتے ہیں کہ پیر کو ہمارے حال کی خبر بھی ہے اور ان کی قدرت میں بھی ہے) اور جو ان امور کی صحیح تحقیق ظاہر کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ بزرگوں سے منکر ہیں اور ان جہالتوں کو دیکھ کر بعض کی یہ حالت ہو گئی کہ اس طریق ہی کا انکار کر بیٹھے اب ایک طرف ان کی اصلاح کی ضرورت دوسری طرف ان کی اصلاح کی ضرورت تکشف میں نے اس لئے لکھی تھی تاکہ حقیقت معلوم ہو جائے اس فن کی۔

واقعہ : ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایسی بات بتلاؤ کہ نماز میں جی لگے خیالات نہ آئیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: اپنی طرف سے خیالات مت لاؤ نماز کی طرف توجہ رکھو پھر بھی خیال آئیں تو پرواہ مت کرو۔ ایسی نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ جس میں جی لگے پھر بھی پڑھے اس نماز سے جس میں جی بھی لگے اس فکر میں پڑو ہی مت کام کئے جاؤ۔ ایک مولوی صاحب نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تمہیں روزہ کی نیت بھی یاد ہے اس نے کہا۔ نہیں! انہوں نے کہا کہ یوں کہہ لیا کرو وبصوم غد نویت اگلے دن دیکھا تو بیٹھا ہوا حقہ پی رہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ یہ کیا تو کہا کہ ابھی نیت یاد نہیں ہوئی۔ یاد ہونے پر رکھوں گا (پھر حضرت نے فرمایا) کہ غیر ضروریات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہے کہ واجبات تک ترک ہونے لگے ہیں۔

واقعہ : سفر میں ایک چک آیا تھا حضرت نے ڈاکخانہ بھیجا روپیہ لینے کیلئے وہاں سے جواب آیا کہ اس کا روپیہ تھانہ بھون سے مل سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں کل اس کو تھانہ بھون بھیجوں گا۔ ایک صاحب نے کہا کہ ابھی جلدی ہی کیا ہے۔ وہاں جا کر وصول کر لیجئے گا۔ یہاں سے رجسٹری

کا خرچ پڑے گا۔اس پر فرمایا۔

ارشاد: جو کام ہے میں اس سے فارغ ہونا چاہا کرتا ہوں۔خواہ خرچ ہو لوگ مجھ کو مسرف کہتے ہیں (پھر فرمایا) اسراف اس خرچ کو کہتے ہیں جس میں کوئی مصلحت نہ ہو مجھے برا معلوم ہوتا ہے کاموں کا جمع کرنا میری طبیعت متحمل نہیں ہے کہ کاموں کو جمع کروں میں خرچ کی پرواہ نہیں کرتا۔ راحت کے مقابلہ میں ایسے موقعہ پر تو مجھے لوگ مسرف کہتے ہیں اور جہاں خرچ کا موقعہ نہیں ہوتا وہاں کوڑی خرچ نہیں کرتا ایسے موقعہ پر لوگ مجھے بخیل بھی کہتے ہیں۔فقط۔

ارشاد: تھانہ بھون میں رہنے کا جو مشورہ دیا کرتا ہوں اس سے زیادہ غرض یہ ہے کہ انسانیت پیدا ہو جائے اگر بزرگ نہ ہو تو اصول صحیحہ تو معلوم ہو جائیں بولنے کھانے پینے کے میں کہا کرتا ہوں اور جگہ بزرگی حاصل ہوتی ہے۔اور یہاں آدمیت فقط۔

ارشاد: (وسوسہ کے متعلق ذکر تھا اس پر فرمایا) وسوسہ پر التفات نہ ہونا چاہئے۔سوائے اس کے کوئی علاج نہیں تھوڑی ہمت سے کام لیا جائے۔جس احتیاط کا انجام بے احتیاطی ہو وہ ناجائز اور جس کا انجام احتیاط ہو وہ واجب (مطلب یہ ہے کہ کسی کو وسواس آتے ہیں۔اور وہ پریشان ہے۔

یہاں تک کہ بعض نماز بھی ترک کر دیتے ہیں کہ کیا نماز پڑھیں جب وسوسے آتے ہیں ان کے رفع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور انتظار ہے کہ رفع ہونے پر پڑھیں گے۔کی تو تھی احتیاط وسوسہ سے انجام یہ ہوا کہ نماز بھی چھوڑ بیٹھے کم ہمت آدمی کو ضعیف چیز قوی معلوم ہوتی ہے۔اسلئے وسوسہ سے گھبرا جاتا ہے اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ ضرورت ہے پاس رہنے کی بعض دفعہ خود تنہا کو ہمت نہیں ہوتی اور جو پاس ہو تو ہمت ہوتی ہے نیز بدون پاس رہے طریق سے مناسبت نہیں ہوتی مگر اس کا اہتمام ہی نہیں لوگوں میں موٹی سی بات ہے کہ مریض طبیب سے دور ہو اور جو نزدیک ہو دونوں میں بڑا فرق ہے۔بہت نازک حالت ہے اس مریض کی جو طبیب سے دور ہو۔ پاس رہنے سے برسوں کے مریض الجھے ہوئے سلجھ گئے مگر خالی الذہن ہو کر رہنا چاہئے صاحب الرائے ہو کر نہیں کہ یہ مضر ہے۔

ایک شخص کا سوال جو کہ عیسائی سے مسلمان ہوا تھا

واقعہ: ایک شخص عیسائی سے مسلمان ہوا تھا وہ آیا۔اور عرض کیا کہ مجھے کچھ دیجئے حضرت نے

وعدہ فرمالیا دو چار آنے دینے کا اس نے کہا کہ دو حرف تصدیق کیلئے بھی لکھ دیجئے کہ یہ شخص عیسائی سے مسلمان ہوا اس پر فرمایا۔

ارشاد: ہمارے یہاں تعلیم ہے کہ جو خوشی سے کلمہ پڑھ دے بس وہ مسلمان ہوگیا اس لئے جہاں لوگ شبہ کریں آپ کلمہ پڑھ دیجئے۔

واقعہ: ایک صاحب مقیم مدرسہ تھانہ بھون کا ذکر ہوا کہ وہ تداوی نہیں کرتے اس پر فرمایا۔

ارشاد: میں نے ان سے کہا کہ کیا دلیل ہے آپ کے پاس ترک تداوی پر انہوں نے اس کا کوئی شافی جواب نہیں دیا میں نے کہا کہ اس میں (تداوی میں) اظہار عبدیت ہے حق تعالیٰ کے سامنے جناب رسول ﷺ کا معمول اور آپ کی عادت مستمرہ تداوی ہی تھی۔ کسی عارض کی وجہ سے ترک ہوا تو وہ اور بات ہے اور وہ صاحب بیحد مجاہدہ کرتے ہیں۔ غذا دونوں وقت نہیں کھاتے میں کہتا ہوں خوب کھایئے دونوں وقت نہ کھانے کے کیا معنیٰ۔ نفس مزدور ہے خوب دو۔ اور خوب کام لو۔ ہاں اگر شیخ کسی حالت میں تجویز کرے تو اور بات ہے۔ گفتگو یہ ہے کہ اصل طریقہ کیا ہے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ کسی کے کم کھانے سے کیا بہت جمع ہو جائے گا۔ خدا کے یہاں اور کیا وہ خیر خواہ ہوں میں شمار ہونے لگے گا۔ بات یہ ہے کہ معاملہ خدا کے ساتھ درست ہونا چاہئے۔ خوب کھایا کرو پیا کرو ان باتوں سے ضعف ہو جاتا ہے۔ اور ایک طرح کا دعویٰ پیدا ہو جاتا ہے بڑی خرابی ہے بعض دفعہ یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بڑے عابد ہیں بڑے بزرگ ہیں فقط۔

ارشاد: مجھ کو تعبیر میں گو دخل نہیں مگر جو درحقیقت منجانب اللہ خواب ہی ہوتا ہے اس کی تعبیر اکثر ذہن میں آ ہی جاتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ خواب ہے خواب کی شان ہی دوسری ہے وہ ایک شعبہ اور جزو ہے اجزائے نبوت سے حضور ﷺ بعد نماز صبح دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے رات کو جیسا کہ حدیث میں ہے وہ خواب تھے آپ خیالات کو نہ پوچھتے تھے خدائے تعالیٰ نے صحابہؓ کو تقوی طہارت دیا تھا۔ ان کے خواب ہوتے تھے اگر حضور ﷺ اس وقت ہوتے تو ہم سے تھوڑا ہی پوچھتے۔ ہمارے خواب ہی کیا ہیں پھر مناسبت پر اس کا مدار ہے بزرگی کی دلیل نہیں۔ مولانا ظفر حسین صاحبؒ کو ساری عمر آرزو ہی رہی کہ زیارت نبوی سے مشرف ہوں۔ بعض کی معمولی حالت ہوتی ہے مگر ان کو کثرت سے زیارت ہوتی ہے۔ مناسبت کی بات ہے اس پر مدار قرب کا تھوڑا ہی ہے۔

ایک دفعہ مولوی ظفر حسین صاحبؒ اس زیارت نہ ہونے پر رنجیدہ ہونے لگے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے۔ **یرا ھا المسلم او تری له** یا تو خود دیکھے یا اس کے بارہ میں دوسرا دیکھے۔ جناب نے اگر نہیں دیکھا مگر اوروں نے تو آپ کے بارہ میں دیکھا ہے یہ سن کر نہایت ہی خوش ہوئے اس حدیث کی طرف ان کا ذہن نہ گیا تھا اور حالانکہ وہ عالم تھے۔

پاس رہنے کا فائدہ اور مناظرہ کا ذکر

واقعہ : حضرت نے پاس رہنے کا فائدہ بیان کیا اور مناظرہ کا بھی ذکر تھا اس کے متعلق فرمایا۔

ارشاد: صحبت سے ایسا نفع ہوا کہ ایک ایک جلسہ میں بیس بیس شبہات دفع ہو گئے ہیں پاس رہنے سے یہ ہوا کہ مادہ پیدا ہو گیا قبول حق کا یوں تو کتابیں موجود ہیں مگر پھر بھی ان سے تسلی نہیں ہوتی۔ اگر کتابیں کافی ہوتیں تو مرجیہ قدریہ کیوں ہوتے۔ حق بیشک اس قدر واضح ہے کہ مخفی نہیں رہ سکتا۔ مگر جو کوئی ڈھونڈے ہی نہیں تو اس کا کیا علاج پھر ڈھونڈنا بھی وہ ہے جو طریقہ سے ہو **واءتوا البیوت من ابوابھا** ۔ ہر کام کا طریقہ بھی اس کا دروازہ ہے۔ اب آتے ہیں پچھواڑے سے گھر کے اس لئے نفع نہیں ہوتا اور اس طریقہ کی اصل صحبت ہے علماء ظاہری اور صوفیہ میں بھی طریقہ ہی کا تو فرق ہے علماء کے مناظرہ میں ادھر یا ادھر سکوت تو ہو جاتا ہے مگر شفا نہیں ہوتی۔ صوفیہ کے یہاں شفا ہو جاتی ہے وہ حقیقت بتلاتے ہیں قرآن شریف میں مناظرہ کا بھی طرز ہے کفار کا جو رد کیا ہے وہ ظاہر میں مسکت رد نہیں معلوم ہوتا۔ متعارف استدلال کا جو طرز ہے وہ زیادہ اہتمام سے نہیں مگر مؤثر طریقہ سے کام لیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک طریق یہ ہے کہ ایک بات قرآن شریف میں پچاس پچاس جگہ ہو گی چنانچہ ارشاد ہے حق تعالیٰ کا صرفنا فی ھذا القرآن یعنی اس کو مکرر کرتے ہیں حق کے اندر خاصیت ہے کہ جب بار بار کان میں پڑتا ہے تو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ چنانچہ لیڈ کروا کا بھی حاصل ہے۔

بس قرآن شریف میں یہی طرز لیا ہے اور متعارف طرز نہیں مناظرہ کا پس جو طرز وہ سکھائے وہی مقبول ہے اور کہیں کہیں یہ بھی ہے کہ مخالفین کا قول نقل کر کے یہ بھی فرمادیا ہے کہ آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ عنقریب معلوم کرو گے یہ بھی ایک قسم کا جواب ہے۔ کہیں یوں ہے کہ کیوں ان کے پیچھے پڑے چھوڑ یئے بھی۔ یہ بھی ایک جواب ہے ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ سارے طریقے نافع ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہیں خشونت بھی نافع ہوتی ہے وہاں ان کا استعمال کرنا چاہئے۔

لوگ میری شکایت کرتے ہیں کہ خشونت کرتا ہے مگر میں بعض موقعہ پر خشونت میں نفع دیکھتا ہوں تو جو خشونت نافع ہو وہ محمود ہے خشونت منہی عنہ وہ ہے جو مضر ہو۔ میں اس کے نافع ہونے کا ایک قصہ بیان کرتا ہوں ایک طالب جو کہ ذاکر تھے وساوس کی ہمیشہ شکایت کرتے تھے جب آتے یہی شکایت میں نے خیال کیا کہ اہل علم کے طرز پر دلائل سے کوئی جواب دوں تو کوئی نفع نہ ہوگا اور یہ کیفیت ہوگی ۔

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند ☆ آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

چنانچہ تجربہ ہے کہ وساوس کا جتنا جواب دیا جائے اور شبہات ہی بڑھتے ہیں صوفیہ کے یہاں یہ علاج ہے کہ التفات مت کرو علماء ظاہر کے یہاں دفع کیا جاتا ہے اور چونکہ وہ بھی التفات ہے اس لئے نافع نہیں ہوتا۔ ان وساوس کی مثال ایسی ہے جیسے تار بجلی کا۔ اگر تم اسے پکڑو جب مضر اور اگر اسے ہٹاؤ تب مضر۔

بس وسوسوں کی طرف ہٹانے کی نیت سے بھی رخ نہ کرو علاج یہ ہے وہ طالب ہمیشہ آتے اور یہی شکایت کرتے میں نے ان کو راحت کی بات بتائی کہ جاؤ پرواہ نہ کرو اس میں بڑی راحت ہے مگر بعض آدمی کم فہمی سے راحت کی بات کو قبول نہیں کرتے جیسے بعض آدمیوں کو بدون بدن دبوائے چین نہیں آتا اسی طرح بعض کو وسوسہ آنے میں مزہ آتا ہے۔ بس یہاں تک ان کی نوبت پہنچی کہ ایک روز کہنے لگے کہ اب تو یوں وسوسہ آتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں میں نے یہ سن کر ایک دھول لگائی اور ڈانٹ بتلائی اور کہا کہ چل دور ہو اسلام کو ایسے ناپاک کی کچھ حاجت نہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ وقت تالیف قلب کا ہے اس وقت ان کی دلجوئی کرنی چاہئے تھی۔ بس کام کرنے والا ہی سمجھتا ہے موقعہ کو۔ واقعی دوسرے کو مزاحمت کا حق نہیں اگر کوئی مزاحمت کرے تو ہم اس کی سپرد کریں گے کہ تم لیجاؤ علاج کرو۔ میں نے ان کے دھول دی اور میں نے پاس سے اٹھا دیا۔ اور کہا کہ رات ہی کو عیسائی ہو جانا۔ بس یہ ہوا کہ پھر ان کو کبھی کوئی وسوسہ نہیں ہوا۔

ایک شخص اور تھے وہ ذکر کرتے میں اٹھتے تھے اور بھاگے بھاگے پھرتے تھے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں ایک شب خانقاہ میں رہا اور میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس بیٹھ کر ذکر کرو جب ان کی یہ کیفیت ہوئی تو اٹھ کر چلے تو میں نے تعاقب کر کے ہاتھ پکڑ کر ایک دھول رسید کی اور ڈانٹ بتلائی بس ٹھیک ہو گئے اور اس کے بعد بیحد جوش ہوتا ہے مگر حرکت نہیں کرتے۔ ایک اور شخص تھے انہوں نے ایک طومار شبہات کا لکھ کر

بھیج دیا اور حالت یہ تھی کہ میزان بھی نہ پڑھی تھی میں نے ان کو لکھا کہ یہاں آ جاؤ اس پر بھی شبہات کئے لکھا کہ ایک شخص نوکر ہے اس کا حرج ہوتا ہے وہ کیسے آئے میں نے لکھا مت آؤ۔ اور لکھا کہ میاں اگر کسی بیماری میں مبتلا ہو جاؤ اور ڈاکٹر کہے کہ رخصت لو اہل وعیال کو چھوڑ دو تو پھر کہاں سے فرصت ہو جائے گی۔ سو یہ بھی مرض ہے دو تین برس کے بعد ان کو موقعہ ملا آنے کا۔ آنے سے قبل ایک خط لکھا کہ آتا ہوں مگر چند شرطیں ہیں۔ تمہارا ایک تو کھانا نہ کھاؤں گا۔ کیونکہ پھر لچنا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ غل نہ مچانا کبھی آپ غل مچا کر مجھ کو دبالیں۔

میں نے لکھا کہ منظور ہیں سب شرطیں غرض وہ آ گئے۔ میں نے کہا کہ عصر سے مغرب تک آپ کیلئے وقت تجویز ہوا ہے دوسرے وقت میں مجھ سے نہ بولنا۔ پریشان مت کرنا وقت پر جو جی چاہے پوچھو اور میں نے کہا کہ میں شرط واپس لیتا ہوں وہ یہ کہ کبھی ضرورت تیز بولنے کی بھی ہوتی ہے۔ جہاں اس کی ضرورت دیکھوں گا تیز بولونگا اس شرط کی واپسی میں اگر آپ کو کرایہ کا خیال ہو تو کرایہ مجھ سے لے لیجئے اور جایئے۔ کہنے لگے بہت اچھا پھر کھانے کی شرط انہوں نے واپس لے لی انہوں نے مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھی تھیں اور خود علم تھا نہیں اس لئے ان کو شبہات پڑ گئے تھے میں نے عصر کے بعد ان کو بلایا اور کہا کہ جواب کے قبل ایک مقدمہ عرض کرتا ہوں۔

چنانچہ میں نے ایک مقدمہ بیان کیا پھر میں نے کہا کہ اب ایک ایک اعتراض کا جواب لو وہ اعتراض کرتے گئے اور میں ایک ایک کا جواب اس مقدمہ سے دیتا گیا اب تو وہ جو بھی اعتراض کرتے اس سے جواب ہو جاتا۔ قاصر ہو کر خاموش ہوئے مگر تردد رفع نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ میں آگے اس وقت گفتگو کرونگا کہ آپ اس میں ذرا غور کیجئے سمجھ لیجئے ایک جلسہ میں خاتمہ نہیں ہوا کرتا جو دن میں سنیئے اسے رات کو سوچئے دوسرے روز آ کر کہنے لگے کہ میں نے سوچا اب تو سب شبہات رفع ہو گئے پھر میں نے کہا یہ بات دور سے کہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں مشورہ دیتا ہوں کہ مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھنی چھوڑ دیجئے۔ ہاں جو کتابیں ہم کہیں ان کو دیکھئے بڑی بات یہ ہے کہ طلب ہو اور طلب طریقہ سے ہو۔ اب مناظرہ میں یہ بات نہیں رہی اب تو یہ طریقہ ہے کہ دس منٹ ایک نے تقریر کر لی وہ بیٹھ گیا پھر دوسرے نے تقریر کر لی وہ بیٹھ گیا۔ بس یہ جلسے تفریح کے لئے ہوتے ہیں فضولیات میں وقت صرف ہو جاتا ہے۔ مآل کچھ بھی نہیں ہے اور نہ اس سے طلب حق مقصود ہے فقط۔

معاشرت کا عجیب بیان

ارشاد: لوگ حسن معاشرت کو دین نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ نماز روزہ کی تو شکل بھی دین کی ہے اس لئے اس کو دین سمجھتے ہیں۔ اور معاشرت کی صورت ہے دنیا کی سی اس لئے اس کو دین نہیں سمجھتے۔ ایک مولوی صاحب میرے یہاں مہمان ہوئے ان کو کھانا بھیجا گیا۔ انہوں نے ایک کو اور شریک کرلیا اور وہ حضرت بھی بیٹھ گئے حالانکہ وہ بھی مولوی تھے (نیاز اور عبدالستار ملازمان حضرت والا) ہیں تو سید ھے مگر ہیں بہت متقی ان کو ناگوار ہوا۔ وہاں تو کچھ نہیں کہا مجھ سے آکر کہا میں نے کہا کہ نہ میری طرف سے کہنا نہ اپنے نام سے کہنا تم اتنا کہنا کہ ہم نے مولانا سے یوں سنا ہے کہ دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں ہے فتوی میری طرف سے ہوجائیگا اور خطاب تمہاری طرف سے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح سے کہا حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کو کہنے پر بھی تنبیہ نہ ہوئی کہنے لگے کہ میں خود گفتگو کرلوں گا۔ عوام کا تو مضائقہ نہیں تعجب اس لئے ہوا کہ وہ مولوی تھے بے تکلفی ہو تو بھی خیر وہ تو محض مسافر شخص تھے اجنبی۔ میں منتظر رہا کہ اب پوچھیں گے اور خود ذکر کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا کیونکہ کھانے کے قصے میں بات کرنے میں حجاب ہوتا ہے عین رخصت کے وقت انہوں نے پوچھا اور وہ ملاقات کے لئے آئے تھے۔ اصلاح کی غرض سے نہیں آئے تھے ورنہ میں خود تنبیہ کرتا خیر انہوں نے پوچھا میں نے کہا یہ تو ظاہر ہے آپ تو عالم ہیں مدرس ہیں یہ تو اباحت ہے تملیک نہیں اور اباحت میں ایسا تصرف جائز نہیں۔

انہوں نے کہا کہ میں نے یہ سمجھا کھانا زیادہ ہے دوسرے کیلئے بھی اجازت ہوگی۔ میں نے کہا کہ یہ تو دلیل اجازت نہیں زیادہ کھانا مہمان کے لئے اس لئے نہیں بھیجتے کہ دوسرے کو شریک کرے بلکہ گھر والے مہمان کو اپنے سے مقدم سمجھتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کمی نہ رہے پھر جو اس سے بچے تو گھر والے اس کے مالک ہیں جو بچتا ہے گھر میں خرچ ہوجاتا ہے بزرگوں کے سامنے کا خود بھی کھالیتے ہیں۔ ورنہ نوکر چاکر کھالیتے ہیں۔

فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر دو جگہ دستر خوان ہوں۔ تو ایک کا کھانا دوسرے پر دینا جائز نہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر شریعت کا حکم بھی نہ ہوتا تب بھی طبع سلیم کہاں جائز رکھتی ہے۔ ہاں اگر کہیں بے تکلفی ہو کہ ایسے تصرف سے مالک کا جی خوش ہوتا ہو کھانے سے وہاں مضائقہ نہیں ہے۔

ایک صحابی ہیں ابوالہیثمؓ ان کے یہاں حضور ﷺ کھانے کیلئے تشریف لے گئے اور ایک موقعہ اور تھا وہاں آپؐ تشریف لے گئے اور ایک شخص آپ کے ساتھ چلے گئے وہاں آپ نے مطلع کیا صاحب خانہ کو کہ یہ بلا اجازت آئے ہیں اس نے اجازت دیدی جب بٹھایا۔ بعض کو ایک شبہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ تو لازمی عادت ہے کہ کوئی بڑا آدمی ایسی بات کیلئے پوچھتا ہے تو کہہ ہی دیتے ہیں ممکن ہے کہ اس نے بوجہ وجاہت اجازت دی ہو نہ بطیب خاطر۔

مگر ایک دوسری حدیث سے یہ شبہ رفع ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ سے دب کر اجازت نہیں دی وہ حدیث مسلم میں ہے۔ ایک فارسی تھے جو شوربا اچھا پکاتے تھے ایک بار انہوں نے شوربا اچھا پکایا ان کا جی چاہا کہ حضور ﷺ بھی کھائیں انہوں نے آکر عرض کیا کہ آپ تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر عائشہ کی بھی دعوت ہو تو میں چلوں (اور یہ اختیار ہے مہمان کو کہ کوئی شرط لگائے میزبان سے) وہ شخص جواب میں کہتے ہیں کہ عائشہؓ نہیں آپ نے فرمایا کہ ہم بھی نہیں وہ شخص واپس چلے پھر رستہ سے لوٹے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ تشریف لے چلئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہؓ بھی انہوں نے کہا کہ عائشہؓ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ہم بھی نہیں پھر وہ واپس چلے پھر لوٹے اور عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہؓ بھی انہوں نے کہا کہ اچھا عائشہؓ بھی چنانچہ آپ ﷺ مع عائشہؓ تشریف لے گئے۔ اس وقت تک حجاب نازل نہیں ہوا تھا اور اس شخص کے اس فعل کی یہ وجہ تھی کہ وہ شوربا اتنا تھا کہ آپ ﷺ خوب اچھی طرح کھالیں۔ اور اگر دو آدمی کھائیں تو آپ ﷺ کو اچھی طرح پیٹ بھر کر نہیں مل سکتا تھا اس لئے وہ عائشہؓ کا جانا نہیں چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خود حضور ﷺ ہی اپنا کھانا کم گوارا فرماتے ہیں تو انہوں نے اجازت دیدی اور وہ پہلے محبت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اور کوئی نہ کھائے حضور ﷺ ہی خوب سیر ہو کر کھالیں۔

غرض اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضور ﷺ کی تعلیم نے پوری آزادی پیدا کر دی تھی۔ یہ حالت تھی کہ جہاں اجازت خوشی سے دینا ہوا دیدی اور جو منع کرنا ہوا منع کر دیا پس ثابت ہوا کہ اجازت دب کر نہ ہوئی تھی۔ سو ایک جگہ تو اس قدر احتیاط کہ اجازت لی اور ابوالہیثمؓ کے یہاں خود تشریف لے گئے اور وہ تھے بھی نہیں جب وہ آئے تو بڑے خوش ہوئے تو اس کی وجہ وہی بے تکلفی ہے بس ہر ایک کے ساتھ جدا برتاؤ ہے فقط۔

واقعہ : تواضع کا ذکر تھا اس پر فرمایا۔

ارشاد: میرے نزدیک سب اعمال سے زیادہ ضروری کبر کا نکل جانا ہے اسی کبر سے ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اسی واسطے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذاخاطبھم الجاھلون قالو اسلاماً** کہ اس میں تواضع کی تعلیم ہے **والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما** اس میں نماز کی فضیلت ہے **والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراماً** ۔اس میں عذاب جہنم سے خشیت ہے **والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما** ۔اس میں انفاق کا طریقہ ہے۔ **والذین لایدعون مع اللہ الھاًاخر الخ** ۔اس میں توحید کی تعلیم ہے۔

غرض سب سے پہلے تواضع کی تعلیم ہے تمام باتوں سے پہلے تواضع کا ذکر کیا جس کا تقدم تمام چیزوں سے معلوم ہوا صوفیہ سمجھتے ہیں اس ترتیب کی حکمت کو وہ یہ کہ علاج ازالہ سبب سے ہوتا ہے اور سب ذمائم کا سبب کبر ہے۔ چنانچہ کبر ہی کا یہ اثر ہے کہ قبول حق سے آدمی رکتا ہے۔ یہ چونکہ تمام مفاسد کی جڑ ہے اور تواضع کبر کی ضد ہے اس کے اختیار کرنے سے کبر کا ازالہ ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے تعلیم میں تواضع کو مقدم فرمایا۔ مگر اس طرف کسی کو توجہ ہی نہیں اور یہ کبر ہمارے اندر بھی ہے گو چھپا ہوا ہے جیسے دیا سلائی میں مصالحہ موجود ہے صرف رگڑ کی دیر ہے رگڑ پہنچی اور آگ نکلی ۔فرعون وغیرہ میں رگڑ پہنچ گئی تھی تو واقع میں ہے بڑے خطرہ کا مقام اس لئے اس مادہ ہی کو نکالنا چاہئے خدا جانے کیا آفت نازل ہو جائے اور قریب قریب یہ مرض سب ہی میں ہے یہاں تک کہ علماء بھی سب متواضع نہیں اور ہم میں جو تواضع ہے وہ بھی ایک قسم کا کبر ہی ہے۔ چنانچہ ہم لوگ تواضع اس لئے کرتے ہیں کہ وہ محبوب عندالناس اور سبب جاہ ہے۔ تواضع حقیقت میں وہ ہے کہ دل میں سمجھے کہ میں سب سے کمتر ہوں ایک محقق لکھتے ہیں کہ یوں سمجھے کہ میں کافر فرنگ سے بھی کمتر ہوں ۔یعنی باعتبار احتمال مآل کتے سے بھی بدتر ہوں کیونکہ کتا کافر تو نہیں ہو سکتا یہ تو باعتبار قواعد علمیہ کے ہے اور بعض پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ فرعون سے بھی اپنے کو کمتر سمجھتے ہیں عقلاً اور اعتقاداً نہیں بلکہ حالاً دیکھئے۔ اس حالت سے کتنی تربیت ہوتی ہوگی اس شخص کی اب یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ادھر تو یہ حکم ہے کہ فرعون کو برا سمجھو اور وہ تھا ہی برا۔ اور ادھر یہ کہ اپنے کو سب سے بدتر سمجھو ان دونوں اعتقادوں کا اجتماع کیسے ہو سکتا ہے اس کے حل کیلئے امام غزالیؒ نے ایک مثال عجیب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے۔

لکھتے ہیں کہ کوئی شاہزادہ جرم کرے اور بادشاہ بھنگی کو حکم دے اس کے بید لگانے کا۔ تو وہ بھنگی اس کے بید لگاتا ہے مگر اپنے کو اس سے کمتر سمجھتا ہے یہ نہیں کہ اپنے کو شہزادہ سے افضل سمجھتا۔ اسی طرح ایک شخص ہے کہ وہ خدا کے حکم کی وجہ سے فرعون کو مبغوض اور برا سمجھتا ہے۔ مگر تواضعاً اپنے کو کمتر جانتا ہے بس دونوں حالتوں کا اجتماع ہوسکتا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو یہ بہت آسانی سے ہوسکتا ہے کہ کسی کافر کو حالت موجودہ کے اعتبار سے تو برا سمجھیں لیکن اپنے سے اچھا اس لئے جانے کہ شاید مرنے کے وقت اس میں کوئی بات اچھی ایسی ہوجائے جو ہم میں نہ ہو یہ (یعنی صوفیہ کرام) ان کی حقیقت سمجھتے ہیں کنز وہدایہ میں یہ باتیں کہاں ملیں گی۔ لیکن وہ بھی ضروری ہیں کنز وہدایہ وضو ہے اور یہ نماز ہے اور وضو چونکہ شرط ہے نماز کے لئے۔ اس لئے وضو کی بھی ضرورت نماز کی بھی ضرورت کوئی یہ نہ سمجھے کہ کنز وہدایہ کی ضرورت نہیں مگر صرف یہ باتیں یاد کرنا کافی نہیں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اخلاق کی درستی خود نہیں ہوسکتی بیمار خود اپنا علاج نہیں کرسکتا طبیب کی ضرورت ہے اسی طرح طریق میں شیخ کی ضرورت ہے۔ مگر اس سے انتفاع کی شرط اس کے سامنے فنا ہوجانا ہے۔

اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ایسا شیخ تلاش کرتے ہیں جن کے یہاں اپنی قدر بھی ہو جب اتنا کبر ہے تو کیا اصلاح ہوسکتی ہے۔ اور بعض لوگ تو خدائے تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرتے ہیں چنانچہ نماز سے عار دعا سے عار اناللہ۔

ارشاد: جتنی آیتیں حق تعالیٰ کے قرب پر دلالت کرتی ہیں ان کا موضوع حق تعالیٰ ہے ہم نہیں ہیں چنانچہ یہی آیت ہے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ وانتم اقرب الینا نہیں فرمایا تو یہ بات غور کے قابل ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک تو خدائے تعالیٰ کو ہم سے قرب ہے اور ایک ہمیں قرب ہے، خدا تعالیٰ سے۔ اور ایک جانبین سے قرب ہے۔ سو قرب کی کئی قسمیں ہوئیں۔ بس تیسرا قرب تو بلا کیف ہے یعنی جس کو جانبین سے تعلق ہے اور ایک قرب علمی ہے اس معنی کو قریب اسے کہیں گے جو علم رکھتا ہے اور جو علم نہ رکھتا ہو تو اس کو قریب نہ کہیں گے خواہ وہ پاس ہی موجود ہو پس اس بنا پر دو شخص ایسے ہوسکتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ذاتاً قریب ہوں مگر ایک کو تو دوسرے کا علم ہے اور دوسرے کو اس کا علم نہیں۔

تو اس صورت میں ایک طرف سے قرب کا حکم صحیح ہوگا اور دوسرے کی طرف سے صحیح نہ ہوگا اسی طرح حق تعالیٰ کی طرف سے تو قرب کا حکم علی الاطلاق صحیح ہے اور ہماری طرف سے نہیں تو

نحن اقرب کے یہ معنی ہیں کہ ہم تم سے قریب ہیں گو تم ہم سے قریب نہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ تمہیں چاہئے کہ تم بھی ہم سے قریب ہو چنانچہ فرمایا واسجد واقترب یعنی تمہیں چاہئے کہ تم قریب ہو ہم سے تعلق رکھو۔

واقعہ: حضرت والا کے عزیز جو پیرانی صاحبہ کے حقیقی بھائی ہیں اور پڑھنے کو مدرسہ امداد العلوم میں بھی جاتے تھے مدرسہ سے چھٹی مل جانے کے بعد بلا خبر کئے کہیں چلے گئے تلاش بھی کرایا گیا مگر وہ نہیں ملے اس پر حاضرین سے فرمایا۔

لوگوں کے حال پر ایک عمدہ تقریر

ارشاد: ان لوگوں کے واسطے باوجودیکہ قاعدہ معین کر رکھا ہے کہ جہاں جائیں اجازت لیکر جائیں مگر پھر بھی معلوم نہیں کہاں چلے گئے پابندی کی عادت ہی طبائع میں نہیں رہی اس کا بڑا افسوس ہوتا ہے اور لڑکپن ہی کا ایسا وقت ہے کہ اس وقت میں جو رنگ پختہ ہو جاتا ہے جوں جوں بڑھتے جاتے ہیں پختگی بڑھتی جاتی ہے جب اسی حالت میں نشوونما کے درجہ ہیں تو حد درجہ کے بد اخلاق نظر آتے ہیں۔ اب مجھ کو مشکل یہ ہے کہ اگر کسی کے معاملہ سے تعلق نہ رکھا جائے تو اس میں بھی چین نہیں۔ بعض کی طرف سے باصرار درخواست ہوتی ہے کہ خیال رکھو۔ لیکن جب نفع نہیں دیکھتا تو میں نے دق ہو کر ارادہ کر لیا ہے کہ روک ٹوک نہ کروں کیونکہ دوسرا شخص اصلاح کا ارادہ ہی نہیں کرتا تو خواہ مخواہ روک ٹوک کر کے بد اخلاق مشہور ہوتا ہوں اگر کسی کو طلب ہوگی تو خود ہی خیال کر سکتے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ جزئی طور پر میں ہی کہا کروں خاص کر جب کوئی نتیجہ نہیں تو پھر ضرورت ہی کیا ہے اسی لئے میں نے کچھ پرچے چھاپے ہیں اور دو ہزار چھاپے ہیں۔ جن میں پتہ بتلا دیا گیا کہ ضرورت اصلاح کے وقت کن لوگوں سے رجوع کیا کریں اب میں وہ پرچے خطوط میں رکھ کر بھیج دوں گا میں اکیلا کہاں تک سب کام کروں۔ اور اگر تکلیف گوارا کر کے کسی کو کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو برا معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں مجھے کیا ضرورت ہے بد اخلاق بننے کی کیا مجھے خوش اخلاق ہونا نہیں آتا۔ آج کل تو خوش اخلاق اسے کہتے ہیں جو کسی بات پر بھی کچھ نہ کہے جس بات پر میں ٹوکتا ہوں وہ لوگوں کے نزدیک ذرا سی بات ہوتی ہے۔ وھو عند اللہ عظیم جو لوگ ان باتوں سے برا مانتے ہیں بس ان کو قدر نہیں جب یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں اور مجھ کو بڑی مشکل ہے یہ فرق کرنا کہ کون قدر دان ہے کہ اس کو کہا جائے اور کون نہیں کہ اس کو نہ کہا جائے۔ اس

لئے یہ زیادہ اسلم ہے کہ کسی کو بھی کچھ نہ کہا جائے کہنے سے تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف بھی بے نتیجہ۔ اس۔لئے یہ تجویز کیا ہے کہ خود کسی کو نہ کہا جائے وہ پرچہ شائع کر دیا جائے اس پرچہ میں ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ اس کے اہل ہیں۔ اور مجھے بھی عام خدمت سے انکار نہیں اور عام خدمت یہی ہے کہ میں اکثر کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہوں تو ہر شخص اس کو اپنے حال پر منطبق کر سکتا ہے۔ ہر شخص سمجھ کر عمل کر سکتا ہے۔ پھر مجھ کو خاص طور سے روک ٹوک کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جو قدر دان ہے اس کو انطباق کر لینا کیا مشکل ہے اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں شعر

بشنو یدائے دوستان ایں داستاں ☆ فی الحقیقت نقد حال ماست آں
نقد حال خویش راگر پے بریم ہم ز دنیا ہم زعقبیٰ برخوریم

وہ نقد حال یہی مضامین ہیں۔ غرض ہدایت حاصل کرنے کیلئے وہ بھی بہت ہیں جو میں وقتاً فوقتاً بیان کرتا رہتا ہوں۔ اب یہ کہ ایسا ہی خیال رکھوں جیسے بچوں کا رکھتے ہیں یہ میں کیسے کر سکتا ہوں اور کچھ کرتا ہوں تو مخاطبین میں ایک مرض اور ہے کہ اگر گرفت کی جائے تو سب سے پہلے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ تاویل کریں اور ظاہر کریں کہ تاویل کے صاف معنی یہ ہیں کہ ہماری کچھ خطا نہیں۔ سو اگر تمام عمر تاویلات کو قبول کر لیا جایا کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام عمر سے کوئی غلطی ہوئی ہی نہیں۔ حالانکہ بہت سی باتوں کا تکلیف دہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ اس کا معیار یہ ہے کہ ان کے ساتھ وہی کوئی دوسرا برتاؤ کرے۔ جو انہوں نے کسی سے کیا ہے۔ تب تکلیف معلوم ہو اور جو یہ تاویل کرتے ہیں۔ وہی تاویل کوئی ان کے ساتھ کرے تب معلوم ہو کہ کیا اثر ہوتا ہے اور گو کہتا ہوں مگر گراں ضرور گزرتا ہے۔ کیونکہ میرا بھی تو جی چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کروں سارے دن یہی شغل رکھوں پھر خوف یہ رہتا ہے کہ میں بھی بشر ہوں زیادتی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے بہت مشکل قصہ ہے اس قصہ سے کلفت ہوتی ہے طبیعت پر طبیعت ضعیف ہے کہنے کے بعد یہ خیال ہو جاتا ہے کہ میں دوسرے عنوان سے بھی تو کہہ سکتا تھا۔ یہ عنوان خشک کیوں اختیار کیا۔ اور ایسی باتوں پر بالکل صبر تو آسان ہے مگر یہ دشوار ہے کہ کہا جائے اور لب ولہجہ متغیر نہ ہو۔ گو منشا میرے غصہ کا شفقت ہی ہے اسی لئے ان پر ہوتا ہے جن سے تعلق ہے باقی۔ جن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں وہ خوش اخلاق سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو کچھ کہنا ہی نہیں پڑتا۔ اور جن سے تعلقات ہیں وہ بد اخلاق کہتے ہیں۔ اور میں اکثر جگہ یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے لوگوں کی تو رعایت کی جاتی ہے اور غیروں سے روکھا

پن کیا جاتا ہے اور میرے یہاں بالعکس معاملہ ہے وہ یہ کہ غیروں سے تو قیل وقال کیا جائے اور اپنے ذرا بھی ہٹے معلوم ہوں تو رنج معلوم ہوتا ہے۔ اور خیر یوں تو غیروں سے بھی کچھ رنج ہوتا ہے ہی۔ مگر طبیعت میں شورش نہیں ہوتی اور اپنوں کی حرکات سے طبیعت پریشان ہو جاتی ہے فقط۔

واقعہ : ایک خاص قسم کی پنسل دفاتر میں ملازمین سرکاری کو دی جاتی ہے اور ایک ماہ کے خرچ کے لئے ایک پنسل ملتی ہے اور اس میں سے کچھ بچ جاتی ہے۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اس کا اپنا کام میں لانا درست ہے یا نہیں۔ بہت لوگ بچی ہوئی کو اپنے کام میں لاتے ہیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: جائز نہیں۔ یہ تو سرکاری کام میں استعمال کیلئے دیجاتی ہے ان کی ملک تھوڑا ہی کی جاتی ہے۔ اور اس دعوی کا ایک آسان امتحان یہ ہے کہ جو بچ جائے پیش کر کے دیکھ لو۔ اطلاع کرنے پر کبھی یہ حکم نہ ہوگا کہ جو بچی ہوئی ہے وہ تمہاری ہے اور اس کا ایک ماہ کے لئے قرار دینا یہ صرف انتظاماً ہے یہ نہیں کہ ان کو ایک مہینہ کا ٹھیکہ دیدیا ہے (میں مختصر نویسی میں ملفوظات لکھ رہا تھا ایک صاحب نے اس پنسل کا ذکر کیا کہ وہ غالباً اس کام کی اچھی ہوگی۔ اور ایک روپیہ قیمت ہے اس کی تعریف یہ کی کہ وہ گھستی کم ہے مجھ کو شوق ہوا اس کے دیکھنے کا۔ میں نے کہا کہ پہلے میں دیکھ لوں۔ چنانچہ وہ مکان سے لائے میں نے کہا کہ میں اس سے جب کام کرونگا کہ جب آپ حضرت مولانا سے مسئلہ پوچھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے دریافت کیا اور حضرت والا نے اس کا جواب مرحمت فرمایا یہ ہے اس کا قصہ پورا۔

واقعہ : ایک مولوی صاحب جو کسی وقت میں حضرت والا سے بیعت بھی ہو گئے تھے ان کے اولاد نہ ہوتی تھی وہ کچھوچھے پہنچے مع اپنی بیوی کے وہاں ایک بزرگ کی درگاہ ہے۔ وہاں کے مجاوروں نے ان کو قبر پر چڑھایا ہوا تیل دیا۔ اور کہا کہ اس کے پینے سے اولاد ہوگی اس کی برکت ایسی ہے وہ انہوں نے خود بھی پیا اور بیوی کو بھی پلایا اور پھر خود اپنی زبان سے بھی مختلف جلسوں میں خوب اس کے فضائل بیان کئے وہ پھر حضرت کی خدمت میں آکر بیٹھے اور ان کے واقعات کی اطلاع حضرت کو ہو چکی تھی۔ انہوں نے حضرت سے پوچھا کہ فلاں ذکر کرنے میں گردن کس طرف کو جھکانا چاہئے حضرت نے فرمایا اس کو پوچھنے بیٹھے ہو مزار پر کیا کیا افعال کر کے آئے ہو پہلے ان کو تو طے کر لو بس اس کو سن کر وہ حضرت سے تیز گفتگو کرنے لگے۔

تکبر و بڑائی ان کے لب ولہجہ سے عیاں تھی غرض انہوں نے اپنی برأت کیلئے مختلف

پالیں پیش نہ گئی۔ گو بہت سخن پروری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے آپ کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ دوسرے روز چند روپے حضرت کے ہاتھ پر لا کر رکھے جو نہیں لئے گئے (اسی خیال سے رکھے ہوں گے کہ روپیہ دیکر راضی کرلوں گا۔ یہ بھی ان کی حماقت تھی کہ وہ حضرت کو آجکل کے پیروں کے موافق سمجھے جو سچے اہل اللہ ہیں وہ ایسے کہاں ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد پھر انہوں نے اپنی برأت کے متعلق باتیں شروع کیں حضرت نے ان کو چلنے نہیں دیا۔ اور فرمایا کہ میرے پاس سے جایئے وہ نہ اٹھے تو حضرت نے فرمایا کہ آپ نہیں اٹھتے تو میں اٹھتا ہوں۔ پھر وہ اٹھے تو حضرت نے روپے ان کے سامنے پھینک دیئے اور فرمایا کہ ان کو بھی لیتے جاؤ یہ کہاں چھوڑ چلے انہوں نے حضرت سے یہ بھی کہا تھا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ جو مزار پر تقریریں کر کے آئے ہو۔ اور ان اعمال کے فضائل بیان کئے ہیں ان کا بھی تدارک کرو توبہ کیا صرف زبانی کہنے سے ہو جائے گی۔ غرض حضرت نے ان کو منہ نہیں لگایا اور بیعت سے خارج کر دیا اور پھر اسکے متعلق فرمایا۔

ارشاد: میں اسی واسطے رویا کرتا ہوں اور اسی واسطے کہا کرتا ہوں کہ کتابیں ختم کرنا کافی نہیں بلکہ کسی محقق کے پاس رہنے کی ضرورت ہے پاس رہ کر دیکھ لیں۔ دو ہی مہینہ رہ کر دیکھ لیں تو معلوم ہو جائے کہ جو اپنے کو بڑا عاقل سمجھتے ہیں ان کی غلطیاں ظاہر ہو جائیں اور بدون صحبت کچھ نہیں ہوتا نہ عربی کتابیں ختم کرنے سے کچھ ہو۔ نہ بی اے، ایم اے ہونے سے کچھ ہو۔

مگر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ صحبت سے بھاگتے ہیں پھر اس کی ضرورت پر قصہ بیان کیا کہ حضرت سید احمد صاحبؒ کاندھلہ تشریف لائے تھے وہاں ایک بزرگ عالم تھے سید صاحب ان کے مکان پر بھی تشریف لائے سید احمد صاحب وہاں بیٹھے تھے گھر میں سے ایک ماما آئی لڑکا اس کی گود میں تھا جس کے ہاتھ میں سونے یا چاندی کے کڑے پہنائے ہوئے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا مولانا لڑکے کو زیور پہنانا تو حرام ہے۔ ان عالم صاحب نے ماما سے فرمایا کہ اماں جان سے کہہ دینا کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ لڑکے کو زیور پہنانا حرام ہے۔

تھوڑی دیر میں پھر ماما آئی اور مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کو اماں بلاتی ہیں انہوں نے فرمایا چلو آتا ہوں۔ وہ پھر آئی اور وہی پیام لائی جب چند بار ایسا ہوا تو سید صاحب نے کہا کہ ہو آیئے کچھ کام ہوگا مولوی صاحب بولے کوئی ضروری کام نہیں لڑکے کی شادی ہے چاول کوٹے جائیں گے موسل میں ڈوری بندھوانے کو بلاتی ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو شرک ہے

مولوی صاحب نے ماما سے کہا کہ اماں سے کہہ آؤ کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شرک ہے۔

ایک شخص وہاں بیٹھے تھے انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ سب باتوں میں آپ یہی کہتے ہیں کہ سید صاحب فرماتے ہیں کچھ آپ نے بھی لکھا پڑھا ہے یا نہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ گو ہم نے لکھا پڑھا تو سب کچھ ہے مگر ہماری مثال ایسی ہے جیسے صندوق میں جواہرات۔ صندوق حامل ہے مگر اس کو خبر نہیں کہ مجھ میں کیا ہے اور ایک لنگوٹہ باندھے جوہری ہے کہ اس کے پاس ہے تو کچھ نہیں مگر وہ جانتا ہے سب کچھ اسی طرح ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر حقیقت اس کی سید صاحب سمجھتے ہیں۔ وہ مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے جب سے سید صاحب کی صحبت میسر آئی ہے جب سے قرآن اور ہی طرح کا نظر آنے لگا ہے حضرت بلا صحبت کچھ نہیں ہوتا۔

اولیاء اللہ سے لوگوں نے عجیب کام لیا ہے قابل دید بیان ہے

ارشاد: اولیاء اللہ سے بھی لوگوں نے عجیب عجیب کام لینا چاہے ہیں کوئی ان سے مرادیں مانگتا ہے کوئی بلا عمل ان کو قرب کا ذریعہ قرار دیتا ہے کوئی خود ان سے قرب ڈھونڈتا ہے اور اولیاء جس کام کے تھے وہ کام ان سے نہیں لیا یعنی ان کا اتباع کرتے اور برکات حاصل کرتے گویا وہ عالم برزخ میں انہیں کاموں کے ہیں ان کو اور کچھ کام نہیں نہ ان کو مشاہدہ ہے حق تعالیٰ کا نہ ان کو مشغلہ ہے لذات عالم ارواح کا بلکہ ان لوگوں کے نزدیک گویا بس یہی کام ہے۔ فرشتوں کی بھی پنشن ہوگئی ہے انہوں نے بھی ان کے لئے ان ہی کاموں کو چھوڑ دیا ہے۔ کیسے برے عقیدے ہیں لوگوں کے ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس تقریب میں اور توسل میں کیا فرق ہے اس پر فرمایا۔

کہ حق مشابہ ہو گیا ہے باطل کے توسل کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص مقبول ہے حق تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی شخص یوں عرض کرے کہ فلاں بندہ آپ کے نزدیک مقبول ہے اس کی برکت سے دعا قبول کر لیجئے یہ ہے توسل اب تو لوگ خود اولیاء کو مقصود سمجھ کر ان کو خطاب کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہی حاجت روا اور متصرف ہیں اور ان سے مانگنے میں کبھی تخلف نہیں ہوتا۔ اور اگر کبھی ہو بھی جاتا ہے تو عوام الناس سمجھتے ہیں کہ کسی عارض کی وجہ سے تخلف ہو گیا ہوگا ورنہ ان سے مانگنا ضرور موثر ہے جیسے حق تعالیٰ سے دعا کر کے حق تعالیٰ کے تصرف اور استقلال میں شبہ نہیں ہوتا اگر تخلف ہوتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ کسی بات میں ہماری طرف سے کمی ہو گئی حق تعالیٰ کی طرف

سے کچھ کمی نہیں ایسا ہی لوگ اولیاء اللہ کو سمجھتے ہیں پھر اس کا نام الزام سے بچنے کیلئے توسل رکھا ہے۔ مگر حقیقت دیکھنا چاہئے الفاظ پر نہ رہنا چاہئے۔ یوں کوئی کسی قبیح کا نام حسین رکھ لے تو اس سے کیا ہوسکتا ہے۔ کوئی شراب کا نام شراب الصالحین رکھ لے تو کیا وہ حلال ہو جائے گی جتنے اہل باطل ہیں جیسے معتزلہ وغیرہ انہوں نے اپنے عقیدہ کا نام عدل وتوحید وحب اہل بیت وغیرہ رکھا ہے یہ نہ ہوتو مذہب کی ترویج کیسے ہو اس لئے لوگوں نے خوبصورت الفاظ چھانٹ لئے ہیں۔ پھر اگر کوئی کلام کرتا ہے۔ ایسے معاملات میں تو اس کو وہابی کہتے ہیں۔

اور بعض جگہ تو یہ حالت ہے کہ جو نماز کثرت سے پڑھتا ہوں اس کو وہابی کہتے ہیں ایک شخص اسی بناء پر گرفتار ہو گئے تھے یعنی چونکہ نماز بکثرت پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے ان پر وہابی ہونے کا شبہ ہو گیا۔ پھر ایک شخص نے ان کے تبریہ کیلئے کہا کہ ہم نے تو اس کو فلاں جگہ ناچ کے موقعہ پر دیکھا ہے۔ یہ وہابی نہیں۔ جب چھوٹے۔ ایک بات اور قابل عرض ہے کہ یہ جو لوگ قبور پر جا کر دعا کرتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے اور یہ ٹٹولنے سے اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات درخواست کرنے سے دعا بھی ضرور کریں گے اور دعا بھی ان کی ضرور ہی قبول ہوگی نہیں معلوم ان دونوں مقدموں کی کیا دلیل ہے (دو مقدمے یعنی دعا کا ضرور کرنا اور پھر ضرور قبول ہونا) دعا اول تو اس پر موقوف ہے کہ ان کو علم ہو سو خود اس میں اختلاف ہے کہ مردے سنتے بھی ہیں یا نہیں گو ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کا عقیدہ یہی ہے کہ سنتے ہیں مگر یقینی تو نہیں دوسرے یہ ثابت ہو کہ ان کو قدرت بھی ہو دعا پر۔ سو اس کی کوئی دلیل نہیں۔

اور حیات پر قیاس موت کا نہیں کر سکتے اور ہم نے مان لیا کہ سن بھی لیا اور قدرت بھی ہوئی۔ مگر پھر بھی حاجت اذن حق کی ہے تو یہ بھی ثابت ہونا چاہئے کہ قدرت کے ساتھ اذن بھی ہے۔ ان سارے مقدمات پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ سو اول تو خود ان مقدمات ہی میں کلام ہے۔ پھر ایک اور مقدمہ کی ضرورت وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ قبول بھی کر لیں گے۔ خود احیاء کی ہی دعا میں شک ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو مگر لوگوں کو میت کی دعا قبول ہونے میں شبہ بھی نہیں احیاء میں تو اکثر یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ ضرور قبول ہوگی صرف مظنون الاجابۃ سمجھتے ہیں مگر مردوں کو بالکل خدا کا سر رشتہ دار ہی سمجھتے ہیں۔ یہ تو ضرور سمجھتے ہیں کہ کرتے ہیں سب کچھ۔ حق تعالیٰ مگر یوں سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کے خلاف کبھی نہیں کرتے اس لئے مجھے اس طرح دعا کی درخواست کرنے میں بھی شبہ ہے اور مان لیا جائے کہ عقیدہ بھی اچھا ہے مگر اتنی تطویل مسافت کی ضرورت کیا ہے

سیدھے حق تعالیٰ سے عرض کیوں نہ کریں۔ اور گو ایسا ہونا جیسا سمجھتے ہیں کہ وہ دعا کرتے ہیں ممکن ہے مگر امکان سے وقوع تو ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ دعا ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو پھر ہم ایسا کیوں کریں اور اگر توسل ہی کی صورت اختیار کرنا ہے تو یوں کہہ دیا کریں کہ اے اللہ غوث اعظم کی برکت سے مثلاً ایسا کر دیجئے اس میں کوئی کھٹکا نہیں اور اس میں کھٹکا ہے تعجب ہے کہ باوجود اس توسل کی تجویز کے ہمیں لوگ بزرگوں کا منکر کہتے ہیں۔ منکر تو وہ ہیں جو ان کی بزرگی کے قائل نہیں مگر قائل ہونے کے بعد بھی وہ جس کام کے ہیں وہی کام ان سے لینا چاہئے۔

احیاء تو تعلیم دین کے واسطے ہیں اور دعا کیلئے بھی ان سے وہ کام لیں اور میت ان کاموں کے لئے نہیں بلکہ ہم کو خود ان کی خدمت ثواب سے کرنا چاہئے کیونکہ ان کا ہم پر احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں دین کا راستہ دکھایا ہے۔ ہماری آنکھیں کھولیں ہم کو یہ صلہ کرنا چاہئے کہ ان کو ثواب کا تحفہ پیش کریں نہ یہ کہ ان سے اپنی خدمت لیں ہاں کوئی نسبت ہو وہ قبر پر بیٹھے متوجہ ہو اپنی روح کو ان سے متصل کرے تو تقویت نسبت کی ہوتی ہے گو یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ صاحب نسبت کو اس طرح سے نسبت میں تقویت ہوتی ہے یا نہیں مگر ہمارے نزدیک ہوتی ہے۔ مگر اس سے حصول نسبت کا نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسا ہوا کرتا تو حضور ﷺ کے مزار مبارک سے سب صاحب نسبت ہو جاتے خوب سمجھ لو کہ سب کو ضرورت ہے باقی اہل قبور سے بیٹے یا روزگار مانگنا یہ تو نہایت ہی مہمل حرکت ہے کیا وہ بیٹے بانٹتے پھرتے ہیں پھر یہ بھی ہے کہ جو لوگ مزارات پر ایسا کرتے ہیں ان کو محبت تھوڑا ہی ہے محبت کیلئے تو اطاعت لازم ہے اور وہاں اطاعت کا نام نہیں اور ان اعمال کے پسند اور ناپسند کا ایک اور سہل فیصلہ بتلاتا ہوں اپنے وجدان کی طرف رجوع کر کے انصاف سے اندازہ کر لیجئے کہ اگر ہماری اور آپ کی دونوں جماعتیں ان کے وقت میں موجود ہوتیں (یعنی جماعت مطیعین کی بھی اور غیر مطیعین کی بھی) تو ان کی نظر میں کون مقبول ہوتا اور کون مردود ہوتا۔

ظاہر ہے کہ اطاعت کرنے والے بزرگوں کے نزدیک مقبول ہوتے نہ کہ غیر مطیعین پھر یہ لوگ ہم کو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوں سے بغض رکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر وہاں بغض ہی کی قدر ہے تو بغض ہی اچھا حضرت ان کی حیات کے واقعات اور سوانح عمریاں موجود ہیں دیکھ لیجئے انہوں نے کیا برتاؤ کیا ہے نافرمانوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کتنا لتاڑا ہے ایک ایک لفظ پر کیسے تشدد کئے ہیں۔

چنانچہ لوگ حضرت سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے بیعت کے ارادہ سے مسجد کے حوض کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ ہماری مسجد کا حوض اس سے بہت بڑا ہے۔ سلطان جی کے کان میں یہ بات پہنچی ان کو بلا کر کہا کہ تمہارا حوض اس سے کتنا بڑا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تو نہیں معلوم آپ نے فرمایا کہ تم تخمینی گفتگو کرتے ہو۔ شریعت کے خلاف ہے۔ جاؤ اپنے حوض کو ناپ کر آؤ خدا جانے کتنے دن میں ناپ کر لوٹے جاتے وقت ڈرتے تھے کہ کہیں چھوٹا نہ نکل آئے مگر ناپا تو ایک بالشت بڑا تھا سرخرو ہونے کو آئے اور کہا۔

السلام علیکم حضرت ہم ناپ آئے ایک بالشت بڑا ہے آپ نے فرمایا ایک بالشت کو بہت بڑا کہنا ٹھیک نہیں۔ معلوم ہوتا ہے تم میں احتیاط نہیں بس صاف انکار کر دیا بیعت سے اور واقعی وہ طبیب ہی کیا ہوا کہ مرض کو دیکھ کر نہ پہچانے کہ اس کا کیا مرض ہے اور کیا علاج ہونا چاہئے یہ ہیں ان حضرات کی احتیاطیں تو ایسے حضرات کے دربار میں ایسے خلاف توحید کرنے والوں کی کیا گت بنتی۔ پھر ان حکایات کی تقریب سے بزرگوں کا مذاق بتلانے کے لئے اور بھی بعض حکایتیں بیان فرمائی چنانچہ فرمایا کہ ایک بزرگ تھے ان کے یہاں عجیب طرح سے امتحان ہوتا تھا جس کا حاصل منشاء کا دیکھنا ہے اور اللہ والے مناشی کو دیکھتے ہیں افعال کو نہیں دیکھتے گورنمنٹ کا غبن کرے ایک پیسہ کا تو کتنا تشدد کرتی ہے یہاں تک کہ قید کر دیتی ہے تو بات کیا ہے کہ وہ منشاء کو دیکھتی ہے ایک پیسہ کو نہیں دیکھتی اور وہ منشاء کیا ہے۔ بد نیتی جو لوگ حقیقت سمجھتے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں اور یہی راز ہے کہ اہل اللہ صغیرہ سے اتنا ہی ڈرتے ہیں جیسے کبیرہ سے کیونکہ حقیقت تو دونوں کی نافرمانی ہے حق تعالیٰ کی جس کا منشاء جرأت علی اللہ ہے ہاں تو وہ بزرگ کیا امتحان لیتے تھے آنے والے کا اپنے یہاں سے مہمانی کا کھانا بھیجتے تھے اور چونکہ مہمان کو کھانا زیادہ ہی آتا ہے اس لئے جو کھانا بچ کر جاتا ہے اس کے بارہ میں ان کا حکم تھا کہ ہم کو دکھاؤ پس وہ دیکھتے کہ سالن روٹی دونوں اگر تناسب سے بچتے ہیں یا نہیں اگر تناسب سے بچتے تھے تو سمجھتے تھے کہ یہ شخص کام کریگا اس میں انتظام ہے اور اگر ان میں تناسب نہ ہوتا تو سمجھتے کہ اس شخص میں بے ڈھنگا پن ہے۔ بس اس کو صاف جواب دیدیتے تھے اور کہہ دیتے کہ میں بیعت نہ کرونگا۔

ایک اور بزرگ تھے ان سے ان کے مرید اسم اعظم بتلانے کی درخواست کرتے تھے فرمایا کہ تم سے اس کے ضبط کا تحمل نہ ہوگا۔ کہا قسم لے لیجئے فرمایا کہ کبھی موقعہ ہوگا تو بتلانے میں مضائقہ نہیں۔ شیخ نے دو تین دن بھول بھلیاں میں ڈال کر ایک برتن ڈھکا ہوا ان کو دیا کہ اس کو

فلاں بزرگ کے پاس لے جاؤ مگر راستہ میں کھولنا نہیں یہ لے کر چلے اب بے چینی شروع ہوئی ان کے دل میں سوچا کہ ایسی کیا چیز ہے اس میں۔ رائے ہر جگہ خراب کرتی ہے انہوں نے رائے سے کام لیا۔ اپنے دل میں کہا کہ ممانعت علی الاطلاق نہیں ہوگی۔ کوئی علت ہوگی ممانعت کی اور وہ یہی ہوگی کہ کبھی اس پر حرص غالب ہو اور کھا جائے۔ سو میں نہ کھاؤں گا یہ تو اختیاری بات ہے بس جونہی برتن کو کھولا اس میں سے چوہا کود بھاگا پکڑنے دوڑے بھی مگر ہاتھ کیا آتا۔ اب حیران ہیں دل میں تشویش ہوئی کہ اب کیا کروں۔ فیصلہ یہ کیا کہ ان بزرگ کے پاس چلو جہاں اس کو بھیجا تھا۔ ان سے مشورہ کر کے شیخ سے معاف کرالیں گے پہنچے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے کوئی درخواست کی تھی۔ شیخ سے انہوں نے کہا کہ اسم اعظم کی درخواست کی تھی۔ اور اپنا اصرار کرنا اور ان کا جواب دینا بھی بیان کیا فرمایا کہ یہ جواب تھا تمہارا۔ اور کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے یہ دکھلا دیا کہ تم میں ضبط نہیں ہے۔ یہ دراصل ان لوگوں کے خاص انداز ے ہوتے ہیں۔

مولوی محمد منیر صاحب نانوتویؒ حکایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے پوچھا کہ میرا جی چاہتا ہے بیعت ہونے کو مگر مجھ کو بتلایئے کہ نقشبندیہ میں بیعت ہوں یا چشتیہ میں۔ زیادہ نفع کی امید کس سلسلہ میں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک بات میں ہم تمہاری رائے دریافت کرتے ہیں وہ یہ کہ ایک زمین ہے ایک شخص اس میں زراعت کرنا چاہتا ہے اور اس زمین میں بہت سے جھاڑ بھی ہیں اب ایک طریقہ تو یہ بھی ہے کہ پہلے جھاڑ کاٹ کر تخم ریزی کریں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہی تخم پاشی کر دو تمہاری رائے میں کون سا طریقہ درست ہے میں نے کہا کہ میرے نزدیک تو رائے صحیح یہ ہے کہ پہلے تخم پاشی کرے وجہ یہ ہے کہ اگر جھاڑ پہلے کاٹنے لگا اور اسی میں اتفاق سے موت آگئی تو اصلی مقصود سے بالکل ہی محروم رہ جائے گا۔ اور اگر تخم پاشی کر لی تو سیر آدھ سیر کچھ تو پیدا ہو جائے گا۔

حضرت نے یہ سن کر فرمایا تم نقشبندیوں میں جاؤ ان حضرات کا عجیب ذوق ہوتا ہے مگر ذوق کو اہل ذوق ہی سمجھتے ہیں جیسے بھوک ایک امر ذوقی ہے۔ مگر جبرئیل علیہ السلام حالانکہ ان کا اتنا بڑا علم ہے مگر وہ اتنی بات نہیں جانتے کہ بھوک کیسی ہوتی ہے اور وہ سمجھ بھی نہیں سکتے کیونکہ وہ ایک وجدانی چیز ہے استدلالی نہیں ہے اور جتنے ذوقی امور ہیں وہ ذوق ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔

کوئی کتنا ہی بڑا عالم ہو وہ ان امور سے ایسا ہی اجنبی ہوگا جیسے عنین عورت کی لذت سے اجنبی ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادراک کنہ نہ ہونے سے انکار کرنا غلطی ہے مگر بعض

انکار ہی کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن ہم باادب یہ ہی کہیں گے کہ برا ماننے کی بات نہیں تمہیں ذوق نہیں ہے تم انکار مت کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذوق دیا ہے وہ سمجھتے ہیں اور اکثر ان حضرات کے پاس رہنے سے ذوق نصیب ہو جاتا ہے۔ اور ذوق وہ چیز ہے کہ اصل علم اس ذوق ہی کا نام ہے۔

تحقیق اس کی یہ ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں نظریات اور بدیہیات اور منتہی نظریات کا بدیہیات کی طرف ہوتا ہے اور بدیہیات کا منتہی ذوق ہے لہٰذا سب علوم کا مدار ذوق ہی ہوا۔ اسی لئے مناظرہ بھی بدیہیات ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ بدیہی کے ہاں بدیہی ہونے میں خلاف ہو جائے وہ اور بات ہے کہ ایک کہتا ہے کہ یہ بدیہی ہے دوسرا کہتا ہے کہ بدیہی نہیں ہے اور چونکہ بدیہیات کو بجز ذوق کے کسی طریق سے ثابت کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے بدیہیات میں کوئی کسی کو منوا نہیں سکتا چنانچہ لوگوں نے ایسے ایسے بدیہیات سے انکار کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم تک کا انکار کیا ہے حالانکہ موٹی بات ہے کہ بدون علم کے قدرت کا تعلق کسی چیز سے نہیں ہو سکتا اور قدرت کا وجود آثار سے بالکل ظاہر ہے تو باوجودیکہ ایسی ظاہر بات تھی۔ مگر ساری دنیا کے عقلاء سر مار کر بیٹھ رہے۔ مگر منکروں سے منوا نہ سکے اور جیسے بدیہی کو غیر بدیہی سمجھنے میں غلطی کی جاتی ہے اسی طرح اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ بعض امور کو عادت میں ہونے کی وجہ سے بعضے لوگ بدیہی سمجھ گئے مگر اہل حق کے نزدیک اس کی بداہت ایک بداہت وہمی ہے جو مشابہ بدیہی کے ہوتی ہے۔ غرض ایک شخص ایک شے کو بدیہی حقیقی کہتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ مشابہ ہے بدیہی کے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حسی تک میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک شخص کہتا ہے کہ ساری چیزیں الٹی نظر آتی ہیں ایسا بھی ایک فرقہ ہے جب حسیات میں اختلاف ہے تو جو امور حسیات سے نہیں ان میں کیوں نہ اختلاف ہوگا جب یہ حالت ہے تو یہاں اب دستگیری کی ضرورت ہے جو کہ ظاہری ذوق کے ساتھ باطنی ذوق بھی رکھتا ہو یہی راز ہے اس کا کہ مبصر کی تقلید کی ضرورت ہے بعض موقعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں وقت اور غموض ہے اور اس میں ایک حدیث ہے مگر اس کے متعلق دو اماموں میں اختلاف ہے ایک ایک مجمل پر محمول کرتا ہے اور دوسرا دوسرے پر تو یہاں تو دو ہی صورتیں عمل کی ہو سکتی ہیں یا ذوق یا تقلید اہل ذوق۔ چنانچہ متقدین میں ذوق تھا غرض پرستی نہ تھی اس لئے جس محمل پر جس نے محمول کر لیا اوہ اس میں معذور ہے اور ہم میں نہ وہ ذوق صحیح نہ وہ تدین اس لئے بجز تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں۔ اور مین

نے جس ذوق کا متقدمین میں اثبات کیا ہے یہ وہی ذوق ہے جس پر اجتہاد کا اخیر مدار ہے اور یہ بات بھی طالب علموں کے بڑے کام کی ہے گو یہ لوگ اس کا انکار بھی کرتے ہیں میں ان حضرات کے سامنے اس کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں۔

وہ نظیر یہ ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **لایبولن احدکم فی الماء الراکد** کہ پیشاب نہ کرنا چاہئے ٹھہرے ہوئے پانی میں اتنا تو منصوص ہے اب یہ کہ اگر اس میں پیشاب نہ کرے بلکہ پیشاب کر کے اس میں ڈالدے تو اس کا کیا حکم ہے سو یہاں دو فرقے ہیں ایک تو بالکل لفظ پرست ہیں ذوق سے کام نہیں لیتے گو معذور وہ بھی ہیں مگر مصیب نہیں جیسے داؤد ظاہری وہ کہتے ہیں کہ نص کے ہوتے ہوئے عقل سے کام لینا اس میں مزاحمت ہے احکام کی سو وہ احکام حق تعالیٰ میں بالکل فانی ہیں کہ پانی کے اندر پیشاب مت کرو باقی اگر پیشاب کر کے ڈالدو تو وہ اس کو جائز کہتے ہیں۔ کیونکہ پیشاب کرنا اس پر صادق نہیں آتا۔ اور آپ نے یہی فرمایا ہے کہ اس میں پیشاب کرو مت یہ نہیں فرمایا کہ کر کے ڈالو بھی مت پس اس کی ممانعت ہو گی۔ اور جو شخص اس کی علت تلاش کرتا ہے کہ آخر ممانعت کی علت کیا ہے۔ سو وہ کہتے ہیں کہ علت نکالنا ہی کیا ضرور ہے ہمارا مذہب یہ ہے شعر

زباں تازہ کردن باقرار تو ☆ نگنجن علت از کار تو

سو ایک فرقہ تو یہ ہے دوسرا فرقہ تمام مجتہدین کا ہے جو کہتے ہیں کہ نہ پیشاب کرنا جائز۔ نہ کر کے ڈالنا جائز دونوں برابر ہیں اور علت اس کی تنظیف بتلاتے ہیں مگر ان جمہور کے پاس دلیل اس کی سوائے ذوق اور کچھ بھی ہے۔ بس ذوق کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نظافت قائم رکھنے کو فرما رہے ہیں جس میں دونوں امر برابر ہیں۔ غرض ذوق ہی ایک چیز ہے لوگ تو الفاظ کے خادم ہیں مگر علم یہی چیز ہے۔

مجھ سے ایک عامی شخص نے حضرت حاجی صاحبؒ کی حیات میں پوچھا تھا کہ حضرت کچھ زیادہ لکھے پڑھے بھی نہیں۔ کیونکہ آپ نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا اور تھوڑی سی مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی پھر کون سی چیز ان میں ایسی ہے کہ جس کے لئے بڑے بڑے علماء وہاں جاتے ہیں ان کو کس چیز کی حاجت ہے میں نے کہا کہ ایک مثال سے آپ کی سمجھ میں آئے گا۔ وہ یہ کہ ایک شخص کو تو لڈو کا صرف نام یاد ہے مگر کبھی کھایا نہیں اور ایک شخص کو نام تو معلوم نہیں مگر وہ کھا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ پہلا شخص تو دوسرے کا محتاج ہے اور دوسرا شخص پہلے کا محتاج نہیں کیونکہ صاحب الفاظ محتاج

ہوتا ہے صاحب معانی کا اور صاحب معانی محتاج نہیں ہوتا صاحب الفاظ کا۔ پس حضرت حاجی صاحبؒ صاحب معانی ہیں۔ اور ہم صاحب الفاظ اس لئے ہم ان کے محتاج ہوئے۔ اور چونکہ وہ اہل حقائق سے ہیں ان کو لا بشرط شے میں اور بشرط لا شئے میں ہماری ضرورت نہیں اسی طرح ایک علم ہمارا ہے اور ایک علم مجتہدین کا جو ہم کو نصیب ہی نہیں ہے۔

یہ بھی ایک مثال سے سمجھ میں آئے گا وہ یہ کہ ایک تو قوت ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں۔ تو فرض کیجئے کہ ایک شخص کانپور سے کبھی نہیں نکلا اور زیادہ چیزوں کو نہیں دیکھا مگر نگاہ اس کی نہایت تیز ہے کہ جس چیز کو دیکھتا ہے اس کی پوری حقیقت سمجھ لیتا ہے گو مبصرات اس کے کم ہیں۔ اور ایک شخص وہ ہے جو تمام کلکتہ اور بمبئی پھرا ہوا ہے اور بہت سی چیزیں دیکھیں مگر ہے چوندھا اس کے مبصرات زیادہ ہیں مگر ابصار کم ہے تو ظاہر ہے کہ یہ صاحب مبصرات صاحب ابصار سے افضل نہیں ہو سکتا ہے پس علم حقیقی ادراک کا نام ہے مدرکات کا نام نہیں۔ علم کی تفسیر ادراک ہے نہ کہ مدرکات پس مجتہدین میں ادراک زیادہ تھا وہ اس میں بڑھے ہوئے تھے اگر چہ کسی کے مدرکات ان سے بڑھ جائیں گو جو چیز ان کے پاس تھی وہ اس شخص کے پاس نہیں ہے ع

''نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند''

مجھ سے تارک تقلید کہنے لگے کہ کیا اجتہاد کی قوت ہم میں نہیں میں نے کہا کہ ایک مسئلہ میں امتحان کرتا ہوں نمونے کے طور پر دو شخص جنگل میں ہیں تمام صفات علم و عمل میں برابر ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ ایک کو تو غسل کی حاجت ہے اور دوسرے کو وضو کی۔ اور پانی نہ ہونے کے سبب تیمم دونوں نے کیا اب یہ بتلایئے کہ امامت کس کی افضل ہے اس نے کہا کہ وضو والے کی امامت افضل ہے کیونکہ وضو والے کی طہارت قوی ہے۔ غسل والے کی طہارت سے اس لئے کہ اس کا حدث کم ہے اور غسل والے کا زیادہ ہے اور طہارت دونوں کو برابر حاصل ہوئی۔ میں نے کہا بس یہی ہے آپ کا اجتہاد۔ اب فقہاء مجتہدین کا اجتہاد دیکھئے وہ کہتے ہیں کہ غسل والے کی امامت افضل ہے۔

وجہ یہ ہے کہ تیمم نائب ہوتا ہے وضو اور غسل کا۔ اور غسل افضل ہے وضو سے اور نائب افضل کا افضل ہوتا ہے لہٰذا غسل کے تیمم کی طہارت کامل ہوئی وضو کے تیمم سے اس لئے اس کی امامت افضل ہوگی یہ ہے فقہاء کا اجتہاد اس کو ذرا اپنے اجتہاد سے مقابلہ کر کے دیکھو اس نے کہا کہ آج مجھے معلوم ہوا کہ ہم میں قوت اجتہاد یہ کچھ بھی نہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ اس کا ایک امتحان بہت آسان ہے وہ یہ کہ بیس مسائل ایسے شخص کو دیئے جائیں جس کی نظر قرآن وحدیث پر پوری ہو مگر اس نے ان کا جواب کتب فقہ میں نہ دیکھا ہو اور وہ ان مسائل کو قرآن وحدیث سے مستنبط کرے۔ پھر فقہ میں انکا جواب نکال کر دیکھے اور ذوق وانصاف سے یہ دیکھ لے کہ کون سے جواب اقرب معلوم ہوتے ہیں حضرت بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک مسئلہ ڈھونڈا۔ اور نہیں ملا۔ ہم نے قیاس کیا کہ یوں ہونا چاہئے پھر جب مل گیا تو اپنا جواب بالکل ہیچ معلوم ہوتا تھا۔ ایک لطیفہ یاد آیا۔ سنیئے!

ایک غیر مقلد نے میرے پاس لکھا تھا کہ کیا آپ مجھے طریق اصلاح کی تعلیم وتلقین کر سکتے ہیں؟ اور میری غیر مقلدی اس سے مانع تو نہ ہوگی میں نے لکھا کہ مانع تو نہ ہوگی بشرطیکہ تم میں اور مجھ میں مناسبت ہو جائے۔ مگر پہلے یہ بتلایئے کہ اس طریقہ میں آپ میری بھی تقلید کریں گے یا نہیں اس کا جواب ان سے نہیں بن پڑا۔ حالانکہ بالکل ظاہر تھا۔ جواب میں اور باتیں لکھیں مگر اس سے تعرض نہیں کیا۔

واقعہ: ایک صاحب نے پوچھا کہ مولوی اسمٰعیل شہیدؒ کے کلام میں جو شفاعت وجاہت کو رد کیا ہے اس وجاہت کا کیا مطلب ہے؟

ارشاد: وجاہت کے درجات مختلف ہیں ایک وجاہت حقیقی ہے یعنی دباؤ سو خدا تعالیٰ کے یہاں یہ وجاہت کسی کی نہیں کیونکہ یہ انفعال ہے۔ جیسے بعض وقت وزراء کی سفارش پر بادشاہ کو خیال ہو جاتا ہے کہ اگر منظور نہ کروں گا تو شاید اس کو ناخوشی ہو اور اس سے انتظام سلطنت میں خلل پڑ جائے اور ایک وجاہت مجازی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کسی کی مقبولیت ہو جائے اور وہ اس کی سفارش قبول کرلیں جیسے بچہ پیارا ہوتا ہے۔ باپ کا اور باپ اس کی سفارش کو مان لے یہ نہیں کہ بچہ کا کچھ دباؤ ہے اس لئے کہنا مان لیا۔

پس خدا کے یہاں کسی کی وجاہت حقیقیہ تو نہیں مجاز یہ ہے اب یہ اعتراض جاتا رہا کہ قرآن شریف سے تو وجاہت ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے **وکان عند اللہ وجیھا** اور مولانا کے کلام سے اس کی نفی نکلتی ہے سو مولانا کے کلام میں نفی وجاہت حقیقی کی ہے مجازی کی نہیں ہے فقط۔

واقعہ: بعض لوگ جو مکان وغیرہ کی نحوست کے قائل ہیں اس کا ذکر ہو رہا تھا اس پر فرمایا:

ارشاد: مکان وغیرہ میں نحوست کچھ نہیں بعضے لکھے پڑھے لوگ بھی اس خیال میں گمراہ ہو جاتے

ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کہنے لگے کہ نحوست قرآن سے ثابت ہے چنانچہ فی ایام نحسات آیا ہے میں نے کہا یہ آیت قوم عاد کے بارہ میں ہے اور اس کی تفسیر دوسری آیت میں ہے کہ سبع لیال وثمنیۃ ایام۔

پس اگر نحوست کے یہ معنی ہیں تو آٹھوں ہی دن منحوس ہو جائیں گے پھر باقی ہی کونسا دن رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ آیت کے کچھ دوسرے ہی معنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ دن خاص ان کے حق میں منحوس تھے کہ ان ایام میں ان پر عذاب نازل ہوا تھا تو بس نحوست دنوں میں نہ ہوئی۔ بلکہ نحوست ان کے افعال میں ہوئی۔ کیونکہ عذاب کا سبب افعال ہی ہیں تو ایسی نحوست کے ہم منکر نہیں اور جس نحوست کا لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ ثابت نہیں ہیں۔

واقعہ : ایک صاحب حضرت والا کی خدمت میں آئے جو کچھ لکھے پڑھے نہیں تھے انہوں نے کہا کہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ مجھے قرآن شریف یاد نہیں ہوتا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا ہو جو یاد نہ ہو تو میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ میرے قبلہ و کعبہ ہیں۔ اس لئے میں ان کے کلام کی تاویل ضرور کرتا۔ اگر یقیناً انہی کا کلام ہوتا مگر چونکہ ناقل صرف آپ ہی ہیں جو زیادہ فہم نہیں رکھتے خدا جانے انہوں نے کیا فرمایا ہو اور آپ کیا سمجھ گئے ہوں۔ اس لئے شرح کی حاجت نہیں ہے اور اگر اس سے قطع نظر کر کے میں شرح بھی کروں تو آپ کیا سمجھیں گے اس کے بعد حضرت والا نے اس ناچیز (محمد یوسف بجنوری) سے فرمایا کہ تم اگر پوچھو تو بتلا دوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت بتلا دیجئے اوروں کو نفع ہوگا۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔

ارشاد: بات یوں ہے کہ ایک تو طریقہ ہوتا ہے اور ایک مقصود ہوتا ہے یعنی مقصود بالذات کیونکہ طریقہ بھی مقصود بالعرض تو ہوتا ہے۔ سو اگر ایک مقصود کے کئی طریقے ہوں اور وہ مقصود کسی کو ایک طریقہ سے حاصل ہوتا ہو اور دوسرے سے حاصل نہ ہو تو جس طریقے سے بھی حاصل ہوتا ہو اسی کو اختیار کر لیں گے۔ دوسرے کے عدم حصول پر تاسف نہ کریں گے سو اصل مقصود رضائے حق ہے اور اس کے حصول کے طریق متعدد ہیں چنانچہ ایک طریقہ اس کا یہ قرآن کا یاد کرنا ہے۔ اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو۔ اور پھر اس سے رنج ہو یہ دونوں طریقے ہیں قرب کے پس شیخ کامل کسی کی خاص استعداد دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ بلا سے قرآن یاد نہ ہو یعنی یہ خاص طریقہ قرب کا اگر نہ ہو نہ سہی اس کی جگہ دوسرا طریقہ سہی وہ یہ کہ تو رنج میں مبتلا ہو اس طرح سے کہ

تو قصد ے اور سعی کرے اور ادھر ناکامی ہو اس پر تو رنج میں گھلے تو اس سے بھی قرب ہو جاتا ہے اور یہ تفصیل تطوعات میں ہے باقی فرائض و موکدات میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

ارشاد: یہ جو مشہور ہے کہ اگر ننا وے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی تو کافر نہ کہنا چاہئے اس کا وہ مطلب نہیں جو ظاہراً مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یقینی بات ہے کہ اگر ایک امر بھی موجب کفر ہو اور سوامر موجب ایمان تو اس کو کافر ہی کہہ دیں گے مثلاً کوئی شخص ایک آیت کا منکر ہو اور تمام اسلام کے اصول مانتا ہو تو بھی کافر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ننا نوے وجوہ سے مراد کلمہ کفریہ کی تفسیریں ہیں۔یعنی کسی کلمہ کے معنی میں سو احتمالات ہوں جن میں ننا نوے تفسیریں تو موجب کفر ہیں اور یک تفسیر موجب کفر نہیں تو اس کو کافر نہ کہیں گے۔اگر یہ نہ لیا جائے تو دنیا بھر کے کافر مسلمان ہی ہو نگے کیونکہ ان میں اسلام کی بھی تو کچھ باتیں ضرور ہی پائی جاتی ہیں۔چنانچہ بعض کافر سخی مصنف عادل ہوتے ہیں۔بعض رحم دل ہوتے ہیں بس سارے کے سارے مسلمان ہو جائیں گے۔

واقعہ: ایک صاحب جو تھانہ بھون ہی سے سفر میں ہمراہ تھے (یہ صاحب ذاکرین میں ہیں) انہوں نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کب تک تھانہ بھون واپس آجائیں گے اور وہ اس قسم کی باتیں پہلے بھی پوچھتے تھے ان کو منع کر دیا گیا تھا مگر پھر پوچھا حضرت بہت ناراض ہوئے اور حاضرین سے ارشاد ذیل فرمایا (اور بعض باتوں میں حضرت ان کو بھی مخاطب فرماتے جاتے تھے اور حضرت نے ان سے فرمایا اٹھ جانے کو۔اس لئے وہ سہ دری سے باہر کھڑے ہوئے معافی چاہ رہے ہیں۔اور ان کو حضرت سے فاصلہ اتنا تھا کہ وہ بات کو سن سکیں۔اس وقت تو حضرت نے معاف نہیں کیا تیسرے پہر کی معافی چاہی تو حضرت نے فرمایا کہ وہ تو اسی وقت کی بات تھی اب اس کا کیا خیال اور مبنی ان کے پوچھنے کا یہ تھا کہ ایک صاحب کا خط ان کے پاس آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ مجھ کو حضرت کے جانے کی اطلاع دینا کہ کب جائیں گے مگر انہوں نے بے طریقہ پوچھا طریقہ یہ تھا کہ سب قصہ بیان کر کے پوچھتے کہ ان کو کیا لکھ دوں۔

ارشاد: میرے واقعات اور معاملات اس قسم کے ہیں کہ مجھے خود اپنے چلتے وقت تک بھی یہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ میں کب جاؤں گا پس جو شخص ذہن میں تعین نہ کر سکتا ہو تو وہ خارج میں کیسے کرے یہ سوال کرنا تو مجھے تکلیف دینا ہے دوسرے اس سے ان کا کچھ نفع نہیں پھر دیکھنے والوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بڑے مقرب ہیں۔کہ ایسے جزئی معاملات میں ہمراز ہیں جس سے ان میں تکبر پیدا ہو سکتا ہے علاوہ اس کے یہ سوال علامت اس کی ہے کہ یہ اصل کام سے غافل ہیں کام

کرنے والوں کا تو ایسی باتوں سے جی گھبراتا ہے وہ ایسا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتا مجھے رنج ہوتا ہے دوستوں کی تعلیم میں اتنی محنت کرتا ہوں اور پھر خدا تعالیٰ کی یاد ان کے دل میں نہیں رہتی۔ تم پوچھنے والے کون میرے سیکریٹری ہوئے میں کتنا ہی چاہتا ہوں کہ کسی کو کچھ نہ کہوں۔ مگر جس شخص کی عادت ہو ہی تکلیف دینے کی تو کیا کروں۔

ایک دفعہ میں نے منع بھی کر دیا تھا۔ اب کہاں تک غصہ نہ آئے لوگ مجھے سخت کہتے ہیں مگر وہ یہ بھی تو دیکھیں کہ لوگ میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں مذاق ہی بگڑ گیا ہے لوگوں کا۔ مجھ سے اس قسم کی بات پوچھنا ایسا ہے جیسے کوئی سنار کے پاس جائے کہ کھرپا بنا دے۔ یہ بیہودگی ہے یا نہیں جس کام کے واسطے میرے ساتھ ہو وہ کام مجھ سے لو۔ مجھ سے بکواس کرا کے میرے سر میں درد کر دیا۔ یہ تو مجھ کو تکلیف دی اور دوسروں کا یہ ضرر کیا کہ ایسے موقعہ پر آنے جانے والے اپنی حاجت میرے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ناراضگی کی حالت میں اس کی جرأت کیسے کر سکتے ہیں۔

یہ آداب میں سے لکھا ہے کہ مہمانوں کے سامنے کسی پر غصہ نہ ہو مگر میں کیا کروں وقت تو اب ہے سمجھانے کا میں ادھار کیسے رکھوں۔ (یعنی دوسرے وقت کہاں سمجھاتا پھروں۔ پوچھتے ہیں مجھ سے کہ کوئی دن معین ہوا چلنے کا اس کی ضرورت ہی کیا ہے منتظر رہو جب میں جاؤں گا تم بھی چلے چلنا۔ فضول بات کرنے کی کیا ضرورت ہے آدمی اپنے مرتبہ پر رہے یوں میں سب کا خادم ہوں۔

مگر جب کوئی اپنی زبان سے اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بڑا کہے تو پھر چھوٹے کو بڑے سے ایسی باتیں نہ پوچھنا چاہئے کہ کب جاؤ گے بھلا صاحب کلکٹر سے تو پوچھ کر دیکھیں گے کہ کب جاؤ گے۔ خانگی اسرار پوچھتے ہیں گیا میں تمہارا یار ہوں۔ بات یہ ہے کہ اصول صحیح نہیں رہے عموماً متبع رسم ہو گئے آپ باوجود متنبہ کر دینے کے پھر کوئی نہ کوئی مجھ سے ایسا ہی سوال کر دیتے ہیں۔ حجاب نہیں جھینپ نہیں۔ اور اگر اس پر دھوکہ ہوا ہو کہ میں نے بعض دوستوں کے ساتھ ایسی باتیں کی ہیں ان کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑے ہیں تو یہ بات ہے کہ کسی کے ساتھ بے تکلفی ہو۔ کسی کے ساتھ بے تکلفی نہیں۔

ایک دوسرے کی تقلید نہیں چاہئے کیونکہ ہر شخص کے ساتھ معاملہ جدا ہے بعض دوستوں کے ساتھ تو وہ علاقہ ہے کہ عزیزوں سے ایک بات نہیں کہہ سکتا مگر ان سے کہہ سکتا ہوں۔ علاقے

سب سے الگ الگ ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علاقہ ابو بکرؓ و عمرؓ سے تھا وہ کسی سے نہیں تھا۔ تو حضرت علیؓ بھی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ ایسا علاقہ مجھ سے کیونکہ نہیں۔ حضرت علیؓ سے بعض علاقے ایسے تھے کہ اوروں سے نہ تھے آپ نے ان کو بیٹی دیدی اوروں کو نہ دی۔

ان کی عادت ہوگئی ہے کہ ہر بات میں ٹانگ اڑا دیتے ہیں۔ یہ بھی ان کو تمیز نہیں کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ دخل در معقولات دیتے ہیں نتیجہ یہ کہ ذلیل ہوتے ہیں۔ اور کیا ہوتا ہے میں اپنے دوستوں سے بتاکید کہتا ہوں کہ اصل کام ذکر اللہ ہے وہ کرو اگر ذکر میں مشغول ہوتے تو ان کو فضولیات سے خود رنج ہوتا کہ میں نے اپنا اصلی کام کیوں حرج کیا اب اگر میں خاموش ہوتا ہوں تو ان لوگوں کے اخلاق بگڑتے ہیں اور اگر کچھ کہتا ہوں تو اس سے میرے اخلاق بگڑتے ہیں مگر خیر میرے اخلاق بگڑیں مگر ان کے تو سنوار دوں۔ میں تو یہاں تک بھی تاکید کرتا ہوں کہ مجھے کسی کا سلام تک بھی مت پہنچاؤ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ پھر سوالوں کی کہاں گنجائش ہے پوچھتے ہیں کہ تم کب جاؤ گے میرا معمول دوستوں کے ساتھ یہ ہے کہ جو باتیں ضروری ہوتی ہیں خود کہہ دیتا ہوں مجھے خود خیال رہتا ہے باقی دوسری جگہ اطلاع کرنا میرا خود معمول نہیں چنانچہ میں نے اس وقت تک کہیں نہیں لکھا کیونکہ اطلاع دیکر اگر پابندی کی جائے تو بعض اوقات اپنے کو تکلیف ہوتی ہے کہ کوئی کام ضروری پیش آگیا اور چلنے کو لکھ چکے ہیں اس بنا پر چل پڑے یہ تو اپنے کو تکلیف ہوئی اور اگر اپنے لکھے کی پابندی نہ کی جائے تو اوروں کو تکلیف (مثلاً کسی کو لکھ دیا کہ یہاں سے جمعہ کی شام کو روانہ ہوں گے)

اور روانہ نہ ہوئے اور وہ شخص اسٹیشن پر اس خیال سے آیا کہ فلاں وقت کی ریل میں آئیں گے اور میں نہ ملا تو کیسی پریشانی ہوگی) ہاں جس شخص کے تعلقات وسیع نہ ہوں تو خیر وہ ایسی اطلاعیں دے سکتا ہے میں اگر ان کے کہنے پر تعین کر دیتا۔ اور یہ دوسرے شخص کو اطلاع دیدیتے اب اگر دیر ہو جاتی تو ان کو لوگ الو بناتے اور کہتے کہ میاں یہ ملانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جھوٹی خبریں دیتے ہیں یا اگر ان کو سچا سمجھتے تو مجھ کو بدتہذیب بتلاتے کہ تعین کر دیں اور پھر خلاف کریں۔

ادب کی بات یہ تھی کہ مجھ سے پورا واقعہ بیان کر کے پھر پوچھتے یہ امور ان کے طریق باطن میں مضر ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میرے یہاں تعلیم ہے میں جو ظہر سے عصر تک بیٹھتا ہوں تو کیا فضول بیٹھتا ہوں مگر کیا کریں بیچارہ کو بولنے کا مرض ہے بولنے کی علت ہے چپکے نہیں

بیٹھا جاتا۔ فقط۔

ارشاد: حدیث میں ہے کہ جب سب شفاعت کرنے والے شفاعت کر چکیں گے تو حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ارحم الرحمین باقی رہ گیا ہے یعنی شفاعت سے پھر تین لب بھر کر دوزخ سے آزاد کر دیں گے۔

اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ لوگ (جن کو آزاد کیا ہے) مومن ہیں یا کافر۔ اگر مومن ہیں تو جن انبیاء کی یہ امت ہیں انہوں نے شفاعت کیوں نہیں کی اور اگر کافر ہیں تو کافر کی مغفرت لازم آتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ لوگ مومن ہیں۔ مگر یا تو یہ ایسی جگہ پر تھے (دنیا میں) کہ انبیاء کی خبر نہیں سنی اس لئے کسی خاص نبی پر اعتقاد نہ رکھتے تھے اس لئے کسی خاص نبی سے تعلق نہ تھا یا یہ لوگ وہ ہیں کہ ان میں اتنے کم درجہ کا ایمان ہوگا کہ سوائے حق تعالیٰ کے اس کو کوئی معلوم نہ کر سکا اس لئے اوروں نے شفاعت نہیں کی مگر ہونگے یہ لوگ مومن فقط۔

ارشاد: قرآن شریف میں جابجا ملت ابراہیمی کے اختیار کرنے کو ارشاد فرمایا ہے مثلاً یوں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ جو تمہارے باپ ہیں ان کا مذہب اختیار کرو۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو سب مانتے تھے اور چونکہ عرب میں حمیت قومی خاص طور پر تھی اس لئے اینکم بڑھایا صرف ملۃ ابراہیم پر اکتفا نہیں کیا گیا تاکہ اینکم سے ان کو حرکت ہو کہ یہ تو ہمارے خاندان کا دین ہے تو اس سے زیادہ دلچسپی ہو۔ اور یہی راز لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کا کہ خلافت خاص ہے قریش کے ساتھ۔ تقریر یہ ہے کہ یہ دین قریش ہی میں کا ہے تو خلیفہ قریش کو اس کی حمایت دو وجہ سے ہوگی۔ ایک اس لئے کہ دین حق ہے دوسرے اس لئے کہ ہمارے گھرانے کا دین ہے اور دوسرا شخص جو قریشی نہ ہو۔ گو مذہبی حمیت کرے مگر قومی حمیت نہ کریگا۔ بڑا اچھا راز سمجھا ہے شاہ صاحبؒ نے شاہ صاحب کی مجتہدانہ شان تھی۔

واقعہ: بعد ظہر حضرت کی مجلس میں ایک صاحب دوسرے صاحب کی طرف پشت کئے بیٹھے تھے۔ حضرت والا نے ان کو اٹھا کر دوسری جگہ بٹھا دیا اور فرمایا۔

ارشاد: جب جگہ میں وسعت ہو تو کسی کی طرف پشت کر کے نہ بیٹھنا چاہئے جگہ نہ ہو تو مجبوری ہے مسلمان کا احترام اتنا ہے کہ بجز ضرورت امامت کے اس کی طرف پشت نہ کرنا چاہئے حتیٰ کہ جو اذکار نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان میں بھی پشت کرنا نہیں چاہئے گو خانہ کعبہ کی طرف پشت

ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اے کعبہ مومن تجھ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محترم ہے فقط۔

واقعہ : مرض کے متعدی ہونے کا اور یہ کہ طاعون سے ڈر کر ایک رئیس کہیں بھاگ گئے تھے۔ اس کا ذکر تھا فقط۔

ارشاد: دنیا کی راحت کیلئے بھی قوت طلب کی ضرورت ہے اور ایسے امراض کے متعلق تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جس قدر قلب میں ضعف ہوگا اتنا ہی اس کا اثر زیادہ ہوگا اور جتنی قوت ہوگی اتنا ہی اثر کم ہوتا ہے چنانچہ اطباء بھی کہتے ہیں کہ اصل فاعل صحت وحفظ صحت کی طبیعت ہے۔

اگر فاعل میں بوداپن ہوا تو وہ مغلوب ہو جائیگا۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ قوت قلب بجز توکل کے اور کسی چیز میں نہیں اسی واسطے طاعون میں کفار کی عجیب کیفیت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ توکل نہیں اور مسلمانوں کی وہ کیفیت نہیں ہوتی گو احتیاط کچھ بھی نہ کرے وجہ یہ کہ ان میں توکل ہے مئو ضلع اعظم گڑھ میں ایک بار طاعون کے زمانہ میں ایک مجمع نے التزام کرلیا تھا طاعون والوں کی تجہیز وتکفین اور ان کی خدمت کیلئے برابر پھرتے تھے مگر انہیں کچھ بھی نہیں ہوا۔

توکل سے دنیا میں بھی راحت ہوتی ہے دل چین سے رہتا ہے اور غیر متوکل کے حواس پریشان ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ توکل ان اغراض کے لئے ہے یعنی قوت وراحت کے لئے نہ یہ کہ توکل کے بھروسہ سنکھیا کھالو اور منتظر رہو کہ کچھ نہ ہو مگر لوگوں نے اس کا بری جگہ استعمال کیا ہے حق تعالیٰ نے اس حکمت کو خود ہی فرمایا ہے جہاں مسئلہ قدر کی خبر دی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

ماا صاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراها ان ذالک علی الله یسیر لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتکم۔

ترجمہ: نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر یہ سب کتاب میں لکھا ہے۔ پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو تحقیق یہ اللہ کے نزدیک آسان ہے تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس چیز پر کہ جاتی رہی تم سے اور نہ اتراؤ اس چیز پر کہ آئی تمہارے پاس۔ سو خداوند کریم نے اس کی غایت فرمادی کہ یہ مسئلہ کیوں ظاہر کیا کیونکہ **لکیلا تاسوا** میں لام کے کا ہے اور بقرینہ مقام عامل اس کا مقدر ہے یعنی اخیر میں ھذا پس اس کے غایت ہونے میں شبہ ہی نہیں رہا۔

مطلب یہ کہ اس مسئلہ کی اس لئے خبر دی تاکہ جو چیز نکل جائے ہاتھ سے اس پر تاسف

نہ کرو اور اتراؤ نہیں۔ کسی چیز کے حاصل ہونے پر حاصل اس غایت کا وہی قوت و راحت ہوا۔ سو کہاں یہ غایت اور کہاں یہ غایت جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے۔ یعنی تعطل پھر یہ غایت تراش کر خود ہی مسئلہ تقدیر پر اعتراض کر دیا۔

چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے بیکار بنا دیا اس کی مثال سمجھئے کہ جو مرہم جلے ہوئے کیلئے ہے وہ اس لئے ہے کہ اگر جل جاؤ تو اس کا استعمال کرو نہ اس لئے کہ اس کے بھروسہ بدن کو جلا لیا کرو۔ اس ہی طرح مسئلہ قدر اس لئے ہے کہ اگر کوئی مصیبت آ جائے تو اس کا استعمال کرو۔ نہ اس لئے کہ اس کے بھروسہ مصیبت میں پھنسا کرو۔ فقط۔

ارشاد: پختہ لوگوں کی باتوں کو خام کیا جانے۔ بعض امور صوفیہ کے خلاف ظاہر معلوم ہوتے ہیں مگر جب حقیقت پر اطلاع ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے حضرت حاجی صاحب سے سنا ہے کہ دہلی میں ایک درویش سید حسن رسول نما ہوئے ہیں بیداری ہی میں زیارت کرا دیتے تھے حضور ﷺ کی اور دو ہزار روپیہ لیتے تھے مجھ کو یہ قصہ سن کر وسوسہ ہوا کہ یہ تو دنیا کمانے والوں کی سی بات ہوئی مگر۔

''در نیابد حال پختہ ہیچ خام''

حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی شرح فرمائی۔ فرمایا کہ یہ زیارت کرا دینا ایک قسم کا تصرف تھا جس سے کشف ہو جاتا تھا اور تصرف کے لئے ایک تو فاعل ہونا چاہئے اور دوسرے قابل ہونا چاہئے صرف فاعل پر اثر مرتب نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ قابل نہ ہو۔ ان کا تصرف تو قوی تھا اور چونکہ یہ ایک قسم کا انکشاف ہے۔ اس کے واسطے دوسرے میں کشف کی قابلیت شرط تھی اور یہ قابلیت مجاہدہ سے ہوتی ہے اور مجاہدہ ایک تدریجی ہے اور ایک فوری ہے۔

اور تدریجی مجاہدہ کا تو وقت نہ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ فوری مجاہدہ کرا دیتے تھے۔ پس دو ہزار روپیہ دینا چونکہ نفس پر شاق ہوتا تھا اس سے ایک مجاہدہ ہو جاتا تھا۔ اور فاعل قوی تھا ہی بس اثر مرتب ہو جاتا تھا یعنی زیارت ہو جاتی تھی اور درخواست کنندہ سے یہ رقم لیکر اپنے پاس رکھتے بھی نہ ہوں گے۔ مستحقین کو دیدیتے ہوں گے یہ غرض تھی ان کے اس لینے سے کمانے والے نہ تھے فرمایا۔

اس کی تائید ایک قصہ سے ہوتی ہے وہ بھی حضرت نے بیان فرمایا تھا کہ ایک بار ان کی بیوی نے ان سے زیارت کی درخواست کی انہوں نے ان سے بھی کہا کہ دو ہزار روپیہ لاؤ۔ بیوی

بولیں کہ دو ہزار روپیہ میرے پاس کہاں انہوں نے کہا کہ پھر زیارت کیسی جب وہ بہت پیچھے پڑیں تو کہنے لگے کہ اچھا روپیہ نہیں دیتی ہو تو یوں کرو کہ خوب بناؤ سنگار کرو لال کپڑے پہنو مہندی لگاؤ، مسی ملو، جھومر وغیرہ لگاؤ۔ یہ تھیں بوڑھی شرمائیں بہت مگر جب بغیر اس کے کوئی صورت نہ دیکھی تو سب کچھ کیا وہ اسی وقت گئے اور ان کے بھائی کو بلا لائے۔ اور کہا کہ دیکھو تمہاری بہن کو کیا خبط سوجھا ہے اس بڑھاپے میں دلہن بنی ہیں۔

ان کو بے حد خجالت اور صدمہ ہوا۔ اور رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور بے ہوش ہوگئی بس اس وقت یہ متوجہ ہوئے اور ان کو زیارت ہوگئی جب ہوش ٹھکانے ہوئے تو کہا کہ روپیہ تمہارے پاس نہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے مجاہدہ ہو جاتا تمہارے مجاہدے کی یہی صورت تھی تم معاف کرو۔ بیوی نے کہا کہ ایسی تکلیف تو ہر روز ہو جایا کرے اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کا علم معلوم ہوا حضرت مجتہد تھے اس فن کے فقط۔

واقعہ: ایک پارسل آئی اس پر جو ٹکٹ لگے ہوئے تھے ان میں سے صرف ایک پر مہر ڈاکخانہ کی لگی ہوئی باقی سب صاف تھے۔ اور اس قابل تھے کہ پھر استعمال کر سکیں چونکہ دوبارہ ان کا استعمال شرعاً جائز نہیں اس لئے حضرت نے ان کو پھاڑ کر پھینک دیا اور فرمایا۔

ارشاد: اس احتمال پر کہ کوئی استعمال نہ کرے میں نے پھاڑ ڈالے اور فرمایا بجز شریعت کے کوئی قوت ایسی نہیں جو ایسے ٹکٹوں کے پھاڑ دینے پر مجبور کر سکے۔ کیونکہ اگر پھر استعمال کریں تو کون دیکھنے والا ہے جو گرفت کرے بجز خوف خدا کوئی قوت نہیں ایسے موقعہ میں منکرات سے بچنے کی۔

ایک صاحب نے کہا کہ خیرات کیوں نہ کردے۔

اس پر فرمایا کہ یہ تو گورنمنٹ کا حق ہے ہمیں کیسے ثواب ہوگا یہ تو ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی مزدور سے کام لے چکے اور اس کے پیسے ہمارے ___ پاس رہ گئے اور ان پیسوں کو خیرات کردے بعض کچھ تاویل کرتے ہیں لیکن اگر کوئی تاویل صحیح بھی ہو تب بھی نفس کو ایسی عادت ڈالنا ٹھیک نہیں ہے پھر وہ آگے بڑھے گا۔ اور کیا خبر کیا بے احتیاطی کرے گا۔ فقط۔

شہد کا سبب شفا ہونا منصوص ہے

ارشاد: شہد کا سبب شفا ہونا منصوص ہے خدائے تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے۔ فیہ شفاء

للناس کہ اس میں بڑی شفاء ہے لوگوں کیلئے اور تو صرف تجربے ہیں طبیبوں کے فقط۔

اب تعصب بہت ہے

ارشاد: اب بہت تعصب بڑھ گیا ہے پہلے یہ کیفیت نہ تھی۔ ایک ہندو ہیں تھانہ بھون کے وہ ایک ڈاکخانہ میں نوکر تھے باوجودیکہ آریہ ہیں مگر پرانے اخلاق کا اثر ان میں اب تک ہے۔ چنانچہ ہم وطن ہونے کی وجہ سے مجھ سے ملنے آتے ہیں علی الاعلان کہتے ہیں کہ یہ کشیدگیاں اب بڑھ گئی ہیں ہم تو میاں جی کے یہاں گائے کا گوشت پکایا کرتے تھے۔ فقط۔

خارجی کے پیچھے نماز

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ خارجی کے پیچھے نماز جائز یا نہیں۔ اس پر فرمایا۔

ارشاد: سخت مکروہ ہے جیسے رافضی کے پیچھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گو رافضی ہیں مسلمان مگر سخت بدعتی فاسق البتہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں وہ بیشک کافر ہیں اور جو محض تبرائی ہیں ان میں اختلاف ہے اصل مذہب امام کا یہی ہے کہ کافر نہیں ہیں۔ مگر ان سے پرہیز ہی کرنا اچھا ہے عوام الناس کو بچانا ہی چاہئے۔

واقعہ: کسی نے پوچھا حضور ﷺ کی شان میں جو ہے **کافة للناس** کیا آپ کی بعثت جنوں کے لئے بھی ہے اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔

ارشاد: ہاں (پھر ان صاحب نے پوچھا تعلیم کیسے ہوئی ہوگی اس پر فرمایا) آپ نے جنوں کو تعلیم فرمائی ہے جب حضور ﷺ کی خدمت میں یہ جن آئے تھے آپ کے وعظوں میں بھی آسکتے تھے گو نہ دیکھتے ہوں اور آپ کی خدمت میں آتے ہوں۔ فقط۔

جنیہ سے نکاح

ارشاد: مسئلہ ہے کہ انسان کا جنیہ سے نکاح جائز نہیں جیسے بھینس سے جائز نہیں کیونکہ وہ دوسری نوع ہے فقط۔

حضرت حاجی صاحب کا بیعت میں شرائط نہ لگانا

واقعہ: حضرت حاجی صاحب کی برکت کا ذکر تھا اور یہ کہ حافظ محمد ضامن صاحبؒ تو بیعت میں بڑے شرائط لگاتے تھے اور حاجی صاحب کچھ بھی نہیں۔

ارشاد: اگر ایسی برکت کا شیخ ہو جس کی بیعت ہی سے اصلاح کا اہتمام ہو جائے وہ اگر کوئی شرط نہ لگائے تو اس کو زیبا ہے اور اس بات میں حضرت کی نیت بڑی اچھی تھی میں نے ایسا متواضع شیخ نہیں دیکھا فرمایا کرتے تھے:

بیعت ایک مصافحہ ہے جانبین سے میری نیت یہ ہے کہ قیامت کے روز ہم دونوں میں سے جس پر رحم ہو جائے گا وہ دوسرے کو اپنے ساتھ لے جائے گا کیونکہ موافق ''سبقت رحمتی علی غضبی'' مرحوم ہی مغضوب کو لیجائے گا۔ حضرت کی وہ نیت تھی مرید سے جو مرید کی ہونا چاہئے پیر سے۔ ہر شخص کے ساتھ یہ گمان تھا کہ شاید اسی سے کام چل جائے یہ حالت تھی تواضع کی دیکھنے کی چیزیں یہ ہیں نہ کرامت بڑی کرامت تو یہ ہے کہ ان سے گمراہوں کو ہدایت ہوتی تھی اور بڑی کرامت یہ ہے جس کا ہر وقت مرید مشاہدہ کرتا ہے کہ کیا تھا کیا ہو گیا۔ شعر

گر تو سنگ خارۂ مرمر شوی ☆ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

اس کے اکسیر ہونے میں کیا شک ہے جو تانبے سے سونا بنائے بزرگی کی دلیل اس سے بڑھ اور کیا ہو گی۔ فقط۔

ارشاد: اگر کسی کا تعلق (نوکری وغیرہ کا) ناجائز بھی ہو تب بھی اس کو قائم رکھے مگر فکر میں رہے، اس سے نکلنے کی اور نوکری چھوڑ دینے میں بعض اوقات پریشانی سے دور تک نوبت پہنچ جاتی ہے برے خیالات قلب میں پیدا ہونے لگتے ہیں کہ ان کے کفر تک نوبت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ میاں کی شکایت۔

امام مالکؒ کی خدمت میں ایک بزرگ نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں بزرگوں کی کیا شان ہوتی ہے حدیثیں موجود تھیں اگر چاہتے تو ثابت کر دیتے مگر یہ فرمایا نعم نفعل ونستغفر یعنی ہم کرتے ہیں اور اپنے کو گنہگار سمجھ کر استغفار کرتے ہیں کوئی تاویل نہیں کی خطا وار ٹھہرا کر کہا کہ ہم مبتلا ہیں کیا عجیب وغریب جواب ہے فقط۔

واقعہ: ایک صاحب ایک تھان سنگی کا ہدیہ میں لائے اور ایک تھان حضرت والا اس سے ایک روز قبل خرید چکے تھے کہ جس کو دونوں گھروں میں نصفا نصف کر دیا جاتا چونکہ دوسرا تھان آ گیا تو اب ایک ایک تھان پورا دونوں گھروں میں تقسیم ہو سکتا تھا حضرت نے یہاں تک احتیاط کی کہ تھان والے مبصر بھی تھے ان کو دونوں تھان دکھائے اور کہا کہ ان دونوں تھانوں میں کوئی کم قیمت تو نہیں۔ اگر برابر ہوں قیمت میں تو خیر دونوں جگہ برابری ہو جائے گی ورنہ جس طرف کی ہوگی پوری کر دی

جائے گی۔ مثلاً ایک جگہ سات روپیہ کا تھان گیا اور دوسری جگہ چھ روپیہ کا تو تھان کے ساتھ روپیہ بھی دیدیں گے مگر وہ تھان مساوی القیمۃ نکلے پھر بھی حضرت نے دوسرے شخص مبصر کو احتیاطاً دکھالیا کہ کہیں کمی نہ رہ جائے اس کے بعد حضرت والا نے ملفوظ ذیل فرمایا:

حضرت والا کا عدل بین الزوجین

ارشاد: گو اس عدل کے قصہ میں مجھے کلفت ہوتی ہے مگر اس لئے مسرور بھی ہوں کہ اس نے عملی سبق بتلایا کہ یوں عدل کیا کرتے ہیں۔ حتی کہ ایک کی نوبت میں اگر دوسری کا خیال آجاتا ہے تو میں اس کو بھی رفع کر دیتا ہوں۔ اور دل میں کہتا ہوں کہ آج خیال بھی انہی کا حق ہے۔ اب لوگ آسان سمجھتے ہیں کہ دوسرا نکاح کر لیا۔ واقعی اس میں بڑے قصہ ہیں سخت اندیشہ ہے کہ قیامت میں باز پرس نہ ہو۔ آخر بشر ہوں میلان کبھی کسی کی طرف ہو ہی جاتا ہے کبھی کسی کی طرف اس میں ممکن ہے کہ طبیعت کی بھی آمیزش ہو جاتی ہو اور اس کو غور سے سمجھ بھی سکتا ہوں مگر تساہل ہو جاتا ہو۔

اسی واسطے میں ازواج سے کہتا رہتا ہوں کہ اپنا حق معاف کر دو چنانچہ دونوں نے معاف کر دیئے ہیں اور میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جب چاہو رجوع کر لینا دونوں کو مسئلہ پورا بتلا دیا ہے۔ تو اب اس قاعدہ سے مجھ پر عدل واجب نہیں رہا۔ مگر پھر کرتا ہوں حتی کہ ایک گھر میں وضو کرتا ہوں تو یاد کر کے کسی وقت دوسرے گھر میں بھی وضو کرتا ہوں اور اس عدل کے باب میں خود دونوں زوجہ میں طرح طرح کی کلفتیں پیش آتی ہیں۔ پھر شوہر کو وہ انتظام کرنا پڑتا ہے جو صاحب سلطنت کو کرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ سلطان میں طبعی تقاضا نہیں کہ رعایا کی اس درجہ رعایت کی جائے کیونکہ ان میں محبوبیت کی شان نہیں اور زوجین میں عدل کیا جائے تو یہ بھی مدنظر ہوتا ہے کہ کسی کا دل نہ دکھے نیز رعایا کو ناز کا دعویٰ نہیں ہوتا۔ یہاں ناز کا دعویٰ ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں سلطنت سے زیادہ دشواری ہے جو اس کے اصول و فروع پورے طریقے سے سمجھ لے تو معلوم ہوگا کہ یہ شخص بڑا دماغ رکھتا ہے چونکہ مجھے فکر و اہتمام تھا اس لئے دقیق دقیق باتیں سمجھ میں آگئیں اسی لئے تو میں دوستوں کو منع کرتا ہوں کہ دوسرا نکاح مت کرنا۔

بعضی عورتوں نے کہا کہ تم نے دوسرے نکاح کا دروازہ کھول دیا میں نے کہا کہ اب تو روکتا ہوں پہلے روکتا نہ تھا تو دروازہ بند کیا یا کھولا اول ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال ہوا کرتا تھا کہ جب دن میں کسی گھر جاتا تھا تو گھڑی پاس ہوتی اور اس میں دیکھ لیتا تھا کہ کتنا وقت صرف

ہوا۔ دوسرے گھر بھی ایسا ہی کرتا تھا پھر تو سب معاف کرالیا۔

ایک شخص نے داڑھی کو خفاش کے پر کہا

واقعہ : ایک صاحب نے خط میں لکھا کہ میں نے ایک شخص کو ڈاڑھی رکھنے کے بارہ میں نصیحت کی تو اس نے جواب دیا کہ ہم ایسے خفاش کے پر نہیں رکھنا چاہتے یہ استہزا تھا شریعت کے ساتھ اور اس نے تنبیہ کے وقت یہ بھی کہا کہ ہم کو خبر نہیں تھی اس لئے ہم گنہگار بھی نہیں ہوتے۔

ارشاد: حضرت نے لکھا کہ اس شخص سے نرمی کے ساتھ توبہ کراؤ اور تجدید نکاح کراؤ اور حاضرین سے فرمایا کہ باقی کفر کا فتویٰ اس لئے نہیں دیا کہ اس سے اور ضد بڑھ جاتی ہے۔ ہاں اگر توبہ نہ کرے تجدید نہ کرے تو پھر سختی کرنی چاہئے مثلاً ملنابات کرنا چھوڑ دے (پھر حضرت نے فرمایا) ہمیں لوگ سخت کہتے ہیں ذرا ملاحظہ تو کریں۔ جہاں سختی نافع ہے وہاں سخت ہیں اور جہاں سختی مضر ہیں وہاں نہیں کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں دیکھ لیجئے۔ ہاں کوئی طالب اصلاح ذرا بھی خلاف کرے تو اس پر بہت سختی ہوتی ہے۔

ریوڑیوں کا ایک واقعہ: ایک بے تکلف صاحب کے یہاں دعوت ہوئی حضرت تو خاص ان کی گاڑی میں تشریف لے گئے دوسرے ہمراہی داعی کی اجازت سے ایک گاڑی کرایہ کر کے اس میں گئے چودہ آنہ کرایہ ٹھہرا بوقت رخصت صاحب خانہ نے ایک روپیہ دیا ان سے بقیہ کی نسبت پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا کہ جو بچے اس کی ریوڑیاں سب صاحبان کھالیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب ریوڑیاں آئیں تو بہت سے لوگ حضرت کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ تقسیم کنندہ نے سب کو دینا چاہیں حضرت نے فرمایا کہ جن کو کہا ہے انہیں کو دید یجئے وہ پھر چاہیں تو اوروں کو دیدیں تقسیم کنندہ نے کہا کہ ان صاحبوں سے اجازت لے کر سب کو بانٹ دیں تو فرمایا۔

ارشاد: ان کی اجازت معتبر نہیں ابھی ان کی ملک کہاں ہے ہاں جب ان کو دیجائے تو اب جو کوئی جس کو دے اختیار ہے۔

بدؤں میں ایک صفت عجیب ہے

واقعہ : بدؤں کا ذکر تھا اور ان کی شرارت کا اور بے حیائی کا کہ بعضے صرف کرتہ پہنے رہتے ہیں لنگی بھی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ کرتہ ہوا میں کھل جاتا ہے۔ ان کو پرواہ بھی نہیں ہوتی اور بعض پیشاب کرنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور بہت سی باتوں کا ذکر تھا۔

ارشاد: یہ سب کچھ ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان میں اللہ رسول کی محبت کا مادہ ایسا زیادہ ہے کہ بعض علماء اور مشائخ میں بھی نہیں ہے دوسرے ان میں ایک صفت بڑی اعلیٰ درجہ کی ہے اور وہ غضب ہے ان میں اگر کوئی شخص ایسی حرکت کرتا ہے تو سوائے قتل کے اور کوئی سزا ہی نہیں عہد کے بہت پکے ہیں کبھی خلاف نہیں کرتے۔

ایک یہ عجیب بات ہے کہ کسی پر غصہ کر رہے ہیں تلوار نکال لی ہے بیچ میں کوئی شخص آ گیا اور کہا یا شیخ صل علی النبی بس حضور ﷺ کا نام مبارک سنتے ہی تلوار نیام میں کر لیتے ہیں یہاں تو یہ بات کسی ولی میں بھی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ طینت تو ان کی اچھی ہے مگر ضرورت تعلیم کی ہے کسی نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔

بعض لوگوں کا سوال توبہ کرنے کیلئے اور حضرت کی تدابیر ان کیلئے

ارشاد: احباب لکھتے ہیں کہ لوگ ہم سے توبہ کرانے کی درخواست کرتے ہیں اگر اجازت ہو تو ہم ان کو توبہ کرا دیا کریں سو اس کے جواب میں اگر لکھ دوں کہ کرا دیا کرو تب تو یوں سمجھیں گے کہ ہمیں بیعت کی اجازت ہو گئی۔ اور اگر نہ لکھوں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ توبہ کرنے سے روکتے ہیں بس میں یہ لکھ دیتا ہوں کہ ہاں توبہ کرا دیا کرو۔ مگر دور بٹھا کر اور ہاتھ میں ہاتھ نہ لو یہ اس لئے لکھتا ہوں کہ عوام الناس بدون ہاتھ میں ہاتھ لئے بیعت ہی نہیں سمجھتے اس لئے ایسا کرتا ہوں (مناسب تدبیر کرنا تو حضرت والا کا حصہ ہے۔ جامع)

اسکولوں کی تعطیل میں بچے کیا کریں

ارشاد: میں تو اکثر انگریزی پڑھوانے والوں سے کہا کرتا ہوں کہ اسکولوں میں جو بچے پڑھتے ہیں ان کو تعطیلات میں اللہ والوں کی صحبت میں رکھا جائے خواہ وہاں جا کر نماز بھی نہ پڑھیں مگر عقائد و خیالات تو درست ہوں گے اب تو آزادی بیحد ہو رہی ہے جو پہلے انگریزی خوانوں میں نہ تھی وجہ یہ ہے کہ ان کی پرورش دینداروں کی آغوش میں ہوتی تھی اور اب انگریزی خوانوں کی آغوش میں ہوتی ہے۔ آگے اور زیادہ اندیشہ ہو رہا ہے یہ سنبھالنے کا وقت ہے نازک وقت ہے فقط۔

بے طریقہ پیر کی بددعا سے نہ ڈرنا چاہئے

واقعہ: ایک پیر تھے جو نماز تک بھی نہیں پڑھتے تھے ایک عورت ان سے بیعت تھیں۔ ان کی

طبیعت ان سے ہٹی اور حضرت کی طرف رجحان ہوا مگر ان کا یہ خیال تھا کہ اگر ایسا کروں تو پہلے پیر بد دعا کریں گے حضرت سے ایک صاحب نے ان کا خیال ظاہر کیا تو فرمایا۔

ارشاد: بالکل نہ ڈریں ایسی بد دعا سے کچھ نہیں ہوتا اگر ناحق بد دعا کی تو انہی پر لوٹے گی پھر حضرت نے حاضرین سے فرمایا یہاں تو نہ تصرف ہے نہ کرامت نہ زور ہے نہ دعویٰ ہاں اللہ تعالیٰ کا راستہ بتلاتے ہیں اور جو اس پر عمل کرتا ہے اس سے جی خوش رہتا ہے البتہ راستہ ایسا بتلاتے ہیں جو بالکل سچا سیدھا سہل ہے اس راستہ پر چلنے والے کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم نہیں دیکھا۔ (پھر حضرت نے ان پیر کے متعلق فرمایا) جو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ وہ تو دشمنوں کے لئے بھی بد دعا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ بد دعا کرتے ہوں تو ان میں بزرگی وزرگی خاک بھی نہیں فقط۔

منی آرڈر کا مسئلہ

واقعہ: منی آرڈر کا مسئلہ درپیش تھا کہ یہ جو فیس دیجاتی ہے یہ سود ہے اس پر فرمایا۔

ارشاد: فیس جز وقرض نہیں جو سود ہو کیونکہ ان کو لکھنا پڑھنا بھی تو پڑتا ہے یہ فیس اس کی اجرت ہے اس میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے پھر فرمایا کہ نفعل ثم نستغفر، فقط۔

قانون دنیاوی نے کسی مذہب وملت کی رعایت نہیں کی

واقعہ: لوگ نوٹ وغیرہ کے مسائل دریافت کر رہے تھے اور نوٹ میں کمی زیادتی کے متعلق پوچھ رہے تھے مسائل بتلا کر فرمایا۔

ارشاد: قانون ملکی اپنے مصالح پر نظر کر کے مرتب کیا گیا ہے اس میں رعایت کسی مذہب وملت کی نہیں کی گئی اس لئے مذہب پر منطبق ہونا مشکل ہے اور شریعت نے دوسروں کے مصالح پر نظر کر کے اپنا قانون مقرر کیا ہے۔

گھی زیادہ مرغوب شے نہیں ہے

ارشاد: دعوت میں تکلف بہت ہو گیا۔ گھی بیحد ڈالدیتے ہیں کہ کھانے کا نہیں رہتا۔ میں نے ایسے ہی ایک صاحب سے کہا تھا کہ قرآن شریف سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھی کچھ زیادہ رغبت کی چیز نہیں وہ متعجب ہو کر پوچھنے لگے قرآن مجید میں کہاں ہے میں نے کہا دیکھئے سورۂ محمد میں جنت کی

صفت میں ارشاد ہے فیھا انھار من ماء غیر آسن الخ یعنی جنت میں چار نہریں ہوں گی ایک پانی کی ایک دودھ کی ایک شراب طہور کی ایک شہد کی جو چیزیں مرغوب تھیں ان کا ذکر کیا گیا اگر گھی بھی زیادہ مرغوب شے ہوتی تو اس کا بھی ذکر ہوتا معلوم ہوا اس سے کہ وہ کوئی زیادہ رغبت کی چیز نہیں۔

حضرت کو دوسروں کی آسائش کا خیال

واقعہ : ایک وکیل صاحب حضرت والا کی خدمت میں آئے ہوئے تھے جن کے پاؤں میں فالج کے اثر سے لنگ ہو گیا تھا حضرت ایک جگہ تشریف لیجانے لگے میں نے کمرہ مقفل کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مونڈھے، کرسی باہر رکھ دو شاید وکیل صاحب آئیں اور ان کو تکلیف ہو اور بعد واپسی فرمایا۔

ارشاد: مجھے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رہتا ہے پھر بھی لوگ کہتے ہیں بڑا سخت ہے بڑا سخت ہے۔

ریل میں پندرہ سیر سے زیادہ اسباب

واقعہ : یہ ذکر تھا کہ لوگ ریل کے تیسرے درجہ میں پندرہ سیر سے زیادہ اسباب لیجاتے ہیں جو کہ ناجائز ہے اس پر فرمایا۔

ارشاد: میں ایک دفعہ سہارنپور سے پونڈے کانپور لے گیا۔ میں نے وزن کرانا چاہا تو ریل والوں نے کہا کہ ویسے ہی رکھ لیجئے میں نے کہا کہ یہاں تو آپ رکھوا دیں گے لیکن اگر کسی نے آگے روک ٹوک کی تو کیا ہوگا کہا کہ ہم گارڈ سے کہہ دیں گے میں نے کہا کہ جب غازی آباد میں گارڈ بدلے گا تو کیا ہوگا کہ وہ اس دوسرے سے کہہ دیگا وہ کانپور تک ساتھ رہے گا پھر آپ کانپور اتر ہی جائیں گے۔ میں نے کہا پھر آگے کیا ہوگا تو کہا کہ بس سفر ختم ہوا۔ میں نے کہا کہ اور مقام پر بھی جانا ہوگا کہ وہ آخرت ہے وہاں اگر پوچھ ہوگی تو کون ساتھ دے گا۔ بس چپ رہ گئے اور وزن کر کے ایک روپیہ محصول کا لیا۔

ہدیہ میں حضرت کا عمل

واقعہ : ایک صاحب نے ایک روپیہ پیش کیا جو بیعت تھے اور مبلغ پندرہ روپیہ کے نوکر تھے اس

پر فرمایا۔

ارشاد: آپ کی حیثیت سے بہت زیادہ ہے مجھے تو چار آنہ دیدیئے ہوتے کافی تھے۔ پھر ان کے اصرار پر لے لیا۔ اور فرمایا میں تو اس انداز کو پسند کرتا ہوں کہ ایک روز کی آمدنی سے زیادہ نہ دے چاہے برس ہی روز میں دے۔

مختصر ہدیہ سے راحت ہوتی ہے قلب پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آپ صاحبوں کی دعا سے بہت آرام میں ہوں میرے واسطے زیادہ فکر کی ضرورت نہیں میرا خرچ ہی کیا ہے (وہاں تھانہ بھون میں) کچھ بھی خرچ نہیں ہے۔ ہم تین آدمی ہیں دو گھر میں سے ایک میں۔ باقی اگر خود خرچ بڑھالوں تو وہ اور بات ہے فقط۔

واقعہ : جس روز حضرت والا کی واپسی کا دن تھا۔ اور واپسی کا وقت شام کا تھا ایک صاحب سے ملنا تھا اور وہ خاص لوگوں میں تھے اور بیمار تھے باہر نہ آسکتے تھے انہوں نے صبح کے وقت ملنا چاہا تو اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

خاص شخص سے سفر کی واپسی میں اخیر میں ملے

ارشاد: تیسرے پہر کو ملنا اچھا ہے۔ اگر اس وقت مل لیں گے تو پھر چلنے کے وقت نہ ملنے کی حسرت باقی رہے گی۔ (اس کے بعد فرمایا) حضور ﷺ جب کسی سفر میں تشریف لیجاتے تو حضرت فاطمہؓ سے بالکل اخیر میں ملتے اور جب تشریف لاتے تو سب سے پہلے ان سے ملتے تا کہ مفارقت کا زمانہ کم ہوتا۔

دلائل الخیرات کونسی پڑھے

واقعہ : ایک صاحب نے سوال کیا کہ کونسی روایت کی دلائل الخیرات پڑھیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: دلائل الخیرات سے اصل مقصود یہ ہے کہ درود شریف پڑھیں سو اس میں سب برابر ہیں

عبادت میں برکت جاتی رہتی ہے معصیت سے

ارشاد: معصیت سے عبادت میں برکت جاتی رہتی ہے اس میں نورانیت نہیں رہتی ہے جیسے کوئی دوا کھائے اور بدپرہیزی بھی کرے۔

دوا کی خاصیت تو رہے گی مگر قوت گھٹ جائے گی۔ اسی طرح معصیت کی وجہ سے

طاعت کی قوت گھٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے ہم لوگوں کو مدت ہوئی نماز روزہ کرتے ہوئے مگر اب تک ہم میں نورانیت نہیں ہوئی ہے۔ بڑی چیز گناہ کا چھوڑنا ہے لوگوں کا اکثر وظیفہ نوافل کا اہتمام ہے مگر معاصی کے ترک کا اہتمام نہیں ہے اور یہی سب سے بڑی چیز ہے فقط۔

خدا کے اسرار وہی جانتا ہے

واقعہ : کچھ کچھ ترشح ہونے لگا بادل خوب گھرا ہوا تھا اس وقت فرمایا۔

ارشاد: پچھلی بارش تو خوب ہوئی تھی دیکھئے اب بھی ہوتی ہے یا نہیں پھر فرمایا کہ خدا کے اسرار خدا ہی جانتا ہے۔ بعض اسرار خود اپنے ہم جنسوں کے سمجھ میں نہیں آتے تو خدائے تعالیٰ کی سلطنت کے اسرار کیا سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ جو چیز سمجھ میں نہیں آتی اس میں وسوسے آیا کرتے ہیں مگر ان کو دفع کر دینا چاہئے پھر علماء تو ان کو دلائل سے دفع کرتے ہیں اور صوفیہ کے یہاں اس کا علاج صرف یہ ہے کہ محبت پیدا کرے حق تعالیٰ سے جس سے ان کی جڑ ہی قطع ہو جائے گی۔
محبت عجیب چیز ہے کیونکہ محبوب کا ہر فعل اچھا ہی معلوم ہوتا ہے۔ شعر:

ناخوش تو خوش بود بر جان من ☆ دل فدائے یار دل رنجان من

الفاظ کا تصور نماز میں خدا کو چھوڑ کر کیوں کریں

واقعہ : میں نے عرض کیا کہ حضرت خدا کا تصور تو بہت آسان ہے نماز میں پھر الفاظ ومعنی کا تصور کیوں کرے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

ارشاد: بعض کو غائب کا تصور کم جمتا ہے ذہن سے نکل جاتا ہے ایسی تدبیریں ان کے واسطے ہیں مثلاً یہ کہ نماز واذکار کی طرف توجہ رکھیں اور بعض کو خدا تعالیٰ کا تصور آسان ہوتا ہے ان کو ان تدبیروں کی حاجت نہیں ان کے لئے یہ ہے: **راقب اللہ تجدہ تجاھک** اور یہ اختلاف استعداد پر مبنی ہے فقط۔

میں سختی چھوڑ دوں گا

ارشاد: میں جو لوگوں کے ساتھ ان کی اصلاح کیلئے سختی کرتا ہوں اب چھوڑ دوں گا۔ کیونکہ کچھ نفع نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ جتنی دماغ سوزی اس طرف سے کی جاتی ہے۔ دوسری جانب کو کچھ بھی توجہ نہیں ہے اور عمل کا قصد نہیں کرتے۔ اور یہ تمام تر خرابی اس کی ہے کہ تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے

ہیں۔اس لئے قصد ہے کہ اس کو چھوڑ دوں گا۔یوں کہہ دیا کروں گا کہ جس کا جی چاہے پاس رہ کر صرف باتیں سن لیا کرے اور زیادہ ضرورت ہو تو کسی خاص شخص سے تعلق رکھیں۔تعلیم وہاں سے حاصل کریں۔میری تو باتیں بھی کافی ہیں تربیت کے لئے کیونکہ میرے یہاں تو صرف یہی باتیں ہوتی ہیں۔اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی پھر (مجھ سے فرمایا) آپ نے تو دیکھا ہے فقط۔

ایک صاحب کا مدرسہ کی ملازمت چھوڑنے کا قصہ

واقعہ: ایک صاحب نے ملازمت مدرسہ کی چھوڑنے کا قصد کرلیا تھا یہ صاحب حضرت کے قریب کے رشتہ دار ہیں ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ متفق تھی قصد یہ تھا کہ بلاتنخواہ کہیں پڑھائیں گے فقط۔

ارشاد: الحمدللہ میرے ایسے دوستوں کا عدد بڑھتا جاتا ہے جو نفور ہوتے جاتے ہیں نوکری سے اور پھر پریشانی کسی کو نہیں ہوتی اور علم دین کی تعلیم پر گو لینا جائز تو ہے مگر پھر بھی طبیعت کھٹکتی ہے خلوص تو وہ ہے کہ عمل خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو رہا سامان معاش سو یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے دین کی خدمت کریں۔اور لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے ان کی خدمت کریں اور یہ بات مناسبت کی جگہ آسان ہے اسی لئے میں نے ان کو ایسی جگہ رہنے کی رائے دی تھی کہ وہاں کے لوگ ان سے مانوس اور قدر دان ہیں۔اجنبی جگہ ٹھیک نہیں اول ہی وہلہ میں ایسی مساعدت اسباب سے مناسب نہیں ہے ممکن ہے کہ پریشانی بڑھ جائے فقط۔

قلب کا جاری ہونا کسے کہتے ہیں

واقعہ: قلب کے جاری ہونے کا ذکر تھا جس کو خدا جانے کیا کیا سمجھ رہے ہیں حضرت نے اس کے متعلق بیان فرمایا۔

ارشاد: میں جب مکہ میں غار ثور پر گیا پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے سب ساتھیوں کا سانس چڑھ گیا دل دھڑکنے لگا۔میں نے کہا لو بھائی دل جاری ہوگیا اگر اس کی یہی حقیقت ہے۔شاہ عبدالرحیم صاحب کا قصہ انفاس العارفین میں ہے۔

ان کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا کہ میرا قلب جاری ہوگیا جب وہ چلا گیا فرمانے لگے لوگوں کو خبط ہے اختلاج قلب ہوجاتا ہے اس کو دل کا جاری ہونا سمجھتے ہیں۔قلب جاری ہونے کے صحیح معنی یہ ہیں کہ یادداشت کا ملکہ پیدا ہوجائے اس کے متعلق یہاں تک غلطی میں ابتلا ہے کہ

بعض مشائخ کو دیکھا ہے۔ کہ تسبیح چل رہی ہے اور باتیں بھی کر رہے ہیں۔

میں نے کہا کہ دو طرف توجہ کیسے ہو سکتی ہے کہا قلب جاری ہے۔ تصوف کا بھی ناس کر دیا۔ تصوف حقیقت میں ایک فلسفہ باطنی ہے جس کی ساری باتیں قرآن وحدیث کے مطابق ہیں مگر لوگوں نے اس کو بالکل ایک نیا فن بنا رکھا ہے۔ البتہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھ کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ فلسفہ اس کے سامنے بالکل گرد ہے اس کی ساری باتیں عقل ونقل سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ابتدا میں بعض کی سمجھ میں نہ آئیں مگر ذرا مناسبت کے بعد پھر سمجھ میں آ جاتی ہیں۔

اتنا فرق ہے کہ فلسفہ کلام کے سمجھنے میں نرا قول کافی ہے اور یہاں حال کی ضرورت ہے مگر اب تو تصوف محض رسم کا نام رہ گیا ہے ایک ڈاکٹر دیندار فہیم تصوف کے سخت منکر تھے غیر مقلد بھی تھے۔ بعض امراء آرام کے واسطے غیر مقلد ہو جاتے ہیں۔

انہوں نے گھر میں کا علاج کیا تھا اس سبب سے ان سے ملنا جلنا ہوا بہت محبت کرتے تھے۔ کبھی فیس بھی نہیں لی۔ بلکہ خود گاہ گاہ میری دعوت بھی کی۔ انہوں نے ایک دفعہ تصوف کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے اور خود ہی تصوف کی حقیقت بھی بیان کی معلوم ہوا وہ حقیقت اس کی بعض اشغال اور بعض مواجید سمجھے ہوئے تھے میں نے کہا یہ تو بیشک واجب الانکار ہے۔

اس کے بعد میں نے حقیقت بتلائی پھر تو دعائیں دینے لگے کہ خدا خوش رکھے بڑی غلطی سے نکالا پھر مجھ سے تعلیم کی درخواست کی میں نے کہا کہ قرآن شریف کی زیادہ تلاوت کیجئے انہوں نے کہا کہ اس کا تو مجھے خود بڑا شوق ہے۔ صاحب میں تو یہ سمجھتا تھا کہ ضربیں لگانا پڑیں گی۔ بات یہ ہے کہ ہر شخص کے مناسب جدا طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ میں نے بعض کو نفل بتلائے ہیں۔ ان کو قرآن کی تلاوت بتلائی اکثر کو ذکر و شغل بتلاتا ہوں۔ اب تو مشائخ نے چند شغل اور ذکر لئے ہیں۔ اور بس حالانکہ طریق تین چیزیں ہیں:

تلاوت، نماز، ذکر۔ اور اتفاق سے مجھے یہ سب ایک آیۃ میں مجتمع مل گئی ہیں:

اتل مااوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔

باقی اس کی ترتیب اور کمی بیشی یہ شیخ کی رائے پر ہے کہ کس کے لئے کیا مناسب ہے۔ اور کس کے لئے کیا پھر ان تین میں بھی زیادہ اصل مقصود تلاوت ونماز ہے جو کہ ذکر کی بھی فرد ہیں

ہیں۔ رہا ذکر متعارف سوا سے ان ہی دو کے لئے مہیا کیا جاتا ہے۔ جیسے وضو کہ اس سے مقصود نماز ہی ہے۔ مگر پھر بھی نماز پر مقدم اسی لئے مبتدی کے لئے زیادہ مناسب ہے اور نافع ذکر ہی کی زیادتی ہے گو زیادہ مقصود نماز و تلاوت ہے۔

آج کل کے جلسے

واقعہ: معلوم ہوا کہ کانپور میں کوئی جلسہ ہے اور اس میں مختلف مزاج کے لوگ بلائے گئے ہیں۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: میں تو آجکل کے جلسوں کو جھلسا کہا کرتا ہوں اکثر میں تفاخر و شہرت ہی مقصود ہے فقط

واقعہ: ایک شخص کی بہو دس سال سے بیمار تھی اس نے تعویذ مانگا۔

اگر تعویذ سے اثر نہ ہوا تو خدا کے کلام کو ناقص نہ سمجھے

ارشاد: میں عامل تو ہوں نہیں۔ لیکن تعویذ کر دوں گا اگر فائدہ نہ ہو تو یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تاثیر نہیں۔ یہ میں نے اس لئے اطلاع کر دی کہ کبھی یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ناقص ہے۔ بلکہ اس کو میرا نقص سمجھنا دوسرے ایسی تاثیرات کا کہیں وعدہ بھی نہیں ہے جس سے وہ شبہ ہو سکے۔

مخالف کے پیچھے نماز

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کسی کو کسی کے ساتھ مخالفت ہے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں فرمایا۔

ارشاد: حضرت عثمانؓ سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ آپ سے جتنے لوگوں نے بغاوت کی ہے وہ لوگ نماز پڑھاتے ہیں ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا نماز اچھی چیز ہے اچھے کام میں شریک رہو۔ برے کام میں شریک مت ہو۔ آپ نے دلیل کیسی اچھی بیان کی۔ پھر جب عثمانؓ کے برا کہنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے خود حضرت عثمانؓ کے فتوے سے تو پھر اور لوگوں کے پیچھے کیوں نہ درست ہو گی فقط۔

ارشاد: اگر استاد ہندو بھی ہو اس کا بھی ادب چاہئے استاد بڑی چیز ہے فقط۔

ایک صاحب کا سوال اور اس کا قابل قدر جواب

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ قرآن شریف میں ہے ومن لم یحکم بما انزل

الله فاو ٰلئک هم الکافرون آ گے ہے۔ **ومن لم یحکم بما انزل الله فاو ٰلئک هم الفٰسقون.**

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو آجکل کے حکام فیصلہ کرتے ہیں حکم دیتے ہیں سب من لم یحکم ہیں داخل ہیں کیونکہ شرع کے موافق ایک بھی حکم نہیں ہوتا چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ رجم نہیں ہوتا۔ بس سب قرآن وحدیث کے خلاف ہی حکم دیتے ہیں۔ اس لئے سب کافر، ظالم، فاسق ہوئے اس کے متعلق حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: اس کے لئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے اور وہ بڑے کام کی بات ہے پہلے اس مقدمہ کو سمجھ لیجئے اس مقدمہ کے سمجھنے میں اکثر سے کوتاہی ہوئی ہے اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ احکام میں خصوص مورد کا اعتبار نہیں ہے عموم الفاظ کا اعتبار ہے لہٰذا یہ آیتیں بھی اگرچہ خاص مورد میں وارد ہوئیں مگر اس مورد کے ساتھ خاص نہ ہوں گی تو اس قاعدہ کا مقتضا یہ ہوگا کہ علماء یہود کے ساتھ خاص نہ ہوں گی۔ بلکہ دوسروں کو بھی عام کیونکہ الفاظ عام ہیں گو مورد خاص ہے اگر یہ قاعدہ اصول فقہ کا نہ ہوتا تب تو توجیہہ بہت سہل تھی کہ یہ آیت عام نہیں ہے۔

دوسرے یہ فرق مفید ہوتا کہ ان یہود میں اور اوروں میں فرق ہے وہ یہ کہ وہ لوگ خلاف ماانزل اللہ کے حکم کرنے پر فخر کرتے تھے اور جو مسلمان اب کرتے ہیں وہ برا سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور یہ اصول کا مسئلہ ہے کہ گناہ کو مستحسن سمجھ کر کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اور فاسق وظالم قرآن کی اصطلاح میں مرادف کافر کا ہے۔

پس اس کلیہ کے اعتبار سے کفار اور مسلمانوں میں فرق ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ اصولیہ کی بنا پر یہ جواب بھی نہیں ہوسکتا ہے پس جو لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں یعنی اہل حکومت ان کے اس وعید میں شامل ہونے کا اشکال اب بھی رہا۔ پس اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ جو اصول فقہ میں ہے کہ خصوص مورد کا اعتبار نہیں۔ بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے۔

میں نے اس کا ایک مطلب سمجھا ہے اس بنا پر کچھ اشکال نہیں رہتا اور بہت جگہ اس سے اشکالات اٹھ جاتے ہیں۔ اور وہ پڑتا یہ ہے اس عموم میں ایک حد ہے ایسا عموم نہیں کہ اس کی کوئی حد ہی نہ ہو۔ بلکہ اس میں ایک قید ہے اور پہلے اس کی دلیل بیان کئے دیتا ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سفر میں ایک شخص پر روزہ کی حالت طاری ہوگئی تو آپ نے سب کو دیکھ کر فرمایا۔ اس کو کیا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا روزہ ہے تو آپ نے اس پر فرمایا **لیس من البر الصیام فی السفر**

کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کی بات نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ مورد اس کا خاص ہے مگر الفاظ عام ہیں اگر عموم الفاظ کا ایسا اعتبار کیا جائے۔ اس کو کسی قید سے مقید نہ کیا جائے تو اس کا قائل ہونا پڑیگا۔ کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہی نہیں۔ بلکہ بری بات ہے۔ حالانکہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے۔ گو افطار بھی جائز ہے تو اب اس صورت میں اس نص پر اشکال لازم آئے گا۔ اس اشکال کے رفع کرنے کے لئے ضرور اس کا قائل ہونا پڑے گا۔ کہ اس عموم کی کوئی حد ضرور ہے عموم علی الاطلاق نہیں۔ اور وہ عموم محدود یہ ہے کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو۔ تب یہاں قرائن میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قرائن سے متکلم کا ارادہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کا ارادہ اتنے عموم کا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں بھی قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ اگر ایسی حالت ہونے کا احتمال ہو تو روزہ نہ رکھنا چاہئے اور اگر کوئی کہے کہ تخصیص کے بعد عموم کہاں رہا تو میں کہتا ہوں کہ عموم اس طرح رہا کہ روزہ نہ رکھنا اسی شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ جس کی بھی ایسی حالت ہو جائے تو وہ روزہ نہ رکھے خواہ کوئی بھی ہو پس جب یہ سمجھ میں آ گیا۔ ہے کہ عموم سے مراد وہ عموم ہے کہ مراد متکلم کی ہو۔ علی الاطلاق نہیں تو آیت کے قرائن مقامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ غیر ما انزل اللہ کو مستحسن سمجھ کر اس پر فیصلہ کرتے تھے تو جو شخص ایسا کرے جیسا وہ کرتے تھے وہ بیشک اس وعید میں داخل ہے اور اب جو لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں وہ مستحسن سمجھ کر نہیں کرتے ہیں اس لئے یہ وعید ان کو شامل نہ ہوگی۔ گو یہ فعل ان کا برا ہو مگر اس وعید کفر سے تو خارج ہے اب رہی یہ بات کہ جو شخص ایسا کرے وہ تو کافر ہوگا۔ پھر ظالم اور فاسق کیوں فرمایا۔ بات یہ ہے کہ اوپر گزر چکا کہ یہ قرآن شریف کی اصطلاح ہے کہ ظالم اور فاسق سے مراد کافر ہوتا ہے اصل اصطلاح تو یہی ہے۔ ہاں اگر کہیں قرینہ قوی خلاف کا ہو تو یہ مراد نہ ہوگا۔ جیسے حضرت آدمؑ کے بارہ میں فتکونا من الظلمین۔

یہاں قرینہ موجود ہے کہ فسق اصطلاحی بھی مراد نہیں اب اس کی مثال لیجئے جہاں عموم الفاظ کے ساتھ ارادہ متکلم میں بھی تخصیص نہیں۔ جیسے لعان کہ وہ واقعہ خاص صحابی کو پیش آیا تھا۔ ان کے قصہ میں لعان نازل ہوا۔ مگر بلا تخصیص ہر شخص کو عام ہے جو بھی تہمت لگائے وہاں اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے کہ بالکل عموم ہو بہر حال اس قاعدہ کو تو سب مانتے ہیں اور سب کی زبان زد ہو گیا ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے خصوص مورد کا اعتبار نہیں۔ کسی اہل علم نے اس قاعدہ کا رد نہیں کیا نہ رد کرنے کی بات ہے۔ مگر ہم عموم میں ایک حد لگاتے ہیں اور دوسرے لوگ حد نہیں لگاتے۔ مگر کہیں نہ کہیں ان کو بھی اس طرف مضطرب ہونا پڑتا ہے۔ باقی یہ بات کہ جن سزاؤں کا اس زمانہ میں حکم

یا جاتا ہے۔ ان کا حکم دینا گواس وعید میں داخل نہ ہو۔ مگر معصیت تو ضرور ہے تو اس میں کوئی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ احکام ما انزل اللہ کے ساتھ منافی تو نہیں ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ مثلاً کسی موقعہ میں مقصود حد ہے مگر اس پر حاکم کی طرف سے اختیار نہ ہونے کے سبب قدرت نہیں۔ پس اس کی جگہ تعزیر اگر مقرر کی ہے تو تعزیر مقصود میں حد کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ غرض اس حد اور تعزیر کی ایک ہی ہے۔ اور وہ زجر ہے تو اس اعتبار سے اس میں حکم شرع کی مزاحمت نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی قانون شرع کے ساتھ مزاحم ہو جیسے موروثی کا قانون ہے صاحب شریعت تو کہتے ہیں کہ یہ صاحب حق کا حق ہے اور حاکم کہتا ہے کہ حق نہیں ہے۔ پس اس میں مزاحمت ہے شریعت کی سو یہ کسی طرح درست ہی نہیں میں نے ایک تعلیم یافتہ کے سامنے یہ تقریر بیان کی تو اس کی تسلی ہوگئی میں فتویٰ تو نہیں دیتا۔ مگر اس وقت مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسی حکومتیں قبول کرلیا کریں۔ اور یہ اس قاعدہ میں تو داخل ہے کہ اشد المفسد تین کے رفع کرنے کے لئے اخف المفسد تین کو اختیار کرلیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی برا۔ مگر بہ نسبت دوسرے مفسدہ کے پھر اخف ہے اور وہ مفسدہ اشد یہ ہے کہ ہماری قوم بالکلیہ ہی دوسروں سے مغلوب نہ ہو جائے کیونکہ اگر ہم بھی حاکم ہوں گے تو ہم پر ظلم کم ہوگا پس اس نیت سے اگر عہدہ لے لے۔ تو مصلحت ہے مگر میں فتویٰ نہیں دیتا۔ فتویٰ دیکر کون تختہ مشق بنے۔ اس مصلحت کی ایک نظیر بیان کرتا ہوں پورب کے بعض دیہات کی نسبت معلوم ہوا کہ وہاں بہت سے مسلمان آریہ ہونے والے ہیں۔

چنانچہ بہت سے علماء وہاں گئے تھے میں بھی گیا تھا وہاں ایک مسلمان شخص تھا ادھار سنگھ میں نے اس سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم آریہ بنو گے تو اپنے شبہات دور کرلو۔ کہنے لگا کہ آریہ کا ہے نہت ہم تو تاجیہ (تعزیہ) بناوت ہیں۔

میں نے کہا کہ ہاں خوب بنایا کرو تعزیہ۔ اس کو مت چھوڑنا۔ سو اس میں میں نے اس کو بدعت کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ کفر سے بچانا چاہا اخف المفسد تین کو گوارا کرلیا۔ کیونکہ آریہ بننا تو کفر ہے اور یہ بدعت ہے جو اس سے اخف ہے۔ اب کوئی کوڑ مغز اس سے یوں سمجھنے لگے کہ لو صاحب تعزیہ بنانے کی اجازت دیدی سو میری یہ غرض نہ تھی اسی وجہ سے میں تختہ مشق بننے کے لئے فتویٰ نہیں دیتا میں نے اپنی رائے بیان کردی۔ میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ رشوت لینا گناہ ہے۔ خیر اگر کم ہمتی سے ضرورت ہی سمجھتے ہو تو لو۔ مگر برا تو سمجھو اور اکل حلال کی فکر کرو کوشش میں

ورنہ ہیں پر بعض [illegible] کہا کہ کیسے مولوی ہیں جو رشوت کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ حال رہ گیا ہے۔ اس زمانہ میں فہم کا اس وجہ سے میں فتوی نہیں دیتا ایک رائے بیان کر [illegible] نزدیک تھی۔ فقط۔

عصر کی اذان و جماعت کا وقت مثلین پر ہوتا ہے اور اس میں بے احتیاطی

واقعہ: حضرت والا جامع مسجد میں کہ وہاں ہی نماز پڑھا کرتے تھے عصر کے وقت تشریف لے گئے مؤذن نے آکر کہا کہ نماز (یعنی جماعت) کا وقت ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جو امام ہیں ان سے کہئے ہم تو نماز اس وقت پڑھائیں گے جب وقت ہو جائے گا۔ چنانچہ سایہ ناپا گیا تو مثلین نہ ہوا تھا اتنے میں تکبیر ہوگئی۔ ایک صاحب مؤذن کو منع کرنے چلے حضرت نے فرمایا آپ کیوں منع کرتے ہیں آپ کو کیا حق ہے منع کرنے کا البتہ اپنے نفس پر اختیار ہے کہ خود شریک نہ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا۔

ارشاد: مہتمم مسجد کو چاہئے کہ وہ اس کا انتظام کریں اور ایک دھوپ گھڑی بنالیں جو نصف النہار سے ملی رہے دوسری جو گھڑیاں ہیں وہ توپ سے ملی ہوئی ہیں۔ اس بے پروائی پر سخت تعجب ہوتا ہے اب یہ چاہئے کہ امام صاحب کا جو قول ہے کہ مثلین پر وقت عصر کا ہوتا ہے یا اس کو چھوڑ دیا جائے یا مثلین پر اذان ہونی چاہئے کسی اصول کا تو اتباع چاہئے۔ اگر اس قول کو لیتے ہیں تو اس کا اتباع کرو اور ہر حال میں احتیاطی وقت مثلین ہے (اذان مثلین سے پیشتر ہوگئی تھی۔ اس کی بابت ذکر ہوا کہ اس کا اعادہ کیا جائے تو فرمایا۔

خیر اذان تو ہوگئی دوبارہ اذان کہنے میں گڑبڑ ہوگی۔ اور اختلافی وقت تو تھا ہی اذان کو رہنے دیجئے۔ بعد نماز فرمایا۔ یہاں مہتمم کون ہیں۔ ان بھلے مانس سے کہو کہ اس کا انتظام کریں نمازیں غارت ہوتی ہیں (پھر فرمایا)

کچھ انتظام معلوم ہی نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے کہ جب تک کسی معین آدمی کے ذمہ کوئی کام نہ ہوا انتظام نہیں ہوتا بہت سے آدمیوں میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اس پر ٹالتا ہے اور وہ اس پر۔ (پھر فرمایا)۔ جس قدر سایہ عین نصف النہار کے وقت ہوتا ہے اس کو چھوڑ کر دو مثل ہونا چاہئے جب عصر کا وقت ہوتا ہے فقط۔

بترتیب جدید

دعوات عبدیت اور دوسرے سینکڑوں مواعظ کا مجموعہ 32 جلد

نام	نمبر	قیمت	نام	نمبر	قیمت
دنیا وآخرت	1	159/-	سنت ابراہیم	17	171/-
علم وعمل	2	180/-	مفاسد گناہ	18	180/-
دین ودنیا	3	163/-	آدابِ انسانیت	19	180/-
حقوق وفرائض	4	177/-	حقوق الزوجین	20	173/-
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	5	177/-	تدبیر وتوکل	21	195/-
نظام شریعت	6	177/-	ذکر وفکر	22	180/-
حقیقت عبادت	7	180/-	راہِ نجات	23	171/-
حقیقت مال وجاہ	8	189/-	موت وحیات	24	141/-
فضائل صبر وشکر	9	195/-	حدود وقیود	25	180/-
فضائل صوم وصلوٰۃ	10	180/-	اصلاح اعمال	26	195/-
حقیقت تصوف وتقویٰ	11	180/-	فضائل علم	27	186/-
محاسن اسلام	12	177/-	اصلاح ظاہر	28	180/-
دعوت وتبلیغ	13	150/-	اصلاح باطن	29	165/-
جزا وسزا	14	150/-	خیر الاعمال	30	195/-
تسلیم ورضا	15	177/-	رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم	31	165/-
برکات رمضان	16	171/-	فہرست عنوانات	32	181/-

تقریباً سولہ ہزار صفحات پر مشتمل خوبصورت 32 جلدیں قیمت 5620/-

مکمل سیٹ خریدنے پر خصوصی رعایت دی جائے گی۔